رسائلِ نعیمیہ

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
کے آٹھ مختلف رسائل اور چھوٹی کتب کا مجموعہ



رسائلِ نعیمیہ

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
کے آٹھ مختلف رسائل اور چھوٹی کتب کا مجموعہ

صاحبزادہ اقتدار احمد خاں نعیمی قادری بدایونی مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

ناشر:
نعیمی کتب خانہ
۵ الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ ۴۰ اردو بازار لاہور

قیمت 165/- روپے

کمپیوٹر کوڈ 1Z97

فہرستِ رسائل

مُسَمّٰی بِاِسْمِ تَارِیْخِی

محامدِ پیغمبری

۱۳ ھ ۵۷

مُلَقَّب بہ

دیوانِ سالک

مع اضافاتِ جدیدہ

حضرت حکیم الامت مُفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نعیمی کتب خانہ

تعارف دیوانِ سالک

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم

یہ دیوانِ سالک، جس کا تاریخی نام ہے محامدِ پیغمبری اس دیوانِ شریف کو قدوۃ العلماء زبدۃ الفضلاذی الید الطولیٰ فی العلوم النقلیہ و الفنون الحکمیتہ، حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت مفسرِ شہیر پروانۂ شمعِ رسالت سیدی وسندی ملاذی حضرت حکیم الامت الحاج مفتی احمد یار خان نعیمی قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ مبارکہ نے ۱۳۵۷ھ میں لکھا، جسے شروع حمد باری تعالیٰ سے کیا گیا ہے اور اس میں نعت مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تیرہ عدد ہیں اور اس میں نعت نمبر ۱۳ کا یہ شعر تو ہر خاص و عام زدِ زبان ہے۔

نثار تیری چہل پہل پر ہزار عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہان میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

علاوہ ازیں قصائد، مناجات، درود شریف، سلام، نظم، منظوم تفسیر، دعا، التجا وغیرہ سے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق فنافی الرسول خیر الانام کے مقام کی جھلک نمایاں ہوتی ہے کیونکہ حضرت حکیم الامت علیہ رحمۃ نے اپنے دیوان شریف میں فن شعری اور فن سخن کی تمام اصناف پر تیغ آزمائی فرمائی ہے اور عشاق کے لیے معطر معطر موتیوں کی لڑیاں سجادی ہیں، بس یوں کہیں کہ گل دستہ ایمان ہے اور یہ بھی بات ایسی کیونکہ حضرت حکیم الامت کے کلام مبارکہ سے عشق الٰہی، محبت شاہ کون ومکان ﷺ عظمتِ اہلِ بیت اطہار اور مقام و مرتبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان و تابعین عظام خصوصا حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ و استاذ محترم حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ ان سب بزرگوں سے کس قدر والہانہ محبت ولگاؤ کا اظہار ہوتا ہے مگر آپ کی شاعرانہ صلاحیتیں آپ کی بھرپور علمی شخصیت کی اوٹ میں چلی گئیں، ورنہ آپ علیہ الرحمۃ ملک کے معروف شعراء میں شامل ہوتے۔ اگر آج بھی کوئی محقق آپ کی شاعری پر کام کرے تو آپ علیہ الرحمۃ کی فنی عظمت کے کئی گوشے سامنے آسکتے ہیں، اسی لیے تو آج اہلِ ذوق بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے پڑھتے سنتے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ نے ہر نعت و قصائد و التجا پر حواشی سجا کر اسے اور چار چاند لگا دیئے ہیں جس کے دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اور دل کو سکون کی دولت میسر آتی ہے، لیجئے گل دستہ ایمان حاضر ہے۔

مُسمّٰی باسمِ تاریخی

محامدِ پیغمبری

۱۳ ھ ۵۷

مُلقّب بہ

دیوانِ سالک

مع اضافاتِ جدیدہ

حمد باری تعالیٰ

اے خالق و مالک ربِّ علیٰ سُبحان اللہ سبحان اللہ
تُو ربّ ہے میرا میں بندہ تیرا سُبحان اللہ سبحان اللہ

ہم منگتے ہیں تو معطی ہے ہم بندے ہیں تو مولیٰ ہے
محتاج تیرا ہر شاہ و گدا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہم جرم کریں تو عفو کرے ہم قہر کریں تو مہر کرے
گھیرے ہے جہاں کو فضل تیرا سبحان اللہ سبحان اللہ

تو والی ہے ہر بیکس کا تو حامی ہے ہر بے بس کا
ہر اک کیلئے در تیرا کھلا سبحان اللہ سبحان اللہ

رازق ہے مور و مگس کا تو غفار ہے نیک و بد کا تو
ہے سب پر تیری جود و عطا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہم عیبی ہیں ستار ہے تو ہم مجرم ہیں غفار ہے تو
بدکاروں پر بھی ایسی عطا سبحان اللہ سبحان اللہ

تیرے عشق میں رٹتے مرغ سحر تیرا نام ہے مرہم زخم جگر
تیرے نام پہ میری جان فدا سبحان اللہ سبحان اللہ

یہ سالک مجرم آیا ہے اور خالی جھولی لایا ہے
دے صدقہ رحمت عالم کا سبحان اللہ سبحان اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

١ نعت شریف

زمانہ نے زمانہ میں سخی ایسا کہیں دیکھا
لبوں پر جس کے سائل نے نہیں آتے نہیں دیکھا

مصیبت میں جو کام آئے گنہگاروں کو بخشائے
وہ اک فخرِ رسل محبوب رب العالمین دیکھا

بنایا جس نے بگڑوں کو سنبھالا جس نے گرتوں کو
وہ ہی حلال مشکل رحمۃ للعالمین دیکھا

وہ ہادی جس نے دنیا کو خدا والا بنا ڈالا
دلوں کو جس نے چمکایا عرب کا مہ جبیں دیکھا[1]

[1] اسلام سے پہلے ملکِ عرب اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے تمام دنیا سے زیادہ بگڑا ہوا تھا۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۵ پر)

بسے جو فرش پہ اور عرش تک اس کی حکومت ہو
وہ سلطانِ جہاں طیبہ کا اک ناقہ نشین دیکھا

وہ آقا[۱] جو کہ خود کھائے کھجوریں اور غلاموں کو
کھلائے نعمتیں دنیا کی کب ایسا کہیں دیکھا

بھلا[۲] عالم سی شے مخفی رہے اس چشمِ حق بیں سے
کہ جس نے خالقِ عالم کو بے شک بالیقیں دیکھا

مسلمانی کا دعوے اور پھر توہین سرور کی
زمانہ ــــ زمانہ بھر میں کب ایسا لعیں دیکھا

ہو لب پر اُمتی جس کے کہیں جب انبیاء نفسی
دو عالم نے اُسے سالک شفیع المذنبین دیکھا

۲ نعت شریف

خوفِ گنہ میں مجرم ہے آب آب کیسا
جب رب ہے مصطفےٰ کا پھر اضطراب کیسا

مجرم ہوں رُو سیہ ہوں اور لائق سزا ہوں
لیکن حبیب کا ہوں مجھ پر عتاب کیسا

سورج میں نور تیرا جلوہ تیرا قمر میں
ظاہر تو اس قدر ہے اس پر حجاب کیسا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) وہاں کے باشندے انسانیت کھو چکے تھے۔ آقائے دوجہاں نے صرف ۲۳ سال میں تمام ملک کی حالت پلٹ دی۔ چوروں کو رہبر، بُت پرستوں کو خدا پرست اور حیوانوں کو خدا گر بنا دیا۔ [۲] صفحہ گذشتہ) آسمان کا سورج صرف سامنے والی چیز کو چمکاتا ہے۔ مگر مدینہ کے سورج نے ہر طرف اور ہر زمانہ کے لوگوں کو ہر طرح چمکایا۔ [۱] (صفحہ ہذا) حضور کی سخاوت کا یہ عالم کہ ایک صحابی کے پیٹ میں لمبی گگڑی پیدا ہوئی وہ سرکار کی خدمت میں لائے انعام میں ایک لپ بھر سونا عطا ہوا مگر اپنی زندگی پاک کا یہ حال کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ہمارے گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی تھی صرف پانی اور کھجوروں پر گزر تھی [۲] غیبوں کی غیب ذاتِ الٰہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمنائے دیدار فرمادیں تو فرمایا جاتا ہے لن ترانی۔ جب حضور نے رب ہی کو دیکھا تو عالم کیا مخفی رہے ۵

دامانِ مصطفیٰ سے مجرم مچل رہے ہیں ۔۔۔ دارالاماں میں پہنچے خوفِ عذاب کیسا
مرقد[1] کی پہلی شب ہے دولہا کی دید کی شب ۔۔۔ اس شب پہ عید قرباں اس کا جواب کیسا
پڑھتا تھا جس کا کلمہ پایا انہیں بکیر د ۔۔۔ ہو لینے دو تصدّق اس دم حساب کیسا

سالک کو بخش یا رب گو لائقِ سزا ہے
وہ کس حساب میں ہے اس کا حساب کیسا

نعت شریف (۳)

نورِ حق جلوہ نما تھا مجھے معلوم نہ تھا ۔۔۔ شکلِ انسان میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا
بارہا جس نے کہا تھا اَنَا بَشَرٌ اس نے ۔۔۔ مَنْ رَاٰنِیْ بھی کہا تھا مجھے معلوم نہ تھا
بکریاں جس نے چرائی تھیں حلیمہ تیری ۔۔۔ عرش پر وہ ہی گیا ہے مجھے معلوم نہ تھا
جس نے امت کیلئے رو کے گزاریں راتیں ۔۔۔ وہ ہی محبوبِ خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند اشارے سے پھٹا حکم سے سورج لوٹا ۔۔۔ مظہرِ ذاتِ خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

دیکھا جب قبر میں اس پردہ نشیں کو تو کھلا
دل سالک میں رہا تھا مجھے معلوم نہ تھا

خاکِ مدینہ ہوتی میں خاکسار ہوتا ۔۔۔ ہوتی رہِ مدینہ میرا غبار ہوتا
آقا اگر کرم سے طیبہ مجھے بلاتے ۔۔۔ روضہ پہ صدقہ ہوتا ان پر نثار ہوتا
وہ بیکسوں کے آقا بے کس کو گر بلاتے ۔۔۔ کیوں سب کی ٹھوکروں پر پڑ کر وہ خوار ہوتا
طیبہ میں گر میسّر دو گز زمین ہوتی ۔۔۔ ان کے قریب بستا دل کو قرار ہوتا
مر مٹ کے خوب لگتی مٹی مِری ٹھکانے ۔۔۔ گر ان کی رہ گزر پہ میرا مزار ہوتا

---

[1] مشہور ہے کہ قبر کی پہلی رات بھاری ہے مگر اس میں عرض ہے کہ وہ تو دولہا یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی دیدار کی پہلی رات ہے۔ وہ تو گویا شب عروسی ہے کہ نکیرین ذاتِ پاک کا دیدار کرا کر پوچھتے ہیں۔ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔ آمین

یہ آرزو ہے دل کی ہوتا وہ سبز گنبد
اور میں غبار بن کر اس پر نثار ہوتا

بے چین دل کو اب تک سمجھا بجھا کے رکھا
مگر اب تو اس سے آقا نہیں انتظار ہوتا

سالک ہوئے ہم ان کے دنیا بھی ہو گئے ہمارے
دل مضطرب کو لیکن نہیں اعتبار ہوتا [1]

(۴) نعت شریف

ہم گو ہیں برے قسمت ہے بھلی جب پشت پناہ ان کا سا پایا
وہ جس کو ملے دن اس کے پھرے جو انہیں پایا تو خدا پایا

معراج کی شب ہمراہ ہیں سب سدرہ آیا کوئی نہ رہا
سدرے سے بڑھے جبریل رہے تنہا ہیں جز عرش خدا پایا

جبریل کی آنکھوں سے پوچھو اسے چشم حقیقت بیں کہ تو [2]
انہیں فرش پہ تو نے کیا دیکھا سدرے سے بڑھے تو کیا پایا

وہ جس کو ملے ایمان ملا ایمان تو کیا رحمان ملا
قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب دل نے وہ نور ہدیٰ پایا

بے مثلیِ حق کے مظہر ہو پھر مثل تمہارا کیوں کر ہو!
نہیں کوئی تمہارا ہم پلہ نہ تیرا کوئی ہم پایہ پایا

نہیں جلوہ میں ان کے یکتائی کوئی آقا کہے کوئی بھائی
مومن سمجھا بندہ پرور اندھوں نے محض بندہ پایا

---

[1] یعنی ابھی دل کو اعتبار نہیں کہ ہم ان کے ہو بھی گئے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ خاتمہ کی خبر نہیں۔
[2] معراج میں حضور کی مثال سورج کی سی تھی کہ جس قدر چڑھتا ہے نور بڑھتا ہے۔ اسی لئے معراج رات دنیا والوں کی نگاہ میں طاقت دیدار نہ تھی ملائکہ بھی کچھ دور تک ہی ساتھ رہ سکے۔ بڑے فرشتہ حضرت جبریل بھی آخر کار تابش انوار کی تاب نہ لا سکے۔ سدرہ پہ ٹھہر گئے۔

ارشاد ہوا سورج لوٹا، پایا جو اشارہ چاند چیرا
بادل رم جھم رم جھم برسا جب حکم حبیبِ حق پایا

تم ہی تو ہو وحدت کے مظہر تم ہی تو ہو کثرت کے مصدر
ہے قبلۂ حاجات آپ کا در کعبہ نے تمہیں کعبہ پایا

ستار میرے قربان تیرے دنیا میں تو میرے عیب ڈھکے
محشر میں بھی عزت رکھ لینا تم سا نہ کوئی اپنا پایا

صرف ایک پیالہ پانی ہے اور پینے والے چودہ سو
اس وقت ان کی ہر انگلی سے پانی کا رواں چشمہ پایا

جابر کے گھر تھوڑے جو پر مہمان کیا سارا لشکر
سب سیر ہوئے لیکن کھانا جو پہلے تھا ویسا پایا

اب تک تو کھلائے لقمۂ تراب چھوڑ کے در ہم جائیں کدھر
پرسش ہے جہاں ناکاروں کی وہ آپ کا دروازہ پایا

دنیا سے بچا لو سالک کو کام اپنی رضا کے اس سے لے لو
اک یہ ہی تمنا باقی ہے اب تک تو جو کچھ مانگا پایا!

لہ نقش ہے بُتِ بچشم مجنوں بابدید بگر مصطفیٰ ؐ بچشم صدیق بابدید ابوجہل نے جہالت کی آنکھ سے دیکھ کر کہا کہ معاذ اللہ آپ یتیم ہیں صدیق نے ایمانی نگاہ سے دیکھ کر جمال مصطفیٰ کے سامنے آفتاب کی کوئی حقیقت نہیں یہی آج حال ہے مومن کہتا ہے کہ ہم اپنے کو سگ بارگاہ کہیں تو بھی بے ادبی ہے وہابی کہتا ہے وہ تو ہمارے بھائی ہیں ۲ہ خیبر میں حضرت علی نے حضور کی نیند پر نماز قربان کر دی تو حضور نے ڈوبا ہوا سورج ان کیلئے واپس فرمایا ایک بار قحط سالی پڑی تو منبر پر دعا فرمائی خطبہ ختم نہ ہوا تھا کہ پانی برسنا شروع ہوا۔ پھر جس طرف اشارہ کیا ادھر ہی بادل برسا ۳ہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا نور من اللہ وکل خلق من نوری حضور تو ذات باری سے بلا واسطہ مستفیض اور تمام خلق حضور سے فیض یاب (صلی اللہ علیہ وسلم) ۴ہ ایک جنگ میں چودہ سو مسلمان پیاسے تھے پانی دور دور نہ تھا پیالہ بھر پانی لشکر میں سے جمع کرا کر اس میں ہاتھ رکھا۔ انگلیوں سے پانی جاری ہوا تمام سیر ہوئے ۵ہ غزوۂ خندق میں حضرت جابر نے ساڑھے چار سیر جو کی روٹی اور بکری کے بچہ کا گوشت پکایا تمام لشکر نے حضور کی برکت سے کھانا کھایا مگر کھانا اسی طرح باقی رہا ❖

(۵) درود شریف

جن کا لقب ہے مصطفٰے[1] صلِّ علٰی محمدٍ
ان سے ہمیں خدا ملا صلِّ علٰی محمدٍ

روح الامیں تو تھک گئے اور وہ عرش تک گئے
عرش بریں پکار اٹھا صلِّ علٰی محمدٍ

خلدِ بریں ہر جگہ نام ستودہ انام ہے
خلد ہے ملک آپ کا صلِّ علٰی محمدٍ

دھوم ہے ان کی چار سو ذکر ہے انکا کو بکو
مظہرِ ذاتِ کبریا صلِّ علٰی محمدٍ

جو ہو مریضِ لا دوا یا کسی غم میں مبتلا
صبح و مسا پڑھے سدا صلِّ علٰی محمدٍ

مشکلیں انکی حل ہوئیں قسمتیں ان کی کھل گئیں
وردِ جنہوں نے کر لیا صلِّ علٰی محمدٍ

شدت جانکنی ہو جب نزع کی جب ہو کشمکش
وردِ زباں ہو یا خدا صلِّ علٰی محمدٍ

قبر میں جب فرشتے آئیں شکل خدا نما دکھائیں
پڑھتا اٹھوں میں یا خدا صلِّ علٰی محمدٍ

لاج گنہگار کی آپ کے ہاتھ میں ہے نبی
بدھے گھر ہے آپ کا صلِّ علٰی محمدٍ

حشر میں سالک حزیں تھام کے دامن نبی
عرض کرے یہ بر ملا صلِّ علٰی محمدٍ

(۶) ترانہ ولادت

ماہِ ربیع الاوّل آیا
رب کی رحمت ساتھ میں لایا

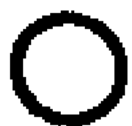
وقت مبارک رات سہانی
صبح کا تڑکا ہے نورانی

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر جگہ جلوہ گر ہیں حجاب ہماری آنکھوں پر ہے نکیرین اسی حجاب کو اٹھا دیتے ہیں اور جلوہ دکھا کر پوچھتے ہیں کہ ان کو پہچانو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ نہیں۔ تو التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ میں خطاب کیوں ہے۔
شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ نمازی التحیات میں سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلب میں جلوہ گر ہیں ایک ہی وقت میں چند جگہ آدمی دفن ہوتے ہیں اور سوال کے لئے سب کو زیارت جمال مصطفٰے کرائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر جگہ جلوہ گری ہے۔

پیر کا دن تاریخ ہے بارہ — فرش پہ چمکا عرشی تارہ
آج کی رات برات رچی ہے — آمنہ کے گھر دھوم مچی ہے
گھر میں حوریں در پہ ملک ہیں — جن کی قطاریں تا بہ فلک ہیں
ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا — شور مچا اک صلِّ علیٰ کا
لو وہ اب اٹھی گرد سواری — پیدا ہوئے محبوبِ باری
باغِ خلیل کا وہ گلِ زیبا — کشتِ صفی کا نخلِ تمنّا
رحمتِ عالم نورِ مجسّم — صلی اللہ علیہ وسلم
تم بھی اٹھو اب وقت ادب ہے — ذکرِ ولادتِ شاہِ عرب ہے
تخت ہے اُن کا تاج ہے اُنکا — دونوں جہاں میں راج ہے ان کا
جنّ و ملک ہیں انکے سپاہی — رب کی خدائی میں ان کی شاہی
اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں — سارے انہی کا منہ تکتے ہیں
شاہ و گدا ہیں ان کے سلامی — فخر ہے سب کو ان کی غلامی
کعبہ کی زینت انہی کے دم سے — طیبہ کی رونق ان کے قدم سے
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں — دھوم ہے ان کی کون و مکاں میں
آمنہ بی کو لعل مبارک — دائی حلیمہ کو بال مبارک
تم کو خلیل اللہ مبارک — تم کو ذبیح اللہ مبارک
دان کرو کچھ جشن ہے بھاری — در پہ کھڑے ہیں سارے بھکاری
در پہ ہیں حاضر اپنے پرائے — آپ کے دم سے آس لگائے
ہم تو پرانے کمین ہیں در کے — نام رکھے ہیں پدر مادر کے

چشمِ کرم اللہ ادھر ہو
سالکِ خستہ پر بھی نظر ہو



(۷) سلام

یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

آج وہ تشریف لایا جس نے روتوں کو ہنسایا
جس نے جلتوں کو بجھایا جس نے بگڑوں کو بنایا

عرش اعظم کا ستارا فرش والوں کا سہارا
آمنہ بی کا دلارا حق تعالیٰ کا پیارا

دوجہاں کا راج والا تخت والا تاج والا!
بے کسوں کی لاج والا ساری دنیا کا اُجالا

تم بہارِ باغِ عالم، تم نوید ابنِ مریم!
تم پہ قربان سارا عالم آدم و اولادِ عالم

تم بناء دوسرا ہو کعبہ والے کی دعا ہو
تم ہی سب کے مدعی ہو جان نہ کیوں تم پر فدا ہو

آپ ہیں وحدت کے مظہر آپ ہیں کثرت کے مصدر
آپ اول آپ آخر قبلۂ دل آپ کا در

آپ کے ہو کر جئیں ہم نامِ نامی پہ مریں ہم
جب قیامت میں اٹھیں ہم عرض اس طرح کریں ہم

عرض ہے سالک کی آقا جانکنی کا ہو یہ نقشہ
سامنے ہو پاک روضہ اور لبوں پر ہو یہ کلمہ

(۸) کلمہ شریف

خالقِ کل اے ربِ علیٰ شکر تیرا کیوں کر ہو ادا
ہم کو وہ محبوب دیا رتبہ جس کا سب سے رسوا

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللّٰہ

کیوں خاموش ہو اہلِ صفا
ہے یہ وقتِ مسرت کا
یعنی آج ہوئے پیدا
شاہِ ہُدیٰ محبوبِ خدا
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللّٰہ

قاسمِ نعمت آ پہنچے
مالکِ جنت آ پہنچے
والیِ اُمت آ پہنچے
رب کی رحمت آ پہنچے
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللّٰہ

جن کی خلیل[1] دعا مانگیں
جن کی مسیح بشارت دیں
جن کی گواہی پتھر دیں
جن سے سب دکھ درد کہیں
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللّٰہ

آج نور رشکِ خلد بنا
حجرہ آمنہ بی بی کا
کعبہ بھی سجدے کو جھکا
حامیِ کعبہ آ پہنچا
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللّٰہ

آمنہ بی کو مبارک ہو
اور حلیمہ دائی کو
ہم کو مبارک اور تم کو
شاہ کی ساری اُمت کو
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللّٰہ

منکر اور نکیر جب آئیں
مَنْ رَّبُّکَ کا چرچا لائیں
چہرۂ انور جب دکھلائیں
ہم اس طرح ان کو سنائیں
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللّٰہ

سالکِ خستہ کی آفت
پوری ہو ہر ایک دعا
جو اس محفل میں آیا
ہو اس پر بھی فضل ترا
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللّٰہ

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر دعا کی کہ الٰہی اس شہر میں ایک نبی پیدا فرما۔ حضور فرماتے ہیں کہ میں ابراہیم خلیل کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔

(۹) قصیدہ

نصیب چمکے ہیں فرشیوں کے کہ عرش کے چاند آ رہے ہیں
جھلک سے جن کی فلک ہے روشن وہ شمس تشریف لا رہے ہیں

زمانہ پلٹا ہے رُت بھی بدلی فلک پہ چھائی ہوئی ہے بدلی
تمام جنگل بھرے ہیں جل تھل ہرے چمن لہلہا رہے ہیں

ہیں وجد میں آج ڈالیاں کیوں یہ رقص پتوں کو کیوں ہے شاید
بہار آئی یہ مژدہ لائی کہ حق کے محبوب آ رہے ہیں

خوشی میں سب کی کھلی ہیں باچھیں رچی ہے شادی مچی ہیں دھومیں
چرند اِدھر کھلکھلا رہے ہیں پرند اُدھر چہچہا رہے ہیں

نثار تیری چہل پہل پر ہزار عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس[1] کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

شبِ ولادت میں سب مسلماں نہ کیوں کریں جان و مال قرباں
ابولہب[2] جیسے سخت کافر خوشی میں جب فیض پا رہے ہیں

زمانہ بھر میں یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کھانا اسی کا گانا
تو نعمتیں جن کی کھا رہے ہیں انہیں کے ہم گیت گا رہے ہیں

حبیبِ حق ہیں خدا کی نعمت بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ
خدا[3] کے فرمان پر عمل ہے جو بزمِ مولد سجا رہے ہیں

---

[1] شب ولادت میں ملائکہ در دولت پر کھڑے تھے مگر شیطان رنج و غم سے مارا مارا پھر رہا تھا۔ وقت قیام میلاد کوئی تو خوش ہوتا ہے اور کوئی جلتا اور بھاگتا ہے

[2] ابولہب نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا تھا جس نے اسے ولادت مصطفٰے کی خوشخبری دی تھی اس کو کسی نے بعد موت خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال ہے؟ کہا سخت عذاب میں ہوں مگر دوشنبہ کو کچھ تخفیف رہتی ہے اسی خوشی کی برکت سے، اس میں میلاد والوں کو فرحت غلیظ ہے۔ دوستاں را کجا کنی محروم کہ تو با دشمناں نظر داری

[3] قرآن کریم فرماتا ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو حضور سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ سب فانی یہ باقی اور سب اسکے طفیل ہیں تو انکی ولادت کا چرچا حکم قرآنی پر ہے

تبارک اللہ حکومت ان کی زمیں تو کیا شے ہے آسمان پر
کیا اشارے سے چاند ٹکڑے چھپا ہوا خور لَوٹا رہے ہیں

ہیں تیرے صدقہ زمینِ طیبہ فدا نہ کیوں تجھ پہ ہو زمانہ
کہ جن کی خاطر بنا زمانہ وہ تجھ میں آرام پا رہے ہیں

ہیں جیتے جی کے یہ سارے جھگڑے مچی جو آنکھیں تمام چھوٹے
کریم جلوہ وہاں دکھانا جہاں کہ سب منہ چھپا رہے ہیں

جو قبر میں اپنی ان کو پاؤں پکڑ کے دامن مچل ہی جاؤں
جو دل میں رہ کے چھپے تھے مجھ سے وہ آج جلوہ دکھا رہے ہیں

نکیرو پہچانتا ہوں ان کو یہ میرے آقا یہ میرے داتا
مگر تم ان سے اتنا تو پوچھو یہ مجھ کو اپنا بتا رہے ہیں

خدا کے وہ ہیں خدائی ان کی رب ان کا مولا وہ سب کے آقا
نہیں خدا تک رسائی ان کی جو اُن سے نا آشنا رہے ہیں

تمام دنیا ہے ملک جن کی ہے جَو کی روٹی خوراک ان کی
کبھی کھجوروں پہ ہے گزارا کبھی چھوارے ہی کھا رہے ہیں

پھنسا ہے بحرِ الم میں بیڑا اپنے خدا ناخدا سہارا
اکیلا سالکؔ ہے تم بن سب مخالف ہجوم دنیا ستا رہے ہیں

۱۰ - نعت شریف

بخدا خدا سے ہے وہ جدا جو حبیبِ حق پہ فدا نہیں
وہ بشر ہے دین سے بے خبر جو رہِ نبی میں گما نہیں

اُسے ڈھونڈے کیوں کوئی دربدر وہ ہیں جان سے بھی قریب تر[1]
وہ نہاں بھی ہے وہ عیاں بھی ہے وہ چھپیں بھی تو چھپا بھی ہے[2]
وہی جب بھی تھا دی اب بھی ہے وہ چھپا ہے پھر بھی چھپا نہیں

---

[1] قرآن میں ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ نبی مسلمانوں کی جان سے زیادہ قریب ہیں قاسم نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس میں اَوْلٰی کے معنی قریب کئے ہیں زیادہ قریب چیز بھی چھپ جاتی ہے جیسے کہ جان اور آنکھ خود آنکھ سے چھپی ہے

[2] حضرت شیخ نے مدارج کے اول

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵ پر)

له تیری ذات میں جو فنا ہوا وہ فنا سے نو کا عدد بنا
جو اسے مٹائے وہ خود مٹے وہ ہے باقی اس کو فنا نہیں

ٹه دو جہاں میں سب پہ ہیں وہ عیاں دو جہاں پھر ان سے ہوں کیوں نہاں
وہ کسی سے جبکہ نہیں چھپے تو کوئی بھی ان سے چھپا نہیں

سه ہر اک ان سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے
٤ه جو بنے دو جہاں کی وہی بنا وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں

کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب کے مبدأ و منتہے
نہیں دوسرے کی جگہ یہاں کہ یہ وصف دو کو ملا نہیں

ترے در کو چھوڑ کے در بدر پھروں تیرا ہو کے کس کا میں منہ تکوں
٥ه تو غنی ہے سب ترے در کے سگ وہ نہیں جو تیرا گدا نہیں

کرو لطف مجھ پہ خسروا کہ چھڑا دو غیر کا آسرا
نہ تکوں کسی کو ترے سوا کہ کسی سے میرا بھلا نہیں

کوئی تجھ سے بچ کے کہاں رہے ترا ملک چھوڑ کہاں بسے
تو حبیب رب تری ملک سب جہاں تو نہ ہو کوئی جا نہیں

یہ تمہارا سالک بے نوا مرض گناہ میں ہے مبتلا
تم ہی اس برے کو کرو بھلا کہ کوئی تمہارے سوا نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) کہ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ حضور کی نعت بھی ہے کہ حضور ظاہر بھی ہیں اور چھپے بھی ٹه ۹ کے عدد میں دو باتیں عجیب ہیں اولاً یہ کہ ایک سے آٹھ تک کی اکائیاں کناروں کی دو دو ملاؤ ۹ بنیں گے مثلاً ۱-۸-۱ اور ۲-۷، اور ۳-۶، اور ۴-۵ = ۹ ہو گئے۔ دوم سارے ۹ کے پہاڑے میں ہر جگہ ۹ بنے گا ۹ دونی ۱۸-۹ تیا ۲۷، ۹ چوک ۳۶، ۹ پنجہ ۴۵ ان سب میں کتنی ہی اکائی دہائی کو ملاؤ ۹ حاصل ہونگے اسی طرح ۱۲ نویں ۱۰۸، ۱۳ نویں ۱۱۷، ۱۴ نویں ۱۲۶ سب میں ۹ بنیں گے سه حضور کو کنکر پتھر جانور سب پہچانتے ہیں تو حضور کسی کو کیوں نہ پہچانیں حضور علیہ السلام تا قیامت تک کی ہر چیز کو پہچانتے ہیں ۔

(حاشیہ صفحہ ۱۵) ٤ه حضور علیہ السلام تمام چیزوں کی اصل ہیں وکل الخلائق من نوری اور اصل اپنی فروع میں مصدر مشتقات میں ایک تمام اعداد میں موجود اسی لئے حضور تمام میں موجود ٥ه حضور کا مثل محال کیونکہ حضور سب سے اول بھی ہیں اور سب سے آخر بھی ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ اور سب سے پہلا اور سب سے پچھلا ایک ہی ہو

(۱۱) نعت شریف

تمہی ہو چین اور قرار دلِ بے قرار میں
تم ہی تو ایک آس ہو قلبِ گنہگار میں

روح نہ کیوں ہو مضطرب موت کے انتظار میں
سنتا ہوں تجھ کو دیکھنے آئینگے وہ مزار میں

خاک ہے ایسی زندگی وہ کہیں اور ہم کہیں
ہے اسی زیست میں مزا جو ہو دیارِ یار میں

بارشِ فیض سے ہوئی کشتِ عمل ہری بھری
خشک زمیں کے دن پھرے جان پڑی بہار میں

دل میں جو آ کر تم رہو سینے میں تم اگر بسو
پھر ہو وہی چہل پہل اُجڑے ہوئے دیار میں

ان کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے
اُن سے پھرے جہاں پھرا آئی کمی وقار میں

قبر کی سونی رات ہے کوئی نہ آس پاس ہے
اک تیرے دم کی آس ہے قلبِ سیاہ کار میں

فیض نے تیرے بانی کر دیا مجھ کو کیا سے کیا
ورنہ دھرا ہوا تھا کیا مٹھی بھر اس غبار میں

جس کی نہ لے کوئی خبر بند ہوں جس پہ سارے در
اس کا تو ہی ہے چارہ گر آئے تیرے جوار میں

چار[1] رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار
سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں

آتش و آب و خاک و باد ان ہی سے سب کا ہے ثبات
چار[2] کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

سر تو سوئے حرم جھکا دِل ہے سوئے کوئے مصطفٰے
دل کا خدا بھلا کرے یہ نہیں اختیار میں

[3] اس پہ گواہ ھُوَ الَّذِی شیشۂ حق نما نبی
دیکھ لو جلوۂ نبی شیشۂ چار یار میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) ہو سکتا ہے [3] قرآن فرماتا ہے اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ اللہ و رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود غنی نہیں تو سب کو غنی کس طرح فرماتے ہیں۔ دو جہان کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں۔

(حاشیہ صفحہ ۱۶) [1] بڑے فرشتے چار ہیں جبرائیل میکائیل اسرافیل عزرائیل علیہم السلام۔ آسمانی کتابیں چار توراۃ زبور انجیل قرآن طریقت اور شریعت دونوں کے چار چار سلسلے ہیں حنفی مالکی شافعی حنبلی اور چشتی قادری نقشبندی سہروردی [2] پہلے نبی حضرت آدم جن کی ترکیب آگ پانی ہوا اور مٹی سے ہوئی حضور پر دورِ نبوت ختم ہو کر سلسلۂ ولایت باقی رہا اس مناسبت سے چار یار ہونے چاہیئے تھے [3] آیت ھُوَ الَّذِی میں رب نے اپنی پہچان بتوسط مصطفٰے علیہ السلام کرائی۔ اور پہچان مصطفٰے خلفائے راشدین کے ذریعہ کرائی۔ شمعِ مصطفوی ایک ہے اور چار یار اس کے رنگ برنگے چار شیشے ہیں۔ کہ شمع مصطفوی فاروقی صدیقی حیدری رنگوں میں نظر آتی ہے۔

سالک رُو سیہ کا منہ دعویٰ عشقِ مصطفیٰ
پائے جو خدمتِ بلال آئے کسی شمار میں

(۱۲) نعت شریف

ہے جس کی ساری گفتگو وحیِ خدا یہی تو ہیں
حق جس کے چہرے سے عیاں وہ حق نما یہی تو ہیں

جنکی چمک سورج میں ہے جن کا اجالا چاند میں
جنکی مہک پھولوں میں ہے وہ مہ لقا یہی تو ہیں

جس مجرم دید کار کو سارا جہاں دھتکار دے
وہ ان کے دامن میں چھپے مشکل کشا یہی تو ہیں

ہر لب پہ جن کا ذکر ہے ہر دل میں جنکی فکر ہے
گائے ہیں جن کے گیت سب صبح و مسا یہی تو ہیں

چرچا ہے جن کا چار سو ہر گل میں جنکا رنگ و بو
ہیں حسن کی جو آبرو وہ دل رُبا یہی تو ہیں

باغِ رسالت کی ہیں جڑ اور ہیں بہار آخری
مبدا جو اس گلشن کے تھے وہ منتہیٰ یہی تو ہیں

یہ ہیں حبیبِ کبریا یہ ہیں محمد مصطفیٰ
دو جگ کو جن کی ذات کا ہے آسرا یہی تو ہیں

جس کی نہ لے کوئی خبر ہوں بند جس پر سارے در
اسکی یہ رکھتے ہیں خبر اسکی پناہ یہی تو ہیں

(۱) اُن کا مبارک نام بھی بےچین دل کا چین ہے
جو ہو مریض لا دوا اُس کی دوا یہی تو ہیں

گن گائیں جن کے انبیا مانگیں رسل جن کی دعا
وہ دو جہاں کے مدعیٰ صلِ علیٰ یہی تو ہیں

(۲) جن کو شجر سجدے کریں پتھر گواہی جن کی دیں
دکھ درد اونٹ ان سے کہیں حاجت روا یہی تو ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶) جسمانی حیثیت سے حضور آخر میں تشریف لائے مگر حقیقتِ محمدیہ سب سے پہلے اوّل ما خلق اللہ نوری نیز جسماً حضرت آدم کی اولاد پاک ہیں اور روحاً والدِ آدم ہیں۔ لولاک لما خلقت الافلاک، پھول درخت سے ہوتا ہے مگر حقیقت میں درخت پھول سے ہے کہ پھول کی پیدائش منظور نہ ہوتی تو درخت لگایا ہی کیوں جاتا۔ ہو الاوّل ہو الآخر (حاشیہ صفحہ ۱۷) قرآن میں ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ذکر اللہ سے دل چین پاتے ہیں ذکر اللہ حضور کا نام بھی ہے تو معنی ہوئے کہ رسول اللہ سے چین پاتے ہیں اسی لئے اختلاج قلب میں حضور کا اسم شریف پڑھنے سے سکون ہوتا ہے کہ اختلاج قلب کے وقت یہ آیت انگلی سے دل پر لکھے۔ اور زبان سے پڑھتا رہے یا محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔

(۲) صحیح روایت سے ثابت ہے کہ درختوں نے حضور کو سجدے کئے کنکروں نے کلمہ پڑھا اونٹ نے زانوئے پاک پر اپنا سر رکھ کر مالک کی شکایت کی کہ مجھ سے کام زیادہ لیتا ہے اور خوراک کم دیتا ہے۔ بے عقل چیزیں انہیں حاجت روا جانیں اور انسان ان کو حاجت روا نہ مانے تو وہ جانور سے بدتر ہے۔

ہے فرش کا جو بادشاہ ہے عرش جس کے زیرِ پا
سالک مِلا جس سے خدا وہ باخدا ہی تو ہیں

(۱۳) نعت شریف

دِل اس ہی کو کہتے ہیں جو ہو ترا شیدائی — اور آنکھ وہ ہی ہے جو ہو تیری تماشائی
کیوں جان نہ ہو قرباں صدقہ نہ ہو کیوں ایماں — ایماں مِلا تم سے اور تم سے ہی جاں پائی
خلقت[۱] کے[۲] وہ دولہا ہیں محفل انہی کی ہے — ہے انہی کی دم سے یہ سب انجمن آرائی
بادشاہِ رسل چشمے برحالِ گدائے خود — کر حالِ تباہ دے دانائی و بینائی
[۳]بے مثل خدا کا تو بے مثل پیمبر ہے — ظاہر تری ہستی سے اللہ کی یکتائی
آقاؤں کے آقا سے بندوں کو ہو کیا نسبت — احمق ہے جو کہتا ہے آقا کو بڑا بھائی
سینہ میں جو آ جاؤ بن آئے مِرے دل کی — سینہ تو مدینہ ہو دل اس کا ہو شیدائی
دل تو ہو خدا کا گھر سینہ ہو ترا مسکن — پھر کعبہ و طیبہ کی پہلو میں ہو یکجائی
[۴]اس طرح سما مجھ میں ہو جاؤں میں گم تجھ میں — پھر تو ہی تماشا ہو اور تو ہی تماشائی

---

۱ حضور فرماتے ہیں کہ تمام زمین مجھے سمیٹ کر دکھائی گئی۔ نیز فرماتے ہیں کہ خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں اور کنجی مالک کو دی جاتی ہے عرش پر حضور ہی بیٹھ سکتے ہیں خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھنے سے پاک ہے کہ وہ جگہ سے پاک ہے۔ ۲ برات کا سارا مجمع دولہا کے دم سے ہوتا ہے حدیث میں ہے لولاک لما خلقت الافلاک اے محبوب اگر آپ نہ ہوتے تو آسمان پیدا نہ ہوتے یہ حدیث معنیً صحیح ہے دیکھو موضوعات کبیر ملا علی قاری۔ تو دنیا میں جو کچھ ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے ہے ۳ حضور صفات الٰہی کے مظہر ہیں اور خدا کی صفت بے مثلیت بھی لیس کمثلہ شئی لہذا حضور بے مثل ہیں خدا اپنی خالقیت میں لاشریک لہٗ اور حضور اپنی عبدیت میں لاشریک لہٗ ہیں حضور فرماتے ہیں ایکم مثلی تم میں مجھ سا کون ہے امام بوصیری فرماتے ہیں منزہ عن شریک محاسنہ ۴ فنا فی الرسول وہ مرتبہ ہے جس میں انسان اپنے آپ کو رسول اللہ میں اس طرح گم کر دے کہ جسم تو اس میں ہو اور روح مصطفےٰ ہو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قصیدہ نعمان میں: کہ جس طرف نظر کرتا ہوں یا حبیب اللہ آپکو دیکھتا ہوں۔

اس سالکِ بیکس کی تم آبرو رکھ لینا محشر میں نہ ہو جائے آقا کہیں رسوائی!

نعت شریف (۱۴)

وہ بندۂ خاص خدا کے ہیں اور اُن کی ساری خدائی ہے[1]
ان ہی کی پہنچ ہے خالق تک اُن تک خلقت کی رسائی ہے[2]

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو اُن کا ہے وہ رب کا ہے
بے ان کے حق سے جو ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

وہ سخت گھڑی اللہ غنی کہتے ہیں نبی نفسی نفسی
اس وقت اک رحمت والے کو مجرم اُمت یاد آئی ہے

اچھوں کا زمانہ ساتھی ہے میں بد ہوں مجھ کو نبھا ہو تم
کہاں جاؤں تمہارا جاؤں کہاں بے کس کی کہاں شنوائی ہے

آجاؤ بدن میں جاں ہو کر اور دل میں رہو ایمان بن کر
ہے جسم ترا بے جان تری اور دل تو خاص کمائی ہے

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظر یوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں و لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

اللہ کی مرضی سب چاہیں اللہ رضا[3] اُن کی چاہے
ہے جنبشِ لب قانونِ خدا قرآن و خبر کی گواہی ہے

---

[1] اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ کوثر سے مراد ہے عالم کثرت لینی خدا کے سوا صحابہ کرام نے حضور سے جنت مانگی۔ معلوم ہوا کہ خلقت کے مالک ہیں۔ [2] قرآن فرماتا ہے کہ اگر یہ مجرم قصور کر کے آپ کی بارگاہ میں آویں۔ اور آپ ان کی شفاعت کریں تو ہم گناہ معاف کریں گے۔ بغیر حضور کے واسطے خدا تک رسائی محال۔ [3] وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى پروردگار آپ کو اتنا دیگا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ تمام لوگ قانون کی پابندی کرتے ہیں اور قانون حضور کی۔ ایک بار فرمایا کہ اگر ہم کہہ دیتے کہ ہر سال حج فرض ہے تو ایسا ہی ہو جاتا اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ اور شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔

مالک ہیں خزانۂ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں
دی خلد جنابِ ربیعہ کو بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے

دنیا کو مبارک ہو دنیا اللہ کرے وہ مجھ کو ملیں!
ہر سر میں جن کا سودا ہے ہر دل جن کا شیدائی ہے

گو سجدۂ سر ان کو منع لیکن دل وجاں ہیں سجدہ کناں
ہے حکمِ شریعت سر پہ رواں دل وجاں نے معافی پائی ہے

وہ کعبۂ سر ہے یہ قبلۂ دل وہ قبلہ تن ہے یہ کعبۂ جاں
سر اس پہ جھکا دل ان پہ فدا اور جان ان کی فدائی ہے

لکڑی نے کیا ان سے شکوہ اونٹوں نے کیا ان کو سجدہ
ہیں قبلۂ حاجات عالم کے سالک کیوں بات بڑھائی ہے

(۱۵) نعت شریف

بشر وہ ہے جس کو تیری جستجو ہے — وہی لب ہے جس پر تیری گفتگو ہے
تری یاد آبادیِ خانۂ دل — دلوں کی تمنا تیری آرزو ہے
اُسے ایک اللہ نے ایک بنایا — وہ ہر وصف میں لاشریک لہٗ ہے

۱؎ حضرت ربیعہ ابن کعب سے فرمایا کچھ مانگ لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں فرمایا کچھ اور مانگو عرض کیا یہی کافی ہے۔ شیخ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تمام خزانہ خداوندی حضور کے قبضہ میں ہیں۔

۲؎ حقیقت یہ ہے کہ کعبہ بھی اسی لئے قبلہ بنا کہ اُسے حضور نے کعبہ بنا دیا قرآن کریم فرماتا ہے: فلنولینك قبلة ترضها اچھا ہم اسی طرف آپ کا منہ کیے دیتے ہیں جس کو آپ چاہیں پہلے بیت المقدس قبلہ تھا حضور کی خواہش پر کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔ اس وقت بیت المقدس کعبہ جسم تھا اور کعبہ قبلہ دل اسی طرح آج کعبہ قبلہ جسم اور حضور قبلہ دل خود کعبہ نے حضور کو سجدہ کیا۔ دیکھو مدارج
اور پروانہ ہیں جو ہیے جو کعبہ پر نثار — شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا

میں وہ سگ نہیں ہوں بہت در ہوں جس کے — میں وہ سگ ہوں جس کا فقط ایک تو ہے
نماز و اذاں کلمہ و ذکر و خطبہ — یہ سب پھول ہیں ان کا تو رنگ و بو ہے
تمہاری[1] سلامی نمازوں میں داخل — تصور ترا شرط مثلِ وضو ہے
تمہاری[2] اطاعت خدا کی عبادت — ترا تذکرہ ذکرِ حق ہو بہو ہے
دمِ نزع سالک کا سر ہو ترا در — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

(۱۶) نعت شریف

جنہیں خلق کہتی ہے مصطفےٰ میرا دل انہیں پہ نثار ہے
میرے قلب میں ہیں وہ جلوہ گر کہ مدینہ جن کا دیار ہے
ہے جہاں میں جن کی چمک دمک ہے چمن میں جن کی چہل پہل
وہ ہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب انہیں کے دم کی بہار ہے
وہ جھلک دکھا کے چلے گئے میرے دل کا چین بھی لے گئے
میری روح ساتھ نہ کیوں گئی مجھے اب تو زندگی بار ہے
وہی موت ہے وہی زندگی جو خدا نصیب کرے مجھے
کہ مرے تو ان ہی کے نام پہ جو جیئے تو ان پہ نثار ہے

[1] اگر نماز میں کسی کو بھول کر بھی سلام کیا جائے تو نماز جاتی رہے گی۔ مگر عین نماز میں حضور کو سلام کرنا واجب ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ حضرت صدیق نے عین نماز کی حالت میں حضور کا ادب کیا کہ نماز پڑھا رہے تھے حضور تشریف لے آئے فوراً مقتدی ہو کر پیچھے ہٹ آئے اور حضور اس وقت سے امام ہوئے۔

[2] ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ اگر کسی کو حضور پکاریں اور وہ نماز میں مشغول ہو۔ تو ضروری ہے کہ نماز قطع کر کے حاضر ہو دیکھو تفسیر یا ایها الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم اور مشکوٰۃ باب فضائل القرآن بلکہ بعض کے نزدیک نماز ہی میں رہے گا کہ تمام خدمت کر کے آئے پھر جہاں سے نماز چھوڑی تھی وہاں سے ہی پڑھے اگرچہ سینہ کعبہ سے پھر گیا مگر کعبہ کے کعبہ کی طرف پھرا۔ اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمٰن اور جاء الحق میں دیکھو۔

وہ ہے آنکھ جس کے یہ نور ہیں وہ ہے دل جس کے یہ سرور ہیں
وہ ہی تن ہے جس کی یہ روح ہیں وہ ہے جاں جو اُن پہ نثار ہے

جو کرم سے اپنے شہِ اُمم رکھیں مجھ غریب کے گھر قدم
مرے شاد کی نہ ہو شان کم کہ گدا پر ان کا پیار ہے

دلے اس غریب کا غم کدہ بنے رشکِ خلدِ بریں سہا
کرے ناز اپنے نصیب پر بنے شاہ وہ جو گنوار ہے!

دمِ نزع سالک بے نوا کو دکھانا شکلِ خدا نما
کہ قدم پر آپ کے نکلے دم بس اسی پہ دار مدار ہے

(۱۷) منظوم تفسیر

جوت سے ان کی جگ اجیالا
وہ سورج اور سارے تارے

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر
تم رب کے ہم سب ہیں تمہارے

یُعْطِیْ رَبُّکَ حَتّٰی تَرْضٰی
مرضی رب ہیں تمہارے اشارے

کلمہؔ و خطبہ نماز و اذاں میں
بولتے ہیں سب بول تمہارے

اہل زمیں کے نصیبے چمکے
جب وہ فرش سے عرش سدھارے

ہم نے ناؤ بھنور میں ڈالی
تم اس ناؤ کے کھیون ہارے

ہم نے ہمیشہ کام بگاڑے
تم نے بگڑے کام سنوارے

آقا حشر میں عزت رکھنا
عیب نہ یہ کھل جائیں ہمارے

ہم کو نہ دیکھو آپ کو دیکھو
گو بد ہیں کس کے ہیں؟ تمہارے

ؔ کلمہ طیبہ جو اصل عبادات ہے اس میں حضور داخل تو نماز میں ان کا ذکر کیوں داخل نہ ہو۔ بلکہ ذکر اللہ وہ ہی ہے جو ذکر رسول کے ساتھ ہو۔ اسی لئے مخالفین اسلام کو ذاکر الٰہی نہیں کہہ سکتے اگرچہ عمر بھر یاد خدا کرنے کے مدعی ہوں۔

[1] در کے کمین ہیں غیر نہیں ہیں / پھرتے پھریں کیوں مارے مارے
تھوڑی زمین جو مدینہ میں دے دو / آن پڑیں قدموں میں تمہارے
نزع میں قبر میں اس سالک کو / چاند سی شکل دکھانا پیارے

(۱۸) نعت شریف

اے صبا تیرا گزر ہو جو مدینہ میں کبھی / جانا اس گنبدِ خضرا میں کہ ہیں جس میں نبی
ہاتھ سے اپنے پکڑ کر وہ سنہری جالی / عرض کرنا میری جانب سے بصد شوق دلی
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی / اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوکھٹ سے نبی
عمر ساری تو کٹی لہو و لعب میں آقا / زندگی کا کوئی لمحہ نہیں اچھا گزرا
سارے اعمال سیہ جرم سے دفتر ہے بھرا / آرزو ہے کہ گناہوں کا ہو یوں کفارا
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی! / اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوکھٹ سے نبی
عرض کرنا کہ کہاں مجھ سا کمینہ گندہ / اور وہ شہر کہاں جس میں ہوں محبوب خدا
ہاں سنا ہے کہ نبھاتے ہیں بروں کو مولا / اس لئے آپ کے دروازے پہ دیتا ہے صدا
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی! / اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوکھٹ سے نبی
آرزو دل کی ہے جب بند ہو حرکت دل کی / آنکھ پتھرائے مجھے آئے اخیری ہچکی
روح جانے لگے جب چھوڑ کے جسم خاکی / جسم طیبہ میں ہو اور جان چلے سوئے نبی
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی! / اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوکھٹ سے نبی
یا نبی اس کے سوا اور میں کیا عرض کروں / آپ کا ہو کے جیوں آپ کا ہو کر ہی مروں
آپ کے در سے ملا آپ کے در پر ہی مٹوں / جان تم سے ملی تم پہ ہی نچھاور کر دوں
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی! / اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوکھٹ سے نبی

[1] شاہی محل میں نوکروں چاکروں خدمتگاروں کیلئے بھی گھر بنا دیئے جاتے ہیں کہ وہاں رہیں اور خدمت کریں عرض کیا ہے کہ ہم غیر نہیں ہیں آپ کے در کے کمین ہیں شاہی محل یعنی مدینہ منورہ میں تھوڑی زمین دے دو کہ پاس ہی آن بسیں۔ [2] کل الخلائق من نوری تمام مخلوق میرے نور سے ہے۔

گو میسر نہیں سالک کو حضورِ بدنی ؛ رُوح حاضر ہے مگر مثلِ اویس قرنی
جسم ہندی ہے مرا جان ہے میری مدنی یا خدا دُور کسی طرح ہو بُعدِ مدنی
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی ! اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوکھٹ سے نبی

(۱۹) نعت معروضہ بزبانِ ہندی

صُورت مت بھولنا پیا ہماری تمری ہی اک آس ہے ہم تمرے واری
[1] پی نگری کی پہلی منزل سب نے چھوڑا ساتھ اس گھونگھٹ کی لاج ہے اب پیا تمہارے ہاتھ
رسّی چھوٹی ہاتھ سے مورے اور نیا منجدھار تم جو بھیّاں چھوڑ دو پیارے کون لگا دے پار
جگ[2] نے چھوڑا ات پتا نے گھر سے دیو نکاس تم راجہ کے چرن پڑوں ہیں اب تمری ہے آس
گھر گھر جھانکا ڈر تا گا سب گئے آنکھ بچائے اک تم سنگ نہ چھوڑیو کہ کوئی ہمار رونائے
میں ہتیاری چلی پیا گھر جب نوں کام نہ کاج اے سیّاں بیاں پکڑے کی تم ہی رکھیو لاج
کھیل کود میں عمر گنوائی سو کاٹے دن رین جب پی گھر سے آئی بلکیا ٹپ ٹپ ٹپکت نین
سیس پہ گٹھڑی ڈگ کٹیلی گھائل مورے پاؤں پیارے تم ہی سنبھالیو جب ڈگمگ میں ہو جاؤں
تم کچھ کرپا کرو تو سالک برا بھلا بن جائے کھوٹا کھرا نہ دیکھے پارس[3] کندن سبھی بنائے
[4] تیل جو نبڑے بتی بجھے دیا میرا بڑھ جائے سانجھ سورج جوت تمہاری سالک پہ پڑ جائے

[1] آخرت کی پہلی منزل قبر ہے وہاں ہی سب نے ساتھ چھوڑ دیا تو آگے کیا کام آویں گے اسکا ان علیوں کو تم ہی چھپانا۔

[2] روزِ قیامت ماں باپ قرابت دار کام تو کیا آنے پہچان بھی نہ سکیں گے انبیاء بھی نفسی فرمائیں گے سوائے حضور کے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ آج تو سب کو معلوم ہے کہ حضور ہی شفیع المذنبین ہیں مگر قیامت میں سارے ہی بھول جائیں گے کہ شفیع المذنبین کون ہے حتیٰ کہ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی پیمبر بھی آپکا پتہ نہ دے گا تاکہ دنیا ہر جگہ بھیک مانگ کر دیکھ لے کہ آج سوائے حضور کے کوئی شفیع نہیں ورنہ شاید کوئی کہتا کہ اس شفاعت میں حضور کی کیا خصوصیت ہے یہ تو اور جگہ بھی ہو جاتی۔

[3] پارس جس لوہے سے چھو جاتا ہے اس کو سونا بناتا ہے لوہا چاہے خراب گندہ ہو لہذا عرض ہے ہم تو خراب لوہے ہیں اور آپ پارس [4] یعنی جب میری زندگی کا چراغ گل ہونے لگے تو اے مدینے کے آفتاب اپنی روشنی دینا۔

⑳ قصیدہ

تضمین بر نظم منسوب بہ زین العابدین رضی اللہ عنہ

ایسا کوئی محرم نہیں پہنچائے جو پیغامِ غم
ہو جب کبھی تیرا گزر بادِ صبا سوئے حرم
ان نلت یا ریح الصبا یوماً الی ارض الحرم

تو ہی کرم کردے تجھے شاہِ مدینہ کی قسم
پہنچا میری تسلیم اس جا ہیں جہاں خیر الامم
بلغ سلامی روضۃ فیہا النبی المحتشم

میں دوں تجھے ان کا پتہ گر نہ تو پہچانے صبا
رخسار سورج کی طرح ہیں چہرہ ان کا چاند سا
من وجہہ شمس الضحیٰ من خدہ بدر الدجیٰ

حق نے انہی کے واسطے پیدا کیے ارض و سما
ہے ذاتِ عالم کی پنہ اور ہاتھ دریا جود کا
من ذاتہ نور الہدیٰ من کفہ بحر الہمم

حق نے انہیں رحمت کہا اور شافعِ عصیاں کیا
وہ مہبطِ قرآں ہیں ناسخ ہیں جو ادیان کا
قرآنہ برھاننا نسخا لادیان مضت

رتبہ میں وہ سب سے سوا ہیں ختم ان سے انبیاء
پہنچا جو یہ حکمِ خدا سارے صحیفے تھے فنا
اذ جاءنا احکامہ لکل الصحف صار کالعدم

یوں تو خلیلِ کبریا اور انبیاء باصفا
لیکن ہیں ان سب سے سوا دُرِ یتیمِ آمنہ
یا مصطفیٰ یا مجتبیٰ ارحم علیٰ عصیاننا

مخلوق کے ہیں پیشوا سب کو بڑا رتبہ ملا
وہ ہی جنہیں کہتے ہیں سب مشکل کشا حاجت روا
مجبورۃ اعمالنا طمعاً و ذنباً و الظلم

اے ماہِ خوباں جہاں اے افتخارِ مرسلیں
فرقت کے یہ رنج و عنا اب گئے حد سے سوا
وہ لوگ خوش تقدیر ہیں اور بخت ہے انکا رسا

گو جلوہ گر آخر ہوئے لیکن ہو فخر الاولین
اس ہجر کی تلوار نے قلب و جگر زخمی کیا
رہتے ہیں جو اس شہر میں جسمیں کہ تم ہو خوشنما

سب اولین و آخریں تارے ہیں تم مہر مبیں
اکبادنا مجروحۃ من سیف ہجر المصطفیٰ

یہ جگمگائے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں
طوبیٰ لاھل بلدۃ فیہا النبی المحتشم

اے دو جہاں پر رحم حق تم ہو شفیع المجرمیں
اس بیکسی کے وقت میں جب کوئی بھی اپنا نہیں

ہے آپ ہی کا آسرا جب بولیں نفسی مرسلیں
ہم بیکسوں پر نظر ہو اے رحمۃ للعالمین

یا رحمۃ للعالمین انت شفیع المذنبین — اکرم لنا یوم الحزین فضلا وجودا والکرم
اس سالک بدکار کا گو حشر میں کوئی نہیں — لیکن اُسے کیا خوف ہو جب آپ ہیں اسکے معین
مجرم ہوں میں غفار رب اور تم شفیع المذنبین — پھر کیوں کہوں بخشیں ہمیں یا رحمۃ للعالمین

یا رحمۃ للعالمین ادرک لزین العابدین
محبوس ایدی الظالمین فی مرکب والمزدحم

قصیدہ (۲۱)

معروضہ بہ بارگاہ امیر المومنین امام المتقین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

بہتری جس پہ کرے فخر وہ بہتر صدیق — سروری جس پہ کرے ناز وہ سرور صدیق
چمنستانِ نبوت کی بہارِ اوّل — گلشنِ دین کے بنے پھلے گلِ تر صدیق
بے گماں شمعِ نبوت کے ہیں آئینہ چار — یعنی عثمان و عمر حیدر و اکبر صدیق
سارے[1] اصحاب نبی تارے ہیں امت کیلئے — ان ستاروں میں بنے مہر منور صدیق
ثانی اثنین[2] ہیں بوبکر خدا میرا گواہ — حق مقدم کرے پھر کیوں ہوں مؤخر صدیق
زیست[3] میں موت میں اور قبر میں ثانی ہی رہے — ثانی اثنین کے اس طرح ہیں مظہر صدیق
وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کے ہیں یہ فرد کامل — حشر تک پائے نبی پر ہیں دھرے سر صدیق
ان کے مدّاح نبی ان کا ثنا گو اللہ — حق ابوالفضل کہے اور پیمبر صدیق

لہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت عظام تو امت کی کشتی ہیں اور صحابہ کرام ستارے اور مسافر دریا کو کشتی کی بھی ضرورت ہے اور ستاروں کی بھی لہذا اہل سنت میں ہیں کہ ان کو کشتی اور ستارے دونوں حاصل ہیں ٢ہ روافض جلتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلافت پہلے کیوں ملی۔ مگر خدا سے لڑتے ہیں وہ انہیں اپنے حبیب کا ثانی فرما چکا اب انہیں تیسرا کون کرتا۔

٣ہ ایک بار تمام گھر کا سارا مال راہِ خدا میں خیرات کر دیا۔ اور ایک بار [illegible] میں جان بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دی۔

بال بچوں کے لئے گھر میں خدا کو چھوڑیں[1] — مصطفٰے پر کریں گھر بار نچھاور صدیق
ایک گھر بار تو کیا غار میں جان بھی دیدیں — سانپ ڈستا ہے لیکن نہ ہوں مضطر صدیق
کہیں گرتوں کو سنبھالیں کہیں روٹھوں کو منائیں — کھودیں الحاد کی جڑ بعد پیمبر صدیق
علم میں زہد میں بے شبہ تو سب سے بڑھکر[2] — کہ امامت سے تری کھل گئے جوہر صدیق
اس امامت سے کھلا تم ہوا امام اکبر — تھی یہ ہی رمز نبی کہتے ہیں[3] حیدر صدیق

تو ہے[4] آزاد سقر سے ترے بندے آزاد
ہے یہ سالک بھی ترا بندۂ بے زر صدیق

قصیدہ (۲۲)

معروضہ بارگاہ امیر المومنین عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ

بہار باغ ایمان حضرتِ فاروقِ اعظم ہیں — چراغ بزمِ عرفاں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
نمایاں آپ کی ہر ادا سے شانِ فاروقی[5] — خدا کی تیغِ براں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق اعلیٰ ہیں — مذلِ کفر و طغیاں حضرت فاروقِ اعظم ہیں

[1] بعد وفات مصطفٰے علیہ السلام حضرت عمر فاروق و دیگر صحابہ کرام کو غشی سے بیدار کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منایا۔ مانعین زکوٰۃ مرتدین کو تہِ تیغ کیا۔

[2] حضور نے مرض وفات میں فرمایا کہ جس مجمع میں ابوبکر ہوں اس میں کسی کو امامت کا حق نہیں اور افضل ہی کو امام بنایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ سب سے افضل ہیں۔

[3] حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے صدیق کو چنا ہم نے انہیں اپنی دنیا کے لئے چن لیا۔

[4] آپ کا نام عتیق ہے یعنی آزاد۔

[5] فاروق بمعنی الگ الگ کرنے والا جیسے فرقان۔ حضرت عمر نے کافر و مومن کو الگ الگ کر دکھایا ؞

رسول اللہ[1] نے فاروق کو اللہ سے مانگا　　عطاءِ ربِ سبحان حضرتِ فاروقِ اعظم ہیں
چُنا اس پاک نے دیں کیلئے اس پاک ستھرے کو　　جلیبِ دین داراں حضرتِ فاروقِ اعظم ہیں
جبیبِ[2] حق ہیں طیب ان کے ساتھی بھی طاہر ہیں　　چنیدہ بہرِ پاکاں حضرتِ فاروقِ اعظم ہیں
نہ کیوں وہ ذات چمکے جس نے دین پاک چمکایا　　جہاں کے مہرِ تاباں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
عمر عامر ہیں دین کے حق تعالیٰ ان کا ناصر ہے　　دلِ مومن کے تاباں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
رہے گا نام ان کا تا ابد کونین میں روشن　　سپہرِ دین پہ رخشاں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
عمر[3] کافی نبی کو حسبک اللہ سے یہ ثابت ہے　　ہے شاہد جن پہ قرآں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
وہ عالم دبدبہ کا کانپتے ہیں قیصر و کسریٰ　　ہے جن سے دین کی شاں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
خزانے روم و فارس کے لٹاتے ہیں مدینہ میں　　فیوضِ حق کے باراں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
مگر اس[4] حال میں ڈھو کر اک کرتا پہنتے ہیں　　ہے نازاں جن پہ تقویٰ حضرت فاروقِ اعظم ہیں
مسلماں لٹ بھر سوئیں عمرِ فاروق پہرا دیں　　رعایا کے نگہباں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
پکارا[5] ساریہ کو اک مہینہ کی مسافت سے　　جسے ہر جا ہو یکساں حضرت فاروقِ اعظم ہیں

---

[1] تمام تو اسلام کو چاہتے ہیں اور اسلام نے فاروق کو چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ کہ خدایا اگر تو اسلام کو عزت دینا چاہتا ہے تو یا تو عمر کو ہدایت ایمان دے یا ابوجہل کو حضرت فاروق کے حق میں دعا قبول ہوئی۔ لہذا آپ بلائے ہوئے اسلام میں آئے ہیں۔

[2] حضور اللہ کے محبوب ہیں ان کی صحبت کے لئے بھی پاک لوگ چنے گئے۔ پھول کی صحبت میں مٹی بھی مہک جاتی ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ان کے صحبت یافتہ بے فیض رہیں۔ آفتاب آسمان پر رہ کر ناپاک زمین کو پاک کرتا ہے تو مدینہ کے آفتاب کا کیا کہنا۔

[3] حضرت عمر کے ایمان لانے پر ملائکہ نے مبارکباد یہاں پیش کیں اور آیت نازل ہوئی یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ط اے نبی آپ کو اللہ اور یہ مومن کافی ہیں معلوم ہوا کہ غیر خدا کی حمایت لینا جائز ہے۔

[4] حبش وبانشیں میں مدینہ پاک میں سونے چاندی کے خزانے آرہے تھے ایک جمعہ کو حضرت عمر فاروق نماز میں دیر سے پہنچے اور فرمایا کہ میرے پاس ایک کرتا ہے اس کو دھونے میں دیر ہوئی۔

[5] نہاوند میں جنگ ہوری تھی حضرت ساریہ سالار لشکر بے خبر تھے پیچھے سے کفار نے حملہ کرنا چاہا یہاں مدینہ سے پکارا اے ساریہ پہاڑ کو دیکھو اور آواز پہنچ گئی جس سے حضرت ساریہ اور تمام لشکر اسلام بچ گئے۔

ہیں داماد علیؑ و نازنین حضرت زہرہ
ہے سالک جن پہ نازاں حضرت فاروق اعظم ہیں

قصیدہ (۲۳)

معروضہ بارگاہ حضرت ذوالنورین امام المسلمین عثمان غنی رضی اللہ عنہ

خلق پہ لطفِ خدا حضرت عثمان ہیں
جملہ مرض کی دوا درد کے درمان ہیں

دستِ شہ دوسرا جو کہ یدُاللہ تھا[1]
ہاتھ جب آپ کا آپ وہ ذی شان ہیں

نورِ دل و عین ہیں صاحب نورین ہیں[2]
سب کے دل کے چین ہیں مومنوں کی جان ہیں

گلشنِ دین کی بہار مومنوں کے تاجدار
عزتِ ہر ذی وقار زینتِ ایمان ہیں

آپ ممدوحِ جہاں خلقِ خدا مدح خواں
کیا ہے اگر بد گماں جنبدِ بے ایمان ہیں

حق نے وہ رتبہ دیا تم غنی ہم سب گدا
کیا کہوں ہیں تم ہو کیا عقل و دل حیران ہیں

جو ہیں امام انام جسکے ہم سب ہیں غلام
مرجع ہر خاص و عام حضرتِ عثمان ہیں

بابِ سخا کھل گیا دیکھا جو یہ ماجرا[3]
غازیانِ مصطفےٰ بے سروسامان ہیں

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو فرمایا گیا یدُاللہ اور صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب حضور نے لوگوں سے بیعت رضوان لی۔ حضرتِ عثمان بھیجے ہوئے مکہ مکرمہ گئے تھے تو حضرت نے اپنے بائیں ہاتھ کو فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور داہنا ہاتھ محمد رسول اللہ کا ہے اور ان کی طرف سے خود بیعت لی ع۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر خود گلِ کوزہ

[2] حضرت عثمان آگے پیچھے حضور کی دو صاحبزادیوں رقیہ و ام کلثوم کے شوہر ہیں اسی لیے آپ کو ذوالنورین یعنی دو نور والا کہتے ہیں۔ حضور کے کل تین داماد ہیں۔ حضرت علی ابوالعاص عثمان رضی اللہ عنہم۔ حضور نے فرمایا اگر میرے اور بھی لڑکیاں ہوتیں تو میں اے عثمان آگے پیچھے تمہارے ہی نکاح میں دیتا

[3] ایک غزوہ کے موقعہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو چندہ دینے کا حکم دیا۔ تین بار میں حضرت عثمان نے تین سو اونٹ اور تین سو دینار حاضر کیے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر فرمایا کہ عثمان کو اب کوئی عمل مضر نہ ہوگا۔ یعنی آیندہ گناہ ان سے ہوگا ہی نہیں۔

تم غنی ہو سالک گدا اک نظر بہرِ خدا آپ جہاں کے لئے رحمت رحمان ہیں

قصیدہ (۲۴)

ببارگاہِ امیر المومنین امام الاشجعین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

بیاں کس منہ سے ہو اس مجمع البحرین[1] کا رتبہ جو مرکز ہے شریعت کا طریقت کا ہے سرچشمہ
بنا اس واسطے اللہ کا گھر جائے پیدائش کہ وہ اسلام کا کعبہ ہے یہ ایمان کا کعبہ
وہ ہے خاموش قرآں اور یہ قرآنِ ناطق ہیں نہیں[2] جس دل میں یہ اس میں نہیں قرآن کا رستہ
دلھن زہرہ[3] عمر داماد اور حسنین سے بیٹے تری ہستی ہے اعلیٰ اور بالاتر ترا کنبہ
نبی کی نیند پر اس نے نمازِ عصر قرباں کی جو حاضر کر چکا تھا اس سے پہلے جان کا ہدیہ[4]
نہ کیونکر لوٹتا اس کیلئے ڈوبا ہوا سورج[5] کہ جب اس چاند کے پہلو میں اک سورج کا تھا جلوہ
تعالیٰ اللہ تیری شوکت تری صولت کا کیا کہنا کہ خطبہ پڑھ رہا ہے آج تک خیبر کا ہر ذرہ
مسلمانو رسول اللہ کی الفت اگر چاہو کرو[6] اس کی غلامی جس کا ہر مومن ہوا بندہ

۱؎ شریعت کے بھی آپ امام ہیں اور طریقت تو آپ ہی سے پھیلی ۲؎ اہل بیت عظام اور قرآن لازم و ملزوم ہیں جہاں قرآن نہیں یہ نہیں اور جہاں یہ نہیں قرآن نہیں رافضی قرآن و اہل بیت دونوں سے محروم ۳؎ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا کو مولیٰ علی نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اعتراض کیا گیا کہ شوہر اپنی میت بیوی کو غسل نہیں دے سکتا فرمایا میں دے سکتا ہوں میرا نکاح موت سے نہیں ٹوٹا حضور نے فرمایا تھا کہ اے علی فاطمہ دنیا و آخرت میں تمہاری بیوی ہیں ۴؎ ہجرت کے موقعہ پر بستر رسول اللہ پر لیٹ گئے جبکہ کفار قتل کے درپے تھے ۵؎ خیبر میں نماز عصر جانے دی مگر حضور کے آرام میں خلل نہ آنے دیا معلوم ہوا کہ نماز سے خدمت مصطفےٰ ہے ۶؎ حضور نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں مولیٰ اس کے علی مولیٰ ہیں۔ مولا بمعنی مالک بھی آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہم سب حضرت علی کے غلام ہیں۔

ہو چشتی قادری یا نقشبندی سہروردی ہو — ملا سب کو ولایت کا انہی کے ہاتھ سے ٹکڑا
ہے صدقہ میل پھر اس پاک و ستھرے گھرانے کا کیوں ہو — کہ دنیا کھا رہی ہے جس کی آلِ پاک کا صدقہ
علی مشکلکشا ہیں سب کے سالک کا سہارا ہیں — ہر اک محتاج ان کا ہو جواں بڈھا ہو یا بچہ

قصیدہ (۲۵)

معروضہ بہ بارگاہ ام المومنین محبوبہ محبوبِ ربّ العالمین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس مبارک مال پہ صدقہ کیوں نہ ہو سب اہل دین[1] — جو ہوا امّ المومنین بنت امیر المومنین
جن کا پہلو ہو نبی کی آخری آرامگاہ[2] — جن کے حجرے میں قیامت تک نبی ہوں جاگزیں
آستاں ان کا فرشتوں کی زیارتگاہ ہے[3] — کیونکہ اس میں جلوہ فرما ہیں امام المرسلین
آپ کے دولت کدہ میں دولتِ دارین ہے — اس زمیں پہ پھر نہ کیوں قرباں ہو عرشِ بریں
کیا مبارک نام ہے کیسا پیارا ہے لقب — عائشہ محبوبۂ محبوبِ ربّ العالمین
آپ صدیقہ پدر صدیق اور شوہر نبی — میکہ و سسرال اعلیٰ آپ خود ہیں بہترین
کیوں نہ ہو رتبہ تمہارا اہلِ ایماں میں بڑا — سب تو ہیں مومن مگر ہیں آپ امّ المومنین
دی گواہی آپ کی عفت کی سورۂ نور نے[4] — مدح کرتا ہے تیری عصمت کی قرآن مبین
ان کے بستر میں وحی آئے رسول اللہ پہ — اور سلام خادمانہ بھی کریں روح الامین

---

[1] سادات کرام کو زکوٰۃ کھانا جائز نہیں کہ زکوٰۃ مال کا میل ہے اور وہ طیب طاہر حضرات [2] حضور کا وصال حضرت صدیقہ کی گود میں ہوا۔ اور آپ ہی کے حجرے میں دفن ہوئے [3] خانہ کعبہ کا حج سال میں ایک بار فرشتے کرتے ہیں اور صدیقہ کے مکان کا حج ملائکہ ہر وقت کرتے ہیں ۷۰ ہزار صبح سے شام تک اور ۷۰ ہزار شام سے صبح تک روضہ پاک گھیر کر سلام پڑھتے ہیں [4]

[4] کچھ لوگوں نے صدیقہ کو تہمت لگائی۔ قرآن میں اٹھارہ آیات میں ان کی پاک دامنی فرما کر سارے مسلمانوں کو گواہ بنا دیا کہ نمازی بھی نماز میں گواہی دے۔ سبحان اللہ عصمت یوسف علیہ السلام کی گواہی شیر خوار بچے سے دلوائی اور عصمت صدیقہ کی گواہی رب نے خود دی۔

آپ کا علم و فقہ تحقیق قرآن و حدیث
دیکھ کر حیراں ہیں سارے صحابہ تابعین

ناز برداری تمہاری کیوں نہ فرمائے خدا
نازنینِ حق نبی ہیں تم نبی کی نازنین

آیۂ تطہیر[1] بس ہے ان کی پاکی کا بیاں
ہیں یہ بی بی طاہرہ شوہر امام الطاہرین

سالکِ خستہ تمہارا گو ہے نالائق مگر!
ماں بُرے بیٹے کو اپنے سے جدا کرتی نہیں

قصیدہ (۲۶)

معروضہ بارگاہِ جنابِ آمنہ بی بی رضی اللہ عنہا

صدقہ تم پر ہوں دل و جانِ آمنہ
تم نے بخشا ہم کو ایمان آمنہ[2]

جو ملا جس کو ملا تم سے ملا
دین و ایمان علم و عرفان آمنہ

کل جہاں کی مائیں ہوں تم پر فدا
تم محمد کی ہو بنیان آمنہ

ابنِ مریم واقعی رب کے رسول
پر محمد کی بڑی شان آمنہ

جس شکم میں مصطفےٰ ہوں جاگزیں
عرشِ اعظم سے ہے ذیشان آمنہ

تم سے ایمان و امانت اور امن
تم سے فیضان تم سے عرفان آمنہ

آمنہ کے ہیں[3] معنے بالیقین
یا امانت امن و ایمان آمنہ

---

[1] حق یہ ہے کہ آیۂ تطہیر میں ازواج و اولاد یعنی اہل بیت ولادت اور اہل بیت سکونت سب داخل ہیں حضرت حنہ اور مریم و عیسیٰ علیہ السلام کو رب نے آلِ عمران فرمایا۔ حالانکہ حنہ عمران کی بیوی ہیں اور مریم بیٹی اور عیسیٰ علیہ السلام نواسے اسی طرح اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ میں ہے [2] آمنہ میں چار حرف ہیں۔ الف۔ میم۔ نون اور ہ۔ الف سے اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ میم سے محمد کی جانب۔ ن سے نور کی طرف اور ہ سے ہدایت کی جانب۔

[3] آمنہ یا تو ایمان سے بنا ہے یا امن سے یا امانت سے۔ یعنی ایمان والی بی بی یا امان والی بی بی یا امانت والی بی بی۔ رضی اللہ عنہا۔

تم سے اللہ و محمد ہیں عیاں نورِ ہدیٰ تم ہیں پنہاں آمنہ
ہم ہیں مومن اور تم ایمان بخش چشمۂ دیں تم سے رواں آمنہ
تیری تربت کا مجاور میں بنوں پھر نکالوں دل کے ارماں آمنہ
مہبطِ قرآں نبی ہیں اور تم ہو نبی کی مخدوم ماں آمنہ

ہے یہ سالک آپ کے در کا فقیر
مانگتا ہے امن و ایمان آمنہ

قصیدہ (۲۷)

معروضہ بارگاہ شہزادیِ کونین اُمّ الحسنین خاتونِ جنّت رضی اللہ عنہا

ہے رتبہ اس لئے کونین میں عصمت کا عفت کا شرف حاصل ہے ان کو دامنِ زہرا سے نسبت کا
جو جانا خلد میں ہو پائے زہرا سے لپٹ جاؤ جسے کہتے ہیں جنّت مِلک ہے خاتونِ جنّت کا
نبی کے دل کی راحت اور علی کے گھر کی زینت ہیں بیاں کس سے ہو ان کی پاک طینت پاک طلعت کا
انہی کے ماہ پارے دو جہاں کے لاج والے ہیں یہ ہی ہیں مجمع بحرین سرچشمۂ ہدایت کا
رسول اللہ کی جیتی جاگتی تصویر کو دیکھا کیا نظارہ جن آنکھوں نے تفسیرِ نبوّت کا
بتول و فاطمہ زہرا لقب اس واسطے پایا کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنّت کی نکہت کا

۱ قرآن کا نزول حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری جناب آمنہ کی گود میں ہوئی گویا آپ صاحبِ قرآن کا جائے نزول ہیں۔ رضی اللہ عنہا۔

۲ جس سیپ میں موتی رہے وہ سیپ بھی قیمتی ہے جس غلاف میں قرآن مجید رہے وہ غلاف محترم ہے تو جس شکم اور جس گود میں جناب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم رہیں وہ شکم اور وہ گود کیسی ہے پھل کو دیکھ کر درخت کا پتہ لگاؤ جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جناب آمنہ کی شان پہچانو۔

۳ سیّد دو طرح کے ہیں حسنی اور حسینی مگر یہ دونوں گروہ اس ذاتِ پاک میں جمع ہیں ۴ حضرت خاتونِ جنت ہم شکل مصطفےٰ تھیں ۵ مبسوط سرخسی میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے جسم پاک کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے نیز مدارج النبوۃ میں ہے کہ آپ حیض سے پاک تھیں۔ زہرا معنی کلی فاطمہ اور بتول معنی دنیا سے قطع تعلق فرمانے والی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔

نبی کی لاڈلی بیوی ولی کی ماں شہیدوں کی | یہاں جلوہ نبوّت کا ولایت کا شہادت کا
تعالی اللہ اس سعدین کے جوڑے کا کیا کہنا | کہ رحمت کی دلہن زہرہ علی دولہا ولایت کا
وہ عزت جو کہ امت کیلئے قرآنِ ثانی ہے | نبی کا ہے چمن یعنی شجر اس پاک نیت کا
وہ چادر جس کا آنچل چاند سورج نے نہیں دیکھا | بنے گی حشر میں پردہ گنہ گارانِ اُمّت کا
اگر سالک بھی یا رب دعویٔ جنت کرے حق ہے | جو وہ زہرہ کی ہے یہ بھی تو ہے خاتونِ جنّت کا

قصیدہ (۲۷)

معروضہ بہ بارگاہِ سیّد الشہدا امام الاولیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ

سر وہ ہے جو کٹے اسلام کی خدمت کے لئے | آبرو وہ جو گئے دین کی عظمت کے لئے
جو کہ ہے دل سے جگر پارہ زہرہ پہ نثار | خلد ہے اس کیلئے اور جنت کے لئے
ناز ہیں آلِ نبی جسم ہیں اصحابِ رسول | للہ الحمد کہ مژدہ ہے یہ اُمّت کے لئے
ہر دنی چیز ہوا کرتی ہے اعلیٰ پہ نثار | جسم ہے جاں کیلئے جاں ہے عترت کے لئے
کیوں نہ جھکے سامنے دنی کے وہ ذاتِ عالی | جس کا ہر نقشِ قدم قبلہ ہو اُمّت کے لئے
نونہالِ چمنِ مصطفوی مرتضوی ؟ | جسے قدرت نے چُنا زینتِ جنت کے لئے
جو کہ آغوشِ پیمبر میں پھلا پھولا تھا | کربلا میں وہ کٹا دیں کی حفاظت کے لئے
ہاشمی باغ ہوا ہاشمی خون سے سیراب | باغِ زہرہ کٹا اس باغ کی نزہت کے لئے

لے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے حضرت زہرہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح جائز نہ تھا حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) دُوسری عورت سے نکاح کرنا چاہیں تو میری فاطمہ کو طلاق دیدیں اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ السلام مالکِ احکام ہیں کہ مسلمانوں کو چار عورتیں جائز مگر کرم اللہ وجہہ کو نہیں اس کی تفصیل ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو۔

ٹے کوئی سر پہ تلوار مارے تو ہاتھ اُس سے روکتے ہیں یعنی ہاتھ کو سر پہ قربان کرتے ہیں اسی طرح زمین دانہ پہ دانہ حیوان پر حیوان انسان پر قربان ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ ادنیٰ چیز اعلیٰ پر قربان ہوتی ہے۔ لہٰذا بال جسم پر اور جسم جان پر اور جان مصطفیٰ علیہ السلام اور ان کی اولاد و صحابہ کرام پر قربان۔

استقامت پہ فدا ہیں تیری اے سبطِ حسین
نہ گیا ہاتھ ہیں بے دین کے بیعت کے لئے

اس دوگانہ پر فدا ساری نمازیں جس میں
دھارِ حلقوم پہ سر خم ہو عبادت کے لئے

کھل گیا اس سے اگر حق پہ نہ ہوتے اصحاب[1]
دستِ حسنین نہ بڑھتا کبھی بیعت کے لئے

سالک اصحاب تو نورانی ہیں اور آل ہے نور
نور کو نور ہی لائق تھا معیت کے لئے

(۲۹)

بارگاہِ امام الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

ہمارے آقا ہمارے مولیٰ امام اعظم ابوحنیفہ
ہمارے ملجا ہمارے ماویٰ امام اعظم ابوحنیفہ

زمانہ بھر نے زمانہ بھر میں بہت تجسس کیا و لیکن
ملا نہ کوئی امام تم سا امام اعظم ابوحنیفہ

سپہرِ علم و عمل کے سورج تمہی ہو سب ہیں تمہارے تارے
تمہی سے چمکا ہے جو بھی چمکا امام اعظم ابوحنیفہ

تمہارے آگے تمام عالم نہ کیوں کرے زانوئے ادب خم
کہ پیشوایانِ دین نے مانا امام اعظم ابوحنیفہ[2]

نہ کیوں کریں ناز اہلِ سنت کہ تم سے چمکا نصیبِ امت
سراجِ امت ملا ہو تم سا امام اعظم ابوحنیفہ

---

[1] امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید پلید کی بیعت نہ کی جان دیدی اور خلفائے راشدین کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ کیا معلوم ہوا کہ ان کی نگاہ میں وہ تمام خلافتیں حق تھیں حتیٰ کہ امیر معاویہ کو بھی خلافت دیدی اور جنگ نہ کی نیز تقیہ کی جڑ کٹ گئی کہ کربلا میں اس قدر بے سروسامانی کے باوجود تقیہ نہ کیا کیونکہ تقیہ تو منافقین کرتے ہیں۔

[2] باقی ائمہ مجتہدین امام اعظم کے یا تو شاگرد ہیں یا شاگرد کے شاگرد امام شافعی کی والدہ سے امام محمد نے نکاح کیا اور ان کی تصنیفات سے امام شافعی نے بہت فائدہ حاصل کیا امام مالک نے فقہ میں امام محمد کی شاگردی کی اور حدیث میں امام محمد نے ان کی شاگردی کی۔

خدا نے تجھ کو وہ دی ہے نعمت کہ تیرا منسوب بھی ہے مرفوع
تری اضافت[1] میں رفع پایا امام اعظم ابو حنیفہ

ہوا اُولی الامر[2] سے یہ ثابت کہ تیری طاعت ضروری ہے جب
خدا نے تم کو کیا ہمارا امام اعظم ابو حنیفہ

کسی کی آنکھوں کا نور ہے تو کسی کے دل کا بنا سہارا
مگر کسی کے جگر میں آرا امام اعظم ابو حنیفہ

جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین سارے ہوتے مشرک
بخاری[3] و مسلم ابن ماجہ امام اعظم ابو حنیفہ

کہ جتنے فقہاء محدثین ہیں تمہارے خرمن سے خوشہ چیں ہیں
ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ امام اعظم ابو حنیفہ

سراج تو ہے بغیر تیرے جو کوئی سمجھے حدیث و قرآں
پھرے بھٹکتا نہ پائے رستہ امام اعظم ابو حنیفہ

خبر لے اے دستگیر اُمت ہے سالک بے خبر پہ شدت
وہ تیرا ہو کر پھرے بھٹکتا امام اعظم ابو حنیفہ

———(۰۰)———

[1] بقاعدہ نحو اضافت سے زیر ہوتا ہے مگر امام اعظم کی اضافت نے رفع یعنی بلندی دی ہے [2] قرآن میں ہے اطیعو اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم یعنی خدا اور رسول اور امر والوں کی اطاعت کرو اور وہ علمائے حقانی ہیں خصوصاً مجتہدین [3] وہابی تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں اور مشرک کی حدیث معتبر نہیں حالانکہ مسلم اور ترمذی وغیرہ تمام محدثین مقلد ہی ہیں تو ان میں سے کسی کی روایت معتبر نہیں ہونی چاہیئے امام بخاری بہت سے حنفی محدثین کے شاگرد ہیں دیکھو عینی شرح بخاری اور دیگر محدثین امام بخاری کے شاگرد تو بالواسطہ تقریباً تمام محدثین حضرت امام اعظم کے شاگرد ہوئے [4] حضرت امام کا لقب ہے سراج الامت یعنی امت کے چراغ جو کوئی بغیر چراغ کے حدیث پڑھے گا۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے گا۔ مولوی ثناء اللہ نے تفسیر لکھی جس میں کفریات بھر دیئے خود غیر مقلدین نے اس پر فتوے دیئے یہ تقلید نہ کرنے کی برکت ہے ؛

۳۰ اِلتجا

معروضہ بہ بارگاہ سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک خاص مصیبت پہ عرض کیا گیا
اور اللہ کے فضل سے فوراً مصیبت ٹل گئی

ہو گیا یا غوث میں برباد ہوتے آپ کے
رہ گیا میں بیکس و ناشاد ہوتے آپ کے

گھوم پھر کر دیکھا سب دروازے مجھ پر بند ہیں
اب کدھر جاؤں شہ بغداد ہوتے آپ کے

کربلا والوں کا صدقہ مجھ دکھی پہ رحم کر
اب کہاں جا کر کروں فریاد ہوتے آپ کے

دیس چھوٹا سارے ساتھی چل دیئے منہ موڑ کر
رہ گیا پردیس میں ناشاد ہوتے آپ کے

سید البغداد والے یہ مدد کا وقت ہے
مجھ پہ کیسی پڑ گئی افتاد ہوتے آپ کے

تم سخی ابن سخی ہو خسروا!
یہ گدا کس کو کرے پھر یاد ہوتے آپ کے

تم شہ بغداد مولا میں غلام خانہ زاد
رنج و غم سے کیوں نہ ہوں آزاد ہوتے آپ کے

عبد قادر آپ ہیں ہر شئی پہ قادر آپ ہیں
پھر کہوں کس سے پئے امداد ہوتے آپ کے

آپ کا ارشاد ہے مُریدی لا تخف
رنج میں ہے سالک ناشاد ہوتے آپ کے

۳۱ قصیدہ

ہیں میرے پیر لاثانی محی الدین جیلانی
نبی کی شمع نورانی محی الدین جیلانی

علی کے لاڈلے نور نگاہ حضرت زہرہ
رسول اللہ کے جانی محی الدین جیلانی

لقب ہے قطب ربانی شرف محبوب سبحانی
ہے رخ قندیل نورانی محی الدین جیلانی

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی سے ہوئی ثابت
جہاں میں تیری سلطانی محی الدین جیلانی

عزوم قاتل عند القتال شان عالی ہے — نہیں کوئی تیرا ثانی محی الدین جیلانی
بجز تیرے شہ بغداد کوئی اور کیا جانے — میرے دل کی پریشانی محی الدین جیلانی
فقیر قادری ہیں بادشاہ قادری تم ہو — ہو درد دل کی درمانی محی الدین جیلانی
خوشی سے کر دو مثلِ در میرے غنچہ دل کو — بپئے سلطان سمنانی محی الدین جیلانی
تمہارا اک اشارہ ہو تو میرا کام بن جائے — رفع ہو ساری حیرانی محی الدین جیلانی
مدد کا وقت ہے مشکلکشائی کے لئے آؤ — ہے بحرِ غم میں طغیانی محی الدین جیلانی
غلام درگہ والا ہے سالک پھر کدھر جائے — سنا نے رنج پنہانی محی الدین جیلانی

قصیدہ (۳۲)

معروضہ بارگاہِ مرشد حضرت مولانا محمد نعیم الدین[۱] صاحب مراد آبادی[۲]

اے باغِ بہارِ ایماں مرحبا صد مرحبا — اے چراغِ بزمِ عرفاں مرحبا صد مرحبا
تم سے رونق دین کی تم سے بہارِ ایمان کی — حامیِ دینِ نبی ہو اہلِ دیں کے مدعا
بے گماں جانِ رسول اللہ سے اللہ کو — رہبری سے تیری پایا ہم نے بابِ مصطفےٰ
آپ کی تقریر ہے بے شبہ تفسیرِ حدیث — آپ کی تحریر ہے بیماریٔ دل کی دوا
آپ کے سایہ میں گر آئے مگس ہووے ہما — آپ کی چشمِ کرم سے مس بھی بن جائے طلا
کیوں نہ ہو تم پہ تصدق اہلِ دل اہلِ نظر — جانشینِ مصطفےٰ ہو نورِ چشمِ مصطفےٰ

تم نعیمِ دین ہو سالک فقیرِ دین ہے!
حق تعالیٰ نے تمہیں منعم کیا اُس کو گدا

---

۱ خود میرا اپنا واقعہ ہے کہ جب میں میٹرک سے مراد آباد پڑھنے آیا تو نہ دین و مذہب ٹھیک تھا نہ اعمال کیونکہ دیوبندیوں کی صحبت ملی تھی۔ اسی ذات کے صدقہ سے مجھے ایمان ملا اور علم سے قلب منوّر ہوا۔ دام ظلہم

۲ حضرت مرشد برحق سیّد بھی تھے اور بے مثل عالم دین بھی۔ فلہٰذا دین جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور سیّد اولاد ہیں۔

(۳۳) قصیدہ

معروضہ بارگاہ مرشد برحق ناصرِ ملّت مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مرادآبادی

جس نے دکھایا طیبہ وقبلہ تمہی تو ہو
جس میں نبی کو دیکھا وہ شیشہ تمہی تو ہو

اہلِ نظر کے تم ہی تو ہو مطمحِ نظر
اور اہلِ دل کے دل کی تمنا تمہی تو ہو

تم وارثِ علومِ حبیبِ اللہ ہو
اور ناصرِ شریعتِ بیضا تمہی تو ہو

اس گلستانِ دین کی تم ہی بہار ہو
اور بزمِ سنّت کا اجالا تمہی تو ہو

دین کے نعیم، مظہرِ شانِ معین ہو
کمزور و بے نوا کا سہارا تمہی تو ہو

سب اہلِ عقل صدر افاضل نہ کیوں کہیں
وہ سب ہیں خاتم ان کے نگینہ تمہی تو ہو

ہے نجدیوں کے قلب میں آرا تمہاری ذات
اور سنّیوں کی آنکھ کا تارا تمہی تو ہو

تقریر جس کی قہرِ الٰہی عدو پہ ہے
اور اہلِ دین پہ رحمتِ مولا تمہی تو ہو

جس کا قلم کہ نیزۂ باطل شکن بنا
اور دینِ مصطفیٰ کا ہے پایا تمہی تو ہو

ہم سب پھنسے جہل کی شبِ تاریک میں پھنسے
شب جس سے کٹ گئی وہ سویرا تمہی تو ہو

دل کی مراد آپ کی خوشنودیٔ مزاج
اور سالک فقیر کے منشا تمہی تو ہو

(۳۴) قصیدہ

دیگر معروضہ بارگاہ مرشدِ کامل استاذ العلماء صدر الافاضل مرادآبادی

نعیمِ دین وملت ناصرِ شرعِ مبیں تم ہو
معینِ اہلِ سنّت ناشرِ احکامِ دین تم ہو

لقب صدر الافاضل آپ نے پایا زمانہ میں
امامِ اہلِ سنّت دین کے حبلِ متیں تم ہو

ہو ملجا اہلِ دین کے اور ماوی اہلِ ملت کے
دہابی کا جگر ہو جس سے شق وہ سیفِ دیں تم ہو

وہابی دیوبندی قادیانی نیچری سارے
فنا دم سے تمہارے کا سرِ اعداءِ دین تم ہو

مٹایا کفر کو تم نے بجایا دین کا ڈنکا
پناہِ اہلِ دیں اور قامعِ کفرِ مبین تم ہو

گذاری عمر ساری خدمتِ دینِ محمدؐ میں
دل و جان سے معینِ دینِ ختم المرسلین تم ہو

تمہاری دید ہم سب خادموں کی عید ہے آقا
قرارِ بیقراراں اور راحتِ قلبِ حزیں تم ہو

منور آپ سے ہے بزمِ ایمانی و ایقانی
سراجِ بزمِ عرفاں صاحبِ علم الیقیں تم ہو

نہ کیوں اہلِ زباں فخر الاماثل آپ کو مانیں
اماثلِ خاتمِ دیں اور خاتم کے نگیں تم ہو

ہوا گو ہے مخالف اور ہیں اعدائے دیں درپے
مگر کیا خوف ہو سالک کو جب اسکے معیں تم ہو

(۴۵) دُعا

نہ مجھ کو خدا، مال و زر چاہیئے
نہ یاقوت و لعل و گوہر چاہیئے

نہ کوئی رسوخ و اثر چاہیئے
فقط تیری سیدھی نظر چاہیئے

زمانہ کی خوبی زمانے کو دے
مجھے صرف دردِ جگر چاہیئے

رہے جس میں عشقِ حبیبِ خدا
وہ دِل وہ جگر اور وہ سر چاہیئے

کوئی راج چاہے کوئی تخت و تاج
مجھے تیرے پیارے کا در چاہیئے

بنے جس میں تقدیر بگڑی ہوئی
الٰہی مجھے وہ ہنر چاہیئے

ہیں دنیا میں لاکھوں بشر پر وہاں
خبر کے لئے بے خبر چاہیئے

خزانہ ہے رب کے جو چاہو سو لو
نبی کی غلامی مگر چاہیئے

دعائیں تو سالک بہت ہیں مگر
اثر کے لئے چشمِ تر چاہیئے

شاہزادیٔ اسلام مالکۂ دار السّلام حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح

گوشِ دل سے مومنو سُن لو ذرا
ہے یہ قصہ فاطمہ کے عقد کا

پندرہ سالہ نبی کی لاڈلی
اور تھی بائیس سال عمرِ علی

عقد کا پیغام حیدر نے دیا
مصطفٰے نے مرحبا اہلاً کہا

پیر کا دن سترہ ماہِ رجب
دوسرا سنِ ہجرت شاہِ عرب

پھر مدینہ میں ہوا اعلانِ عام
ظہر کے وقت آئیں سارے خاص عام

اس خبر سے شور برپا ہو گیا
کوچہ و بازار میں غل سا مچا

آج ہے مولے کی دختر کا نکاح
آج ہے اس نیک اختر کا نکاح

آج ہے اس پاک بیبی کا نکاح
آج ہے بے ماں کی بچی کا نکاح

خیر سے جب وقت آیا ظہر کا
مسجد نبوی میں مجمع ہو گیا

ایک جانب ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ
اک طرف عثمانؓ بھی ہیں جلوہ گر

ہر طرف اصحاب اور انصار ہیں
درمیاں میں احمدِ مختار ہیں

سامنے نوشہ علی مرتضٰے
حیدرِ کرار شاہِ لافتیٰ

آج گویا عرش آیا ہے اُتر
یا کہ قدسی آ گئے ہیں فرش پر

جمع جب یہ سارا مجمع ہو گیا
سیّد الکونین نے خطبہ پڑھا

جب ہوئے خطبے سے فارغ مصطفٰے
عقد زہرا کا علی سے کر دیا

چار سو مثقال چاندی مہر تھا
وزن جس کا ڈیڑھ سو تولہ ہوا

بعد میں خرمے لٹائے لاکلام
ماسوا اس کے نہ تھا کوئی طعام

ان کے حق میں پھر دعائے خیر کی
اور ہر اک نے مبارکباد دی

گھر سے رخصت جس گھڑی زہرا ہوئیں
والدہ کی یاد میں رونے لگیں

دی تسلی احمدِ مختار نے
اور فرمایا شہِ ابرار نے

فاطمہ ہر طرح سے بالا ہو تم
میکہ و سسرال میں اعلیٰ ہو تم

باپ تمہارے امام الانبیاء
اور شوہر اولیاء کے پیشوا

ماہِ ذی الحجہ میں جب رخصت ہوئی
تب علی کے گھر میں اک دعوت ہوئی

جس میں تھیں دس سیر جو کی روٹیاں
کچھ پنیر اور تھوڑے سے خرمے بیگماں

اس ضیافت کا ولیمہ نام ہے
اور یہ دعوت سنتِ اسلام ہے

سب کو اُن کی راہ چلنا چاہیئے
اور بُری رسموں سے بچنا چاہیئے

جہیز

فاطمہ زہرا کا جس دن عقد تھا
سُن لو اُن کے ساتھ کیا کیا نقد تھا

ایک چادر سترہ پیوند کی
مصطفٰے نے اپنی دُختر کو جو دی

ایک توشک جس کا چمڑے کا غلاف
ایک تکیہ ایک ایسا ہی لحاف

جس کے اندر اُون نہ ریشم رُوئی
بلکہ اس میں چھال خُرمے کی بھری

ایک چکّی پیسنے کے واسطے
ایک مشکیزہ تھا پانی کے لیئے

ایک لکڑی کا پیالہ ساتھ ہیں
نقرئی کنگن کی جوڑی ہاتھ ہیں

اور گلے میں ہار ہاتھی دانت کا
ایک جوڑا بھی کھڑاؤں کا دیا

شاہ زادی سیّد الکونین کی
بے سواری ہی علی کے گھر گئی

واسطے جن کے بنے دونوں جہاں
اُن کے گھر تھیں سیدھی سادی شادیاں

اس جہیزِ پاک پر لاکھوں سلام
صاحبِ لولاک پر لاکھوں سلام

شاہزادیٔ کونین کی زندگیٔ پاک

آئیں جب خاتونِ جنّت اپنے گھر
پڑ گئے سب کام اُن کی ذات پر

کام سے کپڑے بھی کالے پڑ گئے
ہاتھ میں چکّی سے چھالے پڑ گئے

دی خبر زہرا کو اسد اللہ نے
بانٹے ہیں قیدی رسول اللہ نے

ایک لونڈی بھی اگر ہم کو ملے
اس مصیبت سے تمہیں راحت ملے

سُن کے زہرا آئیں صدیقہ کے گھر
تاکہ دیکھیں ہاتھ کے چھالے پدر

پر نہ تھے دولتکدہ میں شاہِ دیں
والدہ سے عرض کر کے آگئیں

گھر میں جب آئے حبیبِ کبریا — والدہ نے ماجرا سارا کہا
فاطمہ چھالے دکھلانے آئی تھیں — گھر کی تکلیفیں سنانے آئی تھیں
آپ کو گھر میں نہ پایا شاہِ دیں — مجھ سے سب دُکھ درد اپنا کہہ گئیں
ایک خادم آپ اگر ان کو بھی دیں — چکی اور چولھے کے وہ دُکھ سے بچیں
سُن لیا سب کچھ رسولِ پاک نے — کچھ نہ فرمایا شہِ لولاک نے
شب کو آئے مصطفےٰ زہرہ کے گھر — اور کہا دختر سے اے جانِ پدر
ہیں یہ خادم ان یتیموں کے لئے — باپ جن کے جنگ میں مارے گئے
تم پہ سایہ ہے رسول اللہ کا — آسرا رکھو فقط اللہ کا
ہم تمہیں تسبیح اک ایسی بتائیں — آپ جس سے خادموں کو بھول جائیں
اولاً سُبحان ۳۳ بار ہو — اور پھر الحمد اتنی ہی پڑھو
اور ۳۴ بار ہو تکبیر بھی — تاکہ سَو ہو جائیں یہ مل کر سبھی
پڑھ لیا کرنا اسے ہر صبح و شام — وِرد میں رکھنا اسے اپنے مدام
خلد کی مختار راضی ہو گئیں — سُن کے یہ گفتار خوش ہو گئیں

سالک ان کی راہ جو کوئی چلے
دین و دنیا کی مصیبت سے بچے

مُناجات

کہاں ہو یا رسول اللہ کہاں ہو؟ — مری آنکھوں سے کیوں ایسے نہاں ہو
گدا بن کر میں ڈھونڈوں تم کو دَر دَر — مرے آقا مجھے چھوڑا ہے کس پر
اگر میں خواب میں دیدار پاؤں! — لپٹ قدموں سے بس قربان جاؤں
تمنا ہے تمہارے دیکھنے کی — نہیں ہے اس سے بڑھ کر کوئی نیکی
بسو دل میں سما جاؤ نظر میں — ذرا آجاؤ اس ویرانہ گھر میں

بنا دو میرے سینہ کو مدینہ
چھڑا لو غیر سے اپنا بناؤ
نکالو بحرِ غم سے یہ سفینہ
میں سب اچھوں کے بد کو تم نبھاؤ

مری بگڑی ہوئی حالت بنا دو
تمہارے سینکڑوں ہم سے گدا ہیں
مری سوئی ہوئی قسمت جگا دو
ہمارے آپ ہی اک آسرا ہیں

کھلائیں نعمتیں مجھ بے ہنر کو
نہیں ہے ساتھ میرے کوئی توشہ
دے آرام مجھ گندے بشر کو
کٹھن منزل تمہارا ہے بھروسہ

کھلیں جب روزِ محشر میرے دفتر
میں بے زر بے ہنر بے پر ہوں سالک
رہے پردہ مرا محبوبِ داور
مگر اُن کا ہوں وہ ہیں میرے مالک

عرضِ گدا بوقتِ وداع

تیسرے حج پر مدینہ منوّرہ سے رُخصت کے وقت عرض کیگئی

الوداع اے سبز گنبد کے مکیں
الفراق! اے رحمۃٌ للعالمین

الوداع اے مظہرِ ذاتِ خدا
الفراق! اے خلق کے مشکل کشا

الوداع اے شہرِ پاکِ مصطفےٰ
الفراق اے مہبطِ وحیِ خدا

جا رہا ہے اب ہمارا قافلہ
اے درو دیوارِ شہرِ مصطفےٰ

یاد تیری جس گھڑی بھی آئیگی
ہے یقیں دل کو بہت تڑپائیگی

اے دلوں کے چین اے پیارے نبی
لو غلاموں کا سلامِ آخری

دُور سے آئے تھے پردیسی غلام
عرض کرنے کو غلامانہ سلام

آستانہ سے وداع ہوتے ہیں اب
یہ تو فرماؤ کہ بلواؤ گے کب؟

چشمِ رحمت سے نہ تم کرنا جدا
رکھنا اپنے سائے میں ہم کو سدا

اے مدینہ والو تم سب خوش رہو
دامنِ محبوب میں پھولو پھلو

عرض اتنی ہے مگر اے دوستو! یاد ہم کو بھی کبھی کر لیجیئو
آخری دیدار ہے اے زائرو خوب جی بھر کر یہ گنبد دیکھ لو
کیا خبر ہے خوب دل میں سوچ لو پھر مقدر میں ہو آنا یا نہ ہو
یہ کوئی دم میں چھپا جاتا ہے اب فاصلہ کوسوں ہوا جاتا ہے اب
پھر کہاں تم اور کہاں یہ دوستو دیدِ آخر کو غنیمت جان لو!

ہے دعا سالک کی اے بارِ خدا
زندگی میں پھر مدینہ دے دکھا

مختلف اشعار

اے کریم از ما جفا از تو وفا اے رحیم از ما خطا از تو عطا
کارِ ما بدکاری و شرمندگی کارِ تو ستاری و بخشندگی

الٰہی بہ عصیاں شدم در وحل بہ جرمم گرفتی بہ عفوت بہ حل

شدم قیدی بہ جرم و بے حیائی رہائی یا رسول اللہ رہائی
رہا کردی غزالے را ز دامے عطا کن زیں بلا مارا رہائی

واحسرتا

اہلِ سنت بہر قوالی و عُرس دیوبندی بہر تصنیفات و درس
خرچ سُنّی بر قبور و خانقاہ خرچ نجدی بر علوم و درسگاہ!

قصیدہ
در شانِ غوثِ پاک

غوثِ اعظم دستگیرِ بے کساں
غوثِ اعظم رہنمائے گمرہاں

غوثِ اعظم بیکسوں کے دادرس
غوثِ اعظم خلق کے فریاد رس

غوثِ اعظم گلشنِ زہرا کے پھول
غوثِ اعظم قرۃِ عین رسول

غوثِ اعظم ڈوبتوں کے ناخدا
غوثِ اعظم محیِ دینِ مصطفیٰ

غوثِ اعظم واقفِ اسرارِ ہو
غوثِ اعظم سرِ قدرت مو بمو

غوثِ اعظم شاہ بازِ لامکاں
جن کی نظروں میں زمین و آسماں

غوثِ اعظم صاحبِ ایوان و تخت
جس نے چوروں کو بنایا قطبِ وقت

غوثِ اعظم متقی ہر آن میں
چھوڑا ماں کا دودھ بھی رمضان میں

غوثِ اعظم کی نگاہ لطف سے
نکلے بارہ سال ڈوبے ہوئے

غوثِ اعظم اب مدد کی بار ہے
سالکِ خستہ نحیف و زار ہے

تزمیم شدہ شعر

غوثِ اعظم درمیانِ اولیاء
چوں جنابِ مصطفیٰ در انبیاء

نظم :

جب حضرت حکیم الامت گجرات تشریف لائے تو گجرات میں بہت جہالت کی رسمیں قائم اور وہابیت عروج پر تھی۔ آپ کی تبلیغ کی برکت سے جہاں گجرات کا علاقہ علم وعرفان کا گہوارہ بنا وہاں وہابیت کے زور ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ جاہلانہ رسموں کی بھی سخت مخالفت ہوئی۔ اور بہت سے لوگ شادی بیاہ کی فضول اور خلافِ شرع رسومات سے تائب ہوئے۔ لالہ **فضل** مرحوم بگانوالہ آپ ہی کے درس قرآن سے متاثر ہو کر برادری کی بُری رسومات کے خلاف عملی جہاد میں مشغول ہوئے۔ سب برادری کو ناراض کر کے اللہ رسول کو راضی کیا اور اپنی پہلی بیٹی لختِ جگر کی شادی ایسی سادگی سے کی کہ دورِ صحابہ یاد آ گیا۔ اور ایسی لذت آئی کہ کئی مسلمانوں نے ان کی پیروی کی اسی پر نور شادی کا نقشہ خود حکیم الامت نے بصورتِ نظم کھینچا ہے :

مبارک فضل بھائی کو عجب ہی نور چھایا ہے !
شب اسرا کے دولہا نے انہیں دولہا بنایا ہے
جگایا تم نے عزت کو مٹایا تم نے بدعت کو
لہٰذا سو شہیدوں کا اجر و ثواب پایا ہے
کیا ناراض سب کو اور راضی کر لیا رب کو
غرض کہ اس تجارت میں نفع کافی کمایا ہے
رسول اللہ تم سے خوش ہیں اور اللہ بھی راضی

عمل سے تم نے اُمت کو سبق اچھا پڑھایا ہے.

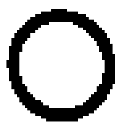
یہ شادی خانہ آبادی مُبارک ہو مبارک ہو
کہ اس شادی میں حضرت فاطمہ زہرا کا سایہ ہے

وہ آگے نعت خوانی اور درودِ پاک کی کثرت
خدا و مصطفٰے کے ذکر سے شیطاں بھگایا ہے

یہ آوازیں یقیناً سبز گنبد میں بھی پہنچی ہیں
احادیثِ نبی نے ہم کو یہ مژدہ سُنایا ہے

جہیزِ مختصر سے فاطمہ کی یاد تازہ کی
ولیمہ کی ضیافت میں عجب ہی لُطف آیا ہے

دُعا سالک کی یہ ہے فضل پر فضلِ الٰہی ہو
رہے یہ درس قائم جس سے سب نے فیض پایا ہے



بکتابت سید فاضل شاہ انور قلمکار
گجرات
۲/۸۵

محمد مہر گردش چار اختر
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

اس رسالہ میں نبی پاک کے نور ہونے اور جسم شریف کے بے سایہ ہونے کا ثبوت ہے

رسالۂ نور

مع

اضافاتِ جدیدہ و افاداتِ عدیدہ

مُصنّفہ

حضرت حکیم الامت مولانا الحاج مُفتی احمد یار خاں صاحب

ناشر

صاحبزادہ اقتدار احمد خان

نعیمی کتب خانہ گجرات پنجاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ وَاَصْحَابِہٖ الطَّاھِرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

جاننا چاہیئے کہ جیسے اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لاکھوں خصوصی صفات بخشے ویسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خصوصیت بھی عطا کی کہ انہیں اپنے نور سے بنایا اور سارے عالم کو ان سے ظاہر فرمایا۔ یعنی انہیں کے سر پہ اولیّت کا تاج رکھا اور ان ہی کی پیشانی پہ آخرت کا سہرا باندھا اور انہی کو آخری نبی بنا کر بھیجا اور انہی کو معراج کی رات میں اگلے سارے پیغمبروں کا امام بنایا ؎

نماز اسریٰ میں تھا یہی سرعیاں ہوں معنی اوّل آخر
کہ دست بستہ ہوں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

تخم درخت سے پہلے ہوتا ہے پھر اسی تخم پہ درخت کی تکمیل اور انتہا ہوتی ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس پر آج تک سارے کا۔ یہ گوادر اسلام کا دعویٰ کرنے والے متفق رہے ہے خود علمائے دیوبند کا بھی یہ ہی عقیدہ رہا جیسا کہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ مگر موجودہ زمانے کے نئے دیوبندی وہابی جہاں حضور کے اوصافِ خصوصی کے انکاری ہوگئے ہیں جن پہ اہل اسلام ناز کرتے تھے۔ وہاں حضور کے نور ہونے کے بھی منکر ہوگئے اب یہ حال ہوگیا ہے کہ حضور کے نور ہونے کے انکار کے لئے جلسے ہو رہے ہیں۔ عام دیوبندی عالموں کے لباس میں دن رات دھواں دھار تقاریر کر رہے ہیں۔ اور بگراہ کن طریقوں سے حضور کی نورانیت کا انکار کر رہے ہیں۔ طریقہ کلام اتنا بدتہذیبی گستاخی کا ہے کہ پتہ نہیں لگتا کہ کوئی سکھ۔ عیسائی۔ آریہ بول رہا ہے یا کلمہ گو مدعی اسلام ؎

میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نمک کھایا ہے۔ ان کے نام پلا ہوں۔ ان کے دروازوں کے ٹکڑوں سے گزارہ کر رہا ہوں۔ ان کی غلامی سے عزت ملی ہے۔ نمک حلال نوکر کو اپنے آقا کی توہین یا ان کے کمال کا انکار برداشت نہیں ہوتا۔ مجھے اس سے دکھ پہنچا۔ صرف چوب قلم ہاتھ میں ہے۔ یہ تو میسر نہ ہوا کہ بدر وحنین کا میدان ہوتا اور ان پر جان نچھاور کرتے ہوئے کفار کے نیزہ و تلوار اپنے اوپر لیتے ؎

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

اگر وہ نصیب نہ ہوا تو کم از کم چوب قلم سے بدگویوں کا مقابلہ کریں اور دشمنوں کے لسانِ قلم کو اپنے پر جھیلیں۔ شاید اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور غازیانِ بدر وحنین کے غلاموں میں حشر نصیب فرماوے اور حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کے نعلین برداروں میں قیامت کے دن اٹھائے۔

یہ مدِّنظر رکھتے ہوئے فقیر نے اس رسالہ کے لکھنے کی ہمت کی۔ جس میں ثابت کیا کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں اور سارے عالم کا ظہور حضور کے نور سے ہے۔ اس رسالہ کا نام "رسالہ نور" رکھتا ہوں اور اس کا بھی وہ ہی طریقہ ہوگا۔ جو "جاء الحق" اور "سلطنتِ مصطفےٰ" وغیرہ کتابوں کا ہے کہ اس رسالہ کے دو باب کیئے جائیں گے۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت قرآنی آیات احادیثِ شریفہ۔ بزرگان دین کے اقوال اور خود دیوبندی پیشواؤں کے کلام سے ہوگا۔ دوسرے باب میں اسی مسئلہ پر اب تک جس قدر اعتراض ہو چکے ہیں اور میرے علم میں آچکے ہیں ان کے جوابات۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ التَّوَکُّلُ وَاِلَیْہِ الْمَآب

احمد یار خاں بدایونی

مُقدّمہ

رسالہ شروع کرنے سے پہلے چند قواعد خیال میں رکھنا چاہئیں :

۱ ۔ نور کے لغوی معنی ہیں روشنی ۔ چمک دمک اور اُجالا ۔ مگر کبھی اس کو بھی نور کہہ دیا جاتا ہے جس سے روشنی اور اجالا نمودار ہو ۔ اس معنی میں سورج کو نور کہا جاتا ہے بجلی ۔ چراغ ۔ لالٹین کو نور یا روشنی کہہ دیتے ہیں یعنی مسبب بول کر سبب مراد لیتے ہیں ۔

۲ ۔ نور دو طرح کا ہوتا ہے ۔ نور حسّی اور نور عقلی ۔ نور حسّی وہ جو آنکھوں سے دیکھنے میں آئے جیسے دھوپ ۔ چراغ ۔ بجلی وغیرہ کی روشنی ۔ نور عقلی جس کو آنکھ تو محسوس نہ کر سکے مگر عقل کہے کہ یہ نور ہے ۔ روشنی ہے ۔ اس معنی سے اسلام کو ۔ قرآن کو ۔ ہدایت کو ۔ علم کو نور کہا جاتا ہے ۔ آیات ملاحظہ ہوں :-

(۱) اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔	اللہ مددگار ہے مومنوں کا انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے ۔

اس آیت میں گمراہی کو اندھیری اور ہدایت کو روشنی اور نور فرمایا گیا ہے ۔

(۲) وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۔	اور ہم نے تمہاری طرف کھلی روشنی اتاری ۔

اس آیت میں قرآن کو نور فرمایا گیا ۔

(۳) مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ۔	رب کے نور کی مثال اس طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہو ۔

اس آیت میں رب نے اپنی ذات کو یا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا ۔

(۴) وَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ ۔	تو کیا وہ جو مُردہ تھا ۔ پھر ہم نے اُسے زندگی بخشی اور اس کے لیے نور بنایا ۔ جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے ۔
(۵) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ	تو کیا وہ شخص جس کا سینہ ہم نے اسلام

لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔	کے لئے کھول دیا ہے پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔
(۶) رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا۔	اے رب ہمارے ہمارا نور پورا فرما اور ہماری مغفرت فرما۔
(۷) وَاَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ۔	اور ہم نے توریت اتاری جس میں ہدایت اور نور ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهٍ وَاِنَّ النُّوْرَ لَا يُعْطٰى لِعَاصٍ	بے شک علم رب کا نور ہے اور نور گنہ گار کو نہیں ملتا۔

۳۔ نور کی تعریف یہ ہے کہ نور وہ ہے جو خود ظاہر ہو دوسروں کو ظاہر کرے یعنی ظاہر بالذات۔ مُظْهِرٌ لِلْغَيْرِ۔ یہ ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا بھی دو طرح کا ہے حسّی اور عقلی۔ چاند سورج۔ بجلی۔ گیس وغیرہ حسی طور پر ظاہر اور مظہر ہیں اور علم۔ ہدایت اسلام۔ قرآن وغیرہ عقلی طور پر خود ظاہر ہیں اور دوسروں کو ظاہر کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ حقیقۃً ازلی ابدی ذاتی نور ہے کہ خود ظاہر ہے اور جسے اس نے ظاہر فرمادیا وہ ظاہر ہوگیا۔ باقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن شریف یا اسلام یا فرشتے عطائی طور پر رب کے بنانے سے نور ہیں۔ کہ اسی نے انہیں نور بنایا یہ نور بن گئے۔ جیسے رب تعالیٰ حقیقی طور پر ازلاً ابداً سمیع۔ بصیر۔ حی علیم۔ خبیر ہے اور دوسری مخلوق اس کے بنانے سے عطائی طور پر سمیع بھی ہے بصیر بھی ہے۔ علیم بھی ہے خبیر بھی ہے۔ اپنے لئے فرماتا ہے:

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔	بیشک وہ رب سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں رب نے اپنے آپ کو سمیع بصیر فرمایا۔ دوسری آیت میں انسان کے بارے میں فرماتا ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔	ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا فرمایا۔ آزمائش کو۔ پھر اسے سمیع وبصیر فرمایا۔

تمام صفات یہ ہی حال ہے کہ رب تعالےٰ بذاتِ خود بغیر کسی کی عطا کے ان صفات سے موصوف اور دوسری مخلوق عطائی طور پر رب تعالیٰ کے بنانے سے ان صفات سے عارضی موصوف ہے لفظ مشترک ہیں مگر معنی میں بڑا فرق ہے۔

۵۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے رب کا نور ہونے کے نہ تو یہ معنی ہیں کہ حضور خدا کے نور کا ٹکڑا ہیں نہ یہ کہ رب کا نور حضور کے نور کا مادہ ہے نہ یہ کہ حضور علیہ السلام خدا کی طرح ازلی ابدی ذاتی نور ہیں۔ نہ یہ کہ رب تعالیٰ حضور میں سرایت کر گیا ہے تاکہ شرک وکفر لازم آئے۔ بلکہ صرف یہ معنی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بلاواسطہ رب سے فیض حاصل کرنے والے ہیں اور تمام مخلوق حضور کے واسطے سے رب کا فیض لینے والی۔ جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلا کر پھر دوسرے چراغ سے ہزاروں چراغ لگالو۔ یا ایک شیشہ سورج کے سامنے رکھو کہ وہ چمک جاوے پھر اُسے ان شیشوں کی طرف کردو جو تاریک کوٹھری میں ہیں تو اس کے عکس سے تمام شیشے جگمگا جاویں گے۔ ظاہر ہے کہ پہلے شیشے میں نہ تو سورج اتر آ گیا نہ اس کا ٹکڑا کٹ کر شیشہ میں سما گیا۔ بلکہ صرف یہ ہوا کہ پہلے شیشے نے بلاواسطہ سورج سے روشنی حاصل کی اور باقی تمام نے اس شیشہ سے۔ کہ اگر یہ پہلا شیشہ درمیان میں نہ ہو تو ساری کوٹھری والے شیشے تاریک اور اندھیرے رہ جائیں۔ اس کی مثال یہ سمجھو کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ۔	اور جب میں انہیں درست کردوں اور ان میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب ان کے لئے سجدے میں گر جانا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَرُوْحٌ مِّنْهُ | وہ عیسیٰ علیہ السلام کے رب کی رُوح ہیں۔

اسی لیے عیسیٰ علیہ السلام کو رُوح اللہ کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدم و عیسیٰ علیہما السلام اللہ کی روح کا ٹکڑا یا جز ہیں یا خدا نے ان میں سرایت کی ہے۔ بلکہ بلا واسطہ ماں باپ یا بلا واسطہ اب انہیں رب نے روح بخشی۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور اللہ ہونے کے معنی یہ ہی ہیں کہ بلا واسطہِ مخلوق رب سے فیض پانے والے۔

۶۔ ایک ہے شخص محمدی۔ دوسری ہے حقیقتہ محمدیہ۔ شخص محمدی اس جسم اطہر کا نام ہے جو آدم علیہ السلام کی اولاد میں بی بی آمنہ خاتون سے ہے۔ تمام نبیوں کے بعد دنیا میں جلوہ گر ہوا۔ جو اس عالم میں تمام رشتوں سے منسلک ہے۔ بی بی آمنہ خاتون کا نور نظر ہونا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا سرتاج ہونا۔ حضرت ابراہیم طیّب و طاہر و فاطمہ زہرا کا والد نامدار ہونا یہ تمام رشتے اس شخص محمدی کی صفات ہیں۔

حقیقت محمدیہ صوفیا کی اصطلاح میں ذاتِ مطلقہ کے پہلے تعین کا نام ہے بلا تشبیہہ یوں سمجھو کہ مصدر کے پہلے تعین کا نام ماضی مطلق ہے جو مصدر سے بنا۔ پھر تمام مشتقات اس ماضی مطلق سے بنے تو ماضی مطلق مصدر کا پہلا تعین ہے اور باقی تمام مشتقات بعد کا تعین رب تعالیٰ مصدر تجلیات ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم ماضی مطلق یعنی رب کی پہلی تجلی اور باقی مخلوقات بعد کی تجلیوں کے مظہر شخص محمدی کے بارے میں فرمایا گیا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ | فرما دو میں تم جیسا بشر ہوں۔

اور حقیقت محمدیہ کے بارے میں خود حضور علیہ صلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ۔ | ہم اس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔

حقیقت محمدیہ نہ اولادِ آدم میں سے ہے نہ بشر ہے نہ مِثْلُكُمْ ہے نہ کسی کی باپ۔ نہ کسی کی اولاد۔ بلکہ سارے عالم کی اصل ہے۔ ظاہر ہے کہ بشریت

کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہے اور حضور اس وقت نبی ہیں جب آدم علیہ السلام کا خمیر بھی تیار نہیں ہوا۔ اگر اس وقت اور اس حالت میں حضور بشر ہوں۔ تو نہ آدم علیہ السلام بشر بنتے ہیں نہ ابوالبشر۔

اب جو نبی کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ نبی وہ انسان ہیں جنہیں اللہ تعالٰے نے شرعی احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا۔ یہ شخص نبی کی تعریف ہے حقیقتِ نبی کی نہیں۔ حضور نبوت سے اس وقت موصوف ہیں جب انسانیت کا نشان بھی نہ تھا کیونکہ ابھی پہلے انسان اور تمام انسانوں کے والد حضرت آدم علیہ السلام پیدا نہ ہوئے تھے۔ بلکہ انسان کے لئے ضروری چیزیں وقت وجگہ بھی نہ بنے تھے حضور کی نبوت مکان وکمین سے پہلے کی ہے۔

بادام کا پوست بھی بادام کے نام ہی سے پکارا جاتا ہے۔ اور مغز بھی مگر پوست کے اور احکام ہیں۔ اور مغز کے دوسرے احکام۔ پھر مغز پوست میں ہے اسی طرح حقیقت محمدیہ شخص محمدی میں جلوہ گر ہے۔ نور ہونا۔ برہان ہونا۔ رب کی دلیل ہونا۔ اسی حقیقت محمدیہ ہی کے صفات ہیں۔ اس مضمون کو مثنوی شریف میں بہت شرح وبسط سے بیان فرمایا۔ اور مولوی اشرف علی صاحب نے نشر الطیب میں خوب اچھی طرح ثابت فرمایا ہے۔ تفسیر روح البیان سورہ اعراف پارہ ۹ میں زیر آیۃ۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فرمایا کہ تمام روحیں روح محمدی سے پیدا ہوئیں۔ لہٰذا حضور ابوالارواح ہیں۔

۷۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم شریف کی نورانیت حسی بھی تھی کہ صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات نے اسی نورانیت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ چنانچہ ترمذی شریف شمائل شریف میں ہند ابن ابی ہالہ سے ایک لمبی حدیث نقل کی ہے

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخْمًا یَتَلَأْلَأُ وَجْھُہٗ کَتَلَأْلُؤِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم عظمت والے وجاہت والے تھے آپ کا چہرۂ انور ایسا جگمگاتا تھا جیسے چودھویں شب کا پورا چاند۔

دارمی نے حضرت ربیع بنت معوذ ابن صفراء سے روایت کی :

قَالَتْ يَا بُنَيَّ لَوْ رَأَيْتَهُ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً	اے میرے بچے اگر تم ان محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو سورج طلوع ہوتا دیکھتے ۔

اسی دارمی نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ۔

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم افلج الثنيتين اِذَا تكلم رُئِيَ كالنور يخرج من بين ثناياه	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دندان مبارک کے درمیان کھڑکی تھی جب کلام فرماتے تو ان دانتوں سے روشنی نکلتی تھی ۔

بعض روایت میں ہے کہ اس روشنی سے رات میں سوئی تلاش کرلی جاتی تھی شعر

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے
رات کو صبح بناتا ہے اوجالا تیرا

ترمذی ۔ احمد بیہقی ۔ ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ۔

كَانَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهِ	گویا سورج آپ کے چہرے میں چمکتا تھا ۔

مواہب لدنیہ جلد اول ص۲۵۱ میں نہایہ شریفیہ سے نقل کیا ہے ۔

وَكَانَ الْجُدُرُ تَلَاحِكُ وَجْهَهٗ	آپکے چہرۂ انور میں دیوار منعکس نظر آتی تھی ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ جلد اول ص۱۱ میں فرمایا :

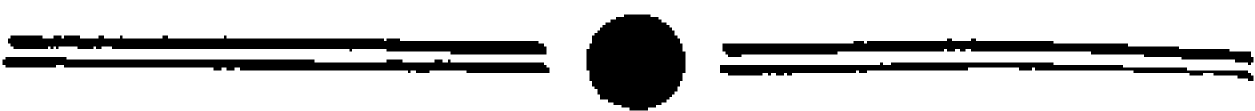
ونمی افتاد آں حضرت را سایہ بر زمین ۔	حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا ۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم اطہر کی نورانیت صحابہ کبار کو محسوس ہوتی تھی ۔ حضور کے چہرۂ انور کو اسی لئے وہ سورج چاند بتا کر سمجھاتے تھے اسی طرح جسم کا سایہ نہ ہونا ۔ جسم اطہر سے ایسی خوشبو ظاہر ہونا کہ کوچے اور گلیاں مہک جاویں یہ بھی نورانیت ہی کے باعث ہے ۔ معراج شریف میں جسم شریف کا آگ اور زمہریر کے کرہ سے گزر جانا اور کچھ اثر نہ ہونا ۔ آسمانوں کی سیر فرمانا ۔ جہاں ہوا نہیں پھر زندہ رہنا یہ اسی وجہ سے ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور یہ نورانیت حسی بھی ہے عقلی بھی ۔ اسی طرح شرح صدر کے وقت سینہ مبارک سے دل نکال کر فرشتوں کا اسے دھونا

اور پھر حضور کا زندہ رہنا اسی وجہ سے ہے کہ حضور نور ہیں ورنہ دل پر تھوڑا اثر موت کا سبب ہوتا ہے۔ اب بھی بعض اولیاء اللہ حضور کے نور کو بچشم سر دیکھتے ہیں جس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔

اگر ان قواعد کا لحاظ رکھا گیا تو بہت فائدہ ہوگا اور اصل مسئلہ کے سمجھنے میں آسانی ہوگی آج کل مخالفین یہ کہہ کر لوگوں کو بہکاتے ہیں کہ اللہ نور ہے اگر حضور بھی نور ہوں تو آپ بھی رب ہو گئے۔ کبھی کہتے ہیں کہ تم جو کہتے ہو کہ حضور اللہ کے نور سے ہیں تو کیا اللہ تعالے حضور میں سما گیا۔ یا اللہ کے نور کا ٹکڑا کٹ کر حضور کی ذات تیار ہوئی۔ کبھی کہتے ہیں کہ عیسائیوں نے عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانا اور تم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا نور مانا۔ بیٹا ماننا اور نور ماننا ایک ہی ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ اگر حضور نور ہیں تو آپ کی ساری اولاد نور ہونی چاہیئے۔ کوئی سید انسان نہ ہونا چاہیئے۔ اگر یہ قواعد خیال میں رہیں تو تمام سوالات خود بخود اُٹھ جائیں گے۔

(اس رسالہ کے دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا۔ دوسرے باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے سایہ ہونا)



پہلا باب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور ہونے کے ثبوت میں۔ اس باب میں دو فصلیں ہیں: پہلی فصل میں مسئلہ نور کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات

پہلی فصل

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں اور تمام مخلوق حضور کے نور سے ہے۔ اس پر قرآنی آیات۔ احادیث شریفہ۔ علماء دین کے اقوال خود دیوبندی وہابیوں کے اقوال گواہ ہیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (سورہ مائدہ پ ۶)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب۔

۲۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ۔ (سورہ نور پارہ ۱۸)

رب کے نور یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک چمکتا ہوا تارا ہے۔

پہلی آیت میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے بغیر روشنی کتاب نہیں دیکھی جا سکتی ایسے ہی حضور کے بغیر قرآن نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور وہ رب کا نور ہیں کہ کسی

کے بجھائے بجھ نہیں سکتے جیسے سورج چاند وغیرہ۔ نیز ان کے نور کی پیمائش یا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ جیسے سمندر کا پانی یا ہوا۔

دوسری آیت میں بھی اللہ کے نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ رب تعالیٰ کی مثال نہیں ہوسکتی خود فرماتا ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ اور یہاں اسی نور کی مثال دی جارہی ہے۔ تو اس سے مراد حضور انور ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ (سورۂ احزاب پارہ ۲۲)	اے نبی! بیشک ہم نے تم کو بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکانے والا سورج۔

قرآن شریف نے سورج کو بھی دوسری جگہ سراج منیرا فرمایا ہے کیونکہ وہ چمکتا بھی ہے اور چمکاتا بھی ہے اور چاند تارے وغیرہ کو نور بھی بناتا ہے۔ کہ وہ سب سورج ہی سے جگمگا تے ہیں۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی سراج منیر فرمایا۔ کہ حضور خود چمک رہے ہیں۔ اور صحابہ کرام اولیاء اللہ کو نور بنا رہے ہیں کہ وہ سب حضور ہی سے جگمگا رہے ہیں

۴۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔ (سورہ صف پارہ ۲۸)	کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کو بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا فرمانے والا ہے۔ اگرچہ کفار ناپسند کریں۔
۵۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ (سورہ توبہ پارہ ۱۰)	کفار یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے منہ سے بجھا دیں اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا۔

ان آخری آیتوں میں اللہ کے نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوسکتے ہیں کفار نے چاہا کہ حضور کو ختم کردیں مگر رب تعالیٰ نے حضور کے ہر کام کو پورا فرمایا ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں فرمایا کہ ان آیات میں اللہ کے نور سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک کا نور ہے +

حضراتِ مفسّرین کے ارشادات

(۱) تفسیر جلالین شریف میں آیت نمبر ۱ کے ماتحت فرمایا۔ یعنی قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔

هُوَ نُوْرُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ | نور سے مراد نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) تفسیر صادی شریف میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

قولہ ھُوَ النَّبِیُّ۔ اَیْ سُمِّیَ نُوْرًا لِاَنَّہٗ یُنَوِّرُ الْبَصَائِرَ وَیَھْدِیْھَا لِلرَّشَادِ وَلِاَنَّہٗ اَصْلُ کُلِّ نُوْرٍ حِسِّیٍّ وَمَعْنَوِیٍّ۔

رب نے اس آیۃ میں حضور کو نور اس لئے فرمایا کہ حضور بصارتوں کو نورانی کرتے ہیں اور کامیابی کی طرف ہدایت دیتے ہیں اور حضور ہر حسّی اور معنوی نور کی اصل ہیں۔

(۳) تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یَعْنِیْ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا سَمَّاہُ اللّٰہُ نُوْرًا لِاَنَّہٗ یُھْتَدٰی بِہٖ کَمَا یُھْتَدٰی فِی الظَّلَامِ بِالنُّوْرِ

یعنی اس آیت میں نور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رب نے انہیں نور اس لئے فرمایا کہ حضور سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسے کہ اندھیری میں نور سے ہدایت لی جاتی ہے۔

(۴) تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِیْلَ یُرِیْدُ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

مفسّرین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں نور سے مراد محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۵) تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَلنُّوْرُ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَنَّہٗ یُھْتَدٰی بِہٖ کَمَا سُمِّیَ سِرَاجًا۔

نور سے مراد محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ حضور سے ہدایت ملتی ہے۔ جیسے کہ رب نے انہیں سورج فرمایا۔

(۶) تفسیر ابن عباس تنویر المقباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ رَّسُوْلٌ يَعْنِيْ مُحَمَّدٌ۔

بے شک تمہارے پاس اللہ کا نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔

(۷) تفسیر روح البیان شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِالْاَوَّلِ هُوَ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِالثَّانِيْ الْقُرْاٰنُ۔

کہا گیا ہے کہ اوّل یعنی نور سے مراد حضو[ر] صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

(۸) اسی روح البیان میں آیت ۲ سراجاً منیرا کے تحت فرمایا۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَاَرْسَلَهٗ اِلَى الْخَلْقِ۔

اللہ تعالیٰ نے حضور کو نور بنایا۔ اور خلق کی طرف بھیجا۔

(۹) تفسیر بیضاوی نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔

وَيُقْتَبَسُ مِنْ نُوْرِهٖ اَنْوَارُ الْبَصَائِرِ۔

حضور کے نور سے بصیرت کے نور حاصل کیے جاتے ہیں۔

اسی کے قریب تفسیر خازن وغیرہ میں بھی ہے۔

(۱۰) تفسیر خازن نے آیت ۲ کے ماتحت مثل نورہ کی تفسیر میں فرمایا:

وَقِيْلَ قَدْ اَتٰى هٰذَا التَّمْثِيْلُ لِنُوْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِكَعْبِ الْاَحْبَارِ اَخْبِرْنِيْ عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ قَالَ كَعْبٌ هٰذَا مَثَلٌ ضَرَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالْمِشْكٰوةُ صَدْرُهٗ وَالزُّجَاجَةُ قَلْبُهٗ

کہا گیا ہے کہ اس آیت میں حضور کے نور کی مثال دی گئی۔ عبداللہ ابن عباس نے کعب احبار سے اس آیت مثل نورہ کے بارے میں پوچھا تو کعب اخبا[ر] نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اپنے نبی کی دی ہے۔ پس طاق تو حضور کا سینہ ہے اور فانوس حضور کا دل مبارک اور اس میں

والمصباح فیہ النبوۃ توقدہ من شجرۃ مبارکۃ ھی شجرۃ النبوۃ یکاد نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وامرہ یتبین للناس و لو لم یتکلم ۔

چراغ نبوت ہے اور شجرہ مبارکہ نبوت کا درخت ہے ۔ یعنی قریب ہے کہ نور محمدی چمک جاوے ۔ لوگوں پر نبی ہر ہو جاوے ۔ اگرچہ حضور کلام بھی نہ کریں ۔

(۱۱) تفسیر روح البیان شریف میں لقد جاءکم رسول کی تفسیر میں ہے کہ ایک بار حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے ۔ عرض کیا کہ یہ تو مجھے خبر نہیں ۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک تارہ ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا اس کو میں نے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا تو فرمایا کہ اے جبرئیل قسم رب کی وہ تارا ہم ہی ہیں ۔ اور رب نے حضور کا نور حضرت آدم کی پشت میں امانت رکھا ۔ تفسیر روح البیان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نور محمدی حضرت جبرئیل سے پہلے پیدا ہو چکا تھا ۔ جبکہ آسمان و زمین چاند سورج کچھ نہ تھے ۔

احادیثِ شریفہ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے رب کا نور ہونے پر بے شمار احادیث وارد ہیں جن میں سے کچھ بطورِ اختصار پیش کی جاتی ہیں :

(۱) عبدالرزاق نے اپنی مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا پیدا فرمایا ۔ آپ نے فرمایا کہ اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا ۔ پھر وہ نور قدرتِ الٰہی سے جہاں اللہ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا ۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ نہ فرشتے تھے ۔ نہ آسمان نہ زمین نہ چاند تھا نہ سورج نہ جن تھے نہ انسان ۔ پھر جب رب تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے

کئے۔ایک حصہ سے قلم دوسرے سے لوح محفوظ۔تیسرے سے عرش وغیرہ پیدا فرمایا۔یہ حدیث بہت دراز ہے یہ حدیث امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کی اور بڑے ائمہ دین نے اس حدیث کی اسناد پر اعتماد کیا۔جیسے امام عسقلانی نے مواہب میں امام ابن حجر مکی نے افضل القریٰ میں اور علامہ فاسی نے مطالع المسرات میں اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اور علامہ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ میں

(۲) احمد اور بیہقی اور حاکم نے صحیح اسناد سے حضرت عرباض ابن ساریہ سے روایت کیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔میں رب تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا۔حالانکہ ابھی آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں جلوہ گر تھے۔ (مشکوٰۃ)

(۳) ترمذی شریف امام احمد۔حاکم اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا کہ ایک بار صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہوئی۔فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(۴) احکام ابن القطان نے حضرت امام زین العابدین سے انہوں نے اپنے والد امام حسینؓ سے انہوں نے اپنے والد حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے روایت کی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے رب کے حضور میں ایک نور تھے۔

(۵) ابو سہیل قطان نے اپنی کتاب امالی میں سہل ابن صالح ہمدانی سے روایت کی کہ میں نے ابوجعفر محمد ابن علی (یعنی امام باقر رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو آخر میں مبعوث ہوئے سب نبیوں پر مقدم ہونا کیسے ہوا تو امام محمد باقر نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو میثاق کے دن نکالا اور سب سے پہلے جواب میں بلیٰ حضور نے فرمایا۔

(۶) حضرت عباس نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ مجھے کچھ نعت شریف پڑھنے کی اجازت دیجئے۔سرکار نے فرمایا۔ہاں پڑھو تو انہوں نے ایک نعتیہ قصیدہ پڑھا جس

جس میں دو شعر یہ بھی تھے ؎

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ

جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے نور سے زمین اور کنارہ آسمان چمک گئے

فَنَحْنُ فِيْ ذٰلِكَ الضِّيَاءِ وَفِي النُّوْرِ سُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

تو ہم اسی نور اور روشنی میں ہیں اور اس سے ہدایت کے راستے طے کر رہے ہیں

ان تمام روایات کو مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب میں بہت وضاحت اور شرح سے نقل کیا ہے مواہب لدنیہ شریف میں بھی ان روایات کو نقل فرمایا ہے

(۷) مواہب لدنیہ شریف صہ جلد اوّل میں ہے کہ امام ابو سعید نیشا پوری نے کعب الاحبار سے روایت کی کہ جب نور محمدی عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ملا تو ان کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ اور نور محمدی ان کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ حضرت عبدالمطلب اس وقت ایسے مقبول الدعا تھے کہ مکہ والے ان کو سامنے رکھ کر بارش کی دعا کرتے تو فوراً بارش آتی تھی۔ اس نور کی وجہ سے ابرہہ کے ہاتھیوں نے عبدالمطلب کو سجدہ کیا۔

(۸) ابو نعیم نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ شب ولادت آمنہ خاتون کا گھر حوران بہشتی سے بھر گیا۔ حضرت آسیہ اور بی بی مریم بھی حاضر ہوئیں اور آمنہ خاتون نے پیدائش پاک کے وقت ایسا نور محمدی دیکھا کہ مشرق و مغرب ان پر ظاہر ہو گئے پھر حضور پیدا ہوئے۔ اور پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا۔

(مواہب لدنیہ شریف صہ ۲۱)

بہر حال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا بہت ہی احادیث سے ثابت ہے یہاں بطور نمونہ بہت تھوڑی پیش کی گئیں اور کچھ احادیث مقدمہ میں عرض کی جا چکی ہیں ؎

(۰)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے متعلق

علمائے اسلام کے ارشادات

ہمیشہ سے امت مسلمہ کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رب کا نور ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہ ہوا اکابر امت کے کچھ اقوال بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اشعار ہم احادیث کے سلسلہ میں عرض کر چکے ہیں جس میں انہوں نے حضور کو نور فرمایا اور وہ اشعار خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ شریف میں پڑھے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ اعتراض نہ فرمایا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کا قول ہم مقدمہ میں عرض کر چکے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور میں سورج جیسی چمک تھی۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی مقدمہ میں عرض کیا جا چکا کہ حضور کے دانت مبارک سے نور نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

(۴) حضرت ہند ابن ابی ہالہ کا قول بھی مقدمہ میں گزر چکا کہ حضور کا چہرۂ انور ایسا منور تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔

(۵) حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کا قول بھی مقدمہ میں گزر چکا کہ وہ فرماتی ہیں اگر تم انہیں دیکھتے تو ایسا معلوم کرتے کہ سورج نکل رہا ہے۔

(۶) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ جلد اوّل باب پنجم ص۱۱۸ میں فرماتے ہیں :

وچوں آں حضرت عین نور باشد نور راسایہ نمی باشد۔	چونکہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم بالکل سراپا نور تھے تو نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

(۷) مولانا علی قاری موضوعات کبیر میں ص۸۶ پر فرماتے ہیں :

وَاَمَّا نُوْرُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَہُوَ فِیْ غَایَۃٍ مِّنَ الظُّہُوْرِ شَرْقًا وَّغَرْبًا وَاَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرَہٗ وَسَمَّاہُ فِیْ کِتَابِہٖ نُوْرًا۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور وہ مشرق ومغرب میں انتہائی طور پر چمک رہا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی کتاب میں نور فرمایا۔

(۸) یہ ہی ملا علی قاری رحمۃ اللہ الباری اسی موضوعات میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔

قَالَ تَعَالٰی اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَلٰی مِثْلِ نُوْرِہٖ قَلْبُ مُحَمَّدٍ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس اللہ کے نور کی مثال یہ اللہ کا نور حضور کا دل ہے۔

(۹) امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

فَاِنَّکَ شَمْسُ فَضْلٍ ھُمْ کَوَاکِبُھَا یُظْہِرْنَ اَنْوَارَھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ۔

یا حبیب اللہ آپ بزرگی کے سورج ہیں اور سارے نبی حضور کے تارے ہیں جو حضور کا ہی نور اندھیروں میں لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔

(۱۰) امام جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

عکس نورِ حق ہمہ نوری بود
عکس دُور از حق ہمہ دوری بود
ایں خورد گردد پلیدی زیں جُدا
آں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

اللہ کے نور کا سایہ بھی نور ہوتا ہے۔
جو خدا سے دُور ہوں انکا سایہ بھی دُور ہے
جو ہم کھاتے ہیں اس سے پلیدی نکلتی ہے
جو حضور کھاتے ہیں وہ سب خدا کا نور بنتا ہے

(۱۱) امام احمد ابن محمد عسقلانی قدس سرہٗ مواہب لدنیہ شریف جلد اوّل ص۹ میں فرماتے ہیں:

قال تعالیٰ یا ادم ارفع راسک فرفع راسہ فرأی نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی سرادق العرش فقال یا ربّ ماھذا النور قال ھذا نور

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم اپنا سر اٹھاؤ تو انہوں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پردوں میں ایک نور دیکھا عرض کی اے مولا یہ نور کیسا ہے فرمایا یہ نور ایک نبی کا ہے جو تمہاری اولاد میں سے ہوں گے ان کا نام

نبی من ذریتک اسمہ فی السماء احمد و فی الارض محمد لولاہ ما خلقتک ولا خلقت سماء ولا ارضا	آسمان میں احمد اور زمین میں محمد ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ ہم تمہیں پیدا کرتے نہ آسمان و زمین کو۔

(۱۲) یہ ہی امام احمد ابن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی مواہب لدنیہ میں ص۹ پر فرماتے ہیں۔

ان اللہ تعالیٰ لما خلق نور نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان ینظر الی انوار الانبیاء فغشیھم من نورہ فانطقھم اللہ بہ فقالوا یاربنا من غشینا نورہ فقال اللہ تعالیٰ ھذا نور محمد ابن عبد اللہ ان امنتم بہ جعلتکم انبیاء۔	اللہ تعالیٰ نے جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا تو اس نور کو حکم دیا کہ تمام انبیاء کے نوروں کو دیکھیں چنانچہ رب نے حضور کے نور سے تمام کے نور کو ڈھانپ لیا انہیں رب نے گویائی بخشی تو وہ تمام کہنے لگے۔ خدا کس کے نور نے ہم کو ڈھانپ لیا تو رب نے فرمایا کہ یہ محمد ابن عبد اللہ کا نور ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم ان پر ایمان لے آؤ تو میں تم کو نبی بناؤں۔

(۱۳) علامہ زرقانی علیہ الرحمۃ حدیث جابر کی شرح میں فرماتے ہیں:

من نورہ ای من نور ھو ذاتہ۔	اللہ نے حضور کو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذات الٰہی ہے۔

(۱۴) امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

لما تعلقت ارادۃ الحق تعالیٰ بایجاد خلقہ ابرز الحقیقۃ المحمدیۃ من انوار الصمدیۃ فی الحضرت	جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنا چاہا تو صمدی نوروں سے ذاتِ خاص نے حقیقت محمدیہ کو ظاہر فرمایا۔ پھر اوس سے تمام

الاحدیۃ ثم سلخ منھا العوالم کلھا علوھا وسفلھا۔

عالم علوی و سفلی نکالے۔

(۱۵) مطالع المرات شرح دلائل الخیرات میں ہے۔

قد قال الاشعری انہ تعالٰی نور لیس کالانوار والروح النبویۃ القدسیۃ لمعۃ من نورہ والملٰئکۃ شرر تلک الانوار وقال صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ نوری ومن نوری خلق کل شیٔ وغیرہ مما فی معناہ

امام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں اللہ تعالٰی نور ہے مگر دوسرے نوروں کی طرح نہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی روح شریف اس نور کی تابش ہے اور فرشتے ان نوروں کے پھول ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے اللہ نے میرا نور بنایا۔ اور میرے نور سے ہر چیز پیدا فرمائی۔

اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں جن کا مضمون ایک ہی ہے۔

(۱۶) علامہ شاہ عبد الغنی نابلسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں :-

قد خلق کل شیٔ من نورہ صلی اللہ علیہ وسلم کما ورد بہ الحدیث الصحیح

ہر چیز نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنائی گئی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا۔

خود علماء دیوبند کے اقوال

(۱) دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی کتاب نشر الطیب کے مضمون کو اس طرح شروع فرماتے ہیں :

پہلی فصل نور محمدی کے بیان میں۔ اس فصل میں نور کی وہ تمام حدیثیں تحریر فرماتے ہیں جو ہم احادیث میں بیان کر چکے ہیں۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں :

(ف) اس حدیث سے نور محمدی کا اوّل الخلق ہونا باوّلیت حقیقت ثابت ہوا کیونکہ جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے۔

ان اشیاء کا نور محمدی سے ناخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔ (انتہٰی)

اس میں مولوی صاحب موصوف نے دو چیزیں تسلیم کیں۔ ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا۔ دوسرے حضور کے نور کا تمام مخلوق سے پہلے ہونا اور ہر چیز کا آپ کے نور سے نور بننا بھی مولوی صاحب مذکور نے اس کتاب میں اس جگہ تسلیم کیا ہے دیکھئے موجودہ دیوبندی وہابی اپنے ان پیشوا پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں۔

یہ ہی مولوی اشرف علی صاحب اپنی کتاب ثلج الصدور میں فرماتے ہیں:

در شعاع بے نظیرم الا شوید	میری بے مثال شعاع کے آگے فناء و گم ہو جاؤ
ورنہ پیش نور من رسوا شوید	نہیں تو میرے نور کے آگے رسوا ہو جاؤ گے

یہ ہی مولوی اشرف علی صاحب اپنی اسی کتاب ثلج الصدور میں دوسری جگہ خود فرماتے ہیں۔ **شعر**

نبی خود نور اور قرآن ملا نور | نہ ہو پھر ملکے کیوں نور علی نور

شاہ عبدالرحیم صاحب یعنی شاہ ولی اللہ صاحب کے والد ماجد اپنی کتاب انفاس رحیمیہ میں فرماتے ہیں۔

از عرش تا بفرش و ملائکہ علوی و جنس سفلی ہمہ ناشی ازاں حقیقتہ محمدیہ است و قول رسول مقبول اول ما خلق اللہ نوری و خلق اللہ ما خلق اللہ من نوری و قول لولاک لما خلقت الافلاک و قولہ لولاک لما اظہرت ربوبیتی۔	فرش سے عرش تک اور اعلیٰ فرشتے اسفل کی جنس سب کی سب حقیقتہ محمدیہ سے پیدا ہیں۔ حضور کا فرمان ہے سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا۔ اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

امام طائفہ دیوبندیہ وہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی اپنی کتاب منصب امامت

میں فرماتے ہیں ص ۱۶

کہ اے کسیکہ بے بصر است البتہ از نور افشانِ او بے خبر است۔

ہاں جو اندھا ہے وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور افشاں سے بے خبر ہے

یہ ہی مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اپنی اسی کتاب منصب امامت میں دوسری جگہ فرماتے ہیں :

اما نزول برکت پس بیانش آنکہ وجود انبیاء بمشابہ آفتاب عالم تاب است کہ چوں نور او در تمام عالم منتشر شود۔ لابد ظلمت شب بدر رود۔

لیکن برکت کا نازل ہونا تو اس کا بیان یہ ہے کہ حضرت انبیاء کا وجود دنیا کو چمکانے والے سورج کی طرح ہے کہ جب اس کا نور دنیا میں پھیلتا ہے تو رات کی تاریکی دُور ہو جاتی ہے۔

مولوی حسین احمد صاحب اپنا اور اپنے تمام دیوبندی علماء کا عقیدہ اپنی کتاب الشہاب الثاقب میں ص ۵ پر یوں بیان فرماتے ہیں :

ہمارے حضرات اکابر کے اقوال و عقائد کو ملاحظہ فرمائیے یہ جملہ حضرات ذات حضور پُر نور علیہ السلام کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضاتِ الٰہیہ و سراب رحمتِ غیر متناہیہ اعتقاد لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے اب تک جو جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو یا اور کسی قسم کی ان سب میں آپ کی ذات پاک اسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ پہلے آفتاب سے نور چاند میں آیا۔ اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں غرضیکہ حقیقت محمدیہ واسطہ جملہ کمالات عالم و عالمیان ہے غرضیکہ حقیقت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام دالتحیتہ واسطہ جملہ کمالات عالم و عالمیان ہے یہ ہی معنی لولاک لما خلقت الافلاک اور اول ما خلق اللہ نوری اور انا نبی الانبیاء کے ہیں۔

(۲) دیوبندیوں کے پیشوا مطلق مولوی رشید احمد صاحب اپنی امداد السلوک کے ص ۸۵ پہ فرماتے ہیں۔

ازیں جا است کہ حق تعالیٰ در شانِ حبیبِ خود صلے اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ البتہ آمدہ نزدِ شما از طرف حق تعالیٰ نور و کتاب مبین و مراد از نور ذاتِ پاک حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم است و نیز او تعالیٰ فرماید کہ اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ترا شاہد و مبشر و نذیر و داعی الی اللہ تعالیٰ و سراج منیر فرستادہ ایم و منیر روشن کنندہ و نور دہندہ را گویند ؎	اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا۔ کہ تمہارے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آئے۔ نور سے مراد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے۔ نیز حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو گواہ اور بشیر و نذیر اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چمکانے والا سورج بنا کر بھیجا۔ منیر روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں۔

اس عبارت میں مولوی رشید احمد صاحب نے تین باتیں فرمائیں : ایک یہ کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ میں نور سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تیسرے یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم صرف نور ہی نہیں بلکہ منیر یعنی نور گر ہیں۔ کہ اپنے متبعین غلاموں کو نور بنا دیتے ہیں۔ حضور سورج ہیں کہ رات میں چاند تاروں کو اور دن میں ذرّوں کو چمکا دیتے ہیں۔ اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ ان تین چیزوں کا انکار کرے۔ کیونکہ ان کے پیشوا ہادیِ مطلق بر حق نے یہ سب کچھ مان لیا۔

(۳) یہ ہی مولوی رشید احمد صاحب اپنی اسی کتاب امداد السلوک کے صفحہ ۸۶ پر فرماتے ہیں :

و حضرات صلوٰۃ اللہ علیہ فرمودہ کہ حق تعالیٰ مرا از نور خود پیدا فرمود۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا فرمایا

ومومنین از نورِ من پیدا فرمود۔ | اور مسلمانوں کو میرے نور سے پیدا فرمایا۔

(۴) یہ ہی مولوی رشید احمد صاحب اسی امداد السلوک کے اسی صلہ ۸۶ پہ کچھ آگے یوں فرماتے ہیں:

آں ذاتِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم ہم از جملہ اولاد آدم اند مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود را چناں مطہر فرمود کہ نور خالص گشتہ وحق تعالیٰ آنجناب را نور فرمود وبتواتر ثابت شد کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سایہ نداشتند وظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل می دارند۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت آدم کی اولاد سے ہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو اس طرح پاک فرما لیا کہ آپ خالص نور ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور فرمایا یہ حدیث تواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام جسم سایہ رکھتے ہیں۔

اس عبارت میں مولوی صاحب نے دو چیزیں مانیں ایک یہ کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ رب نے انہیں نور کہا۔ دُوسرے یہ کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر کا سایہ نہ تھا۔ یعنی ان کی نورانیت بعض وجوہ سے محسوس بھی تھی۔

حضور کے نور ہونے پر اور بہت سے دلائل قائم کئے جا سکتے ہیں۔ مگر میں اسی پر قناعت کرتا ہوں ماننے والے کو اتنے ہی کافی ہیں۔ ضدی کے لئے دفتر بھی کافی نہیں۔

عقلی دلائل

عقل بھی چاہتی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود رب تعالیٰ کا نور ہیں آپ کا ہر عضو شریف نور۔ آپ کا ہر حال شریف نور ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) نور وہ ہے جو خود ظاہر ہو دوسروں کو ظاہر کرے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود تو ایسے ظاہر کہ انہیں بجز ہر خشک وتر۔ شجر وحجر۔ آسمان کا ہر تارہ زمین کا ہر ذرہ

پہچانتا ہے انسان انہیں جانیں۔ جانور انہیں پہچانیں۔ کنکران کا کلمہ پڑھیں پتھران کی گواہی دیں۔ غرضیکہ خود ایسے چمکے کہ کسی سے چھپ نہ سکے۔ اور دوسروں کو ایسا چمکایا کہ جس کو ان سے نسبت ہو گئی وہ چمک گیا۔ مدینہ منورہ کی گلیاں حضور سے چمکیں مکہ معظمہ کے کوچہ بازار، کعبہ معظمہ کے در و دیوار نقش و نگار ان سے جگمگائے۔ انہیں کے صدقہ سے حلیمہ دائی کی عظمت کے دنیا گیت گا رہی ہے۔ انہیں کے طفیل سے حضور کی نسل کی بزرگی کے خطبے پڑھے جا رہے ہیں۔ بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے جن کو حضور نے ظاہر کیا وہ تو ظاہر ہو گئے۔ باقی تمام چھپ گئے۔ بلکہ خود خدا تعالیٰ کی ذات صفات کو ہم نے حضور ہی سے پہچانا۔ ہماری عقلوں کی رسائی اس تک ناممکن تھی۔ غرضیکہ نور کے معنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کامل طور پر موجود ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کامل نور ہیں۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں یقیناً قبول ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی رب آپ کو اتنا دیگا کہ آپ راضی ہو جائینگے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی یہ دعا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ نُوْرًا خدایا مجھے نور کر دے۔ بتاؤ یہ دعا قبول ہوئی یا نہیں ضرور ہوئی تو لامحالہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہوئے۔

(۳) انسان کا جسم خاکی ہے اور روح نوری۔ رب فرماتا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵) فرما دو کہ روح رب کے امر سے ہے یعنی عالم امر کی ایک مخلوق ہے۔ اور عالم امر نور ہے مقبولوں کے روح کی نورانیت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ جسم نور بن جاتا ہے اس لئے بعض اولیاء اللہ کے جسم میں بعض وقت تلوار نے اثر نہ کیا۔ آر پار ہو گئی۔ بعض اولیاء نے کئی ماہ تک کھانا پانی استعمال نہ کیا۔ فتاوی حدیثیہ باب التصوف میں علامہ ابن حجر حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز کے متعلق فرماتے ہیں:

حَتّٰی اِنَّهٗ مَكَثَ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَشْهُرٍ	آپ تین مہینہ تک ایک ہی وضو پر

عَلٰی وُضُوْءٍ وَّاحِدٍ۔ رہے ۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک جماعت کے سردار اور پیشوا ہیں۔

حضور کا نور رُوحانی جسمیت پر ایسا غالب ہے کہ جسمِ اطہر بھی نوری ہو چکا ہے۔

(۴) روایات سے ثابت ہے کہ حضور کے جسم اطہر کا سایہ نہ تھا جیسا کہ دوسرے باب میں انشاءاللہ آوے گا۔ اور کثیف چیز کا یقیناً سایہ ہوتا ہے پتہ لگا کہ حضور نور ہیں۔ کثافت حضور کے قریب بھی نہیں۔

(۵) حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم معراج کی رات آگ کے کرّہ اور زمہریر سے گزرے اور پھر وہاں پہنچے جہاں مکاں بھی ختم ہو چکا تھا یعنی لامکان کے مکین ہوئے اور ظاہر ہے کہ جسم آگ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور مکان کا حاجتمند ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اس رات نورانیت کی جلوہ گری تھی۔

(۶) کوئی انسان بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور معراج کی رات حضور انور جہاں تشریف لے گئے وہاں ہوا کا نشان نہ تھا۔ پھر وہاں زندہ رہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور نور ہیں۔

(۷) اگر انسان کے دل پر ذراسی ٹھیس لگ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے مگر فرشتوں نے حضور کے دل مبارک کو سینہ انور سے نکالا اسے چیر کر نور سے بھرا مگر زندگی شریف باقی رہی معلوم ہوا کہ حضور نور ہیں اور آپ کی زندگی میں نورانیت ہے۔

(۸) وصال کے روزے حضور نے متواتر کئی کئی روز تک اس طرح رکھے کہ بیچ میں بالکل افطار نہ فرمایا۔ اس کے باوجود بھوک پیاس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اگر ان کی زندگی شریف ہماری طرح بالکل جسمانی ہوتی تو کھانے پینے سے ایسے بے نیاز نہ ہوتے۔ حضور کا نور اب بھی بعض اولیاء کرام دن رات ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ مولانا جامی فرماتے ہیں:

گرچہ صد مرحلہ دورم زبہ پیش نظرم
وَجْهُكَ فِیْ نَظَرِیْ كُلَّ غَدَاةٍ وَّعَشِیْ

بعض اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک آن میں آپ کا نور نہ دیکھوں تو اپنے آپ کو

مرتد ہونے کا فتویٰ دے دل اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے مگر آنکھ والوں سے سُن کر سورج اور اس کے نور کو مان لیتا ہے۔ ہم کو بھی چاہیئے کہ اگر حضور کا نور اپنی کمزوری سے ان آنکھوں سے نہ دیکھ سکیں تو کان سے سُن کر مان لیں۔

(۹) حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات ہزاروں سال کا سفر ایک آن میں طے فرمایا۔ یہ جسم کثیف اتنا دُور دراز سفر اتنی تھوڑی مدت میں طے نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ حضور نور ہیں اور جیسے کہ نور نظر یا ہمارا نور خیال آناً فاناً بڑی سے بڑی مسافت ایک آن میں طے کر لیتا ہے ایسے ہی حضور نے اتنا دراز فاصلہ ایک آن میں طے فرمایا۔

(۱۰) قرآن کریم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرماتا ہے:

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔	تمہاری مشقت ان پر بھاری اور ناگوار ہے۔

معلوم ہوا کہ جیسے رُوح اپنی نورانیت کی وجہ سے جسم کے ہر عضو کے ہر درد سے خبردار ہے کہ پاؤں میں چوٹ لگے تو رُوح کو خبر۔ سر دُکھے تو رُوح کو خبر۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور ہیں اور اپنے ہر اُمتی کے ہر حال سے باخبر ہیں۔

(۱۱) قانون قدرت ہے کہ کثرت کی ابتدا وحدت سے ہوتی ہے۔ اور کثرت کو فیض وحدت سے ملتا ہے۔ گویا وحدت کے لئے مبداء فیاض ہوتی ہے۔ دیکھو آسمان کے بے شمار تارے ایک سورج سے نور لیتے ہیں۔ درخت کے تمام پتے۔ شاخیں۔ پھول پھل۔ ان سب کی ابتداء ایک جڑ سے ہے اور تمام کو فیض بھی اسی ایک جڑ سے ہے۔ تمام انسانوں کی جسمانی ابتداء ایک آدم علیہ السلام سے ہے بدن کے سارے اعضاء کو فیض ایک دل سے ہے غرضیکہ ہر کثرت میں وحدت کا فیض ہے تو چاہیے کہ عالم کثرت یعنی جو اللہ کے سوا ہے اس کی ابتداء بھی ایک سے ہی ہو اس کثرت میں بھی کوئی ایک فیض رساں ہو۔ اس مبداء فیاض ایک کا نام حقیقت محمدیہ اور نور

محمدی ہے ورنہ بتاؤ یہ کثرتیں کس وحدت کی شاخیں ہیں اور کون سی وحدت اس میں کارفرما ہے۔ بہرحال یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ حقیقت محمدیہ عالم کی اصل ہے اور سارا عالم اسی سے ہی فیض لیتا رہا ہے اور لیتا رہے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات اور جوابات

اعتراض نمبر ۱

اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں تو خدا کا نور ٹکڑے ہو گیا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم خدا کا جز بن گئے اور حضور میں خدائی آ گئی یہ عقیدہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مشابہ ہے۔ کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام میں الوہیت حلول مان لی۔

جواب: ان سوالوں کا منشا یہ ہے کہ معترض اسے سمجھا نہیں۔ اللہ کا نور ہونا۔ اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بلا واسطہ رب سے فیض لینے والے ہیں اور تمام خلقت نے حضور کے واسطے سے فیض ربانی حاصل کیا جیسے آئینہ سورج کے سامنے ہو تو سورج کا عکس اس آئینہ کو چمکا دیتا ہے۔ پھر یہ آئینہ دوسرے حجاب والے آئینوں کے مقابل کر دو۔ تو وہ تمام اس آئینہ سے جگمگا جاتے ہیں تو پہلا آئینہ نہ سورج کا ٹکڑا ہے نہ عین سورج بلکہ بلا واسطہ اس سے تجلی حاصل کر رہا ہے اور دوسرے آئینے اس کے ذریعے سے۔ یہ نسبت ایسی ہے جیسے قرآن کریم نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو روح منہ۔ اللہ کی روح فرمایا۔ یعنی بلا واسطہ والدین رب کے پیدا کئے ہوئے۔

اعتراض نمبر ۲:

حضور نور نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (کہف پ ۱۶) | فرما دو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

جب حضور بشر ہوئے تو نور نہ ہوئے بشریت اور نوریت جمع نہیں ہو سکتی۔

جواب: حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ یعنی نوری بشر ہیں۔ حقیقت حضور کی نور ہے۔ اور لباس بشری ہے رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کے بارے میں فرمایا:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔

سورۂ مریم پارہ ۱۶

پس بھیجا اس کی طرف ہم نے روح وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

حضرت جبریل علیہ السلام فرشتہ ہیں نور ہیں اور حضرت مریم کے پاس بشری شکل میں ظاہر ہوئے۔ اس وقت اس بشری شکل کی وجہ سے نورانیت سے علیحدہ نہیں ہو گئے۔ صحابہ کرام نے حضرت جبریل کو بشری شکل میں دیکھا۔ سیاہ زلفیں۔ سفید لباس۔ آنکھ۔ ناک۔ کان وغیرہ سب موجود ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ نور تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم۔ حضرت لوط۔ حضرت داؤد علیہم السلام کے خدمات میں فرشتے شکل بشری میں گئے۔ رب فرماتا ہے:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ۔

کیا تم کو ابراہیمؑ کے مہمانوں کی خبر پہنچی جب وہ مہمان ان کے پاس گئے اور کہا سلام آپ نے فرمایا یہ سلام اجنبی قوم سے ہے۔

(۲) هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ۔

(سورہ ص پارہ ۲۳)

اور کیا تمہیں اس دعوے والوں کی بھی خبر آئی جب وہ دیوار کود کر داؤد پر داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گیا۔ انہوں نے عرض کیا ڈریئے نہیں ہم دو فریق ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔

(۳) وَ لَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ٥

(عنکبوت پارہ ۲۰)

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے ان کا آنا اُسے ناگوار ہوا اور ان کے سبب دل تنگ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ نہ ڈریئے اور نہ غم کیجئے۔ بیشک ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو نجات دیں گے مگر آپ کی عورت رہ جانے والوں میں ہے۔

ان تمام آیتوں سے معلوم ہوا کہ فرشتے انبیاء کرام کی خدمت میں انسانی شکل بشری صورت میں حاضر ہوتے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ نور بھی ہوتے تھے۔ غرضیکہ نورانیت و بشریت ضدیں نہیں ۔

اعتراض نمبر۳

اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو چاہیئے کہ کسی جگہ اندھیرا نہ ہوا کرے۔ ہر جگہ روشنی ہو۔ لہذا یا تو حضور نور نہیں یا ہر جگہ حاضر ناظر نہیں۔

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں ایک جواب الزامی دوسرا جواب تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نور ہے اور ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ مگر ہر جگہ روشنی نہیں ہوتی۔ فرماتا ہے:

(۱) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔ (سورۃ نور پارہ ۱۸)

اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا نور ہے۔

(۲) وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ۔ (سورۃ واقعہ پ ۲۷)

اور وہ رب تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔

(۳) نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (واقعہ پ ۲۷)

ہم بمقابلہ تمہارے اس سے زیادہ قریب ہیں۔ مگر تم دیکھتے نہیں۔

(۴) نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔	ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔
(۵) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (سورۂ بقر پ ۲)	بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

نیز قرآن شریف نور ہے اور ہر گھر میں رہتا ہے۔ مگر روشنی نہیں ہوتی۔ فرشتے نور ہیں اور ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ مگر ان کی روشنی نہیں پڑتی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

(۶) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (سورہ نساء پارہ ۶)	اور ہم نے تمہاری طرف ظاہر نور اتارا۔
(۷) قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ (سورہ سجدہ پارہ ۲۱)	فرما دو۔ تم کو وہ موت کا فرشتہ وفات دے گا۔ جو تم پر مقرر ہے۔

اب بتاؤ کہ یا تو رب تعالیٰ ہمارے ساتھ نہیں ہے یا وہ نور نہیں۔ اسی طرح یا تو فرشتے اور قرآن ہمارے پاس نہیں رہے یا وہ نور نہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ نور دو قسم کا ہے نور حسی اور نور معنوی۔ نور حسی کے لئے محسوس ہونا ضروری ہے مگر نور معنوی کے دیکھنے کو قوت قدسیہ والی آنکھیں چاہئیں۔ اگر اندھا آفتاب کو نہ دیکھے تو اُسے چاہیے کہ دیکھنے والوں سے سُن کر اُسے نور مان لے۔ اسی طرح قوت قدسیہ والے اولیاء اللہ نورِ محمدی کو دیکھتے ہیں۔ محسوس کرتے ہیں۔ ان سے سُن کر قرآن کو مان کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نور مان لے۔

اعتراض ۱۲

اگر حضور نور ہیں تو کھاتے پیتے کیوں ہیں۔ ان کے اولاد کیوں ہوتی ہے اور چاہیے کہ سارے سید نور ہوں کیونکہ انسان کا بچہ انسان۔ گھوڑے کا بچہ گھوڑا۔ شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے۔ تو چاہیے کہ نور کی اولاد نور ہو (دیابی)

جواب: کسی آیت یا حدیث میں نہیں کہ نور کی اولاد نہیں ہوتی اگر ہے تو پیش کرو۔ فرشتوں کے اولاد نہ ہونا اس لئے ہے کہ فرشتہ ہے۔ فرشتوں کے اولاد نہیں ہم حضور کو نور مانتے ہیں۔ فرشتہ نہیں مانتے۔ تمہاری یہ بیہودہ گفتگو محض بے کار ہے۔ یہ تمام سوالات اس صورت میں ہو سکتے تھے جب حضور کی بشریت کا انکار کیا جاتا۔ حضور نور بھی ہیں۔ بشر بھی ہیں۔ اور یہ تمام عوارض انسانی بشریت کے ہیں۔ نورانیت کے نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہزار دل برس سے ہیں کھانے پینے سونے اور اولاد وغیرہ سے پاک ہیں۔ کیونکہ وہاں نورانیت کی جلوہ گری ہے۔ جب دنیا میں آئیں گے۔ تو پھر کھانا پینا نکاح وغیرہ سب کچھ کریں گے۔ تب بشریت کی جلوہ گری ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں ہزاروں سال کا سفر طے کیا۔ اس وقت نورانیت کی جلوہ گری تھی۔ کھانے پینے کی حاجت نہ ہوئی۔ جب سرکار صوم وصال رکھتے تھے تو مسلسل روزے بغیر افطار کے رکھتے۔ اور مطلقاً بھوک کا احساس نہ ہوتا تھا لیکن دوسری حالت میں اگر کھانا ملاحظہ نہ فرماتے تو آثار بھوک نمودار ہو جاتے تھے۔ روزے کی حالت میں نورانیت کا ظہور ہے اور دوسرے وقت بشریت کی جلوہ گری۔

ہاروت وماروت فرشتے ہیں۔ نوری ہیں۔ مگر جب انہیں بہ لباس بشری دنیا میں بھیجا گیا تو وہ کھانے پینے بھی تھے۔ بلکہ صحبت بھی کر سکتے تھے۔ اس ہی کھانے پینے اور صحبت کی قوت کی بنا پر ان پر عتاب والا واقعہ پیش آیا۔ ان کا یہ کھانا پینا اور قوت جماع اسی لباس بشری کے احکام تھے۔

حضرت ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بشری شکل میں آئے تو موسیٰ علیہ السلام کے تھپیڑے سے ان کی آنکھ جاتی رہی یہ آنکھ جانا بشریت کے احکام سے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا جب سانپ بن جاتا تو کھانا پینا بھی تھا یہ اس کا کھانا پینا۔ اس کی اس شکل کے عوارض تھے۔ رب فرماتا ہے:

(۱) وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ	اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی

عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۔ (اعراف پ ۹)	کہ اپنی لاٹھی ڈالو تو وہ نگل گئی اُسے جو وہ گڑھتے تھے ۔
(۲) وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا (سورہ طٰہٰ پارہ ۱۶)	اپنے ہاتھوں کی چیز پھینکو ان کی مصنوع کو نگل جاوے گی ۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم بشریت میں آدم علیہ السلام کی فرع اور ان کی اولاد ہیں اور نورانیت میں آدم علیہ السّلام کی اصل ہیں ۔ نور ہیں تو الد و تناسل نہیں ایمان نور ہے ۔ مومن نورانی ہے ۔ عالم نورانی ہے ۔ نبوت نور ہے ۔ نبی نورانی ہیں اس کے باوجود مومن کی اولاد کافر ۔ عالم کی اولاد جاہل ۔ نبی کی اولاد کافر بھی ہو جاتی ہے ۔ جنتی لوگ نورانی ہوں گے ۔ حوریں نور ہیں ۔ مگر حدیث شریف سے ثابت ہے کہ بعض جنتی اولاد کی خواہش کریں گے اور انہیں اولاد ہو گی ۔ فرمائیے ۔ اگر نور کے اولاد نہیں ہو سکتی تو ان جنتی لوگوں کے اولاد کیسی ہو گی ۔

اعتراض نمبر ۵

آیۃ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ واؤ عطف تفسیری کے لئے ہے اور نور سے قرآن شریف مراد ہے نہ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جیسے کتاب مبین بتا رہی ہے ۔

جواب : محققین مفسرین کے نزدیک نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے امام جلال الدین سیوطی اور تفسیر خازن ۔ مدارک ۔ تفسیر ابن عباس ۔ تفسیر صاوی ۔ وغیرہ ۔ نیز اس آیت کی ابتدا میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف ہے کہ رب نے فرمایا :

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۵ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ	اے کتاب والو ! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے جو تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت کو معاف فرماتے ہیں بیشک تمہارے پاس

(سورہ مائدہ پ۶) | اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب

اس اوپر والی آیت نے بتایا کہ نور سے مراد وہ ہی رسول ہیں جن کا ذکر آچکا نیز واؤ کو عطف تفسیری ماننا گویا معنی مجازی مراد لینا ہے اور بلا ضرورت معنی مجازی نہیں لینا چاہیئے۔ کیونکہ عطف معطوف الیہ میں مغائرت چاہتا ہے۔ تو چاہیئے کہ نور اور ہو کتاب کچھ اور۔ نیز عطف تفسیری میں کتاب مبین تجدید ہے اور پہلی صورت میں کتاب مبین میں تاسیس اور تاسیس تجدید سے بہتر ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ دوسری عبارت کچھ نئی بات بتائے نہ یہ کہ پہلی بات کو دوبارہ کہہ دے نیز اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝

اس آیت نے صاف طور پر حضور کو نورانی سورج فرمایا۔ اور خود قرآن کی تفسیر دوسری تفسیر سے اعلیٰ ہے نیز اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے جسے مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب میں بحوالہ عبدالرزاق حضرت جابرؓ سے نقل فرمایا۔

يَا جَابِرُ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُّوْرِهٖ ـ

اور قرآن کی تفسیر جو خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں وہ اعلیٰ کتاب ہے۔ نیز کتاب کے لئے نور کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ پڑھی جاسکے جیسے عبارت قرآن کے لئے اس ظاہری نور کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی قرآنی معارف کے لئے نور روحانی کی حاجت ہے اور وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

اعتراض نمبر ۶

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآن تذکرہ یعنی نصیحت یا اگلی پچھلی باتوں کو یاد دلانے والا ہے۔ قرآن نور ہے۔ قرآن ہدایت ہے۔ قرآن برہان ہے۔ قرآن شفا ہے۔ رحمت ہے۔ جب قرآن میں یہ ساری صفات موجود ہیں۔ تو اب دوسرے نور یا دوسری ہدایت کی ضرورت نہیں آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ | وہ آیات نصیحت ہیں تو جو چاہے اپنے

شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيْلًا (مزمل ۳۹)	رب کا راستہ اختیار کرے۔
(۲) وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔ (نساء پارہ ۶)	اور ہم نے تمہاری طرف نور کھلا ہوا اتارا۔
(۳) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (بقرپ ۱)	یہ کتاب ہے کہ اس میں شک نہیں پرہیز گاروں کی ہادی۔
(۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل ۱۵)	ہم قرآن کی وہ آیتیں اتارتے ہیں جو شفا ہیں۔ اور مومنوں کے لئے رحمت۔
(۵) قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (نساء پارہ ع ۶)	بے شک تمہارے پاس ہمارے رب کی طرف سے دلیل آچکی۔

اعتراض نمبر ۲

چونکہ یہ تمام خوبیاں قرآن سے حاصل ہو چکیں اور تحصیل حاصل ناممکن ہے لہذا نبی میں ان میں سے کوئی صفت نہیں مانی جا سکتی (دیوبندی و چکڑالوی)

جواب: جیسے قرآن آخری کتاب ہے اور سارے عالم کے لئے اور ہمیشہ کیلئے آئی ہے اس لئے اس میں یہ تمام خوبیاں موجود ہیں کہ غافلوں کے لئے تذکرہ عاقلوں کے لئے نور۔ گمراہوں کے لئے ہدایت۔ جسمانی یا روحانی بیماریوں کے لئے شفا مومنوں کے لئے رحمت محققین کے لئے برہان ہے ایسے ہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور سارے عالم کے لئے اور ہمیشہ کے لئے۔ لہذا ان میں بھی تمام خوبیاں ہونی چاہئیں کہ ہر قسم کی مخلوق حضور سے فیض حاصل کر سکے۔ اس لیے رب تعالیٰ نے حضور کے وہ تمام صفات بیان فرمائے۔ جو قرآن کریم نے بیان فرمائے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم مذکر یعنی نصیحت فرمانے والے یا اگلی پچھلی باتیں یاد دلانے والے بھی ہیں۔ حضور برہان یعنی دلیل بھی ہیں۔ حضور شفاء بھی ہیں۔ حضور رحمت بھی ہیں آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ (غاشیہ ۳۰)	تو انہیں یاد دلاؤ تم یاد دلانے والے ہو۔

(۲) اِنَّكَ تَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ پارہ ۲۵)	بے شک تم سیدھے راستے کی ہدایت کرتے ہو۔
(۳) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (نساء پارہ ۶)	اے لوگو! تمہارے رب کی دلیل آ گئی اور تمہاری طرف ہم نے روشن نور اُتارا۔
(۴) وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء پارہ ۱۷)	اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر جہانوں کے لئے رحمت۔

غرضیکہ نہ قرآن کی صفات کی حد ہے نہ صاحب قرآن کی صفات کی انتہا۔ بلکہ کعبہ اجسام کا قبلہ ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم دل و ایمان و جان کا قبلہ ہیں۔ اس میں تحصیل حاصل لازم نہیں کیونکہ ہم دنیا میں دو نوروں کے حاجتمند ہیں ایک آنکھ کا نور۔ دوسرے سورج یا چراغ کا نور۔ اگر آنکھ روشن ہو مگر چراغ وغیرہ کی روشنی نہ ہو تو بھی نظر نہیں آتا۔ اور اگر چراغ وغیرہ کی روشنی تو ہو مگر آنکھ میں نور نہ ہو تو بھی کچھ نہیں سوجھتا۔ اسی طرح قرآن گویا چراغ یا سورج ہے۔ اور صاحب قرآن صلے اللہ علیہ وسلم گویا نور نظر ہیں یا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سورج و چاند ہیں تو قرآن کریم نور نگاہ۔ غرضیکہ ہم کو نور قرآن کی بھی ضرورت ہے اور نور نبوت کی بھی۔ نماز قرآن سے ملی۔ مگر نماز کی تعداد۔ رکعتوں کی مقدار۔ نماز کا طریقہ حضور سے حاصل ہوا۔ اسی طرح زکوٰۃ و حج وغیرہ قرآن نے دیا۔ مگر ان کی ادائیگی کا طریقہ حضور نے سکھایا۔ نہ اس میں تحصیل حاصل ہے نہ کوئی دوسری قباحت۔ بلکہ نور نبوت کی حاجت نور قرآنی سے پہلے ہے۔ اسی لئے کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں نہ کہ قرآن پڑھا کر۔ بچہ کے کان میں اذان کہتے ہیں قرآن نہیں پڑھاتے۔

اعتراض نمبر ۸

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا۔ اور آخر میں آتا ہے وَاجْعَلْنِيْ نُوْرًا۔ یعنی اے اللہ

میری آنکھ میں۔ کان میں۔ گوشت میں۔ ہڈی میں نور کر اور مجھے نور بنا دے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود پہلے ہی نور تھے تو اس دعا کی کیا وجہ تھی۔ نور تو وہ بنایا جاتا ہے جو پہلے سے نور نہ ہو۔

جواب : اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ آپ ہمیشہ دعا مانگتے ہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے تو کیا آپ اس وقت گمراہ تھے۔ جب آپ پہلے ہی ہدایت پر ہیں پھر ہدایت کیوں مانگ رہے ہیں۔ رب فرماتا ہے :

(۱) ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ (سورہ بقر پارہ ۱) — یہ قرآن پرہیزگاروں کو ہدایت دینے والا ہے۔

(۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا۔ (سورہ نساء پارہ ۵) — اے ایمان والو! ایمان لاؤ۔

بتاؤ جو پہلے ہی پرہیزگار بن چکے۔ انہیں ہدایت دینے کے کیا معنی۔ اور جو پہلے ہی ایمان لا چکے۔ ان کے ایمان لانے کے کیا معنی۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ دعا مانگنا کہ خداوندا میرے آنکھ۔ کان وغیرہ میں نور دے۔ اُمت کو تعلیم دینے کے لئے ہے نورانیت پر قائم رہنے کا دعا ہے

اعتراض نمبر ۹

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نور کہنا حضور کی بے ادبی ہے بلکہ حضور کی عزت اسی میں ہے کہ آپ خاک سے ہوں کیونکہ خاک نور سے افضل ہے اس لئے کہ فرشتے نور ہیں اور آدم علیہ السلام خاکی بشر اور فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا نہ کہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو حضور کو نور ماننا گویا آپ کی توہین کرنا ہے۔ نور ساجد ہے اور خاک مسجود

جواب : اس اعتراض کے بھی جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر خدا تعالی کو نور کہنا خدا کی اور قرآن کی بے ادبی ہوئی تعجب ہے کہ حضور کو نور کہنے میں تو آپ کو حضور کی بے ادبی معلوم ہوا اور خدا تعالی کو

نور کہنے میں یہ ساری بے ادبی کافور ہو جائے۔ ماشاء اللہ دیوبندی وہابی بھی ادب والے بن گئے جنہوں نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایسی کھلی گستاخیاں کیں جو کھلا کافر بھی نہ کر سکے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ سجدۂ آدم علیہ السلام کے صرف خاکی جسم شریف کو نہ تھا۔ بلکہ اس نورانی روح کو تھا جو جسم شریف کو پھونکی گئی۔ رب فرماتا ہے:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ۔ (سورۂ حجر پارہ ۱۴)	پھر جب میں ان کو درست کر دوں اور ان میں اپنی روح پھونک دوں تب تم ان کے لیئے سجدے میں گر جانا۔

معلوم ہوا کہ سجدہ روح آدم علیہ السلام کو ہے چونکہ جسم شریف اس روح کی تجلی گاہ بن چکا تھا اس لیئے سجدہ اُسے بھی ہوا۔ اور آدم علیہ السلام کی روح نور مصطفوی کی ایک تجلی تھی ورنہ آدم علیہ السلام کا جسم شریف نور روح پھونکنے سے چالیس سال پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ اگر صرف جسم ہوتا تو اب تک توقف نہ کیا جاتا۔ اس سے پہلے سجدہ ہو چکا ہوتا نیز ابلیس کو خاک پر خاک میں خاک کی طرف سجدہ کرنے میں کبھی عذر نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے خاک کے ہر ذرہ پر سجدے کر چکا تھا۔ آج یہ ایک سجدہ بھی کر لیتا۔ اب جو سجدے سے انکار کر رہا ہے وہ درحقیقت اس نورانیت کا منکر ہے جو سجدہ کا باعث ہے۔ نیز اگر فقط خاک خاک ہی کو سجدہ کرانا تھا تو خاک کے ڈھیر۔ ٹیلے ہزارہا موجود تھے۔ ان میں سے کسی کی طرف سجدہ کرا دیا جاتا۔ معلوم ہوا کہ خاک مسجود نہ تھی بلکہ وہ نور مسجود تھا۔ جو آدم علیہ میں ودیعت تھا۔

زبانِ حال سے کہتے تھے آدم!
مجھے سجدہ ہوا ہے میں نہیں ہوں

اعتراض نمبر ۱۰۔

اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں تو آپ اولاد آدم کیسے ہوئے نور کسی کی اولاد نہیں ہوتا حضور کو اسی لیئے آدمی کہا جاتا ہے یعنی آدم والے۔

جواب: ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بشر بھی ہیں اور نور بھی

یعنی نورانی بشر ہیں۔ ظاہری جسم شریف بشر ہے اور حقیقت نور ہے اولادِ آدم ہونا اس جسم بشری کی صفت ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے حضور سارے عالم کی اصل ہیں اور سارا عالم حضور سے ہے۔ رب فرماتا ہے:

(۱) قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (انعام پارہ ۸)

فرمادو کہ میری نماز میری قربانی میری زندگی میری وفات اس اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا پالنے والا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں ہے۔ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میں ساری اطاعت کرنے والوں میں پہلا ہوں

(۲) قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ (سورہ انبیاء پارہ ۲۵)

فرمادو کہ اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو اس کا پہلا عابد میں ہوتا۔

(۳) وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵)

نہیں ہے کوئی چیز مگر رب کی حمت کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں۔

ان آیات سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ ہر ذرہ ہر حصہ آسمان کا ہر چیز تسبیح خوان ہے۔ اور رب کا عابد ہے دوسرے یہ کہ ان تمام سے پہلے حضور رب کے عابد تھے۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت کے عابد ہیں۔ جب نہ فرشتے تھے نہ آسمان نہ زمین نہ عالم کی کوئی چیز۔ کیونکہ اگر کوئی چیز حضور سے پہلے پیدا کی جگی ہوتی تو پہلی عابد وہ ہوتی نہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔

اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس اولیت کی حالت میں بشر تھے تو آدم علیہ السلام اول بشر اور ابوالبشر نہ ہوتے۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ حضور اس اولیت میں یقیناً نور ہیں اور اس جسمانی حالت میں بشر ہیں۔ یہ تمام رشتے اس جسم اقدس کے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے ایک رسالہ التالیف قلب الالیف بکتابتہ فہرس التوالیف کے شروع میں فرماتے ہیں کہ

عالم ارواح میں سارے پیغمبروں نے حضور کی روح پر فتوح سے فیض لیا۔ اس سے علم حاصل کیا اور حضور سے سیکھ کر آدم علیہ السلام اسماء کے عالم ہوئے حضور اسی عالم میں نبیوں کے بھی نبی ہیں جس پیغمبر نے جو سیکھا ہے سب حضور کے شاگرد اور حضور ان تمام کے استاد اول ہیں۔ حضور خود فرماتے ہیں کہ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ بلکہ تمام ملائکہ اور تمام عالم انوار والے جو کچھ جانتے ہیں۔ حضور کے بتانے سے جانتے ہیں۔ عبارت یہ ہے :

وصل اول بعد از نزول و انتقال ازاں عالم حضرت انبیاء حاضران مجلس علم و شاگردان حوزہ۔ درس او ہر یکے کتابے از علم و بابے از دین خواندہ و تحصیل نمودہ بود۔ و ہر مسند افاضہ نشستہ کلمات اللہ بر خلق افادہ و افاضہ فرمود۔ مقدم الیشاں آدم صفی اللہ آمد کہ باوجود نسبت ابوت در درس آں خلعت صدق زانو ادب زدہ صحاح لغات و اسماء تعلیم نمودہ بود۔ بر مسند خلافت تکیہ زدہ ساکنان ملاء اعلیٰ را تعلیم و تلقین نمود۔ و حق استاذی بر الیشاں ثابت گردانیدہ مخدوم و مسجود الیشاں گشت

اس دنیا سے اتر کر سارے پیغمبر حضور کے مدرسہ میں حاضر ہوئے اور آپ کے مکتب میں شاگرد بنے۔ ہر ایک نبی نے علم کی ایک کتاب اور دین کا ایک ایک باب حضور سے پڑھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر دنیا کو فیض دینے کی مسند پر جاگزیں ہوئے اور اللہ کے احکام کی مخلوق کو تعلیم دی ان پیغمبروں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام تھے جو والد ہونے کے باوجود اپنے اس سچے فرزند کے مدرسہ میں باادب دوزانو بیٹھے تمام زبانیں اور چیزوں کے نام حضور سے سیکھے پھر خلافت الٰہیہ کے مسند پر جاگزیں ہوئے اور ملائکہ مقربین کو تعلیم و تربیت فرمانے لگے جس سے آدم علیہ السلام کا حق استادی سارے فرشتوں پہ ثابت ہوا اور آخر کار ان کے مسجود ہوئے۔

اعتراض نمبر ۱۔

اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم خدا کا نور ہیں تو آپ بھوک میں پیٹ پر پتھر کیوں باندھتے تھے۔ اور آپ کو بچھو کے زہر نے کیوں اثر کیا۔ آپ پر جادو کیوں چل گیا۔ بعض پیغمبروں کو کفار نے قتل کیسے کر دیا۔ جنگِ اُحد میں حضور کا دانت شریف کیوں شہید ہوا۔ کیا نور بھی بھوکا ہو سکتا ہے۔ کیا نور پر زہر اثر کر سکتا ہے ؟

جواب : یہ اور اس قسم کے صدہا اعتراضات جب پڑ سکتے تھے کہ ہم ان کی بشریت کا انکار کرتے ہم تو کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں۔ اور بشر بھی۔ کبھی بشریت کے صفات آپ پر ظاہر ہوتے ہیں کبھی نورانیت کے رب تعالیٰ نے آپ کو تمام صفات کا جامع بنا کر بھیجا۔ اگر عادۃً کھانا نہ ملاحظہ کریں تو شکم مبارک پر پتھر بھی باندھیں گے۔ اور بھوک کے آثار بھی نمودار ہونگے۔ لیکن اگر بہ ارادہ وصال میں روزہ کی نیت سے کھانا چھوڑیں۔ تو خواہ مہینوں نہ کھائیں کوئی اثر نہیں۔ وہاں بشریت کا ظہور تھا۔ اور یہاں نورانیت کی جلوہ گری ہے۔ یہاں بچھو کے زہر۔ تلوار اور آگ نے اثر دکھا دیا۔ مگر معراج کی رات دوزخ کی سیر فرمائی۔ وہاں آگ۔ سانپ۔ بچھو سب کچھ موجود۔ مگر کسی کا اثر نہ ہوا وہ بشریت تھی یہ نورانیت ہے۔ آج عیسیٰ علیہ السلام صدہا سال سے آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ جہاں نہ ہوا ہے نہ کھانا نہ پینا۔ مگر زندہ ہیں یہ زندگی نورانیت کا ظہور ہے۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع اور اعلیٰ ہے ان کے غلام بعض اولیاء اللہ پر کبھی ایسا وقت آتا ہے کہ مہینوں تک کھاتے پیتے نہیں۔ ان کے جسموں پر تلوار اثر نہیں کرتی۔ دجال کے ظاہر ہونے پر مومنوں کو اللہ کے ذکر میں بھوک پیاس سے امن ملے گا۔ ایک بزرگ جن کو ایک دفعہ دجال مار کر زندہ کر دے گا۔ پھر جب دوبارہ قتل کرنا چاہے گا تو ان کے حلق پر چھری کام نہ کرے گی۔ یہ اس آفتابِ نبوت کے ذرے ہیں پھر آفتاب کا کیا

کہنا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فیصلہ فرمایا۔ فرماتے ہیں ؎
گہے با حفصہ و زینب پرداختے — کبھی اپنی ازواج پاک کیساتھ مشغول ہوتے
وگاہے با جبرئیل و میکائیل نہ ساختے — اور کبھی جبرئیل و میکائیل کی بھی آپ تک رسائی نہ ہوتی۔

اختلافات حالات سرکار کی مختلف تجلیاں ہیں۔ کیا نہیں سنا کہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ نے اسمٰعیل علیہ السلام پر چھری نے اثر نہ کیا۔ یہ ان بزرگوں کی نورانیت کی جلوہ گری ہے۔

غرضیکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رب کا نور ہیں۔ آپ کی بشریت نورانی ہے بلکہ آپ کی نورانی بشریت حضرت جبرئیل کی نورانیت سے کہیں ارفع و اعلیٰ بلند و بالا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر
بہرِ حق سوئے غریباں یک نظر

اعتراض نمبر۲

اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہوتے تو حضور کی ساری اولاد یعنی قیامت تک سید نور ہوتے۔ کیونکہ اولاد اپنے ماں باپ کی جنس سے ہوتی ہے انسان کا بچہ انسان بشر کا بچہ بشر۔ ایسے ہی چاہیئے کہ نور کی اولاد نور ہو۔ جب سادات نور نہیں۔ حضور بھی نور نہیں۔

جواب: اس کا جواب پہلے گزر گیا کہ حضور کے تمام یہ رشتے بشریت کے ہیں۔ نورانیت میں کسی سے کوئی رشتہ نہیں۔ حضور اپنی نورانیت میں نہ کسی کی اولاد نہ کسی کے والد نہ کسی کے قرابت دار نہ رشتے والے۔ عالم نورانیت تو بہت اعلیٰ ہے۔ کوئی روح کسی کی نسل یا اصل نہیں۔ اس لئے اولادِ روحانی بعض صفات میں ماں باپ کے خلاف بھی ہو جاتی ہے۔ نبی زادہ کافر۔ عالم کی اولاد جاہل۔ جاہل کی اولاد عالم ہو جاتی ہے غرضیکہ ولادت بشریت کی ہے نورانیت کی نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۳

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت سے پہلے ایمان و قرآن کی خبر بھی نہ تھی اور وحی سے پہلے آپ کو اپنے نبی بننے کی امید بھی نہ تھی۔ پھر یہ کیسے درست ہے کہ آپ عالمِ ارواح میں نبی تھے اور سارے پیغمبر آپ سے فیض لیتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ يُّلْقٰى اِلَيْكَ الْكِتَابُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (قصص پارہ ۲۰)	تم کو امید بھی نہ تھی کہ تم پر کتاب بھیجی جاوے گی مگر آپ کے رب کی رحمت سے۔
(۲) وَمَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ (شوریٰ پ ۲۵)	اور آپ جانتے نہ تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔

جب حضور کو ایمان کی بھی خبر نہ تھی تو پیدائش کے پہلے نبوت کے کیا معنی۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر تو عیسیٰ علیہ السلام حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوئے کہ آپ نے ماں کی گود میں پیدائش سے چند گھنٹہ کے بعد قوم سے فرمایا:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا۔ (مریم پارہ ۱۶)	فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اس نے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔

اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی حضور سے بڑھ جاویں گے۔ کیونکہ ان کے متعلق رب نے فرمایا:

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا۔ (مریم پ ۱۶)	ہم نے انہیں بچپن میں علم یا نبوت بخشی۔

بلکہ لازم آئے گا کہ کفار بھی حضور سے علم میں بڑھ جاویں کیونکہ وہ حضور کے بچپن سے جانتے تھے۔ کہ حضور نبی ہیں۔ بحیرہ راہب نے حضور کے بچپن میں حضور کی نبوت کی گواہی دی۔ کیونکہ اس نے شجر و حجر کو کلمہ پڑھتے سُنا۔ قرآن کریم

فرماتا ہے :-

یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (بقرہ پ ۲)	یہ کفار حضور کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو۔

یعنی جیسے اولاد کو باپ اس کے بچپن بلکہ پیدائش کے وقت سے پہچانتا ہے ایسے ہی کفار حضور کی پیدائش کے وقت سے حضور کو پہچانتے ہیں۔ فرماتا ہے :

وَكَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ (بقرہ پ ۱)	اہل کتاب حضور کی طفیل کفار پر جنگ میں فتح و نصرت کی دعائیں کرتے تھے ۔

نیز بخاری شریف میں ہے کہ پہلی وحی کے وقت حضور غار حرا میں عبادت فرماتے تھے۔ اور پہلے ہی سے اعتکاف شروع فرما دیئے تھے۔ اگر حضور کو ایمان کی خبر نہ تھی تو یہ عبادت کس کی کر رہے تھے اور کیسے کر رہے تھے ؟

نیز معراج کی رات حضور نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کو نماز پڑھائی بتاؤ وہ کون سی نماز تھی کیونکہ ابھی تو نماز فرض ہی نہ ہوئی تھی۔

جواب تحقیقی چند ہیں۔ ایک یہ کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس میں ظاہر خطاب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اور درحقیقت خطاب حضور کے دین والوں سے ہے۔ تفسیر مدارک اور تفسیر خازن میں آیت وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا الخ کے تحت ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلْخِطَابُ فِى الظَّاهِرِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُرَادُ بِهٖ اَهْلُ دِيْنِهٖ	حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ بظاہر یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد حضور کی امت ہے۔

دوسرے یہ کہ اس آیت نمبر ایک میں مَا كُنْتَ تَرْجُوْا کی نفی اِلَّا رَحْمَةً سے ٹوٹ گئی۔ اور معنی یہ ہوئے کہ آپ کو ظاہری اسباب کے لحاظ سے یہ امید بھی نہ تھی کہ مگر رحمت الٰہی آپ پر وحی ہوگی اور ظاہر ہے کہ حضور کو نبوت محض رب کے فضل سے نہ کسی نبی کی دعا سے ملی نہ کسی نبی کی وراثت سے حاصل ہوئی۔ جیسے حضرت ہارون

کی نبوت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے تھی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت حضرت زکریا
علیہ السلام کی وراثت سے اور حضرت سلیمان کی نبوت حضرت داؤد کی میراث سے تھی۔
رب فرماتا ہے:

(۱) وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (سورۂ نمل پارہ ۱۹)	حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے۔
(۲) وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِيْ (طٰهٰ پارہ ۱۶)	موسیٰ علیہ السلام نے [illegible] میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔

مگر حضور کی نبوت میں کسی کی دعا یا وراثت کا واسطہ نہیں اور حضور پر کسی
کا احسان نہیں۔ اس آیت ۲ میں وَمَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ (الخ) درایت
کی نفی ہے درایت کہتے ہیں عقل واٹکل سے جاننے کو یعنی آپ نبوت کے ظہور سے پہلے
ایمان اور کتاب محض اٹکل یا قیاس سے نہ جانتے تھے کیونکہ اٹکل کا علم کبھی غلط بھی ہوتا ہے
بلکہ الہام ربانی سے جانتے تھے جس میں غلطی و خطا کا احتمال نہیں یا اس سے مراد
کتاب و ایمان کے تفصیلی احکام ہیں یا ایمان سے مراد اہل ایمان ہیں۔ غرضکہ اس
کے بہت سے جواب ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۴

شروع بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب غار حرا میں حضور پر پہلی
وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ آئی تو حضور حضرت جبریل کو پہچان نہ سکے۔ ورقہ ابن
نوفل کے بتانے سے پہچانا۔ کہ یہ جبریل ہیں۔ پھر یہ کیسے درست ہوا کہ حضور اپنی نبوت
پہلے ہی سے جانتے تھے۔

جواب: یہ غلط ہے بخاری شریف کی اس روایت میں کوئی لفظ ایسا نہیں
جس کے معنی یہ ہوں کہ حضور نے حضرت جبریل کو نہ پہچانا۔ اگر حضور حضرت جبریل
کو نہ پہچانتے تو یہ آیت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ قطعی نہ رہتی۔ کیونکہ آیت قطعی نہ

رہتی کیونکہ آیت قطعی جب ہوگی جب اس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ رہے اور اگر حضور کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ یہ شخص فرشتہ ہے یا کوئی اور تو یہ پتہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ رب کا کلام ہے۔ اور جب حضور ہی کو اس آیت کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہوا تو ہم کو اس کا یقین کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمارا یقین تو حضور کے یقین پر قائم ہے۔ اسی لئے اس وقت حضور انور نے حضرت جبرئیل سے یہ نہ پوچھا کہ تم کون ہو اور مجھے کیا پڑھانا چاہتے ہو۔ معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم انہیں جانتے پہچانتے تھے۔ کیوں نہ پہچانتے کہ حضرت جبرئیل اور سارا عالم حضور ہی کے نور سے بنا۔ اور حضور کا نور ان سب سے پہلے پیدا ہوا۔ رہا ورقہ ابن نوفل کے پاس تشریف لے جانا اور ورقہ کا یہ عرض کرنا دوسروں کی تسکین کے لئے تھا کہ سننے والے ورقہ کی یہ گفتگو سن کر حضور کی نبوت پر زیادہ مطمئن ہو جاویں۔ کیونکہ ورقہ توریت کے بڑے عالم تھے۔ کہ والے ان کے علم و فضل کے قائل تھے۔ اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ غرضیکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ ورقہ ابن نوفل کے پاس جانا اپنے علم کے لئے نہیں بلکہ ان سے تصدیق کرانے کے لئے تھا۔ تاکہ حضرت خدیجہ کو حضور کی نبوت کا عین الیقین حاصل ہو جائے اور دوسروں کو علم الیقین۔ جیسے حضور کا پتھروں سے کلمہ پڑھانا۔ درختوں سے گواہی دلوانا۔ اپنے علم کے لیے نہیں۔ دوسروں کے بتانے کے لیے ہے۔

اعتراض نمبر ۱۵۔

نور سے بشر افضل ہے۔ دیکھو آدم علیہ السلام کو جو بشر تھے۔ نوری فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اور معراج میں حضور بشر ہو کر عرش سے بھی وراء پہنچے۔ جہاں وہاں کہاں سب ختم ہو گیا۔ اور نوری جبرئیل سدرہ پر رہ گئے۔ لہٰذا حضور کو نور کہنا حضور کی شان گھٹانا ہے۔

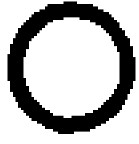
جواب:

اولاً تو یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ بشر نور سے مطلقاً افضل ہے۔

ورنہ پھر چاہیئے۔ کہ تم بلکہ ابوجہل وغیرہ بھی فرشتوں سے افضل ہوں دُوسرے یہ کہ اعتراض تب درست تھا۔ جب ہم حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے۔ حضور نور بھی ہیں۔ بشر بھی۔ محض بشر اور محض نور سے وہ افضل ہے جو نور بھی ہو اور بشر بھی۔

خیال رہے کہ کافر انسان کُتے بلے سے بدتر ہے۔ رب فرماتا ہے :-

اُولٰئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃ



دُوسرا باب

تن بے سایہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور صدہا معجزے بخشے۔ وہاں یہ معجزہ بھی عطا فرمایا کہ حضور کے جسم شریف کو بے سایہ بنایا۔ دھوپ چاندنی چراغ وغیرہ کی روشنی میں آپ کے جسم اطہر کا بالکل سایہ نہ پڑتا تھا بلکہ جو لباس حضور پہنے ہوتے تھے وہ لباس بھی بے سایہ ہو جاتا تھا۔ اس پر آیات قرآنیہ احادیث صحیحہ اقوال فقہا بلکہ خود فرقہ دیوبندیہ وہابیہ کے اقوال گواہ و شاہد ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

حضور کے بے سایہ ہونے کا قرآنی آیات سے ثبوت

(۱) قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۔

اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (محمد مصطفیٰ) اور روشن کتاب تشریف لائے

(۲) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا

اے نبی ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری سناتا ڈراتا، اللہ کی طرف اسی کے حکم پر بلاتا ہوا اور چمکانے والا سورج

(۳) مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ۔

اللہ کے نور (محمد مصطفیٰ) کی مثال ایسی ہے جیسے طاق جس میں چراغ چمنی میں ہو۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں حضور کو نور فرمایا۔ دوسری آیتہ میں سورج کہا۔ تیسری آیت میں حضور کی ذات کو نور اور سینۂ پاک کو چراغ کی چمنی۔ اور ظاہر ہے کہ نہ تو نور کا سایہ ہوتا ہے نہ سورج کا اور نہ صاف چمنی کا۔ ان آیات سے حضور کا بے سایہ ہونا ثابت ہے۔

تفسیر مدارک شریف پارہ اٹھارہ سورہ نور میں زیر آیت لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ایک

واقعہ نقل فرمایا کہ لوگوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام سے اس کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت ذوالنورین عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ عالیہ میں یوں عرض کیا:

وَقَالَ عثمان اِنَّ اللّٰہَ مَا وَقَعَ ظِلَّکَ عَلَی الْاَرْضِ لِئَلَّا یَقَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَہٗ عَلٰی ذَالِکَ الظِّلِّ فَلَمَّا لَمْ یُمَکِّنْ اَحَدًا مِنْ وَضْعِ الْقَدَمِ عَلٰی ظِلِّکَ کَیْفَ یُمَکِّنُ اَحَدًا مِنْ تَلْوِیْثِ عِرْضِ زَوْجَتِکَ

جناب عثمان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ رب نے آپ کا سایہ زمین پر نہ ڈالا تا کہ کوئی شخص اس سایہ پر قدم نہ رکھ سکے تو جب رب تعالیٰ نے کسی کو آپ کے سایہ پر قدم رکھنے کا موقع نہ دیا تو کسی کو یہ قدرت کیسے دے گا کہ آپ کی زوجہ پاک کی عصمت پر داغ لگائے۔

اور حضرت خلیفۃ المسلمین امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے یوں عرض کیا:

اِنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا قَاطِعٌ بِکِذْبِ الْمُنَافِقِیْنَ لِاَنَّ اللّٰہَ عَصَمَکَ مِنْ وُقُوْعِ الذُّبَابِ عَلٰی جِلْدِکَ لِاَنَّہٗ یَقَعُ عَلَی النَّجَاسَاتِ فَیَتَلَطَّخُ بِھَا فَلَمَّا عَصَمَکَ مِنْ ذَالِکَ الْقَدْرِ مِنَ الْقَذَرِ فَکَیْفَ لَا یَعْصِمُکَ مِنْ صُحْبَۃِ مَنْ تَکُوْنُ مُتَلَطِّخَۃً بِمِثْلِ ھٰذِہِ الْفَاحِشَۃِ۔

عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کو منافقوں کے جھوٹے ہونے کا یقین ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم پاک کو مکھی بیٹھنے سے محفوظ رکھا۔ کیونکہ مکھی گندگیوں پر پڑتی ہے جس میں وہ لتھڑ جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر گندگی سے بچایا ہے۔ تو اس بیوی کی صحبت سے کیوں نہ بچائے گا۔ جو ایسی برائی میں لتھڑے۔

حضرت عثمان کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضور انور کا جسم اطہر بے سایہ ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ آپ کے جسم پاک پر مکھی بیٹھنا عام مکھی نہ بیٹھتی۔ جسم انور کا بے سایہ ہونا بھی معجزہ ہے۔ اور جسم اطہر پر مکھی نہ بیٹھنا بھی معجزہ ہے۔

حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ذَكْوَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَكُنْ یُرَا لَہٗ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ۔

روایت ہے حضرت ذکوان سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں نظر آتا تھا نہ چاندنی میں۔

سیدنا عبداللہ ابن مبارک اور حافظ علامہ ابن جوزی حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔

(۲) قَالَ لَمْ یَكُنْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ظِلٌّ وَلَمْ یَقُمْ مَعَ شَمْسٍ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُہٗ ضَوْءَھَا وَلَا مَعَ السِّرَاجِ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُہٗ ضَوْءَہٗ

یعنی فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور نہ کھڑے ہوتے آپ آفتاب کے سامنے مگر آپ کا نور آفتاب کے نور پر غالب آ جاتا۔ اور نہ کھڑے ہوتے آپ چراغ کے سامنے مگر آپ کا نور چراغ کے نور کو دبا لیتا۔

بیہقی شریف نے حضرت عبداللہ ابن یعقب سے روایت کی۔

قَالَ حَجَجْتُ حَجَّةَ الْوَدَاعِ فَدَخَلْتُ دَارًا بِمَكَّةَ فَرَاَیْتُ فِیْھَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجْھُہٗ كَدَائِرَةِ الْقَمَرِ۔

فرمایا کہ میں حج وداع میں شریک ہوا تو میں مکہ معظمہ میں ایک گھر میں گیا۔ میں نے اس میں رسول اللہ کو دیکھا آپ کا چہرہ انور چاند کی ٹکی کی طرح چمک رہا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ شریف میں حدیث ذکوان جو ابھی ذکر کی گئی۔ اسی کے متعلق ایک باب باندھا۔ اسی باب میں فرمایا :

قَالَ ابن سبع مِن خصائصہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان ظلّہٗ کَانَ لَا یَقَعُ علی الارض وَ اِنّہٗ کَانَ نورًا فکان اِذَا مشیٰ فی الشمس او القمر لا ینظر لَہٗ ظِلٌّ۔

ابن سبع نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور آپ جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ دیکھا جاتا تھا۔

کتاب مستطاب الفوزج اللبیب فی خصائص الحبیب باب دوم فصل چہارم میں فرماتے ہیں۔

(۸) لم یقع ظلّہ علی الارض وَلَا رُءِیَ لَہٗ ظِلٌّ فی شمسٍ وَلَا قمرٍ۔

حضور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور آپ کا سایہ دھوپ میں دیکھا گیا نہ چاندنی میں۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں :

(۹) وَمَا ذُکِرَ مِنْ اَنَّہٗ لَا ظِلَّ لِشَخْصِہٖ فِی شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا۔

یہ جو ذکر کیا گیا کہ حضور کے جسم انور کا سایہ نہیں دھوپ میں چاندنی میں یہ اس لئے ہے حضور نور ہیں۔

حضرت امام شہاب الدین خفاجی اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔

(۱۰) وَمِنْ دَلَائِلِ نُبُوَّتِہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَا ذُکِرَ مِنْ اَنَّہٗ لَا ظِلَّ لِشَخْصِہٖ اَیْ جسدہ الشریف اللطیف اِذَا کَانَ فِی شَمْسٍ اَوْ قَمَرٍ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیلوں میں سے وہ ہے جو ذکر کیا گیا۔ کہ حضور کے جسم لطیف کا سایہ نہ تھا۔ جب کہ آپ دھوپ یا چاندنی میں ہوتے کیونکہ حضور نور ہیں۔

لِاَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ نُوْرًا وَالْاَنْوَارُ شَفَافَۃٌ لَطِیْفَۃٌ لَا تُحْجَبُ غَیْرُھَا وَ اِلَّا الْاَنْوَارُ لَا ظِلَّ بِھَا کَمَا تَشَاھَدَ فِی اَنْوَارِ الْحَقِیْقَۃِ وَھٰذَا رَوَاہُ صَاحِبُ الْوَفَاءِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمْ یَکُنْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ وَ لَمْ یَقُمْ مَعَ شَمْسٍ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُہٗ ضَوْءَھَا وَلَا مَعَ السِّرَاجِ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُہٗ ضَوْءَہٗ وَ قَدْ تَقَدَّمَ ھٰذَا وَالْکَلَامُ فِیْہِ وَ قَدْ نَطَقَ الْقُرْاٰنُ بِاَنَّہٗ النُّوْرُ الْمُبِیْنُ وَکَوْنُہٗ بَشَرًا لَا یُنَافِیْہِ کَمَا تَوَھَّمَ فَاِنْ فَھِمْتَ فَھُوَ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ فَاِنَّ النُّوْرَ ھُوَ الظَّاھِرُ بِنَفْسِہٖ الْمُظْھِرُ بِغَیْرِہٖ وَتَفْصِیْلُہٗ فِی الْمِشْکٰوۃِ الْاَنْوَارِ۔ (ملخصاً)

اور انوار شفاف و لطیف ہیں۔ کسی کے لیے آڑ نہیں بنتے۔ نوروں کا سایہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حقیقی نوروں میں دیکھا جاتا ہے۔ کتاب الوفا والے نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں۔

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ اور نہ کھڑے ہوتے تھے۔ آپ سورج یا چراغ کے سامنے مگر آپ کی چمک ان کی چمکوں پر غالب آتی تھی۔ یہ گفتگو اور اس میں کلام گزر چکا۔ قرآن کریم فرما رہا ہے۔ کہ حضور کھلا ہوا نور ہیں۔ اور آپ کا بشر ہونا اس کے خلاف نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا ہے۔ تو اگر تم سمجھو تو حضور نور علی نور ہیں۔ کیونکہ نور وہ ہوتا ہے۔ جو خود ظاہر ہو۔ دوسرے کو ظاہر کرے اس کی تفصیل مشکوٰۃ الانوار میں ہے۔ (ملخصاً)

حضرت مولوی جلال الدین رومی قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

چوں فنا شد از فقر پیرایہ بود
او محمد وار بے سایہ بود

جو فقیر حضور کی ذات میں فنا ہو وہ محمد کی طرح بے سایہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم شرح مثنوی میں اسی شعر کی شرح میں فرماتے ہیں۔

مصرع ثانی بمعجزہ آں سرور صلے اللہ علیہ وسلم کہ آں سرور صلے اللہ علیہ وسلم راسایہ نمی افتاد۔

دوسرے مصرع میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کا سایہ نہ پڑتا تھا۔

امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَكُنْ لَهٗ صلی اللہ علیہ وسلم ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَلَا فِي قَمَرٍ رواہ الترمذی عن ذکوان۔

حضور کا سایہ نہ تھا نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں جیسا کہ ترمذی شریف نے حضرت ذکوان سے روایت کیا۔

علامہ حسین ابن محمد دیار بکری اپنی کتاب الخمیس فی احوال انفس النفیس میں فرماتے ہیں

لَمْ يَقَعْ ظِلُّهٗ عَلَى الْأَرْضِ وَلَا رُءِيَ لَهٗ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَ لَا فِي قَمَرٍ۔

حضور کا سایہ زمین پہ نہ پڑا اور آپ کا سایہ دیکھا نہ گیا۔ نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

(۱۴) کتاب نور الابصار فی مناقب آل النبی الاطہار میں فرماتے ہیں۔

لَم يقطع ظلّهٗ على الأرض وَ لَا رُءِيَ لَهٗ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ و لا فی قَمَرٍ۔

حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑا اور نہ آپ کا سایہ دھوپ میں دیکھا گیا۔ نہ چاندنی میں۔

کتاب افضل القریٰ میں امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں۔

(۱۵) وَ مِمَّا يُؤَيِّدُ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَارَ نُوْرًا اِذَا كَانَ اِذَا مَشٰى فِي الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا يُظْهِرُ لَهٗ ظِلٌّ لِاَنَّهٗ لَا يَظْهَرُ لَهٗ ظِلٌّ لِاَنَّهٗ لَا يظهر اِلَّا بِكَثِيْفٍ وَهُوَ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور ہو جانے کی تائید کرنے والے دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ جب دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا۔ کیونکہ سایہ صرف کثیف چیز کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضور کو ساری

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ خَلَّصَہُ اللّٰہُ مِنْ سَائِرِ الْکَثَافَاتِ الْجِسْمَانِیَّۃِ وَصَیَّرَہٗ نُوْرًا صَرْفًا لَا یَظْہَرُ لَہٗ ظِلٌّ اَصْلًا۔

جسمانی کثافتوں سے صاف فرما دیا آپ کو خالص نور بنا دیا۔ لہٰذا آپ کا سایہ بالکل ظاھر نہ ہوتا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:۔

(۱۶) ونبود مر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم را سایہ در آفتاب نہ در قمر۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

رواہُ الحکیمُ الترمذی عن ذکوان فی نوادر الاُصول

اسے حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان سے نوادر الاصول میں روایت کیا۔

(۱۷) حضرت مجدد الف ثانی قطب ربانی قدس سرہٗ مکتوبات شریف جلد تیسری مکتوبات نمبر ۱۰۰ میں فرماتے ہیں۔

او را صلے اللہ علیہ وسلم سایہ نبود۔ در عالم شہادت سایہ ہر شخص از شخص لطیف تر است چوں لطیف تر از دے صلی اللہ علیہ وسلم در عالم نباشد۔ او را سایہ چہ صورت دارد۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا عالم شہادت میں ہر جسم کا سایہ جسم سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے لطیف دنیا میں کوئی چیز نہیں تو آپ کے سایہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

(۱۸) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ تفسیر عزیزی پارہ تیسواں سورہ والضحیٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

سایہ ایشاں بر زمین نمی افتاد

حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔

(۱۹) مجمع البحار میں شی کی رمز میں بحوالہ شرح شفا فرمایا:

مِنْ اَسْمَائِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ناموں

وَسَلَّمَ اَلنُّوْرُ قِيْلَ مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اِذَا مَشٰى فِي الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا يَظْهَرُ لَهٗ ظِلٌّ۔

ہیں سے نام شریف نور بھی ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضور کی خصوصیات سے یہ ہے کہ آپ جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا

(۲۰) علامہ سلیمان جملی فتوحاتِ احمدیہ شرح ہمزیہ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَكُنْ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ مَا يُظْهِرُ فِي الشَّمْسِ وَلَا قَمَرٍ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا جو دھوپ یا چاندنی میں ظاہر ہوتا۔

(۲۱) جواہر البحار شریف میں علامہ یوسف نبہانی فرماتے ہیں جلد اوّل ص۴۵۳

وَكَانَ اِذَا مَشٰى فِي قَمَرٍ اَوْ شَمْسٍ لَا يَظْهَرُ لَهٗ ظِلٌّ۔

حضور جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا احادیث اور ارشاداتِ علماء سے بخوبی ثابت ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا سایہ قطعاً نہ تھا۔ نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں نہ چراغ کی روشنی میں ؂

وہابی دیوبندی تائید

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم انور کا سایہ نہ ہونا علماء دیوبند و علماء غیر مقلد بھی مانتے ہیں اس پر پُر زور دلائل پیش کرتے ہیں نہ معلوم موجودہ دیوبندیوں پر کیا مار ہے کہ اپنے بڑوں کی بھی نہیں مانتے۔ اور اس مسئلہ کا انکار ہی کئے جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ سمجھ دے ہٹ دھری کے بجائے حق قبول کرنے کی توفیق دے اب آپ دیوبندی علماء کے اقوال ملاحظہ فرماویں۔ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنی کتاب امداد السلوک میں ص۸۶ پر فرماتے ہیں :۔

بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت صلی اللہ

یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ حضور صلے

علیہ وسلم سایہ نداشتند۔ وظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل مے دارند۔

اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔

دوستو! یہ ہے عقیدہ ان مولوی رشید احمد صاحب کا جو تمام دیوبندیوں کے بڑے عالم پیر بلکہ قطب وقت ہیں اور نہ جانے کیا کیا ہیں۔

غیر مقلد (اہل حدیث) کے مایہ ناز عالم حافظ محمد صاحب لکھوی اپنی تفسیر محمدی ساتویں منزل ص ۲۲۹ پر لکھتے ہیں:۔

جاں گریئی بخت ہوندی ناں سر پہ بدل سایہ کردا
تے اوپر زمین نہ پوندا سایہ حضرت پیغمبر دا

یہ ہے عقیدہ اہل حدیث حضرات کے بڑے بھاری عالم حافظ محمد صاحب لکھوی کا کہ حضور کا جسم انور بے سایہ ہے۔

عقلی دلیل

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم انور کا سایہ نہ ہو۔ کیونکہ عالم اجسام میں بعض محسوس اجسام ایسے ہیں جن کا سایہ نہیں ہوتا یعنی وہ ہیں تو جسم مگر سایہ ندارد یا اس لئے کہ ان جسموں پہ نور کی پالش قدرت نے کر دی ہے یا اس لیے کہ وہ شفاف ہیں۔ دیکھو چاند سورج تارے جسم بھی ہیں محسوس بھی ہیں مگر ان کا سایہ نہیں کیونکہ صرف اس لئے کہ ان پر نور کی پالش ہے چاند تارے بذات خود کالے ہیں۔ سورج کی شعاعوں سے منور ہو گئے ہیں اس عارضی نورانیت کی وجہ سے ان کا سایہ نہیں بہت صاف و شفاف شیشہ کا سایہ نہیں پڑتا جب کہ بارہا مشاہدہ کیا گیا ہے شیشہ نور نہیں صرف شفاف ہونے نے اس کو بے سایہ بنا دیا۔ بعض حالات میں کثیف جسم کا سایہ نہیں ہوتا۔ جب ہر چہار طرف سے اس پر روشنی ڈالی جاوے یا کوئی شخص بجلی کے نیچے کھڑا ہو جاوے تو سایہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اسے نور نے گھیر لیا۔ گرمیوں میں جب دوپہر کے وقت سورج بالکل سر پر ہوتا ہے تو جسم انسانی بلکہ کسی جسم کا سایہ نہیں پڑتا کیونکہ سورج کا نور جسم کے ہر حصہ پر پڑتا ہے۔ اگر بجلی کا تیز بلب خود بھی روشن ہو اور اس کے اوپر دیکھے

نیز بلب سے روشنی ڈالی جائے تو یہ نور علیٰ نور ہو جائے گا وہاں سایہ کے پڑنے کا سوال ہی نہ رہے گا۔ جب ان ظاہری اجسام کا عارضی انوار کی وجہ سے سایہ نہیں رہتا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں رب تعالیٰ نے مجسم نور فرمایا اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دعا کی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا خدایا مجھے نور بنادے اور رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں انہیں نور علیٰ نور فرمایا کہ دیکھو سورہ نور شریف اگر اس جسم پاک کا سایہ نہ ہو تو کیا تعجب ہے۔ مذکورہ تمام اجسام کو بے سایہ مان لیا جاتا ہے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے بے سایہ ہونے کا کیوں انکار ہے ❊

دُوسری فصل۔ اعتراضات و جوابات

تنِ بے سایہ کے مسئلہ پر مخالفین کے پاس کوئی قوی اعتراضات نہیں صرف دو تین شبہات ہیں جو ہر جگہ مختلف پیرایوں میں بیان کرتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے :۔

اعتراض نمبر ۱

مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا ہے :۔

قَالَتْ بَیْنَمَا اَنَا یَوْمًا بِنِصْفِ النَّھَارِ اِذَا اَنَا بِظِلِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُقْبِلٌ	فرماتی ہیں کہ ایک دن ٹھیک دوپہری میں حضور علی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں حضور کے سایہ میں تھی۔

دیکھو حضرت صفیہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کے سایہ میں تھی اگر حضور کا سایہ نہ تھا تو آپ سایہ میں کس طرح ہو گئی تھیں۔ لفظ ظل پر غور کرو۔ ظل سایہ کو کہتے ہیں۔

نوٹ :۔ کسی دیوبندی وہابی کو حضور کا سایہ ثابت کرنے کے لئے اس حدیث کے سوا کوئی نہ مل سکی وہ اس کو بڑے فخر سے پیش کرتے ہیں۔ جواب ملاحظہ ہو۔

جواب: اس حدیث میں ظل سے مراد یہ معروف سایہ نہیں جو کثیف اجسام کا ہوتا ہے کیونکہ مدینہ منورہ میں گرمی کی ٹھیک دوپہر میں یہ سایہ پڑتا ہی نہیں اور اتنا رہا نہ

سایہ کہ دوسرا آدمی اس میں چل سکے یہ تو گرمیوں میں دوپہر کے وقت ہمارے ہاں بھی نہیں پڑتا۔ لہٰذا یہاں یہ سایہ مراد نہیں عربی بلکہ اردو میں بھی رحمت و مہربانی و کرم اور پناہ کو سایہ کہتے ہیں عام طور پر بزرگوں کو لکھتے ہیں دام ظلہم۔ ان کا سایہ ہمیشہ رہے پائندہ ظلہم ان کا سایہ دراز ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت صاحب دن رات دھوپ و آگ میں تپتے ہیں۔ اور ان کا سایہ پڑتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی مہربانی رحمت پناہ ہمیشہ رہے۔ حدیث پاک میں ہے۔

اَلسُّلطَانُ العَادِلُ المُتَوَاضِعُ ظِلُّ اللّٰہ	عجز و انکسار والا عادل بادشاہ اللہ کا سایہ ہے۔
(جامع صغیر جلد دوم ص ۳۱)	

نیز حدیث پاک میں ہے:

سَبْعَۃٌ یُظِلُّہُمُ اللّٰہُ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِہٖ۔	سات آدمی ہیں کہ اللہ انہیں اپنے عرش کے سایہ میں رکھے گا۔

دیکھو نہ خدا تعالیٰ جسم کثیف ہے کہ اس کا سایہ ہو نہ عرش اعظم سایہ دار جسم ہے یہاں دونوں جگہ سایہ سے مراد رحمت اور پناہ ہے نیز حدیث پاک میں ہے۔

اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ شَجَرَۃً تَسِیْرُ الرَّاکِبُ فِیْ ظِلِّہَا مِائَۃَ عَامٍ لَا یَقْطَعُہَا۔ (باب صفۃ الجنۃ مسلم بخاری)	جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو برس چلے۔ تو اسے طے نہ کر سکے۔

دیکھو جنت میں نہ دھوپ ہے نہ چاندنی۔ پھر طوبیٰ درخت کے سایہ کے کیا معنی وہاں بھی سایہ سے مراد پناہ یا اس کے نیچے ہونا ہے۔ تمہاری پیش کردہ حدیث میں اگر سایہ سے مراد یہ سایہ معروفہ ہو تو یہ حدیث ہماری پیش کردہ حدیث ذکوان کے بھی خلاف ہوگی اور ان آیاتِ قرآنیہ کے بھی خلاف جو پہلے باب میں عرض کی گئیں۔

دوسرا اعتراض:

قرآن کریم میں رب تعالیٰ فرماتا ہے: یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشَّمَآئِلِ۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہر چیز خود بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے اور اس کا

سایہ بھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہو تو حضور دوسری مخلوق کے مقابلے میں کم عابد ہوں گے۔ تمام مخلوق کے دو سجدے حضور کا صرف ایک سجدہ۔ لہٰذا حضور کا سایہ ہوا تاکہ حضور انور کی عبادت بھی دو طرح کی ہو۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

جواب الزامی تو یہ ہے کہ آپ کے اس سوال سے لازم آتا ہے۔ کہ جب کوئی دیوبندی صاحب سایہ میں نماز پڑھ رہے ہوں جہاں مولوی صاحب کا سایہ نہ پڑ رہا ہو۔ اور اس وقت کوئی جانور دھوپ میں کھڑا ہو تو جس کا سایہ پڑ رہا ہو۔ تو اسی وقت مولوی صاحب سے وہ جانور افضل ہو جاوے۔ کہ مولوی صاحب تو صرف اپنے آپ ہی سجدہ کر رہے ہیں سایہ نہیں کر رہا۔ اور وہ جانور بھی سجدہ کر رہا ہے۔ اس کا سایہ بھی جو تم اپنے متعلق وہاں جواب دو گے وہ ہی یہاں جواب دے لینا۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سجدہ تمام دنیا کی تمام عمر کی عبادات سے افضل ہے۔ جب حضور کے صحابی کا سوا سیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونا خیرات سے افضل ہوا تو حضور کی عبادات کا کیا پوچھنا ہے۔ کوئی چیز سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار حضور کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔

مولوی صاحب! آیندہ آپ اور آپ کی جماعت ہمیشہ دھوپ میں ہی نمازیں پڑھا کریں۔ تاکہ ڈبل سجدہ ہوا کرے آپ کا اور آپ کے سایہ کا بھی۔

تیسرا اعتراض

رب تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ	فرما دو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

جب بہ حکمِ قرآنی حضور ہم جیسے ہیں اور ہم تو بے سایہ نہیں ۔ بلکہ سایہ دار ہیں تو چاہیئے کہ حضور بھی بے سایہ نہ ہوں۔ سایہ دار ہوں ورنہ مِثْلُکُمْ کا ظہور نہ ہوا۔

جواب : اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ۔ ایک الزامی دُوسرا تحقیقی۔

جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو یوں کہو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہم جیسے بشر ہیں اور ہم تو نہ نبی ہیں نہ رسول نہ شفیع المذنبین نہ رحمۃ للعالمین تو نعوذ باللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی نہ نبی نہ رسول نہ کسی اور صفت عالیہ سے موصوف ہوں۔ بَشَرٌ مِثْلُکُمْ کی اسی تفسیر سے نبوت و رسالت وغیرہ ہی کا انکار ہو گیا۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں مثلیت صرف اس میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم دُوسرے بندوں کی طرح نہ خدا ہیں۔ نہ خدا کی اولاد نہ خدا کے رشتہ دار بھائی وغیرہ اللہ کے خالص بندے ہیں آپ میں الوہیت کا شائبہ بھی نہیں۔

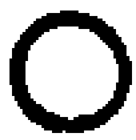
مخالفین کے پاس سایہ ہونے پر کوئی قوی دلیل نہیں۔ صرف عناد وضد سے انکار کرتے ہیں۔ یوں ہی واہیات شبہات کو دلائل سمجھے بیٹھے ہیں۔ ہم نے تو اسی قدر آیاتِ قرآنیہ احادیث نبویہ اقوال بزرگانِ دین عقلی دلائل تمہارے بزرگوں کے اقوال پیش کر دیئے۔ تم بھی سایہ ہونے پر کوئی آیتہ یا حدیث یا صحابی کا فرمان ہی پیش کر دو۔ اگر نہیں پیش کر سکتے تو آقائے دوجہان صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک خدا داد معجزے اور کمال کا کیوں انکار کرتے ہو۔ افسوس ہے کہ دوسری قومیں اپنے بزرگوں کے جھوٹے کمالات کے ڈھنڈورے پیٹتے ہیں اور تم اپنے رسول کے سچے کمالات ماننے کو تیار نہیں۔ اگر اس قسم کے لاکھوں کمالات رب تعالیٰ نے حضور کو دے دیئے۔

تو تمہارا کیا بگڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ وہ آنکھ عطا فرما دے جو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات دیکھے۔ آمین!

آنکھ والا تیرے جلووں کا تماشا دیکھے!
دیدۂ کور کیا آئے نظر کیا دیکھے

دوستو! یہ ظاہری آنکھیں ظاہری سُرمہ سے تیز ہوتی ہیں۔ مگر دل کی آنکھ خاکِ درِ اولیاء سے منوّر ہوتی ہے۔ کسی بزرگ کے آستانہ کی خاک دل کی آنکھ پر ملو۔ تاکہ بصیرت تیز ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل نے صرف بصارت سے دیکھا۔ کافر ہی رہا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بصیرت سے بھی دیکھا۔ مومن صحابی ہوئے ؎

سُرمہ کن درچشم خاکِ اولیاء
تا بہ بینی ز ابتدا تا انتہاء



بجناب
سیّد فاضل شاہ انور قلمکار گجرات

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

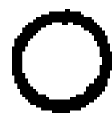
نے فرمایا کہ نبی کریم رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ اس لئے نہ تھا کہ سایہ جسم سے لطیف ہوتا ہے۔ جیسے کہ دیوار درخت وغیرہ جسم کثیف اور ان کا سایہ لطیف ہوتا ہے۔ کائنات میں جسم پاک مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر آپ کا سایہ ہوتا تو آپ سے زیادہ لطیف ہوتا اور آپ کی صفتِ لطافت میں کمی ہو جاتی۔ حالانکہ آپ اپنی تمام صفات میں اکمل ترین ہیں۔ یہ تقابل رب العالمین کو پسند نہ تھا ؎

سایہ پسند آیا نہ پروردگار کو !
بے سایہ کر دیا اس سایۂ دیوار کو

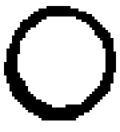
آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بے سایہ ہونے کے اتنے دلائل و اقوال ہیں کہ اگر اس کو اجماعی مسئلہ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ نہ معلوم منکرین کو اس کے تسلیم کرنے میں کیا عذر درپیش ہے۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ نہ ہی بے سایہ ہونا نشانِ الوہیت ہے جو یہ عقیدہ شرک ہوتا۔ دنیا میں کروڑہا اشیا بے سایہ ہیں وہاں ان کو ماننے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

وَصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہٖ ونورِ عرشہٖ وزینتِ عرشہٖ سیدنا ومولانا محمدٍ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلّم۔



وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِہٖ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔



قصیدۂ نور

از اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارا نور کا

آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا
ماہِ سنت مہر طلعت لے لے بدلا نور کا

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارا نور کا

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا
نور دن دونا تیرا دے ڈال صدقہ نور کا

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

تیرے آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا
نور نے پایا تیرے سجدے سے سیما نور کا

پڑتی ہے نوری بھرن امڈا ہے دریا نور کا
سر جھکا اے کشتِ کفر آتا ہے اہلا نور کا

ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا
تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ نور کا

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

اے رضا یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

سلطنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

در

مملکتِ کبریا جل وعلا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَھْلِ الصِّدْقِ وَالصَّفَاءِ

دنیاوی بادشاہ اپنے درباروں کے آداب اور ان میں حاضری دینے کے قوانین خود بناتے ہیں اور اپنے مقررہ حاکموں کے ذریعہ رعایا سے ان پر عمل کراتے ہیں کہ جب ہمارے دربار میں آؤ تو اس طرح کھڑے ہو۔ اس طرح بات کرو۔ اس طرح سلامی دو۔ پھر جو کوئی آداب بجالاتا ہے اس کو انعام دیتے ہیں۔ جو اس کے خلاف کرتا ہے بادشاہ کی طرف سے سزا پاتا ہے۔ پھر ان کے یہ سارے قاعدے صرف انسانوں پر ہی جاری ہوتے ہیں جن فرشتے حیوانات وغیرہ کو ان سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان پر ان کی کوئی سلطنت نہیں تو پھر یہ سارے آداب اس وقت تک رہتے ہیں جب تک بادشاہ زندہ ہے۔ اس کی آنکھ بند ہوئی وہ دربار بھی ختم۔ سارے آداب بھی فنا۔ اب نیا دربار نئے قاعدے

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت
رفت و منزل بہ دیگرے پرداخت

لیکن اس آسمان کے نیچے ایک ایسا دربار بھی ہے جس کے آداب اور جس میں حاضر ہونے

کے قاعدے سلام وکلام کرنے کے طریقے خود رب تعالیٰ نے بنائے۔ اپنی خلقت کو بتائے کہ اے میرے بندو! جب اس دربار میں آؤ تو ایسے ایسے آداب کا خیال رکھنا اور خود فرمایا کہ اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو تم کو سخت سزا دی جائے گی۔ پھر لطف یہ ہے کہ اب وہ شاہی دربار ہماری آنکھوں سے چھپ گیا۔ اس کی چہل پہل ہماری نگاہوں سے غائب بھی ہوگئی اس شہنشاہ نے ہم سے پردہ بھی فرمالیا۔ مگر اس کے آداب اب تک وہی باقی۔ اس کا طمطراق اسی طرح برقرار ہے۔ اس دربار کے قوانین فقط انسانوں ہی پر جاری نہیں بلکہ وسعت سلطنت کا یہ حال ہے کہ فرشتے بغیر اجازت وہاں حاضر نہ ہوسکیں۔ جنات جھکتے ہوئے حاضر ہوں۔ جانور سجدے کریں۔ بے جان کنکر اور درخت کلمے پڑھیں اور اشارہ پر گھومیں۔ چاند۔ سورج اشاروں پر چلیں۔ اس کے اشارے ابر سے بادل آکر برسیں اور دوسرا اشارہ پاکر بادل پھٹ جائیں۔ غرضیکہ ہر عرشی فرشی اس قاہر حکومت کے بندۂ بے زر۔ مسلمانو! معلوم ہے وہ دربار کس کا ہے؟ وہ دونوں جہاں کے مختار حبیب کردگار۔ کونین کے شہنشاہ، دارین کے مالک و مولیٰ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے۔ دوستو! آؤ ہم تم کو قرآن کی سیر کرائیں۔ اور دکھائیں کہ اس نے اس سچے شہنشاہ کونین کے دولہا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے کیا ادب سکھائے۔

کچھ لوگ زمانۂ رسالت میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی قربانی کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ رمضان سے پیشتر روزے رکھنا شروع کردیتے ہیں تو رب فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۝۱ اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا ہے جانتا ہے۔ اس آیت نے ادب سکھایا کہ کوئی مسلمان اللہ کے حبیب علیہ السلام سے کلام میں، چلنے میں غرض کسی بات میں حضور سے آگے نہ بڑھے۔ حتیٰ کہ راستے میں اگر حضور کے ساتھ جارہا ہے تو آگے نہ چلے۔ ایک صحابی ہیں جن کا نام ہے حضرت قیس ابن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو اونچا سننے کی بیماری تھی۔ جب بارگاہِ

رسالت میں حاضر ہوتے تو بات کرتے ہیں آواز اونچی ہو جاتی۔ بھلا رب کو یہ کب منظور تھا کہ کوئی میرے حبیب کے حضور میں بلند آواز سے بولے۔ ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝

اے ایمان والو! نبی علیہ السلام کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ چلاتے ہو کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ سبحان اللہ کیسا ادب سکھایا۔ کہ اس بارگاہ میں حاضری دینے والوں کو زور سے بولنے کی بھی اجازت نہیں۔ حضرت قیس ابن شماس اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بوجہ خوف بارگاہ نبوت حاضر نہ ہوئے۔ سرکار نے ایک روز دریافت فرمایا۔ کہ کچھ روز سے قیس نہیں آتے لوگوں نے حضرت قیس کے گھر جا کر غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ فرمانے لگے میں جہنمی ہو گیا۔ کیونکہ میری آواز اونچی ہے۔ اور آیت کریمہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ یہ ماجرا بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا۔ تو فرمایا کہ وہ جنتی ہیں۔ یعنی اب تک جو ہو گیا وہ معاف ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر و عمر و بعض دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس قدر آہستہ آواز سے کچھ عرض کرتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کئی کئی بار پوچھتے تھے کہ کیا کہتے ہو ان کے حق میں یہ آیت کریمہ آئی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰىؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۝ بے شک وہ لوگ جو رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں یہ وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا۔ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ سبحان اللہ معلوم ہوا کہ یہ وہ دربار ہے جہاں کسی کو سر اونچا کرنے کی ہمت نہیں ؎

اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں
سارے انہیں کا منہ تکتے ہیں

قبیلہ بنی تمیم کے کچھ لوگ دوپہر کے وقت بارگاہِ رسالت میں پہنچے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں آرام فرمارہے تھے۔ ان لوگوں نے حجرے شریف کے باہر سے پکارنا شروع کر دیا۔ رب تعالیٰ کو پسند نہ ہوا کہ کوئی اس دولہا کو پکار کر بلائے جس کے گھر میں حضرت جبریل بے اجازت نہیں جا سکتے۔ فوراً آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۵ اے پیارے وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

اب رب تعالیٰ ادب سکھاتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۵ اور اگر یہ لوگ اتنا صبر کرتے کہ آپ ان کے پاس خود تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ادب سکھایا کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت آئے کہ میرے محبوب علیہ السلام دولت خانہ میں ہیں تو ان کو آواز دے کر نہ بلاؤ بلکہ تشریف آوری کا انتظار کرو۔ جب وہ نازنین سلطان خود تشریف لائیں تب عرض و معروض کرو۔

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے نکاح کیا۔ ولیمہ کی عام دعوت فرمائی۔ عام مسلمان جماعتیں بنا تے تھے اور کھاتے پیتے تھے آخر میں تین صاحب کھانے سے فارغ ہو کر اس ہی جگہ بیٹھ گئے تھے اور ان کی بات کا کچھ ایسا سلسلہ دراز ہوا وہ بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ مکان تنگ تھا ان کے بیٹھنے سے حضور کو کچھ دشواری محسوس ہوئی مگر کرم کریمانہ کی وجہ سے ان سے نہ فرمایا کہ چلے جاؤ۔

ان حضرات کو یہ محسوس نہ ہوا بھلا رب تعالیٰ کو یہ کب پسند تھا کہ کوئی زیادہ بیٹھ کر ملال کا سبب بنے آیت کریمہ اتری۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ۔ اے

ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک کھانا کھانے کے لیے بلائے نہ جاؤ نہ اس طرح کرو کھانا پکنے کا انتظار کرو ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو جاؤ اور جب کھا چکو تو چلے جاؤ بیٹھ کر باتوں سے دل نہ بہلاؤ۔

اس سے معلوم ہوا بارگاہِ نبوت میں دعوت کھانے کے آداب یہ ہیں کہ کھانا پکنے سے پہلے وہاں نہ پہنچو اور کھانا کھا کر پھر وہاں نہ بیٹھو کیوں؟ اس کی وجہ قرآن بیان فرما رہا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ تمہارے اس فعل سے میرے نبی کو ایذا ہوتی تھی۔ لیکن وہ غیرت والے محبوب تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا۔

صحابہ کرام کا یہ طریقہ تھا کہ اگر محبوب علیہ السلام کے کسی لفظ کو نہ سمجھ سکتے۔ تو عرض کرتے رَاعِنَا یا رسول اللہ یا حبیب اللہ ہمارا لحاظ فرما دیجئے۔ یعنی اس لفظ کو دوبارہ فرما دیجئے۔ تاکہ ہم سمجھ لیں۔ لفظ راعنا یہود کی زبان میں گستاخی کا لفظ تھا۔ انہوں نے بھی لفظ دوسرے معنی کی نیت سے بولنا شروع کر دیا۔ اور دل میں خوش ہوئے کہ ہم کو بارگاہِ رسالت میں بکواس بکنے کا موقع مل گیا۔ وہ بھیدوں کا جاننے والا اور نیتوں سے واقف رب ہے اس کو یہ کیسے پسند ہو سکتا تھا کہ کسی کو میرے محبوب کی جناب میں گستاخی کا موقع ملے آیت کریمہ آئی۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اے ایمان والو! راعنا نہ کہنا بلکہ یوں عرض کر لیا کرو کہ اُنْظُرْنَا یعنی رسول اللہ ہم پر نظر رکھیں اور کافروں کو دردناک عذاب ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ بارگاہ ایسے ادب کی جگہ ہے جہاں ایسے لفظ بولنے کی بھی گنجائش نہیں جس سے کسی دشمن کو بدگوئی کا موقع مل جائے۔ ایک زمانہ میں ایسا اتفاق ہوا کہ مالدار مسلمان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی گفتگو کا سلسلہ اتنا دراز کر دیتے تھے کہ فقراء مسلمین کو کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا تو آیت اتری يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ

صَدَقَۃً ط اے ایمان والو! جب تم اللہ کے رسول سے کچھ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو۔ سبحان اللہ! اگر رب سے عرض و معروض کرنا ہو یعنی نماز پڑھنا ہو تو وضو کر لینا کافی ہے مگر رب کے محبوب علیہ السلام سے عرض کرنا ہو تو پہلے صدقہ و خیرات کر و اس سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ پابندی لگانے سے غریب مسلمانوں کو بھی بارگاہ میں کچھ عرض کرنے کا موقع مل جائے گا۔ دوسرے یہ کہ دل میں اس بارگاہ کا ادب بیٹھ جائے گا جو چیز کچھ خرچ اور محنت سے حاصل ہو اس کی وقعت ہوتی ہے اگرچہ یہ آیۂ کریمہ بعد کو منسوخ ہو گئی مگر بارگاہِ رسالت کی شان کا پتہ لگ ہی گیا۔ اپنے محبوب کو مکہ معظمہ میں نہ رکھا بلکہ وہاں سے تین سو میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ میں رکھا تاکہ کوئی شخص حج کے طفیل زیارت نہ کرے بلکہ زیارت پاک کے لئے علیحدہ سفر کر کے حاضر ہو تاکہ اس کو زیارت کی قدر ہو حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ اے ایمان والو! اللہ و رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ۔ آیت میں اس بارگاہ کا یہ ادب سکھایا کہ اے حاضر رہنے والو! جس وقت تمہارے کان میں میرے محبوب کے بلانے کی آواز پہنچے تو تم جس حال میں بھی ہو فوراً حاضر ہو جاؤ۔

صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا اگر اس کی کچھ تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب "شانِ حبیب الرحمٰن" کا مطالعہ کرو جس میں بتایا گیا ہے کہ کوئی صحابی نماز میں ہوتے اور حضور علیہ السلام ان کو پکارتے تو وہ نماز چھوڑ کر حاضر ہو جاتے تھے حتیٰ کہ ایک صحابی اپنی بیوی سے ہمبستری کر رہے تھے کہ انھوں نے حضور کا پکارنا سنا بغیر فراغت علیحدہ ہو گئے اور حاضر خدمت ہوئے ایسے بہت سے واقعات ہیں ؎

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی گئیں جس میں بارگاہ عالی کے آداب سکھائے گئے

ہیں۔ اگر زیادہ تفصیل کی جائے تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔ اب یہ بھی قرآن ہی سے پوچھ لو۔ کہ باادب اور خوش نصیب لوگوں پر حق تعالیٰ کے کیسے انعام ہوئے وہ گذشتہ آیات میں ضمناً معلوم ہو گئے کہ ان کو تقویٰ کا تمغہ دیا گیا اور مغفرت اور بڑے بڑے اجر کی خوش خبری دی گئی کہیں فرمایا گیا کہ خدا ان سے راضی وہ خدا سے راضی۔ غرض ان کی تعریف سے قرآن پُر ہے۔ بے ادبوں پر جو غضب الٰہی آیا اس کی بہت تفصیل نہیں کرتا صرف دو واقعے سُناتا ہوں۔

ولید ابن مغیرہ کافر نے ایک بار بکا تھا آپ مجنون یعنی دیوانہ ہیں۔ اس کی اس گستاخی سے دلِ مبارک کو صدمہ پہنچا۔ پھر کیا تھا غضبِ الٰہی کا دریا جوش میں آگیا۔ سورہ قلم شریف میں اولاً تو اپنے محبوب کو ان کے فضائل اور خوبیاں سُنا کر خوش کیا گیا۔ کہ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ٥ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ٥ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ٥ اے پیارے تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔ تمہارے لئے تو بے انتہا ثواب ہے اور بیشک تم بڑے ہی اخلاق والے ہو یعنی اے محبوب علیہ السلام اس کو بکنے دو۔ وہ کچھ بھی بکتا پھرے ہم تو تمہاری ایسی خوبیاں بیان فرماتے ہیں۔ اس کی نہ سنو اپنے رب کی سنو۔ اب اس گستاخی پر توجہ غضب ہوتی ہے اس کے دس عیب ارشاد فرمائے گئے۔ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ٥ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ٥ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ٥ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ٥ اے محبوب ایسے کی بات نہ سنو جو جھوٹی قسمیں کھانے والا، ذلیل، خوار، طعنہ باز، بڑا چغل خور، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، سخت گنہگار، سخت دل۔ اس پر طرہ یہ کہ حرام کا بچہ ہے۔ جب ولید نے یہ آیت سُنی تو اپنی ماں کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو میرے دس عیب بیان فرمائے ہیں ان میں سے نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں واقعی وہ عیب ہیں۔ مگر یہ تو بتا کہ میں حرامی ہوں یا حلالی؟ سچ بولنا۔ ورنہ تیری گردن مار دوں گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جھوٹی نہیں ہوتی۔ اس پر اس کی ماں نے کہا کہ واقعی تو ہے تو حرامی۔ تیرا باپ نامرد اور بہت مالدار تھا مجھے

اندلیشہ ہوا کہ میرے کوئی اولاد نہ ہوئی تو میرا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چرواہے سے زنا کروایا تو اس کا نطفہ ہے اس میں یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ جو شقی حضور علیہ السّلام کی توہین کو اپنا پیشہ بنائے اس کی اصل میں خطا ہوتی ہے ایسے بدگویوں کو چاہیئے کہ اپنے نطفہ کی تحقیق کریں۔ پھر ارشاد ہوا سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ہم اس کی سور کی سی تھوتھنی پر داغ لگادیں گے یعنی اس کا چہرہ بگاڑ دیں گے۔ کہ اس کی بد باطنی چہرے سے نمودار ہوگی آخرت میں تو جو ہوگا وہ ہوگا دنیا میں بھی ولید کی شکل بگڑ گئی (خزائن وجلالین وغیرہ) اب بھی حضور کے گستاخوں کے چہرں پر ایمانی رونق نہیں ہوتی۔ بعض گستاخوں کے منہ پر مکھیاں بھنکتی اور آخر میں شکل بگڑتی دیکھی گئی نعوذ باللہ منہ۔

ایک بار ابولہب گستاخ نے بارگاہِ نبوّت میں عرض کیا۔ کہ تمہارا ہاتھ ٹوٹ جائے غضب الٰہی کا دریا جوش میں آیا اور ارشاد ہوا تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَا أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِي جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں (ٹوٹ جائیں) اور وہ تباہ ہو بھی گیا۔ اس کو اپنا مال اور کمائی کچھ کام بھی نہ آئی۔ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں وہ بھی اور اس کی جورو بھی پہنچیں گے۔ جو لکڑیاں کا بوجھ سر پر اٹھاتی ہے۔ اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسا ہے معلوم ہوا کہ اس بدنصیب نے ایک بدگوئی کی اس کے جواب میں اس کو اور اس کی جورو ام جمیل کو جو کچھ سنایا گیا۔ وہ معلوم ہو ہی گیا بلکہ بعد کو اس کی عورت اسی طرح مری کہ وہ حضور کی ایذا رسانی کے لئے خود اپنے سر پر کانٹوں کا بوجھ لاد کر لاتی اور حضور کے راستے میں ڈالا کرتی تھی ایک دن کانٹوں کا بوجھ لا رہی تھی کہ تھک کر آرام کے لئے ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ ایک فرشتے نے اس کے پیچھے سے اس کا بوجھ کھینچا وہ گرا اور اس کی رسّی سے ام جمیل کے گلے میں پھانسی لگ گئی اور مر گئی۔

اب نہ وہ ولید رہا نہ ابولہب مگر اس پہ رات دن مشرق و مغرب میں لعنت پڑ رہی ہے کہ نمازی نماز میں قرآن پڑھنے والا تلاوت میں ان القاب سے ان کی تواضع کر رہے ہیں۔

ایک لطف اور ہے وہ یہ کہ اب ظاہری آنکھوں میں وہ دربار نہیں نہ وہ دعوت ولیمہ کی دھوم دھام ہے نہ وہ آواز مبارک کے نغمے۔ ہمارے یہ نصیب کہاں تھے کہ ان مجلسوں کا نظارہ کرتے اور اپنے کانوں سے وہ خدا بھاتی آواز سنتے ؎

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے!

لیکن اس بزم کے آداب اسی طرح لوگوں کے سامنے ہیں کہ ؎

ذکرِ حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

اگر بعد والوں کو وہ باتیں دیکھنا میسر نہ ہوئیں تو کم سے کم سن کر ایمان لائیں اور وجد میں آکر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر پڑھ پڑھ کر لطف حاصل کریں ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

انہیں کے رب کی قسم اس دربار کا نکالا ہوا کہیں بھی پناہ نہیں پاتا۔ دنیا کے بادشاہوں کے مجرم مر کر حاکم کے عتاب سے چھوٹ جاتے ہیں مگر ان کا مجرم نہ زندگی میں عزت پائے نہ قبر میں چین نہ حشر میں آرام اور اس بارگاہ کا مقبول ہر جگہ عزت پاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے خوب لکھا ہے ؎

تو جو للکارے آتا ہوا الٹا پھر جائے   تو جو چمکارے ہر پھر کے ہو تیرا تیرا
دل یہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم   الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

بخاری جلد اول کتاب المناقب میں ہے کہ ایک شخص کاتب وحی تھا کہ وحی لکھنے کی خدمت اس کے سپرد تھی کچھ ایسی پھٹکار پڑی کہ وہ مرتد ہو گیا اور حضور علیہ السلام کو عیب لگانے لگا جب وہ مر گیا اور اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے اسے اپنے اندر سے

باہر نکال پھینکا دوست سمجھے کہ شاید اصحاب رسول اللہ نے اس کو نکال دیا ہے اور زیادہ دو گہرا گڑھا کر کے دفن کیا۔ مگر زمین نے پھر بھی قبول نہ کیا نکال کر پھینک دیا۔ غرض کئی بار دفن کیا مگر نعش باہر آ گئی تو معلوم ہوا کہ یہ بارگاہِ مصطفےٰ کا نکالا ہوا ہے اس کو کوئی بھی قبول نہ کرے گا۔ اسی طرح مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ و کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں یعنی عتبہ و عتیبہ کے نکاح میں تھیں کیونکہ اس وقت تک مشرکین سے نکاح حرام نہ ہوا تھا جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے ان دونوں بیٹوں سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دیدو ورنہ میں تم کو اپنی میراث سے محروم کر دوں گا چنانچہ عتیبہ نے تو بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر معذرت کر کے طلاق دی اور عتبہ نے گستاخی سے طلاق دی۔ اللہ کے محبوب نے فرمایا کہ اے اللہ اپنے کسی کتے کو مقرر فرما جو اس کو سزا دے عتبہ یہ سن کر کانپ گیا آکر ابولہب سے کہا۔ ابولہب بولا اب میرے بیٹے عتبہ کی خیر نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بد دعا اس کے پیچھے پڑ گئی۔ ہر طرح اسکی نگرانی رکھنے لگا۔ یہ ہی عتبہ ایک بار تجارتی قافلہ کا سردار ہو کر شام کو چلا۔ ابولہب نے اپنے غلاموں کو وصیت کی کہ عتبہ کو اپنے بیچ میں سلایا کریں۔ ایک جگہ رات کو قافلے والے سو رہے تھے کہ جھاڑی سے ایک شیر نکلا ہر ایک کا منہ سونگھتا پھر اسے کو سونگھ کر چھوڑ دیا مگر عتبہ کا منہ سونگھ کر اس کو پھاڑ ڈالا۔ معلوم ہوا کہ اس بارگاہ میں بے ادبی کرنے والوں کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ جس کو جانور معلوم کر لیتے ہیں کہ گستاخ کا منہ یہ ہے۔

اب مقبولین بارگاہ کا حال بھی سنتے چلو۔ حضرت سفینہ جو حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے ایک بار کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے کچھ روز بعد انہیں خبر ملی کہ لشکر اسلام اس علاقہ میں آیا ہوا ہے رات کو موقع پا کر جیل خانہ سے نکل بھاگے۔ دوڑے جا رہے تھے کہ اچانک جھاڑی سے ایک شیر نکلا۔ آپ نے اس سے کہا کہ اے شیر میں رسول اللہ کا غلام ہوں۔ راہ بھولا ہوا ہوں یہ سن کر

شیر دُم ہلاتا ہوا آگے آگے ہو لیا اور راستہ دکھا کر بلکہ لشکر تک پہنچا کر واپس ہوا۔
(دیکھو مشکوٰۃ باب الکرامات)

یہ دو تین واقعات اہل ایمان کی عبرت کے لیے کافی ہیں۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ عظمتِ رسول کے گیت گایا کریں۔ اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیں اور واعظین علماء کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو یہ باتیں سکھائیں۔ یقین کرو کہ حضور علیہ السلام کی عزت ہی اسلام کی عزت ہے۔ کیونکہ مکان کی عزت مکان والے کی عزت سے اور کام کی وقعت کام والے کی وقعت سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سمجھو کہ ایک جلسہ میں ہندو عیسائی یہودی اور مسلمان جمع ہوں۔ ہندو اٹھ کر کہے میرا محبوب رام چندر وہ قوت والا ہے جس نے سیتا سے شادی کرنے کے لئے ایک بھاری کمان کو دو ٹکڑے کر دیا۔ عیسائی اٹھ کر کہے کہ میرے مذہب کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ شان تھی کہ انہوں نے مُردوں کو زندہ کر کے اپنا کلمہ پڑھوا لیا۔ یہودی اٹھ کر کہے کہ میرے بانی مذہب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ شان تھی کہ انہوں نے پتھر میں عصا مار کر پانی کے چشمے نکال دیئے۔ مگر آپ اُٹھ کر وہ کہیں جو مولوی اسمٰعیل اور دہلوی خلیل نے لکھا کہ میرے نبی تو بندۂ مجبور تھے ان کو تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا وہ تو ذرہ ناچیز سے بھی کم تھے۔ ان کا علم تو شیطان اور ملک الموت کے علم سے بھی کم تھے تو بتاؤ کہ تم نے اسلام کی تعظیم کی یا توہین؟ وہ لوگ سُن کر یہی کہیں گے کہ ایسے اسلام کو ہمارا دُور ہی سے سلام ہے جس کے پیشوا کی مجبوری یا بے کسی کا یہ عالم ہو۔ ہاں اس موقع پر کوئی مجھ جیسا فقیر نیاز مند ہو وہ تڑپ کر کہے گا کہ اے ہندو! اگر رام چندر نے ایک بھاری کمان کو توڑ ڈالا ہے تو ذرا میرے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد قدرت کو تو دیکھ کہ انہوں نے انگلی پاک کے اشارے سے پورے چاند کو توڑ کر دو کمان کر دیا۔ اور اے عیسائی! اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بے جان مُردوں میں جان ڈالی تو میرے محبوب علیہ السلام کی خداداد قوت دیکھ کہ جنہوں نے سوکھی لکڑیاں اور جنگل کے درختوں اور کنکروں سے اپنا کلمہ پڑھوا لیا اور اے یہود! اگر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر میں سے پانی نکالا تو میرے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بھی دیکھ جنہوں نے انگلیوں سے پانی کے چشمے نکال دیئے ؎

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ!

غرضکہ اسلام کی شوکت دکھانے کے لئے بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شوکت دکھانا ازبس ضروری ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانے کے بعض مسلم نما متدین اس رمز کو نہ سمجھے۔ شیطان نے ان کو یہ بتایا کہ انبیاء کی عزت بیان کرنے سے خدا کی توہین ہوگی۔ ان عقلمندوں نے ابلیسی توحید کو اسلامی توحید سمجھا کہ توحیدِ خدا کے لئے توہین مصطفےٰ ضروری ہے۔ یہی تو ابلیس نے کہا تھا حالانکہ حضور علیہ السلام کی عظمت رب کی قدرت کا مظہر ہے۔ شاگرد کی قابلیت سے استاد کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے اور چیز کے جمال سے بنانے والے کا کمال معلوم ہوتا ہے۔ جب اللہ کے محبوب کی عظمت کا خیال ہوگا تو یہی کہنا پڑے گا کہ اے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب کی قدرت کے قربان کہ جس نے ایسے کمال والے کو پیدا فرمایا۔

اس بات کا لحاظ رکھتے ہوئے فقیر نے ایک کتاب "شانِ حبیب الرحمٰن از آیات القرآن" اور ایک کتاب جاء الحق لکھی۔ بفضلہ تعالیٰ وہ ملک میں ایسی مقبول ہوئیں کہ مجھے اس قدر امید بھی نہ تھی۔ ہندوستان کے ہر خطے میں پہنچی اور اہل سنت نے اپنی محبت کا اظہار کیا اور خوشنودی کے خطوط لکھے دعائیں دیں کسی دیوبندی یا وہابی کو اعتراض کرنے کی ہمت وجرأت نہ ہوئی۔ بلکہ خدا کے فضل سے بہت سے دیوبندی ان کتابوں کو دیکھ کر دیوبندیت سے توبہ کرکے مسلمان ہوگئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ لیکن بعض اہل سنت کا اصرار ہوا کہ جاء الحق میں تقریباً تمام مسائل تو آگئے مگر تین مسئلے نہ آئے جن کی اس وقت ضرورت ہے۔ ایک تو سلطنت مصطفےٰ کیونکہ دیوبندی اور وہابی جہاں حضور کے تمام کمالات کے منکر ہیں وہاں اس کے بھی منکر ہیں اور قرآن شریف میں جو آیات بتوں کی مجبوری و مقہوری کے لیے آتی ہیں وہ

انبیاء پر چسپاں کرتے ہیں اور بت پرستوں کی آیات کو مسلمانوں کے لیے پڑھتے ہیں بلکہ ان کو سارے قرآن مجید میں صرف یہی آیت نظر آئی قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔

دوسرے بیس رکعت تراویح ۔کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب نے اس پر جو کتاب لکھی الرامی البخیح اس سے اور مغالطہ بڑھتا ہے۔

تیسرے مسئلہ عصمت انبیاء کیونکہ کانپور سے ایک شخص برابر اس کے مخالف مضامین شائع کر رہا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ انبیاء کرام نعوذ باللہ گنہ گار بلکہ مشرک تھے بعد کو توبہ کی۔ میں نے ان مضامین کو اپنے رب کے کرم سے لکھ تو لیا مگر اس خیال میں رہا کہ جاء الحق کے دوسرے ایڈیشن میں یہ مسائل بڑھا دیئے جائیں گے۔

لیکن میرے محترم دوست منشی احمد دین صاحب نے بہت زور دیا کہ سلطنتِ مصطفٰے بہت جلد شائع کر دی جائے اس کی سخت ضرورت ہے اور بہت مانگ ہے لہذا توکلاً علی اللہ اس کی تیاری کر دی ۔تیاری تو کر دی مگر اپنی بے لیاقتی اور کم علمی پر نظر کرتے ہوئے ہمت ٹوٹتی تھی لیکن اعلیٰ حضرت کے ان اشعار نے ہمت بندھا دی ؎

ٹوٹی آس بندھاتے یہ ہیں چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں
ڈوبی ناؤ تراتے یہ ہیں ہلتی نیویں جماتے یہ ہیں
فیض جمیل خلیل سے پوچھو آگ میں باغ کھلاتے یہ ہیں

نہ وہ کام میری طاقت سے ہوا اور نہ یہ میری قوت سے ہوگا بلکہ وہ محبوب جس سے چاہیں اپنا کام لے لیں ؎

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے سنگِ پاک میں نبی کس کو بتاؤں جو خفا تم ہو جاؤ

اس کتاب کا نام سلطنتِ مصطفٰے در ملکت کبریا رکھتا ہوں اور اس کا بھی وہی طریقہ ہوگا جو جاء الحق کا ہے کہ دو باب میں یہ مسئلہ بیان کیا جائے گا پہلے باب میں حضور علیہ السلام کی بادشاہی کا ثبوت ہے دوسرے باب میں اس پر مخالفین کے اعتراضات و جوابات وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○

۲۲ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۶۲ھ
یوم یکشنبہ

احمد یار خاں نعیمی اشرفی اوجھانوی
مہتمم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات پنجاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم بحکم پروردگار کونین کے مالک و مختار ہیں زمان کے مالک آسمان کے مالک اپنے رب کی عطا سے تجھے کے مالک جہاں کے مالک رب کے احکام کے مالک انعام کے مالک ہے

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا !

دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ اختیار میں

جس کو چاہیں اپنے رب کی عطا سے عطا فرمادیں جس کو جس سے محروم کردیں۔ اور جس کے لیے جو چاہیں حلال فرمادیں اور جو چاہیں حرام۔ غرضکہ دونوں جہاں کے شہنشاہ کونین کے مالک مولیٰ ہیں ہے

حکم نافذ ہے ترا اسبیت ترى خامہ ترا

دم میں جو چاہے کرے دَور ہے شاہا تیرا

اس مضمون کو سن کر بفضلہ تعالیٰ اہل سنت تو باغ باغ ہو جاتے ہیں اور ان کے ایمان تازہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہندو نہیں، عیسائی نہیں، دیگر کفار نہیں بلکہ مسلمانی کا دم بھرنے والے دیوبندی، وہابی جل کر خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ داتا دے اور بھنڈاری کا پیٹ پھٹے، بھلا کوئی ان عقلمندوں سے پوچھے رب دینے والا اس کے حبیب لینے والے تم جلنے والے کون؟ اب اولاً تو اپنے رب سے پوچھتا ہوں کہ مولا تو نے اپنے پیارے کو کیا دیا؟ پھر اس لینے والے محبوب علیہ السلام سے عرض کرتا ہوں کہ آقا تم نے اپنے سے کیا کیا لیا؟ نیز صحابۂ کرام سے دریافت کرتا ہوں کہ اس عطا اور قبول کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ پھر ساری امت کے علماء سے دریافت کرتا ہوں کہ تمہارا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے پھر دیوبندیوں اور وہابیوں سے پوچھوں گا کہ تم بھی کچھ بولو۔ اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ پھر عقلی دلائل قائم کروں گا۔ لہٰذا اس کتاب کے دو باب کرتا ہوں پہلے باب میں حضور علیہ السلام کی بادشاہی کا ثبوت اور دوسرے میں مخالفین کے سارے اعتراضات معہ جوابات

پہلے باب کی پانچ فصلیں ہیں۔ فصل اوّل میں حضور علیہ السلام کی سلطنت کا ثبوت قرآنی آیات سے دوسری فصل میں احادیث شریفہ سے تیسری فصل میں اقوال محدثین و مفسرین و علمائے امت سے چوتھی فصل میں مخالفین کے اقوال سے اس کی تائید و پانچویں فصل میں عقلی دلائل۔

نوٹ ضروری: حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مالک دو جہاں ہونے کا نہ تو یہ مطلب ہے کہ رب تعالیٰ کسی چیز کا مالک نہ رہا اور نہ یہ مطلب کہ حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کی مثل مالک ہیں جس سے لازم آجائے کہ عالم کے دو مستقل مالک ہیں۔ ملکہ رب تعالیٰ کی ملکیت حقیقی قدیم اور ازلی و ابدی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت عطائی اور حادث ہے جیسے دنیوی بادشاہ اپنی سلطنت کے مالک ہم لوگ اپنے گھر بار کے مالک ہیں حضرت سلیمان روئے زمین کے مالک ہوئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان چیزوں کا مالک نہ رہا بلکہ وہ حقیقی مالک ہے ہم مجازی اس کی ملکیت فانی ہے ہماری عطائی ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت خدا تعالیٰ کی نسبت سے ہے۔

پہلی فصل۔ قرآنی آیات کے بیان میں

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ اور نہیں برا لگا ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا (پ ۱۰ رکوع ۱۵) اس آیت سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو غنی اور مالدار فرماتے ہیں اور دوسروں کو غنی وہی کرے گا جو خود مالک ہو گا۔ ظاہر یہ ہے کہ فضلہ کی ضمیر رسول کی طرف لوٹے کیونکہ یہی قریب ہے واللہ اعلم۔ سورۂ توبہ پ ۱۰ رکوع ۱۲ میں ارشاد ہوا۔

(۲) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰجِعُوْنَ ط اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اسی پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ اب ہمیں دے گا اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول اور ہمیں اللہ کی طرف رغبت ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا بھی ہے اور دیں گے

بھی اور دیتا دی ہے جس کے پاس خود بھی ہو حضور علیہ السلام کیا دیتے ہیں جو اللہ دیتا ہے۔ وہ حضور علیہ السلام دیتے ہیں کیونکہ اس آیت میں ایک دینے کو دو کی طرف نسبت کیا گیا ہے یعنی اللہ سب کچھ دیتا ہے تو حضور بھی سب کچھ دیتے ہیں۔

(۳) اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ اے محبوب علیہ السلام ہم نے آپ کو کوثر دیدیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کوثر عطا فرمایا۔ کوثر سے مراد یا تو حوض کوثر ہے یا بہت بھلائی' یا بہت امت' یا مقام محمود یا شفاعت کبریٰ' یا بہت سے معجزات' یا دنیاوی غلبہ' یا ملکوں کی فتوحات' یا ساری خلقت پر بزرگی یا عالم کثرت یعنی اللہ کے ماسوا ساری مخلوقات کچھ بھی مراد ہو مگر معلوم ہوا کہ رب نے دیا اور بہت کچھ دیا۔ محبوب علیہ السلام نے لے لیا اور دینے والے سے لینے والے کا مالک ہونا لازم آیا۔ نیز اَعْطَیْنَا ماضی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عطا ہو چکی اور قبضہ دیا جا چکا۔ ثابت ہوا کہ حضور مالک ہیں اور سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزیہ ہے۔ لہذا تقویت الایمان کا یہ کہنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے ایک چیز کا بھی مالک و مختار نہیں اس ارشاد ربانی کے خلاف ہے۔

لطیفہ: دنیا کی ساری نعمتوں کو رب تعالیٰ قلیل فرماتا ہے یعنی بہت تھوڑی مگر جو حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ وہ کثیر نہیں۔ اکثر نہیں بلکہ کوثر ہے یعنی زیادہ نہیں بلکہ بہت ہی زیادہ ہے دنیا تو میرے آقا کی ملکیت کا ایک کروڑواں حصہ بھی نہیں۔

(۴) اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ (بے شک) اے محبوب علیہ السلام ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمائی۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب نے حضور (علیہ السلام) کو فتح دی۔ اگر فتح سے مراد ہو ملکوں کا فتح کرنا تو ظاہر ہے کہ فتح کرنے والا مفتوحہ ملک کا مالک ہوتا ہے۔ حضور کی بادشاہت ثابت ہوئی اور اگر فتح کا معنیٰ ہے کھولنا تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے پیارے ہم نے تمہارے لیے بند دروازے کھول دیئے جس سے معلوم ہوا کہ جو دروازے اوروں کے لئے بند تھے وہ حضور کے لئے کھول دیئے گئے اور جنت کا دروازہ شفاعت کا دروازہ ہر نعمت کا دروازہ حضور کے لئے کھول دیا گیا۔

(۵) وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى (اے محبوب علیہ السلام) رب نے تم کو حاجتمند پایا پس آپ کو غنی کردیا۔

(۶) وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (اے محبوب علیہ السلام، تم کو تمہارا رب اتنا دے گا کہ پیارے تم راضی ہو جاؤ گے۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ رب نے ان کو اس قدر دے دیا کہ دونوں عالم سے وہ غنی ہو گئے اور وعدہ فرمایا گیا کہ اور بہت کچھ دیں گے۔ جب خدا دے چکا محبوب لے چکے تو ملکیت خود بخود ثابت ہو گئی پھر ان آیتوں میں یہ نہ فرمایا کہ کتنا دے کر غنی کر دیا اور کیا دے گا جس سے معلوم ہوا کہ سب کچھ دیا جا چکا اور دیا بھی جائے گا۔ جس قدر خلقت بڑھتی جائے گی عطا ہوتی جائے گی۔

(۷) وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (اے محبوب علیہ السلام، آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جو اقبال والا اور دولت مند ہو اس کو کہتے ہیں کہ فلاں پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اسی طرح رب فرما رہا ہے کہ اے محبوب آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ خیال رہے کہ رب نے ساری دنیا کو قلیل کہا یعنی تھوڑی ہے اور دنیا کے معنی ہیں ادنٰی، حقیر چیز ہیں۔ رب نے ان پر عظیم (بڑا) فضل فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا تو ملکیت محبوب کا ایک کروڑواں حصہ بھی نہیں۔ حضرت سلیمان کو ساری دنیا کی بادشاہت دی مگر رب نے ان کے متعلق یہ نہ فرمایا کہ ان پر بڑا فضل کیا جس سے معلوم ہوا کہ تخت و تاج سلیمان میرے آقا کی ملکیت اور سلطنت کا ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع ہے صلی اللہ علیہ وسلم

اب یہ بھی ملاحظہ ہو کہ حضور مالک احکام ہیں اور کوئی عبادت بارگاہِ الٰہی میں اس وقت تک قبول نہیں جب تک حضور علیہ السلام اس کو پسند نہ فرمالیں۔ اور حضور علیہ السلام حرام و حلال کے مالک و مختار ہیں۔ سنو رب فرما رہا ہے۔

(۸) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (اے محبوب ان کے مال میں سے صدقہ قبول فرمالو جس سے تم ان کو پاک و ستھرا فرما دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین

ہے۔ اس آیت کریمہ میں محبوب علیہ السلام کو وہ حکم دیئے جا رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو توبہ کرنے والے صحابہ کرام اپنے مال کا صدقہ آپ کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں اس کو قبول فرما لو اور ان کو پاک فرما دو۔ دوسرے یہ کہ ان کے لئے دعا کر دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ جو عبادت ہے اس وقت قابل قبول ہے جب کہ حضور علیہ السلام قبول فرما لیں۔ اگر یہ پابندی نہ ہوتی صحابہ کرام کسی کو بھی دے دیتے۔ دوسرے یہ کہ کوئی نبی صرف عبادت سے پاک نہ ہوگا۔ بلکہ پاکی تو حضور کے کرم سے ملے گی کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ اس صدقہ سے آپ ان کو پاک کر دو تیسرے یہ کہ رب تعالےٰ بغیر حضور کی شفاعت کے کسی کو کچھ بھی مرحمت نہیں فرماتا۔ فرما رہا ہے ان کے لئے دعا کرو۔ وہ تو اس پر بھی قادر تھا کہ بغیر حضور کی دعا کے ان کو سب کچھ دیدے مگر نہیں دیتا جب محبوب سے کہلا لیتا ہے تب دیتا ہے۔ چوتھے یہ کہ صحابہ کرام کو اپنے اعمال پر چین نہیں آتا۔ جب تک ان اعمال کی رجسٹری حضور نہ فرمائیں۔ اسی لئے قرآن فرما رہا ہے کہ تمہاری دعا سے ان کے دلوں کو چین ہوگا ؎

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

(۹) وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (وہ نبی) لوگوں پر گندی چیزوں کو حرام فرماتے ہیں۔

(۱۰) وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ۔ اور کفار ان چیزوں کو حرام نہیں مانتے جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام فرمائیں۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی حرام فرمانے کا اختیار دیا گیا ہے یہ معلوم ہوا کہ حضور مالکِ احکام ہیں۔ دیکھو کتا، گدھا، بلی وغیرہ کی حرمت قرآن میں ہم کو نہیں ملتی احادیث یعنی حضور کے فرمان ہی سے ملتی ہے۔

(۱۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو یہ حق ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کچھ فرمائیں تو انہیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار رہے۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت زید ابن حارثہ جو حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضور کی خدمت میں رہتے تھے حضور نے ان کے نکاح کا پیغام حضرت زینب بنت جحش کو دیا حضرت زینب بنت جحش خاندان قریش کی بڑی عزت والی بی بی تھیں۔ انہوں نے ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے اس کو منظور نہ کیا۔ کیونکہ وہ قریشی اور بہت باعزت تھیں اور حضرت زید قریشی نہ تھے اور نکاح میں کفو کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد ان سب کو راضی ہونا پڑا اور نکاح ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور مسلمانوں کی جان و مال اور اولاد کے مالک ہیں اور ایسے مالک کہ ان کے حکم کے مقابلے میں کسی کو اپنی جان و مال اور اولاد کا کچھ اختیار نہیں۔ دیکھو نکاح میں بالغہ لڑکی کی اجازت اور ان کے اہل قرابت کی رضا ضرور ہوتی ہے یہ کیسا نکاح ہے کہ اس میں کسی کی ناراضی کا اعتبار نہ کیا گیا۔ وجہ یہی ہے کہ سارے مسلمان مرد حضور کے غلام ہیں اور مسلمان عورتیں لونڈیاں۔ مولا کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے لونڈی کا نکاح کردے۔

(۲) قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (فرما دو اے محبوب علیہ السلام کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) اس آیت کریمہ میں حضور کو اجازت دی گئی ہے کہ جہاں بھر کے مسلمانوں کو اپنا بندہ یعنی غلام فرمائیں قُلْ یٰعِبَاد۔ اور سب کو اپنا غلام وہی کہہ سکتا ہے جو سب کا مالک ہو مثنوی شریف میں ہے

بندۂ خود خواند احمد در رشاد

جملہ عالم را بخواں قُل یٰعِبَاد

(۳) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ جب تم کو بلائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت اور ان کے بلانے پر حاضر

ہونا مسلمانوں پر ہر حال میں لازم ہے اور اطاعت کے واجب ہونے کی یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام سب کے مالک ہیں - اس آیت کی تفصیل مقدمہ میں اور پوری تفصیل شانِ حبیب الرحمٰن میں کی جا چکی ہے -

خاتمہ: عقل حیران ہے کہ اللہ کے محبوب علیہ السلام کی کیسی سلطنت ہے اور ان کی کیا شان کہ ان کے آنے سے زمانے میں انقلاب آ گیا - دُنیا بدل گئی رب نے اپنے قوانین حکومت کو بدل دیا - اس سے پہلے عالم میں حق تعالیٰ کی جباری کا ظہور تھا اور حضور کی تشریف آوری کے بعد اس کی ستاری اور غفاری کی جلوہ گری ہے - غور تو کرو کہ پچھلی اُمتوں پر ایک ایک گناہ کرنے پر عذاب اُترا کسی قوم کی صورت مسخ کی گئی - کہیں پتھر برسے - کسی کو پانی کے سیلاب سے تباہ کیا گیا کسی کا تختہ لوٹا دیا گیا - کسی کو بندر اور سؤر بنا کر ہلاک کیا گیا - لیکن جب کفار مکہ نے کہا اے اللہ اگر اسلام سچا ہے تو ہم پر پتھر برسا دے تو اس کے جواب میں پتھر نہ آئے عذاب نہ آیا دریائے غضب کو جوش نہ آیا - بلکہ یہ آیت آئی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط (اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب دے - جب تک کہ ان میں تم ہو) سبحان اللہ معلوم ہوا کہ وہ تو اسی قابل تھے کہ ان پر عذاب آ جاتا لیکن یہ اس رحمت والے کا لحاظ ہے کہ رب عذاب نہیں بھیجتا - اگر آج ہم اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ جو عیب پہلی امتوں میں ایک ایک کر کے تھے ہم میں وہ سب ملا کر ہیں - کم تولنا - لڑکوں سے اغلام کرنا - ڈکیتیاں کرنا - غرض سارے عیوب موجود ہیں مگر نہ صورتیں بگڑتی ہیں نہ پتھر برستے ہیں نہ اور کوئی عذاب آتا ہے یہ صدقہ ہے اس شہنشاہِ کریم کا کہ دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہے -

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

دوسری فصل، احادیثِ شریف کے بیان میں

(۱) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور مجھ کو سونپی گئیں۔ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور کو تمام خزانہائے زمین کی کنجیاں عطا فرمائیں اور کنجی مالک ہی کو دی جاتی ہے۔ بھلا خیال تو کرو کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائیں اور کنجی مالک ہی کو دی جاتی ہے۔ بھلا خیال تو کرو کہ زمین کے خزانوں کی کوئی انتہا ہے؟ جو کچھ زمین پر ہے انسان حیوانات، ہر قسم کے غلے ہر قسم کے پھل، سونا، چاندی، موتی، جواہرات لعل، زمرد وغیرہ یہ سب زمین کے خزانے ہیں اور حضور ان کے مالک۔

(۲) مشکوٰۃ شریف کے اسی باب میں ہے اُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْیَضَ یعنی مجھ کو دو خزانے عطا فرمائے گئے ایک سرخ اور ایک سفید۔ معلوم ہوا کہ حضور کو تمام سونا چاندی عطا فرما دیا گیا اور قبضہ بھی دے دیا گیا تاکہ ملکیت ثابت ہو جائے۔

(۳) مشکوٰۃ شریف باب اخلاق النبی میں ہے لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّهَبِ (اگر ہم چاہیں تو ہمارے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں) معلوم ہوا حضور علیہ السلام ہر طرح مالک مختار ہیں مگر ظاہر کرنا منظور نہیں۔

(۴) مشکوٰۃ شریف کتاب العلم میں ہے حضور علیہ السّلام فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ (یعنی اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور ہم بانٹتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز جب بھی جس کو خدا دیتا ہے وہ حضور ہی کی تقسیم سے ملتی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے دینے اور حضور کے تقسیم فرمانے کے بغیر قید بیان فرمایا گیا ہے نہ زمانہ کی قید نہ چیز کی نہ لینے والے کی یعنی حضور علیہ السلام کیا بانٹتے ہیں وہ جو خدا دیتا ہے اور خدا تو ہر چیز دیتا ہے۔ لہٰذا حضور ہر چیز بانٹتے ہیں اور ہر چیز بانٹے گا وہی جسے مالک نے ہر چیز دی ہو، حضور کی ملکیت اور قبضہ ثابت ہوا۔

(۵) مشکوٰۃ باب السجود و فضلہ میں ہے ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے حضرت ربیعہ ابن ابی کعب اسلمی سے خوش ہو کر فرمایا "سَلْ" "کچھ مانگ لو۔ انہوں نے عرض کیا اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ یعنی میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں ارشاد فرمایا اَوْ غَیْرَ ذٰلِکَ کچھ اور مانگتا ہے؟ عرض کیا بس یہی۔

اس حدیث سے تین طرح حضور کی بادشاہت ثابت ہوئی اوّلاً اس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا کچھ مانگو یہ نہ فرمایا کہ فلاں چیز مانگو اور یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کے قبضے میں سب کچھ ہو پھر حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خوب سوچ کر وہ چیز مانگی جو بے مثل ہے یعنی جنّت اور جنّت کا عمدہ اعلیٰ علیّین، جہاں حضور کا قیام۔ دوسرے اس طرح کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا اَسْئَلُکَ میں آپ سے مانگتا ہوں یہ نہ کہا میں خدا سے مانگتا ہوں اور حضور علیہ السلام نے بھی نہ فرمایا کہ تم مشرک ہو گئے اور ظاہر بات ہے کہ چیز مالک سے مانگی جاتی ہے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کے مالک ہیں۔ تیسرے اس طرح کہ حضور نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کچھ اور مانگ لو اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے علاوہ کچھ اور دینے پر بھی قادر ہیں۔ مگر حضرت ربیعہ نے سمجھ لیا تھا کہ جب اس باغِ عالم کا پھول مل گیا تو پتوں کی کیا ضرورت ہے۔ خیر حضرت ربیعہ نہ مانگیں یہ ان کی خوشی دینے میں تو وہاں کوئی انکار نہیں ؎

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

(۴) تا (۱۰) مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں چند احادیث ہیں۔

(۱) حضرت جابر کے گھر تھوڑے آٹے اور گوشت میں حضور علیہ السلام نے اپنا لعابِ دہن شریف ڈال دیا تو وہ تھوڑا آٹا اور گوشت سینکڑوں آدمیوں نے کھا لیا۔ مگر نہ گوشت کم ہوا نہ آٹا اور نہ روٹی پکانے والی بی بی کو پکانے سے کچھ تھکن محسوس ہوئی (۲) ایک غزوہ میں ایک پیالہ پانی میں ہاتھ مبارک رکھ دیا تو انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے اور پندرہ سو آدمیوں نے پانی سیر ہو کر پیا اور وضو کیا۔ (۳) حدیبیہ کے کنوئیں میں پانی بہت کم تھا حضور نے اس میں ایک تیر ڈال دیا۔ جس سے اس کنوئیں کا پانی زیادہ ہو گیا (۴) ایک بوڑھی عورت کو بلا کر اس کے مشکیزے کا منہ صحابہ کرام کے لیے کھول دیا وہ پانی سب کو کافی ہوا سب نے اپنے برتن بھر لئے اور خوب پی لیا مگر مشکیزہ اسی طرح بھرا رہا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر چیز کے مالک ہیں دو وجہ سے اول تو یہ کہ حضرت جابر کے یہاں دعوت میں ان کی اجازت کے بغیر مہمانوں کو لے گئے۔ اس بوڑھی عورت کا پانی اس کی بغیر اجازت لوگوں کو پلا دیا۔ حالانکہ اور لوگ کسی کے گھر بغیر اجازت کسی کو نہیں لے جا سکتے اور بغیر مالک کی اجازت اس کی چیز کسی کو نہیں کھلا سکتے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر شخص کے مالک ہیں اور ہر شخص ان کا غلام۔ کیونکہ مالک کا حق ہے کہ اپنے غلام کا مال اس کے بغیر پوچھے خود کھائے اور دوسروں کو کھلائے۔ دوسرے اس طرح کہ غور تو کرو ان انگلیوں اور مشکیزے اور کنوئیں میں پانی کہاں سے آ رہا تھا؟ دراصل اس کا اس وقت کنکش کوثر و سلسبیل سے فرما دیا اور دنیا ہی میں وہ پانی سب کو پلا دیا اسی لیے حضور کی انگلیوں کا یہ پانی آب زمزم سے افضل مانا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور کونین کی نعمتوں کے مالک ہیں کہ اپنے غلاموں کو جس جگہ چاہیں جنت کی نعمتیں کھلا دیں۔

(۱۱) مشکوٰۃ شریف باب صلوٰۃ الخسوف میں ہے کہ حضور نے فرمایا۔ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّۃَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُہٗ لَاَکَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا یعنی ہم نے اس گرہن کی نماز میں جنت کو دیکھا اور اس کا خوشہ (گچھا) پکڑا اگر ہم وہ خوشہ توڑ لیتے تو تم اس کو قیامت تک کھاتے رہتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو اجازت تھی کہ وہ مدینہ پاک میں کھڑے ہوئے جنت کے خوشے توڑیں اور صحابہ کرام کو عطا فرما دیں۔ لیکن خود اپنے اختیار سے نہ توڑا جس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں رہ کر جنت کی ہر چیز کے مالک ہیں۔

(۱۲) تا (۱۴) مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ ایک میدان میں حضور نے استنجا فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ اس میدان میں دو درخت دور کھڑے تھے پردہ کی غرض سے ان دونوں درختوں کو پکڑ کر بلا دیا۔ وہ درخت اونٹوں کی طرح حضور علیہ السلام کے پیچھے پیچھے چلے آئے اور ان کی آڑ میں حضور نے استنجا فرمایا۔

(۲) شمائل باب المرتدین میں ہے حضور علیہ السلام کے ہاتھ مبارک پھیرنے سے زندہ

ہو کر اسلام لائے حتیٰ کہ حضرت آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (اپنے والدین) کو بھی زندہ فرما کر مسلمان کیا۔

(۳) اسی شامی میں اسی جگہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نمازِ عصر حضور کی نیند پر قربان کر دی۔ قصّہ یہ تھا کہ حضور نمازِ عصر پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت علی نے ابھی تک عصر کی نماز نہ پڑھی تھی۔ آفتاب ڈوبتا رہا اور حضرت علی خاموش بیٹھے رہے کیونکہ ان کا خیال تھا اگر میں نماز کے لیے اٹھا تو حضور کے آرام میں خلل واقع ہوگا۔ آفتاب ڈوب گیا اور حضرت علی کی عصر قضا ہو گئی۔ حضور نے بیدار ہو کر ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لوٹایا۔ گئے ہوئے دن کو عصر بنایا اور حضرت علی کی گئی ہوئی عصر ادا کے ساتھ پڑھا دی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضور کونین کے مالک ہیں دو وجہ سے ایک تو اس لیے کہ مرنے کے بعد کسی کا ایمان قبول نہیں ہوتا اور وقت کے بعد نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ مگر اس سلطان کی حکومت کے صدقہ و قربان کہ اپنے ماں باپ کو ان کی وفات کے بعد ایمان دے کر انہیں صحابی بنا دیا۔ اور رب نے قبول فرما لیا اور علی کی گئی ہوئی نماز ادا کرا دی اور پھر لطف یہ کہ حضرت علی کے سوا جن لوگوں نے نمازِ عصر پہلے پہلے پڑھ لی تھی ان سے اعادہ نہ کرایا گیا۔ یہ ایک ہی وقت حضرت علی کے لئے عصر ہے۔ اور دوسروں کے لئے نہیں۔ ھٰکَذَا فِی الشَّامِی فِی ھٰذَا الْمَقَامِ۔

مصطفےٰ تیری شوکت پہ لاکھوں سلام

دوسرے اس لئے کہ آفتاب آسمان پر رہتا ہے اور مردوں کی روح عالم کی ایک چڑیا ہے مگر حضور کی بادشاہت ان پر بھی جاری ہے کہ ادھر سے اشارہ ہوا ادھر سے اطاعت ہوئی کہ سورج ڈوبا ہوا لوٹا اور والدین کی روح اس عالم

سے واپس آئی سے

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خورشید کو پھیر دیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام بھی ہیں کہ نماز کے اوقات میں فرق فرما دیا۔ حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کی بحث شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔

(۱۵) مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ہے کہ ایک صحابی نے جمعہ کے دن خطبے کے وقت قحط سالی کی شکایت کی حضور نے منبر پر ہی بارش کی دعا فرمائی۔ ابھی خطبہ ختم نہ ہوا تھا کہ بارش شروع ہو گئی دوسرے جمعہ تک لگاتار بارش ہوتی رہی۔ پھر انہی صاحب نے عرض کیا کہ بارش بہت ہو چکی ہے مکان گرے جا رہے ہیں۔ حضور نے منبر پر کھڑے کھڑے انگلی کا اشارہ فرمایا۔ اشارہ سے بادل پھٹ گیا اور عرض کیا اے اللہ اب ہم پر بارش نہ ہو آس پاس برسے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادلوں پر بھی حکومتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ بلانے پر چلے آتے ہیں اور اشارہ سے اُڑ جاتے ہیں نہ مان سون ہوا کی شرط ہے نہ موسم کی قید۔

(۱۶) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اڑیل گھوڑے پر ایک بار حضور نے سواری فرمائی تو وہ گھوڑا ہمیشہ کے لیے اچھا ہو گیا۔ اور پھر کبھی نہ اڑا۔ معلوم ہوا کہ عالم کے جانوروں پر بھی حضور علیہ السلام کی سلطنت ہے۔

(۱۷) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ حضور نے اس کو فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھا۔ اس نے شرمندگی مٹانے کے لیے عرض کی کہ میرا داہنا ہاتھ بے کار ہے۔ فرمایا۔ کہ جا آج سے بے کار ہو گیا۔ چنانچہ اس دن سے اس کا ہاتھ ایسا بے کار ہوا کہ پھر کبھی منہ تک نہ آ سکا۔ معلوم ہوا کہ انسان کے اعضا کی حرکت و حرکت حضور علیہ السلام کے حکم میں ہے۔

(۱۸) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور پر ابر سایہ کرتا تھا اور بحیرہ راہب

کے ہاں جب کہ حضور دعوت میں پہنچے تو دعوت کا انتظام ایک درخت کے سایہ میں تھا اور وہ سایہ لوگوں سے بھر چکا تھا۔ حضور تشریف لائے تو اس درخت نے جھک کر آپ پر سایہ کر لیا۔ ہمارے ہاں کے امراء کو نوکر چاکر دھوپ میں چھتری لگاتے ہیں مگر اس بادشاہ کی سلطنت درختوں اور بادلوں پر بھی ہے کہ وہ اپنے اس مالک کو پہچان کر خدمت بجا لاتے ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک سوکھی بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگا کر اس سے اس قدر دودھ نکالا کہ تمام جماعت دودھ سے سیر ہو گئی، مالک کے سارے برتن بھر گئے۔ معلوم ہوا کہ حضور ایسے شہنشاہ ہیں کہ جس جگہ سے چاہیں اپنی ملکیت حاصل کر لیں ہر جگہ ان کا شاہی بنک قائم ہے۔

(۲۰) مشکوٰۃ باب الکرامات میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں ایک بار حضور تشریف لے گئے تو ان کا باغ سال بھر میں دوبارہ پھل دینے لگا

(۲۱) حاکم اور ابن عدی اور عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ اِشْتَرٰی عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجَنَّۃَ یَوْمَ رُوْمَۃَ وَیَوْمَ جَیْشِ الْعُسْرَۃِ۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو قدموں پر حضور علیہ السلام سے جنت خرید کی۔ ایک تو جب کہ جب مدینہ منورہ میں سوا رومہ کے کوئی کنواں نہ تھا۔ عثمان غنی نے اس کو خرید کر وقف کر دیا۔ دوسرے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جب کہ مسلمان غازی بے سروسامان تھے ان کو سامان دے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے رومہ کنوئیں کے بدلے جنت خرید لی اور حضور نے بیچ دی اور جنت وہی بیچے گا جو یا تو جنت کا مالک ہو گا یا مالک کا مختار۔

(۲۲) امام احمد ابو نعیم اور ابن حبان نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا:

یعنی مجھ کو دنیا کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام وہ کنجیاں چتکبرے گھوڑے پر میرے پاس لائے۔

ابو نعیم نے بروایت ابن عباس حضرت آمنہ خاتون سے روایت کی۔ آپ فرماتی ہیں کہ جب حضور علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے سجدہ فرمایا پھر ایک سفید ابر نے حضور کو مجھ سے لیکر غائب کر دیا پھر کچھ دیر بعد آپ ظاہر ہوئے تو دیکھتی ہوں کہ حضور کے مبارک ہاتھ میں کنجیاں ہیں اور کوئی کہہ رہا ہے کہ نعمندی اور نبوت کی کنجیوں پر حضور نے قبضہ فرما لیا پھر دوسرا بادل آیا اور اس نے بھی حضور کو مجھ سے غائب کر دیا۔ پھر جو ظاہر ہوئے تو کوئی کہنے والا بولا بخ بخ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلَى الدُّنْيَا كُلِّهَا لَمْ يَبْقَ خَلْقٌ مِنْ اَهْلِهَا اِلَّا دَخَلَ فِي قَبْضَتِهٖ یعنی خوب خوب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا پر قبضہ فرما لیا دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہ بچی جو حضور کے قبضے میں نہ آگئی ہو۔

اس روایت کی تردید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ہم بحوالہ مشکوٰۃ اس فصل کے شروع میں بیان کر چکے۔ نیز آیت اِنَّا فَتَحْنَا بھی اس کی تائید کر رہی ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ ساری خلقت الٰہی میں حضور کی بادشاہی ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن ایمان والوں کے لئے اتنی ہی کافی ہے۔

ان احادیث میں تو حضور علیہ السلام کی سلطنت دنیا کی چیزوں پر ہوئی اب وہ احادیث سنیئے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم احکام کے مالک ہیں جس کے لئے جو چاہیں حلال فرمائیں حرام اور جس کے لئے جو چاہیں قرآنی احکام کو بدل دیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲۴) مشکوٰۃ شریف کتاب الحج کے شروع میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ اے لوگو تم پر حج کرنا فرض ہے لہٰذا حج کیا کرو کسی نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ فرمایا کہ اگر ہم ابھی "ہاں" فرما دیتے تو ہر

سال ہی فرض ہو جاتا اور ہر شخص کو سال کے سال حج کرنا پڑتا۔ معلوم ہوا کہ ان کی ہاں میں کچھ تاثیر ہے تمام تو قانون کے پابند ہیں مگر قانون الٰہی حضور علیہ السلام کے لب پاک کی جنبش کا منتظر کہ جو ان کے منہ سے نکلے وہ رب کا قانون بن جائے۔

(۲۵) مشکوٰۃ شریف باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضور نے تراویح باجماعت چند روز پڑھ کر چھوڑ دیں اور چھوڑنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر ہم اس کو ہمیشہ پڑھیں تو اندیشہ ہے کہ تم پر یہ فرض ہو جائیں اور تم کو دشواری ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا عمل بھی قانون خدا بن جاتا ہے۔

(۲۶) مشکوٰۃ باب مناقب میں ہے کہ حضور سے ایک لونڈی نے عرض کیا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ جب خدا تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت اس جنگ سے واپس لے آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں۔ فرمایا اچھا بجالو۔ چنانچہ انہوں نے دف بجائی۔ دیکھو گانا بجانا اوروں کے لئے برا ہے لیکن حضور نے ایک خاص وقت میں اس لونڈی کو اجازت دے دی۔

(۲۷) مسند امام احمد بن حنبل میں بسند صحیح حدیث علیٰ شرط مسلم میں ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ نَصْرِ ابْنِ عَاصِمٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ عَلٰی اَنَّهٗ لَا يُصَلِّيْ اِلَّا صَلٰوتَيْنِ فَقَبِلَ ذٰلِكَ مِنْهُ یعنی ایک صاحب حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر ایمان لائے کہ میں صرف دو ہی نمازیں پڑھا کروں گا۔

دیکھو مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر ان صاحب سے حضور نے تین نمازیں معاف فرما دیں (ماخوذ از الامن والعلیٰ) معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام ہیں

(۲۸) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت میں ہے کہ حضرت علی نے ارادہ کیا کہ دوسرا نکاح کریں۔ حضور نے فرمایا کہ علی کو اس کی اجازت نہیں ہاں اگر وہ یہ چاہتے ہیں تو فاطمہ کو طلاق دے دیں پھر نکاح کریں۔ غور کریں کہ قرآن کریم

فرماتا ہے۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ جس سے معلوم ہوتا ہے مرد کو چار بیویاں تک نکاح میں رکھنا جائز ہیں مگر حضرت علی کے لئے حضرت فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنے کا اختیار نہ رہا۔

اس جگہ مرقاۃ میں ہے۔ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِكُلِّ حَالٍ وَعَلٰى كُلِّ وَجْهٍ وَاِنْ تَوَلَّدَ الْاِيْذَاءُ مِمَّا كَانَ اَصْلُهٗ مُبَاحًا وَهُوَ مِنْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی اس سے معلوم ہوا کہ ایذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرام ہے اگرچہ کسی حلال فعل ہی سے پہنچے اور حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ یہاں مرقاۃ میں ہے کہ حضرت علی کو دوسرا نکاح حرام تھا۔

(۲۹) بخاری جلد اوّل کتاب الصلح کے شروع میں ہے کہ ایک بار حضور کسی جگہ مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے نماز کا وقت آگیا حضرت بلال نے اذان کہہ کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ نماز پڑھائیں چنانچہ نماز کی جماعت قائم ہو گئی۔ عین نماز کی حالت میں حضور تشریف لے آئے مسلمان مقتدیوں نے تالی بجا کر حضرت صدیق اکبر کو حضور کی تشریف آوری کی خبر دی اسی وقت سے صدیق اکبر مقتدی ہو کر پیچھے آ گئے اور حضور علیہ السلام امام ہوئے۔

آج اگر نماز میں کوئی بھی آجائے اس کو وہاں ہی کھڑا ہونا ہو گا کہ جہاں جگہ مل جائے مگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو دیکھو کہ بیچ نماز میں تشریف لے آئیں تو اسی وقت سے موجودہ امام کی امامت منسوخ اور اب حضور ہی امام ہیں۔ معلوم ہوا کہ مالک احکام ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳۰) بخاری جلد اوّل کتاب الجہاد باب فرض الخمس میں ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ نہ ہم کسی کے وارث ہوں اور نہ ہمارا کوئی وارث حالانکہ میراث کی تقسیم قرآن سے ثابت ہے مگر اس میراث سے حضور نے اپنے کو مستثنیٰ فرمالیا اور پھر اس پر عمل ہوا کہ حضور کی میراث کسی کو نہ ملی معلوم ہوا حضور مالک

احکام ہیں۔

(۴۱) بخاری شریف جلد دوئم کتاب التفسیر سورۂ احزاب باب قَوْلِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ میں ہے کہ حضور نے حضرت خزیمہ انصاری کی گواہی دو گواہیوں کی برابر قرار دی۔ واقعہ تھا کہ حضور نے ایک شخص سواء بن حارث سے گھوڑا خرید فرمایا۔ مگر بعد میں اس اعرابی نے اس بیع سے انکار کر دیا اور کہا میں نے یہ گھوڑا آپ کے ہاتھ فروخت نہیں کیا ہے اور عرض کیا کہ اگر آپ نے خریدا ہے تو کوئی گواہ لائیں اللہ کی شان یہ خرید و فروخت تنہائی میں ہوئی تھی۔ حضرت خزیمہ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور نے یہ گھوڑا خریدا ہے آپ سچے ہیں اور اعرابی جھوٹا۔ حضور نے پوچھا تم کیونکر گواہی دے رہے ہو۔ تم نے تو اس تجارت کو دیکھا نہ تھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے تو حضور کی زبان سے سن کر اللہ کی وحدانیت اور جنت اور دوزخ اور قیامت وغیرہ تمام کی گواہی دی۔ اور پڑھا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو کیا ایک گھوڑا ان چیزوں سے بھی زیادہ ہے۔ میں حضور کی زبان سے سن کر گواہی دیتا ہوں۔ ان کا یہ کلام بارگاہ نبوت میں ایسا قبول ہوا کہ ان کی گواہی دو گواہیوں کی طرح بنا دی گئی۔

غور کرو کہ قرآن کا حکم ہے کہ وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ کہ تم دو گواہ بناؤ۔ مگر ان کے لئے اکیلے کو دو گواہوں کی طرح مان لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ حضور کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس کسی کو چاہیں قرآن کے احکام سے علیحدہ کر دیں

(۴۲) بخاری میں اسی جگہ تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ کی تفسیر میں ہے کہ حضرت عائشہ نے حضور سے عرض کیا مَآ اَرٰی رَبَّكَ اِلَّا یُسَارِعُ فِیْ هَوَاكَ میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش کرنے میں جلدی کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے محبوب کی خواہشات کو دینی قوانین دیتا ہے۔

(۴۳) حضور علیہ السلام نے ام عطیہ کو ایک بار نوحہ کرنے کی اجازت دی حالانکہ نوحہ یعنی مردے کو پیٹنا شرعاً حرام ہے۔ (مسلم شریف)

(۳۴) حضرت علی کو اجازت دی کہ حضرت فاطمہ زہرا کو ان کی وفات کے بعد غسل دیں۔ حالانکہ شوہر اپنی مردہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ کیونکہ عورت کی وفات سے نکاح بالکل ٹوٹ جاتا ہے (شامی)

(۳۵) حضرت صدیق اکبر کو اجازت دی کہ جنابت کی حالت میں مسجد میں آجایا کریں حالانکہ جنبی کو بغیر غسل کئے مسجد میں آنا منع ہے۔

(۳۶) ایک صاحب کے کفارے کا صدقہ خود ان ہی کو کھلا دیا۔

(۳۷) مسلم و بخاری میں ہے کہ ایک بار حضور نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں نہ کانٹے توڑے جائیں نہ یہاں کے شکار کو بھڑکایا جائے۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اذخر کی اجازت دے دی جائے کہ یہ گھاس گھر کی چھتوں میں ڈالی جاتی ہے اور لوہاروں کی بھٹی میں بجائے کوئلہ کے جلاتی ہے۔ اور فرمایا اچھا اذخر کی اجازت ہے کہ اذخر گھاس مکہ مکرمہ کی زمین سے کاٹ لی جایا کرے معلوم ہوا کہ زبان پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبش رب کا قانون ہے۔

(۳۸) حضور نے ہجرت فرماتے ہوئے حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہارے ہاتھ میں بادشاہ فارس کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں اس فرمان کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانۂ فاروقی میں ملک فارس فتح ہوا اور کسریٰ کے طلائی کنگن حضرت سراقہ کو پہنائے گئے۔ اور وہ کنگن آپ کے ہاتھ میں رہے دیکھو مرد کو سونا پہننا حرام ہے۔ مگر سراقہ کے لئے وہ کنگن جائز فرمائے۔

(۳۹) بخاری و مسلم میں قصہ توبہ کعب میں ہے کہ جب حضرت کعب ابن مالک پر سرکاری عتاب ہوا تو ان کی بیویوں کو حکم دیا گیا کہ تمہارے شوہر تمہارے پاس نہ آنے پائیں کوئی مسلمان ان سے کلام و سلام نہ کرے۔ چنانچہ اس بائیکاٹ کے زمانے میں حضرت کعب کی بیوی منکوحہ حضور کے حکم سے اپنے شوہر پر کچھ عرصہ کے لیے حرام ہو گئیں۔ حالانکہ رب فرماتا ہے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ مگر اس حکم سے حضرت کعب اس وقت خارج کر دیئے گئے۔ قسم رب کی اگر یہ عتاب اور ممانعت ہمیشہ

رہتی تو کعب کی بیوی ان کی منکوحہ ہوتے ہوئے ان پر ہمیشہ ہی حرام رہتیں۔

(۴۰) مشکوٰۃ باب المعجزات میں بہ روایت مسلم و بخاری شریف میں کہ ابوہریرہ کے کمبل پر حضور نے کچھ پڑھ کر دم فرما دیا۔ پھر وہ کمبل ابوہریرہ نے اپنے سینے سے لگا لیا اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کا حافظہ نہایت قوی ہو گیا کبھی کوئی بات بھولتے ہی نہ تھے۔ اسی لئے آپ سے تقریباً دو لاکھ حدیثیں مروی ہیں قوتِ حافظہ انسان کی اندرونی طاقت ہے حضور کا قبضہ ظاہر و باطن پر ایسا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوتِ حافظہ بخش دی۔

فقیر حقیر احمد یار خاں کی طرف سے یہ چہل حدیث ہے جو مسلمانوں کی خدمت میں پیش ہے۔ چالیس حدیثیں جمع کرنے کے بڑے فضائل ہیں۔

میں نے اپنے آقا و مولیٰ معدنِ حدیث و قرآن محبوب رحمان صلی اللہ علیہ وسلم کے سلطنت و اختیار کی چہل احادیث جمع کر دیں رب تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں۔ آمین وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِہٖ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ٥ عرض کیا میں اور کیا میری قابلیت کہ اس شہنشاہِ دو جہاں کے خداداد اختیارات بیان کر سکوں سمجھ دار کے لئے اتنا کافی ہے۔

تیسری فصل علمائے اُمت کے اقوال میں

تمام اُمت کا ہمیشہ سے اس پر اتفاق رہا ہے کہ حضور دونوں جہاں کے مالک ہیں اسی لیے صحابہ کرام نے حضور سے جنت مانگی۔ قحط سالی کی شکایت کی جس کے حوالے دوسری فصل میں گزر گئے۔ اور اگر کسی سے کوئی قصور ہو جاتا تو معافی چاہتے۔ حضور کی بارگاہ میں آتے چنانچہ مشکوٰۃ کتاب الحدود میں ہے کہ حضرت ماعز سے ایک شرعی قصور ہو گیا تو بارِ نبوت میں آکر عرض کیا کہ طَهِّرْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ ۔ مجھے پاک کر دو۔

اسی مشکوٰۃ باب التصاویر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا کہ اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی رَسُوْلِہٖ - میں اللہ و رسول سے توبہ کرتی ہوں۔

غرض ہر مصیبت دفع کرانے اور رب کی رحمت لینے کے لئے حضور ہی کے دروازہ پاک پر آتے تھے اور حضور بھی ان سے یہ نہ فرماتے تھے کہ تمہاری طرح مجبور بندہ ہوں مجھ سے کیوں مانگتے ہو جاؤ مسجد میں بیٹھو اور رب سے مانگو بلکہ ان کی بات قبول فرماتے اور ان کی حاجت روائی فرماتے تھے اور کیوں نہ ہو نا صحابہ کرام حضور کی بارگاہ میں خود بخود نہ آتے تھے بلکہ ان کو اور سارے جہان کو قرآن نے حکم دیا تھا کہ ہر مصیبت کے وقت نبی کے پاس جاؤ چنانچہ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا اے پیارے اگر یہ لوگ جب کبھی اپنی جانوں پر ظلم کریں تو آپ کی بارگاہ میں آجائیں۔ پھر یہاں آکر خدا سے معافی چاہیں اور پیارے تم بھی ان کی سفارش کرو تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن اور جاء الحق میں دیکھو ادھر تو بھکاریوں کو حکم ہوا کہ جاؤ محبوب سے مانگو۔ ادھر سخی داتا صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جا رہا ہے وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ اے پیارے اپنے کسی بھکاری کو نہ جھڑکنا بلکہ انہیں کچھ دے کر رخصت کرو۔ کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

لج پال پریت کو توڑت ناہیں جو ہاتھ پکڑیں وہ چھوڑت ناہیں
گھر آئے کو خالی موڑت ناہیں لج پال پریت کو توڑت ناہیں

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور کو مالک مانا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ کے بعد عالم علمائے اسلام اور مشائخ عظام اور عام مسلمان اپنی غزلوں اور قصیدوں میں حضور سے مدد مانگتے رہے اور مانگتے ہیں۔ اور اپنے وظیفوں اور نمازوں میں مدد مانگنے کے پابند ہیں۔ اور اپنی کتابوں میں صاف فرماتے رہے کہ حضور مالک ہیں۔ اگر ان کی فہرست پیش کردں تو دفتر بھر جائیں۔ کچھ نمونے کے طور پر بتاتا ہوں۔

(۱) اشعۃ اللمعات باب السجود میں حضرت ربیعہ ابن کعب کی حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "معلوم می شود کہ کارہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کہ را بخواہد باذنِ پروردگار خود بدہد ؎

اگر خیریتِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری

بدرگاہش بیا و ہر چہ میخواہی تمنا کن

یعنی سارے کام حضور کے ہاتھ میں ہیں جس کو بھی چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں اگر دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے ہو تو حضور کی بارگاہ میں آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری اسی باب میں اسی حدیث کی شرح میں یہی مضمون لکھ کر فرماتے ہیں فَیُعْطِیْ لِمَنْ یَّشَاءُ حضور جس کو چاہیں وہ دیدیں۔

ان عبارتوں نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی ہر چیز کے مالک حضور ہیں۔ سب کچھ ان سے مانگو عزت مانگو، ایمان مانگو، جنت مانگو، اللہ کی رحمت مانگو۔

(۳) تفسیر کبیر جلد سوم پارہ سات سورہ انعام میں زیر آیت وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام کو خدا نے اس قدر علم معرفت دیا ہے کہ وہ حضرات مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی جانوں پر حکومت کرتے ہیں اور ان کو اتنی قدرت دی ہے کہ ظاہر پر بادشاہت کرتے ہیں۔ اس عبارت میں خلق فرمایا یعنی عرش و فرش جو بھی اللہ کی مخلوق ہے وہ رسول اللہ کی حکومت میں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ الجواہر المنظم کے صفحہ ۵۲ پر فرماتے ہیں۔ هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ الَّذِيْ جَعَلَ خَزَائِنَ كَرَامَتِهٖ وَمَوَائِدُ نِعَمِهٖ طَوْعَ يَدَيْهِ وَاِرَادَتِهٖ يُعْطِيْ مَنْ يَّشَاءُ كَمَا يَشَاءُ حضور اللہ کے بڑے خلیفے ہیں کہ رب کے خزانے اور اس کی نعمتیں حضور کے ہاتھوں اور حضور کے ارادے میں ہیں جس کو چاہیں دے دیں اس سے معلوم ہوا کہ تمام

خزائنِ خداوندی حضور کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد اوّل صفحہ ۳۴۲ میں فرماتے ہیں۔ کہ قدرت و سلطنت وے صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ براں بود ملک و ملکوت جن و انس تمامہ عوالم بہ تقدیر تصرف الٰہی عزوجل در محیطۂ قدرت و تصرف وے بود یعنی حضور کی سلطنت اس سے بھی زیادہ پر ہے۔ ملک اور ملکوت جن وانس اور سارے عالم رب کی عطاء سے حضور کے قبضہ و قدرت میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سارے عالم ملکوت، عالمِ ارواح، عالمِ اجسام اور عالمِ امکان غرضکہ ساری مخلوق میں حضور کی بادشاہی ہے ؎

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کُل بنا دیا !
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضۂ اختیار میں

(۶) علامہ یوسف ابن اسمٰعیل شواہد الحق کے صفحہ ۱۵۲ پہ فرماتے ہیں: اَمَّا کَوْنُہٗ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْطِیْ وَیَمْنَعُ وَیَقْضِیْ حَوَائِجَ السَّائِلِیْنَ وَیُفَرِّجُ کُرُبَاتِ الْمَکْرُوْبِیْنَ وَاَنَّہٗ یَشْفَعُ وَیُدْخِلُ الْجَنَّۃَ مَنْ یَّشَاءُ یعنی حضور دیتے اور منع کرتے ہیں اور سائلوں کی حاجت روائی کرتے ہیں مصیبت زدوں کی مصیبت دُور کرتے ہیں اور حضور شفاعت فرمائیں گے۔ اور جس کو چاہیں گے جنت میں داخل کریں گے۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام حاجت روا ہیں، بے کسوں، مصیبت زدوں کے رنج و غم دُور فرماتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۷) امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی مواہب لدنیہ جلد اوّل صفحہ ۶ پر فرماتے ہیں۔

اَلَا بِاَبِیْ مَنْ کَانَ مَلِکًا وَّسَیِّدًا ۔۔۔ وَاٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ وَاقِفٗ
اِذَا رَامَ اَمْرًا لَا یَکُوْنُ خِلَافُہٗ ۔۔۔ وَلَیْسَ لِذَالِکَ

میرے ماں باپ اس شہنشاہ پر قربان جو اس وقت سے بادشاہ ہیں جب کہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے جب حضور کچھ چاہ لیں تو اس کے خلاف نہیں ہو

سکتا اور نہ کوئی ان کو روک سکتا ہے معلوم ہوا ہے کہ حضور پہلے ہی سے سلطان کونین ہیں اور آپ کی زبان کُن کی کنجی ہے ؎

فقط اشارے ہیں سب کو نجات ہو کے رہی
تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

(۸) امام قسطلانی مواہب لدنیہ جلد اوّل صفحہ ۱۹۵ پر فرماتے ہیں۔ وَكُنِّيَتُهُ اَبُو الْقَاسِمِ لِاَنَّهُ يُقْسِمُ الْجَنَّةَ بَيْنَ اَهْلِهَا حضور کی کنیت ابوالقاسم ہے کیونکہ جنتی لوگوں کو جنت بانٹتے ہیں۔

(۹) تقی الدین سبکی شفاء السقام میں صفحہ ۱۲۵ پر فرماتے ہیں اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَ الْعَزِيْزِ مِنَ الْمُلْكِ بِغَيْرِ تَمْثِيْلٍ لَا تَصِلُ اِلٰى اَحَدٍ شَيْئٌ اِلَّا بِوَاسِطَتِهِ یعنی بغیر تشبیہ یوں سمجھو کہ حضور ایسے ہوں گے جیسے بادشاہ کا وزیر کہ کسی تک کوئی چیز بغیر آپ کے ذریعے کے نہ پہنچے گی اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی سلطنت دنیا میں تو کیا جنت میں بھی ہوگی کہ جنت کی ہر نعمت حضور کے بغیر کسی کو بھی نہ مل سکے گی

(۱۰) امام قسطلانی مواہب لدنیہ جلد اوّل صفحہ ۶ پر فرماتے ہیں هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَزَانَةُ السِّرِّ وَمَوْضِعُ نُفُوْذِ الْاَمْرِ فَلَا يَنْفُذُ الْاَمْرُ اِلَّا مِنْهُ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں احکامِ الٰہیہ حضور کے یہاں جاری ہوتے ہیں۔

(۱۱) شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات جلد اوّل صفحہ ۴۵۶ پر فرماتے ہیں۔

"آنحضرت متولی امور مملکتِ الٰہیہ و گماشتہ درگاہ الٰہی بود کہ تمام امور و احکام کون و مکان بوے مفوض بود کدام دائرہ مملکت واسع تر از دائرہ مملکت و سلطنت وے بود۔ صلی اللہ علیہ وسلم"

یعنی حضور سلطنت الٰہیہ کے منتظم اور مقرر کردہ حاکم ہیں۔ دنیا کے سارے کون و مکان کے احکام حضور کے سپرد ہیں۔ ان سے بڑھ کر کونسی سلطنت ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی علیہ السلام کی بادشاہی تمام بادشاہوں سے بڑی ہے

حضرت سلیمان وسکندر۔ ذوالقرنین کی سلطنتوں سے بڑھ کر حضور کی سلطنت ہے۔

(۱۲) امام بوصیری قدس سرہٗ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں ؎

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا وآخرت آپ کی سخاوت سے ہیں اور لوح اور قلم کے علم آپکے علموں کا ایک حصہ ہیں۔ (۱۳) امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدۂ نعمان میں فرماتے ہیں ؎

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ ۔ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْاَنَامِ سِوَاكَ

یارسول اللہ میں آپ کی دین یعنی عطا کا امید دار ہوں اور خلقت میں ابوحنیفہ کا آپ کے سوا کوئی نہیں۔

اس شعر میں امام اعظم قدس سرہٗ نے حضور سے مانگا۔ اور اپنی بے کسی کا اظہار کیا اور مانگا اس سے جاتا ہے جو مالک ہو۔ معلوم ہوا کہ امام صاحب حضور کو مالک کل جانتے ہیں۔

(۱۴) دلائل الخیرات کے تمام درود مستند ہیں تمام امت میں مقبول علماء و اولیاء اس کے ہمیشہ سے عامل رہے ہے۔ اس میں پنجشنبہ کے حزب میں درود ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ مَاءِ الرَّحْمَتِهٖ وَمِيْمِ الْمُلْكِ وَدَالِ الدَّوَامِ لِسَيِّدِ الْكَامِلِ الخ یعنی اے اللہ حضور علیہ السلام پر درود بھیج جن کا نام محمد ہے۔ جس سے دال دوام یعنی ہمیشگی کی دال ہے۔ اور ح رحمت کی اور میم ملکیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ محمد کے حرفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور دونوں جہاں کے ہمیشہ سے مالک ہیں اور رحمت والے مالک ہیں کیونکہ اس میں ایک ح ہے اور ایک دال دو میم ہیں۔ دو میموں سے مراد دونوں ملکوں کی بادشاہت اور دال سے مراد دوام یعنی ہمیشہ کی بادشاہت اور ح سے مراد رحمت یعنی رحمت والی بادشاہت ہے

(۱۵) مثنوی شریف میں ہے:

صورتش بر خاک جاں در لامکاں ۔ لامکاں برتر زو ہم سالکاں

بل مکان و لامکاں در حکمِ او ہم چو در حکم بہشتی چار سو
ہر دمے او در یکے معراجِ خاص بر سرِ فرقش نہد حق تاج خاص

یعنی حضور علیہ السلام کا جسم پاک تو زمین پر رہا اور جانِ پاک لامکان میں جو کہ اولیاء اللہ کے وہم و گمان سے دُور ہے بلکہ مکان و لامکان ان کے حکم میں ایسے ہیں جیسے جنتی آدمی کے حق میں چار دن نہریں ہوں گی۔ وہ ہر وقت معراج خاص میں رہتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کے سر پر خاص تاج رکھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکان و لامکاں حضور کے حکم میں ہیں کیونکہ حضور سلطانِ کونین ہیں اور حضور کو ہر وقت معراج اور عالم بالا کی سیر ہوتی رہتی ہے کہ کبھی خواب میں اور کبھی نمازیں اور کبھی ویسے ہی جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں جس کے حوالے دوسری فصل میں گزر گئے۔ اس قسم کی صدہا عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ بزرگانِ دین بلکہ صحابہ کرام رب کی عبادت میں حضور کو بھی راضی کرنے کی نیت کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت میں حضور کو راضی کرنا ریا شرک نہیں بلکہ عبادت کی روح ہے۔ آپ دُوسری فصل میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے عین نماز کی حالت میں حضور علیہ السلام کو امام بنا دیا۔ دیکھو عبادت تو رب کی ہے۔ مگر اس میں تعظیم مصطفیٰ علیہ السلام کی جارہی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

تفسیر خازن و رُوح البیان پارہ ۲۲ میں زیر آیت وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ایک حدیث نقل کی کہ ایک دن حضور نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری تلاوت قرآن مجید سنی تم کو رب نے داؤدی آواز عطا کی ہے تو حضرت موسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ واللہ مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو اور بھی خوش حالی سے پڑھتا دیکھو تلاوتِ قرآن عبادت الٰہی ہے مگر ایک صحابی رسول اللہ اس حالت میں بھی حضور کو خوش کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔

اسی طرح تفسیر رُوح البیان پارہ ۱۱ سورہ یونس میں زیرِ آیت اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ہے کہ حضرت رابعہ عدویہ روزانہ ایک ہزار نفل پڑھا کرتی تھیں اور کہتی تھیں میں ان کا ثواب نہیں چاہتی صرف یہ خواہش ہے کہ مجھ سے حضور خوش ہو جائیں اور قیامت جماعت انبیاء سے فرمائیں کہ دیکھو یہ میری اُمت کی ایک عورت کے عمل ہیں۔

سبحان اللہ عشق والوں کے انداز نرالے ہیں حق تعالٰی ارشاد فرماتا ہے وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِکْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰہِ اور جو اپنے گھر سے اللہ و رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلا۔ پھر اس کو موت آگئی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہو گیا ہجرت کرنا رب کی راہ میں وطن چھوڑنا عبادت ہے مگر ہجرت میں خدا اور رسول دونوں کو راضی کرنے کی نیت کرنا ضروری ہے قرآن کریم فرماتا ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اور اللہ و رسول اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کو راضی کریں۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل میں یہ نیت کرنا کہ اس عمل سے اللہ و رسول راضی ہوں عمل زیادہ قابل قبول کر دیتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ نیک اعمال میں رب تعالٰی اور اس کے محبوب علیہ السلام کو راضی کرنے کی نیت نہ شرک ہے نہ حرام اسی لئے نماز میں حضور پر سلام کرنا واجب ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کلمہ اور اذان میں ہر جگہ حضور علیہ السلام کا نام پاک داخل ہے۔

چوتھی فصل حضور علیہ السلام کی سلطنت پر مخالفین کے اقوال

اب میں دیوبندیوں اور وہابیوں کے پیشواؤں سے پوچھتا ہوں کہ بولو اس بارے میں کیا کہا حضور رب کی شان کہ مخالفین کے بڑے بھی اس کے متعلق یہی کہہ گئے ہیں ملاحظہ ہو

(۱) صراط مستقیم اردو خاتمہ تیسرا افادہ صفحہ ۱۰۳ پر بانی مذہب وہابیہ دیوبندیہ مولوی اسمٰعیل دہلوی فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناسب رتبہ کے صاحبان

عالمِ مثال اور عالمِ شہادت میں تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔" بس فیصلہ ہی کر دیا کہ اللہ کے بندوں کو دونوں جہان میں ہر طرح حکومت کرنے کا رب تعالےٰ کی طرف سے اختیارِ عام حاصل ہوتا ہے۔

(۲) یہ ہی مولوی اسمٰعیل صاحب اسی جگہ فرماتے ہیں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے۔" لہذا مولوی اسمٰعیل صاحب کے فتوے سے میں کہہ سکتا ہوں کہ عرش سے فرش تک میرے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت ہے یہی میں کہتا ہوں۔

(۳) مولوی قاسم صاحب بانیِ مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں ؎

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا — نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

مدد اسی سے مانگی جاتی ہے جس کے قبضہ میں کچھ ہو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حضور مالک و مختار ہیں۔

(۴) دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب ادلہ کاملہ صفحہ ۱۲ پر ذکر تے ہیں آپ اصل میں مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ الغرض آپ ہی اصل مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل و مہر آپ کے ذمہ واجب تھا۔"

الحمد للہ کہ مولوی صاحب نے حضور کو مالک مانا اور عالم اللہ کے سوا کو کہتے ہیں لہذا ثابت ہوا کہ عرش و فرش، لوح و قلم سب میرے شہنشاہ کی ملکیت ہے۔

(۵) صراطِ مستقیم دوسری آیت کے پہلے افادہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب صفحہ ۶۰ پر فرماتے ہیں۔" اور حضرت مرتضیٰ کے لئے شیخین پر ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرماں بردار وں کا زیادہ ہونا، مقاماتِ ولایت بلکہ قطبیت و غوثیت اور ابدالیت اور ان ہی باقی خدمات آپ کے زمانے سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو دخل ہے جو عالمِ ملکوت کے سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اور باطنی دنیا پر حضرت علی کا قبضہ ہے اور قیامت تک

رہے گا۔ یعنی بعد وفات بھی دنیا کے مالک ہیں اور لوگوں کو سلطنت و غوثیت حضرت علی کے دربار سے ملتی ہے۔ سبحان اللہ یہاں تو یہ فرما گئے اور یہ ہی مولوی اسمٰعیل صاحب تقویت الایمان میں لکھتے ہیں کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک مختار نہیں شاید یہ باتیں شدھی ہونے سے پہلے لکھی ہوں گی اور تقویت الایمان بعد میں۔

(۷) دیوبندی علماء کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں ؎

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی رنج و راحت حضور علیہ السلام کے قبضے میں ہے اور آپ نفع و نقصان کے مالک ہیں۔ بطور نمونہ چند اقوال نقل کر دیئے اس سے بھی زیادہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔

پانچویں فصل سلطنتِ مصطفےٰ پر عقلی دلائل

(۱) دنیاوی کاروبار آخرت کا نمونہ ہیں۔ اس کی تحقیق جاء الحق میں دیکھو اور دنیاوی بادشاہ تو اپنے مقرر کیے ہوئے حکام کو اپنی بادشاہت کا مختار کر دیتے ہیں اور ان کو عام اختیارات دیا کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ حکام کہا کرتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں پھر جس درجہ کا حاکم ہو اسی درجہ کے اس کے اختیارات ہوتے ہیں۔ تھانیدار کو معمولی اختیارات، کپتان پولیس کو اس سے زیادہ۔ ڈپٹی کمشنر کو اس سے زیادہ پھر گورنر کو اور زیادہ پھر وائسرائے کو سارے ملک کے اختیارات پھر وزیر اعظم کو ساری سلطنت کے تمام سیاہ و سفید کے اختیارات۔ مگر ان اختیارات سے نہ تو بادشاہ کے سلطنت میں کمی آئی اور نہ کوئی چیز اس کی سلطنت سے نکل گئی۔ بلکہ بادشاہ ان تمام چیزوں کا اصلی مالک رہے گا اور دیگر لوگ اس کی طرف سے عارضی مالک۔

اسی طرح حق تعالےٰ نے اپنی بادشاہت میں ملائکہ اور خاص انسانوں کو دنیا کیلئے لوح محفوظ قائم کی جس میں عالم کے سارے واقعات لکھ دیے کہ وہ حضرات اس کو دیکھیں

اور اس کے مطابق عمل کریں انہی اختیارات کی وجہ سے وہ حضرات کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں کر سکتا ہوں۔

قرآن پاک نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کلام کو نقل فرمایا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں اندھوں کوڑھوں کو اچھا کر سکتا ہوں، مردوں کو زندہ اور کوڑھوں کو اچھا کر سکتا ہوں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم سے فرمایا کہ میں تم کو پاک بیٹا دینے آیا ہوں۔ قرآن نے فرمایا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام مسلمانوں کو پاک فرماتے۔ ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں وہ غریبوں کو غنی کرتے ہیں۔ دیکھو اس کتاب کا مقدمہ اور جاء الحق۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں ؎

بِلَادُ اللّٰهِ مُلْكِيْ تَحْتَ حُكْمِيْ
وَوَقْتِيْ قَبْلَ قَلْبِيْ قَدْ صَفَا لِيْ

(اللہ کے سارے شہر میرا ملک اور میری حکومت میں ہیں) پھر فرماتے ہیں ؎

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرًا اَوْ دُهُوْرًا ثَمَّرَتْ وَانْقَضَتْ اِلَّا اَتٰى لِيْ

(کوئی مہینہ اور کوئی وقت ایسا نہیں جو ہمارے اجازت بغیر دنیا میں گزر جائے) پھر فرماتے ہیں ؎

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَاِنِّيْ عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

(یہ درجہ اور یہ بادشاہت مجھ کو اس کے صدقہ میں ہے کہ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہوتے ہیں۔ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں یعنی میرا سر حضور کے قدم پاک تلے ہے اس کی برکت سے مجھ کو رب نے عزت دی)

اب بتاؤ حضور کی سلطنت کا کیا کہنا ہے ان تمام باتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ رب کی سلطنت میں کسی قسم کی کوئی کمی آئے گی نہیں بلکہ وہ حقیقی اور یہ حضرات اس کے مقرر کرنے سے اس کے خادم اور مالک مجازی حضور چونکہ وزیر اعظم ہیں۔ لہٰذا کونین کے مالک و مختار۔

(۲) سب کو معلوم ہے کہ موت کے وقت ملک الموت کو دیکھ کر ایمان لانا قبول

نہیں اور زندگی میں جس وقت بھی ایمان لائے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے قبول ہے یعنی مرنے والے کے لیے موت کا وقت توبہ کے دروازے بند ہونے کا ہوتا ہے اور موت سے پہلے یہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ لیکن حضور کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ جس کے لیے چاہیں اس کی زندگی ہی میں توبہ کا دروازہ بند کر دیں کہ وہ توبہ کرے اور قبول نہ ہو جس کے لئے چاہیں بعد موت بھی دروازہ کھول دیں اور اس کو زندہ فرما کر مسلمان کر دیں۔

دیکھو اپنے والدین ماجدین کو ان کے انتقال کے بعد زندہ فرما کر اسلام سے مشرف فرما دیا جس کا ثبوت پہلے گذر چکا اور اس کی تحقیق حضرت امام جلال الدین سیوطی اور علامہ شامی نے خوب فرمائی ہے۔ اور ثعلبہ ابن حاطب نے ایک بار زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ناگوار خاطر ہوا۔ پھر ثعلبہ زکوٰۃ لے کر عاجزی کرتا ہوا حاضر ہوا۔ مگر منظور نہ ہوئی۔ پھر حضرت صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں زکوٰۃ لایا مگر وہاں بھی نامنظور ہوئی پھر زمانہ فاروقی میں پھر خلافت عثمانی میں زکوٰۃ پیش کرتا رہا مگر کسی خلیفہ نے قبول نہ فرمائی یہی جواب دے دیا گیا۔ کہ جس کی زکوٰۃ حضور علیہ السلام نے رد کر دی ہو۔ ہم میں جرأت نہیں کہ اس کو قبول کر لیں۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ

دیکھو تفسیر کبیر اور روح البیان اسی آیت کی تفسیر۔

غور کرو ابھی ثعلبہ زندہ تھا۔ ظاہر میں اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہ ہوا تھا چاہیئے تھا کہ اس کی توبہ قبول ہو جاتی۔ مگر چونکہ مصطفےٰ کے ہاتھوں نے اس کا دروازہ بند کر دیا تو بند ہی رہا۔ یہ ہے اختیار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حلیم کے غضب سے خدا کی پناہ۔

(۳) دستور یہ ہے کہ اپنی چیز کا اپنا پیارا مالک ہوتا ہے کیونکہ محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا اور حضور تو رب کے ایسے پیارے ہیں کہ جو ان کی غلامی کرے۔ وہ بھی اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ لہذا رب کی ہر چیز محبوب کی

ہے۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ۔

(۴) حضور علیہ السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ دیکھو شامی کتاب زکوٰۃ۔ کیوں فرض نہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ تمام عالم کے مسلمان مرد اور عورتیں حضور کے لونڈی غلام ہیں اور اپنے غلام اور لونڈی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے لہٰذا حضور کسی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ لینے والا کوئی نہیں۔ مصرف نہ ملنے کی وجہ سے آپ پر زکوٰۃ فرض ہی نہ کی گئی۔

(۵) انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ اور خلیفہ وہ ہوتا ہے جو در اصل مالک کا نائب ہو کر اس کے ملک میں حکومت کرے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں کہ جب رب تعالیٰ بلا واسطہ احکام نہیں بھیجتا۔ تب اس کی نیابت میں خلق پر حکومت فرماتے ہیں۔ اسی لیے علماء کو نائب الٰہی کہا جاتا ہے اور نائب اپنی نیابت کے وقت مالک ہوتا ہے۔

(۶) ساقِ عرش پر اور جنت میں طوبیٰ کے پتوں پر حوروں کی پیشانیوں اور غلمانوں کے سینوں پر لکھا ہوا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ اور قاعدہ ہے کہ چیز پر بنانے والے اور مالک کا نام لکھا جاتا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جنت اور عرش کا بنانے والا اللہ اور مالک محمد رسول اللہ ہیں جس کی چیز اسی کا نام بلکہ دنیا کی چیزوں پر قدرت نے حضور کا نام لکھا ہے میرے پاس ایک پتھر ہے۔ بابو اللہ وتہ صاحب سیکرٹری انجمن نے کشمیر کے علاقے کے ایک دریا سے پایا اس پر صاف لکھا ہے مُحَمَّدٌ اور اوپر سے پتھر کو سبز کیا گیا ہے۔ اس پہ قدرت نے فیروزی رنگ سے مُحَمَّدٌ لکھا ہے۔

دہلی میں رائے سینا بن رہا تھا تو ایک سنگ مرمر کو آرہ مشین سے چیرا گیا اس کے بیچ میں لکھا ملا "مُحَمَّدٌ" اس کا فوٹو بھی میرے پاس ہے جس کا جی چاہے اس پتھر کی اور اس فوٹو کی زیارت کرے لوگ اس پتھر کی میرے پاس آکر زیارت کرتے ہیں۔ کہیئے جناب! اگر حضور مالک نہیں تو چیزوں پہ حضور کا نام قدرت نے کیوں لکھا؟

بلکہ کچھ سال مدبشیر جبل پور کے کلکٹر نے بھی اس کی تصدیق کی ہے اور وہاں عام باشندوں نے دیکھا تھا۔ گجرات میں بھی اس کے دیکھنے والے ماسٹر محمد عارف صاحب اب تک موجود ہیں۔ اور اس کو خواجہ حسن نظامی "منادی" اخبار اور علیحدہ ٹریکیٹ میں بھی شائع کیا تھا کہ ایک مرتبہ رات کے وقت اچانک تیز روشنی ہوئی لوگوں نے اوپر کو دیکھا تو آسمان پر خط نوری سے لکھا تھا "محمد" اور ان حرفوں سے نور کل نظر آتا تھا۔ تقریباً ایک منٹ تک باقی رہا۔ ۱۹۶۲ء کو میں منٹگمری میں بکری کے بچہ کے پیٹھ پر لفظ محمد لکھا تھا۔ سبحان اللہ آنکھیں ہوں تو اب بھی ان کی سلطنت دیکھ لو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

(۷) معراج میں حضور علیہ السلام کو کونین کی سیر کرائی۔ لامکاں کا مکیں بنایا۔ کیوں اس لیے کہ کبھی بادشاہ اپنے ملک کی سیر فرمانے کے لیے دورہ فرماتے ہیں۔ آج اس سچے شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطنت کا دورہ فرمایا۔

(۸) آج دنیاوی بادشاہوں کو لوگ برا بھلا کہہ لیتے ہیں۔ اخباروں میں ان پر اعتراضات چھپ جاتے ہیں مگر کسی دل میں یہ ہمت نہیں کسی زبان میں یہ طاقت نہیں کہ میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف زبان چلا سکے اور جو کوئی گستاخی کرتا ہے وہ سزا پاتا ہے۔ اس کی مثالیں بہت سی موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان شہنشاہ کی حکومت دل وجان پر ہے۔ اور قیامت تک رہے گی۔ رب تعالیٰ ہم کو وفادار رعایا بنائے اور بغاوت سے بچائے۔ آمین یارب العلمین۔

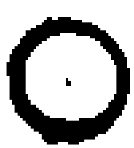
(۹) دنیاوی بادشاہ اپنے نوکروں کو تنخواہیں دیا کرتے ہیں۔ اور آج تک حضور علیہ السلام کے در سے لاکھوں آدمی تنخواہ پا رہے ہیں میں پوچھتا ہوں کہ مولوی پیر و مشائخ جو دنیا میں عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں یہ کیا کرتے ہیں کیا انہیں کوئی لکڑی کا لوہے کا، کپڑے کا ہنر آتا ہے۔ کوئی مزدوری کرتے ہیں۔ یہ حکیم یا ڈاکٹر ہیں۔ آخر یہ کیا کرتے ہیں اور کس چیز کی اجرت پاتے ہیں کہ ان کی عزت بھی ہے ان کو عیش بھی حاصل ہے۔ مسلمان ان کی خدمتیں کرتے ہیں۔ اجمیر شریف۔ پیران کلیر

بغداد میں یہ رونقیں کیوں لگی ہیں۔ بس صرف اس لیے کہ یہ تمام حضرات اس مدینے والے شہنشاہ کے خدام اور نوکر ہیں۔ یہ ہی سمجھ کر مسلمان ان کی خدمتیں کرتے ہیں مسلمانوں کے حبیب اس شاہنشاہ کے خزانوں کے دروازے ہیں۔ ان کا نام لیتے ہیں۔ کھاتے ہیں عیش اڑاتے ہیں۔ اللہ اس دربار کو آباد رکھے کہ ہم بھکاریوں کا اس دروازے کے سوا اور کہیں ٹھکانا نہیں ہے

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کو ٹھیرانے والے

اے وہابیو! اور اے دیوبندی مولویو! خدا کے لئے نمک حلال بنو جس کے نام پر کھاتے کماتے ہو اس میں عیب نہ ڈھونڈو، بلکہ اس کے نام کے گیت گاؤ۔ اللہ تم کو ہدایت دے اور ہم کو قائم رکھے۔ بلکہ کونسل کے ممبر اور اسلامیہ سکول بھی ظاہر ظہور اسی شہنشاہ کے دربار کے بھکاری ہیں۔ یہ ممبر تو اسلام کے نام پر ووٹ مانگتے ہیں اور یہ اسکول اسلامیہ کے نام پر مسلمانوں کے صدقات خیرات حاصل کرتے ہیں۔ ان کو بھی لازم ہے کہ کونسل میں پہنچ کر اسلام کی خیر خواہی کریں۔ اور اسلامیہ اسکولوں کو صحیح معنوں میں اسلامیہ اسکول بنا دیں اور مجھ فقیر کے لئے بھی دعا کریں کہ رب تعالیٰ صحیح معنی میں مسلمان بنا دے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

ابھی ۱۹۴۶ء میں الیکشن میں ہندوستان میں مسلم لیگ نے بے مثل کامیابی حاصل کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ فتح نہ مسٹر جناح کی تھی نہ کسی اور شخص کی۔ بلکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی فتح ہوئی کہ مسلمانوں نے بہ لفظ مسلم کو ووٹ دیئے۔ اسی راج والے تخت والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈنکے کونین میں بج رہے ہیں ۔



دُوسرا باب

سلطنتِ مصطفےٰ پر اعتراضات و جوابات

نوٹ ضروری: اس مسئلے پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ان سب کی وجہ یہ ہے کہ معترضین نے اس مسئلے کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ رب کی ملکیت اور حضور کی ملکیت میں فرق نہیں کر سکے تو چیخ اٹھے کہ اگر حضور علیہ السلام کونین کے بادشاہ ہیں تو پھر خدا کا کیا رہ گیا کہ عالم کے دو مالک ہو گئے یا پھر حضور رب سے بے پرواہ ہو گئے۔ حالانکہ ہر بندہ رب کا حاجتمند ہے۔ اس کو پہلے باب میں بھی سمجھا چکے ہیں اور پھر بھی عرض کر دیں گے۔ اب تک مخالفین جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں وہ حسب ذیل ہیں اور آئندہ جو اعتراضات پیدا ہوں گے ان کے جوابات انشاء اللہ اسی کتاب کے دُوسرے ایڈیشن میں دیئے جائیں گے۔

اعتراض (۱) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ یعنی اے محبوب تم فرما دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے پاس کچھ بھی نہیں۔ پھر مالک ہونے کے معنی۔

جواب: اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔ اوّل یہ کہ اس آیت میں خزانے کا مالک ہونے کا انکار نہیں بلکہ دعوٰی کرنے کی نفی ہے یعنی میں لوگوں سے کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں کیونکہ دعوٰی وہ کیا کرتا ہے جس میں ضبط کی طاقت نہ ہو۔ رب نے جس طرح ان کو اتنی بڑی بادشاہت دی ہے اسی طرح ان کو ضبط کی طاقت بھی عطا فرمائی ہے جس خزانے میں زیادہ قیمتی مال ہوتا ہے اس کے دروازے پر زیادہ مضبوط قفل ہوتا ہے۔ زبان دل کا دروازہ ہے ؎

بر دہانش قفل و در دل رازہا ‏ ‏ ‏ لب خموش و دل پر از آوازہا

دُوسرے یہ کہ اس آیت میں خزانوں کے پاس ہونے کا انکار ہو سکتا ہے نہ کہ مالک ہونے کا خزانہ خزانچی کے پاس ہوتا ہے مگر مالک کی زبان اور قلم پر ہوتا ہے شہنشاہ اپنے پاس روپیہ نہیں رکھتے۔ جہاں ان کا فرمان پہنچا خزانچی نے فوراً روپیہ ادا کیا۔ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ ہم مالک ہیں خزانچی نہیں۔ "ہماری" "ہاں" اور "تا" میں سب کچھ ہے کیا یہ نہ پڑھ چکے کہ اشارے پر بادل برسے اور اشارے پر ہی کھل گئے۔

تیسرے یہ کہ اس آیت میں منافقوں اور کفار سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے منافقو تم چور ہو اور ڈاکوؤں سے خزانے چھپائے جاتے ہیں یہ راز صاحب اسرار لوگوں کو بتائے جاتے ہیں اسی لیے مسلمانوں سے فرمایا۔ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنَ الْاَرْضِ ہم کو خزانوں کی کنجیاں دی گئیں جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے۔

چوتھے یہ کہ خزائن اللہ کہتے ہیں پیدا کرنے کو یعنی معدومات کو موجود کرنا۔ اور مخلوق کے خزانے ہیں پیدا کی ہوئی چیزوں کو جمع کرنا۔ جیسے ٹکسال کہ اس میں روپیہ بنتا ہے۔ اور خزانہ کہ اس میں بنا ہوا روپیہ رہتا ہے رعایا میں سے کوئی اپنی ٹکسال نہیں بنا سکتا۔ اگر سکہ بنائے گا تو مجرم ہو گا۔ اور بنے ہوئے روپیہ کا ہر شخص خزانہ بنا سکتا ہے۔

(۱) حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ یعنی ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں مگر ان کو ہم اندازے سے دیتے ہیں۔

اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ تمام چیزیں کسی جگہ ہیں وہاں سے نکل رہی ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم ہر چیز کے خلق پر قادر ہیں اور پیدا فرماتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں حضور کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ یہ فرما دو کہ میرے خزائن الٰہیہ یعنی خلق کی قدرت نہیں۔ یعنی میں خالق نہیں (دیکھو روح البیان یہی آیت) اب رہے مخلوق کے خزانے اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ مجھے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔

اعتراض (۲) قرآن فرماتا ہے۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا

مَاشَآءَ اللّٰہُ ط یعنی اے محبوب فرما دو کہ میں تو اپنی ذات کے لئے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں۔ تو دوسروں کو کیا دیں گے!

جواب: معترض نے اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ کو نہ دیکھا۔ آیت کا مقصود یہ ہے کہ میں بغیر رب کے چاہے ہوئے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ ہاں اس کے چاہنے اور اس کے دینے سے مالک ہوں تو ذاتی ملکیت کا انکار ہے اور عطائی کا اقرار یہی ہم کہہ رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ معمولی تھانیدار، جج تو آپ کو نقصان پہنچا سکے کہ آپ کو حوالات یا جیل میں بھیج دے۔ اور حضور کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔

اعتراض (۳) رب فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِہٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ یعنی اے محبوب تم فرما دو کہ اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو مجھ میں تم میں کام ختم ہو چکا ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کسی پر عذاب لانے پر قادر نہیں۔ اسی لیے اپنی مجبوری ظاہر فرما رہے ہیں کہ کفار تو عذاب مانگ رہے ہیں اور حضور یہ فرما رہے ہیں۔

نیز قرآن فرماتا ہے: وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُھُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَھُمْ بِاٰیَۃٍ یعنی اے محبوب اگر ان کفار کا منہ پھیرنا تم پر شاق گزرتا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ۔ پھر ان کے لئے نشانی لے آؤ۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضور کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اور نہ حضور کو عذاب لانے کا اختیار۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ سب لوگ اسلام لائیں مگر ایسا نہ ہوا بلکہ آپ کو اس خواہش سے روک دیا گیا۔ اسی طرح ابو طالب کے ایمان کی حضور نے خواہش کی۔ مگر فرما دیا گیا۔ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ یعنی یہ نہیں ہے کہ جسے تم چاہو اس کو ہدایت کر دو۔ ہاں اللہ جس کو چاہے ہدایت دے دے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو کسی کے ہدایت

دینے کا بھی اختیار نہیں۔ یہ مخالفین کا انتہائی اعتراض ہے۔

جواب: اس اعتراض کا منشاء صرف یہ ہے کہ مخالف نے حضور کی ملکیت رب کے مقابلہ میں مستقل طور پر سمجھی ہے اور یہ ہمارا دعویٰ نہیں۔ ان آیات میں مستقل ملکیت اور قبضہ کی نفی ہے یعنی اگرچہ چیزیں مستقل طور پر میرے قبضہ میں ہوتیں تو میں لے آتا۔ مگر چونکہ رب کی مرضی نہیں کہ اے کفار ابھی تم پر عذاب آئے اس لئے فی الحال عذاب نہیں آ سکتا یا رب کی مرضی نہیں کہ ان کو منہ مانگے معجزات دکھائے جائیں یا کہ ابوطالب ایمان ظاہر کریں۔ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتے اگر میں ان کاموں میں رب کا حاجتمند نہ ہوتا بلکہ خود مستقل ہوتا تو یہ کام خود کر لیتا۔ آج ہم جن چیزوں کے مالک ہیں۔ زمین، سامان وغیرہ اس میں بغیر مرضی الٰہی کچھ نہیں کر سکتے۔ رب فرماتا ہے۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ تم لوگ بغیر رب کی مرضی کچھ چاہ نہیں سکتے۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ ہم اپنی کسی چیز کے مالک بھی نہیں بلکہ مالک حقیقی کے مقابل مالک مجازی کی ملکیت بے حقیقت ہے۔ اسی طرح آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے محبوب جس کو ہم ہدایت دینا نہ چاہیں تم اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو اس سے آگے بیان فرمایا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ٥ اگر اس کا مقصد نہ ہو تو اس آیت کا مطلب ہو گا کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ط کہ قرآن سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہاں تو فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی ہدایت نہیں کرتا اور وہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ قرآن ہدایت کرتا ہے۔ رب فرماتا ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ط اے محبوب یقیناً آپ سیدھے راستے کی ہدایت فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مستقل طور پر کوئی ہدایت نہیں کرتا اور رب کی عطا سے قرآن بھی ہدایت دیتا ہے اور صاحب قرآن بھی فَاِنِ اسْتَطَعْتَ کی آیت میں بھی یہی فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی یہ کام بغیر ہماری مرضی کے آپ نہیں کر سکتے آج میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بادشاہ کسی کو اس کی موت کے بغیر پھانسی نہیں دے سکتا یا بغیر مرضی الٰہی کسی کو

نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ بالکل صحیح ہے حالانکہ بادشاہ کو پھانسی دینے، نفع ونقصان پہنچانے کا مختار رہنا یا گیا ہے ورنہ وہ بادشاہ کیسا اور رعایا اور بادشاہ کیسا اور رعایا اور بادشاہ میں کیا فرق۔ یہ ہی یہاں بیان ہو رہا ہے۔ بلا تشبیہ جیسے بادشاہ رب کا حاجتمند اور رعایا کا حاجت روا ہے ایسے ہی سمجھ لو کہ اللہ کے محبوب خالق کے حاجتمند اور مخلوق کے حاجت روا اور مولیٰ کے بندے اور بندوں کے مولیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

ضروری ہدایت: اس کا خیال چاہیئے کہ سوال کرتے وقت ادب کا لحاظ رہے۔ بیدھڑک منہ سے لفظ نکال دینا محرومی کی علامت ہے حق تعالیٰ ان کا رب ہے۔ اور وہ اس کے بندے وہ جس طرح چاہے اپنے پیاروں کو یاد فرمائے اور ان کو نوازے اور یہ حضرات جس طرح چاہیں اپنے رب سے اپنی نیازمندی کا اظہار کریں ہم کمینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان بارگاہوں میں جرأت کریں ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

اعتراض (۴): قرآن کریم فرماتا ہے: اَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اے محبوب تم ان کے لئے دعا مغفرت کرو یا نہ کرو اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو تو اللہ ہرگز ان کو نہ بخشے گا۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ منافقوں کے لئے اگر حضور دعا بھی کریں۔ تب بھی رب تعالیٰ قبول نہ فرمائے گا۔ پھر ملکیت اور محبوبیت کی وہ شان کہاں رہی جو تم بیان کرتے ہو۔

جواب: یہ آیت تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ شان بیان کر رہی ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو حضور کے غلاموں کو طعنے دے کر آقا کے دل کو ایذا پہنچاتے تھے چنانچہ اس سے پہلے یہ آیت ہے۔ اَلَّذِيْنَ

يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ ط یعنی جو لوگ صدقہ کرنے والے لوگوں کو عیب لگاتے ہیں الخ معلوم ہوا کہ وہ لوگ بارگاہِ نبوّت کے مجرم ہیں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ اے محبوب انہوں نے آپ کو ایذا دی ہے اس لئے ہم ان کے قصور معاف فرمائیں گے۔ معلوم ہوا کہ جو مصطفٰے علیہ السلام کی بارگاہ کا مجرم ہو جائے اس کی کہیں اپیل ہی نہیں اور اس کو کہیں بھی پناہ نہیں ملتی۔ یہ ہی اس آیت کے معنی بتائے جا رہے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ و رسول کے منکر ہو گئے۔

لطیفہ: محبوب کا حسن بے اختیار ہوتا ہے اور چاہنے والے کی محبت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اپنے محبوب کے مجرم کو کبھی نہ معاف کرے۔ حضور علیہ السلام رحمۃٌ للعالمین ہیں آپ کی رحمت بے اختیاری ہے کوئی کیسی ہی خطا کرے۔ مگر کرم فرمانے میں تامّل نہیں۔ رب کی محبت یہ ہے کہ ان مجرموں کو کبھی نہ بخشے۔ کیونکہ وہ محبوب کے مجرم ہیں اور ان لوگوں کو نہ بخشنے میں حضور کی عزت افزائی ہے ؎

خدا جس کو پکڑے چھڑا لے محمّد ۔۔۔ محمّد جو پکڑیں نہیں چھوٹ سکتا

یعنی جو اللہ کی پکڑ میں آ گیا حضور علیہ السلام اس کی شفاعت فرما کر رب سے معافی دلا دیں مگر جو شفیع المذنبین کی پکڑ میں آ گیا اس کے لئے اب کون سفارش کرے اس لئے صوفیائے کرام فرماتے ہیں:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

یعنی خدا کی بارگاہ میں دیوانہ بن کر آ سکتے ہیں مگر مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ذرا ہوش سنبھال کر آنا۔ یہاں اونچی آواز کرنے پر اعمال ضبط ہو جاتے ہیں یعنی بزرگانِ دین جذبہ میں اَنَا الحق کہہ گئے مگر کسی نے آج تک اَنَا محمّد نہ کہا ؎

اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں ۔۔۔ سارے انہیں کا منہ تکتے ہیں
جن و ملک ان کے سلامی ۔۔۔ فخر ہے سب کو ان کی غلامی

اعتراض (۵): رب تعالٰی فرماتا ہے: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ

عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ یعنی اے محبوب یہ بات تمہارے ہاتھ میں نہیں یا تو اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں دیکھو حضور علیہ السلام نے بیر معونہ کے کفار پر دعائے عذاب فرمائی۔ تو حضور کو اس دعا سے روک دیا گیا اگر وہ مالک ہیں یا ان کی ہر بات بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی ہے تو آیت کے کیا معنی ہوں گے۔

جواب: یہ آیت تو حضور علیہ السلام کی شان بتا رہی ہے۔ عادتِ الٰہیہ یہ ہے اگر اس کا کوئی پیارا بندہ کسی ایسی بات میں دُعا کرنا چاہے جس کے خلاف ارادۂ الٰہی ہو چکا ہے تو ان کو دعا سے روک دیا جاتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اے محبوب یہ بات ہمارے ارادے کے خلاف ہے اور ارادۂ الٰہیہ کے خلاف ہونا ممکن نہیں اور یہ بھی ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری بات خالی جائے لہٰذا آپ اس معاملے میں دُعا ہی نہ کریں۔ اس میں ان انبیائے کرام کی عزت افزائی ہے آج ہم ہزاروں دُعائیں کرتے رہتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا مگر ان سے ایسی دعائیں کرائی ہی نہیں جاتیں جو نہ ہو سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاہا کہ قوم لوط کے واسطے دعا فرمائیں تو حکم ہوا يَآ اِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ۔ اے ابراہیم اس دعا سے بچو کیونکہ اب اس قوم پر عذاب آنے ہی والا ہے اس طرح حضور علیہ السلام کو اس دعا سے روکا گیا اور اس روکنے میں حضور کی عزت افزائی ہوئی۔

اعتراض (۶) قرآن کریم فرماتا ہے اے محبوب فرما دو اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اپنی طرف سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے بلکہ صرف وحی سے حکم دیتے تھے۔ اور تم کہتے ہو کہ حضور علیہ السلام مالک احکام تھے۔ اب وہ مالک احکام کہاں ہوئے بلکہ ہماری طرح بندۂ مجبور (معاذ اللہ)

جواب: یہ آیت پوری نہ پڑھی پوری آیت یہ ہے۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ

اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ۔ یعنی اے محبوب فرمادو کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں میں نہیں پیروی کرتا مگر وحی الٰہی کی۔

واقعہ یہ تھا کہ عاص ابن وائل نے ایک دفعہ عرض کیا کہ یا تو آپ اس قرآن کو بدل دیجئے یا کوئی اور دوسرا قرآن لائیے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کو یہ جواب دلوایا گیا کہ اے محبوب فرمادو کہ میں یہ کچھ نہیں کرسکتا۔ میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں یعنی جو رب کی طرف سے آتی ہے۔ وہی پہنچا دیتا ہوں اس میں اپنی طرف سے کمی نہیں کرسکتا جیسے کہ علمائے یہود نے کی تھی تو اس جگہ اتباع سے مراد ہے قرآن کا بے کمی وبیشی اظہار یعنی جو آئے اسی کا بتا دینا اور مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِیْ میں اس طرف نہایت باریک اشارہ ہے کہ قرآن اپنی رائے سے نہیں بدل سکتا۔ ہاں رب تعالیٰ سے عرض کرکے بدلوا سکتا ہوں اور ایسا بہت ہوا ہے۔ کہ قرآنی آیات حضور کی مرضی کے مطابق نازل ہوئیں یا بدلی گئیں یعنی منسوخ ہوئیں جس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

اوّل بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ تھا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی خوشی یہ تھی کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ معظمہ قبلہ ہوجائے۔ ایک دن بار بار آسمان کی طرف سر نیاز اٹھا کر نگاہ ناز فرمارہے تھے یعنی یہ انتظار تھا کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم آجائے۔ رب تعالیٰ نے اس محبوبانہ ادا کو نہایت پسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا اے محبوب ہم آپ کے آسمان کی طرف منہ اٹھانے کو دیکھ رہے ہیں۔ اچھا اب تم کو اسی قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں۔ جس کو آپ چاہتے ہیں (ف) اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ آپ کی خوشی یہ ہے لہٰذا ہم بھی اسی کو قبلہ بناتے ہیں جس کو محبوب تم چاہو۔ دیکھو یہ نسخ حضور علیہ السلام کی رضا جوئی کے لئے ہوا۔

تفسیر روح المعانی میں آیت وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا کی تفسیر میں

ہے کہ ہر قوم بلکہ ہر چیز کا علیحدہ قبلہ ہے جدھر اس کی توجہ ہے فرشتوں کا قبلہ بیت المعمور ہے دعا کا قبلہ آسمان، ارواح کا قبلہ سدرۃ المنتہیٰ اور حضور کا قبلہ جسم کعبہ معظمہ اور قبلہ روح رب تعالیٰ ہے۔ اور خود رب کا قبلہ اس کے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ہر وقت رب تعالیٰ کی ان پر نظر کرم ہے مثنوی میں ہے ؎

قبلۂ شاہان بود تاج و گہر　　قبلۂ ارباب دنیا سیم و زر
قبلۂ صورت پرستاں آب و گل　　قبلۂ معنی شناساں جان و دل
قبلۂ عاشق وصال بے زوال
قبلۂ عارف جمال ذوالجلال

غرضکہ قبلہ کی تبدیلی حضور علیہ السلام کی خاطر ہوئی۔

اسی طرح اول یہ آیت اتری وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللہُ یعنی اگر تم اپنے دل کی بات ظاہر نہ کرو یا کرو۔ بہر حال حق تعالیٰ حساب لے گا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ دل کے خیالات کا بھی حساب ہو گا۔ مگر محبوب کی مرضی یہ تھی کہ دل کا رب تعالیٰ حساب نہ لے کیوں کہ طاقت کے باہر ہیں۔ لہٰذا حکم آیا لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا رب تعالیٰ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دل کے برے خیالات جو بے اختیار دل میں آجائیں۔ معاف ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر دعا فرمائی۔ کہ حاجی کے سارے گناہ معاف فرما دے۔ حکم الٰہی آیا کہ حقوق العباد کے سوا سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ مزدلفہ میں بھی دعا فرمائی کہ خداوندا حاجی سے بندوں کے حق بھی معاف فرما دے۔ حکم ہوا کہ وہ بھی معاف فرما دیئے گئے۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرفہ اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللہِ لَاَبَرَّہٗ

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ اِنْ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اور

جو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں وہ بھی وحی ہے اس لئے حدیث متواتر سے قرآن کا منسوخ ہونا جائز اور بہت جگہ حضور نے بعض حضرات کو قرآنی احکام سے علیحدہ فرما دیا جس کے حوالے گزر چکے ہیں اگر اس پیش کردہ آیت کے یہ معنی ہوں کہ میں صرف قرآن کی پیروی کرتا ہوں تو حدیث کا بھی انکار ہو جائے گا۔

اعتراض (۷) حضور علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ (مال) لے کر چھوڑ دیا اس پر عتاب الٰہی آیا اور رب تعالیٰ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اگر حضور مالک احکام ہوتے تو آپ کو اختیار ہوتا کہ جو چاہیں وہ کریں ان کے کسی مبارک فعل پر عتاب کیوں آتا۔

جواب: اس واقعہ سے تو حضور کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اوّلاً تو اس لئے کہ اگر آپ بندۂ مجبور تھے تو یہ جرأت ہی کیوں فرمائی کہ بغیر وحی آئے قیدیوں سے فدیہ لے لیا اور ان کو چھوڑ بھی دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے عادت کریمہ تھی کہ اپنی مرضی پاک سے احکام جاری فرما دیا کرتے تھے تب ہی تو آج اس پر عمل کیا دوسرے اس لئے کہ اگر حضور علیہ السلام مالک احکام نہ تھے تو یہ فیصلہ غلط ہوتا اور جو روپیہ کہ فدیہ کا آیا تھا یا تو کفار مکہ کو واپس ہوتا یا دریا میں غرق کرا دیا جاتا کیونکہ جو روپیہ ناجائز سے آئے اس کو کام میں لانا جائز نہیں نیز آئندہ کے لئے منع فرما دیا جاتا کہ اب کبھی فدیہ نہ لیا کرنا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ وہ روپیہ مسلمانوں کے لئے حلال رہا کہ فرمایا گیا۔ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۝ اے مسلمانو! جو غنیمت تم نے لی ہے وہ کھاؤ حلال اور پاکیزہ اور لطف یہ ہے کہ اس آیت پیش کردہ کے نزول کے بعد بھی حضرت عباس اور حضرت ابوالعاص زوج زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فدیہ لیا گیا اور آئندہ کے لئے یہ قاعدہ بن گیا۔ کہ مسلمان اگر چاہیں تو کافر قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا کریں کہ فرمایا گیا فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً یا قیدیوں کو احسان کر کے چھوڑ دیا ان سے فدیہ لے لو اگرچہ احناف کے نزدیک یہ حکم بھی بعد کو منسوخ ہو گیا مگر اس وقت تو یہ قاعدہ بن

بن گیا۔ عجب معاملہ ہے کہ بقول مخالفین فدیہ لینے پر عتاب بھی آرہا ہے اور فدیہ کھانا جائز بھی ہے اور آئندہ کے لئے یہ حکم باقی بھی رکھا جارہا ہے۔

تیسرے اس لئے کہ رب تعالیٰ اگر اس فدیہ لینے سے ناراض تھا تو فدیہ لینے ہی کیوں دیا اول ہی سے یہ آیت نازل فرما کر مسلمانوں کو اس سے کیوں نہ روک دیا۔

اب اپنی بات کا جواب سنو! معاملہ یہ ہے کہ ماتحت کا عملدرآمد حاکم اعلیٰ کے حکم سے رک بھی سکتا ہے اور بدل بھی سکتا ہے اور اس پر عتاب بھی آسکتا ہے یہ باتیں مالک ہونے کے خلاف نہیں۔ دیکھو میں اپنا ذاتی مکان فروخت کرتا ہوں مگر بعض وقت حکومت اس بیع کو روک دیتی ہے اور کبھی بیچے ہوئے مکان کو واپس کرا دیتی ہے اور بیع کرنا جائز قرار دیتی ہے اور اگر بغیر رجسٹری کے مکان بیچ دوں تو مجھ پر عتاب بھی کرتی ہے سزا بھی دیتی ہے اور جنگ کے زمانے میں جس رعایا کا مکان چاہتی ہے اپنے قبضے میں کرلیتی ہے اور اپنے کام میں لاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنے مکان کا مالک نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ میری ملکیت سے بڑھ کر بادشاہ کی ملکیت ہے اس لئے یہ معاملہ ہو رہا ہے یہاں بھی حضور کا یہ حکم عالی رب تعالیٰ کی رجسٹری کے بغیر ہو گیا۔ تو فیصلہ قائم رکھا گیا۔ مگر رجسٹری نہ کرانے پر توجہ دلائی گئی کہ اے محبوب اتنا بڑا کام فیصلہ کئے بغیر نہ ہونا چاہیئے تھا غرضکہ یہ آیت حضور علیہ السلام کی ملکیت کی دلیل ہے۔

اعتراض (۸): جب کفار نے حضور علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ سونے کا پہاڑ عمدہ میوے کا باغ اور پانی کی لہریں ظاہر کیجئے تو جواب دیا گیا کہ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا میں تو بشر رسول ہوں یعنی اپنی عاجزی کا اظہار کیا گیا اگر حضور مالک ہوتے تو ان چیزوں کو ظاہر کر دیتے۔ اپنے عجز کا اظہار کیوں فرماتے؟

جواب: ان سوالات سے کفار کا مقصد یہ تھا کہ یارسول اللہ اگر آپ یہ کام کرکے دکھا دیں تو ہم آپ کو نبی مان لیں ورنہ نہیں۔ یعنی نبوت کو ان باتوں پر موقوف رکھا اس جواب میں ان کے اس قاعدے کی غلطی بیان فرمائی گئی۔ یعنی نبوت ان

چیزوں پر موقوف نہیں کہ جو یہ کام کر دکھائے وہ تو نبی ہو اور جو سونے کا پہاڑ نہ بنائے وہ نبی نہ ہو بلکہ نبوت انسانی صفات میں سے ایک صفت ہے ہمیں نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ خدائی کا حضور علیہ السلام کی کونین میں بادشاہت صرف نبوت کی وجہ سے نہیں مانتے بلکہ ان دلیلوں کی وجہ سے مانتے ہیں جو پہلے باب میں بیان ہوئیں۔

اچھا یہ تو بتاؤ کہ اس جگہ تو فرما دیا گیا کہ بشر رسول ہوں اور بہت سے موقعوں پر لوگوں نے بڑے بڑے معجزے طلب کئے اور بے تکلف دکھا دیئے گئے۔ چاند پھاڑ دیا۔ ڈوبے ہوئے سورج کو واپس بلا لیا۔ مُردوں کو زندہ کیا گیا تو اگر حضور علیہ السلام بندۂ مجبور ہیں تو وہاں یہ قدرت خدا داد کیوں دکھا دی؟ وجہ یہ ہے کہ جنہوں نے ان قدرتوں کو نبوت کا معیار مان کر معجزہ مانگا ان کو منع کر دیا گیا اور جن لوگوں نے خدا داد سلطنت کا نظارہ کرنا چاہا ان کو دکھا دیا گیا۔ بلکہ حدیث صحیح میں ارشاد ہوا کہ اگر ہم چاہیں تو پہاڑ سونے کے ہو کر ہمارے ساتھ چلیں۔ معلوم ہوا کہ اس پہ قادر ہیں مگر اس کا اظہار نہیں فرماتے۔

بتاؤ موجودہ بادشاہ سونے کا پہاڑ دُودھ کی نہریں بنا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر وہ بادشاہ مختار بھی ہیں کہ نہیں بے شک ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام کو سونے کا پہاڑ بنانے پر قدرت نہ ہو تو اس سے آپ کی ملکیت اور سلطنت اور خدا داد اختیارات میں کیا فرق آیا۔ خلق اور چیز ہے۔ اور ملک کچھ اور عجیب عقل ہے کہ ملک کی نفی میں نفی خلق سے استدلال لاتے ہو۔

اعتراض (۹) حضور نے اپنی اول تبلیغ میں فرمایا کہ اے فاطمہ بنت رسول اللہ! تم جو چاہو میرا مال مانگ لو وَلَآ اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا میں تم سے خدا کے غضب کو مٹا نہیں سکتا جب حضور علیہ السلام اپنی لخت جگر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مصیبت دفع نہیں کر سکتے تو ہم سے کس طرح دفع کر سکتے ہیں پھر ملکیت کہاں رہی۔

جواب: اس روایت میں مستقل ذاتی ملکیت کا انکار ہے یعنی اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا اور رب کا ارادہ ہو گیا کہ تم پر عتاب آجائے تو میں رب کے

مقابلے میں تم سے کسی مصیبت کو دفع نہیں کر سکتا اور اس سے مقصود دوسروں کو سُنانا ہے اس لئے مِنَ اللّٰہِ فرمایا گیا اور یہ کسی کا عقیدہ نہیں کہ کوئی رب کا بندہ رب سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ معاذ اللہ جو کوئی جو کچھ بھی کرتا ہے وہ رب کی دی ہوئی قدرت اور اسی کے ارادے سے کرتا ہے۔

ان تمام اعتراضوں کی بناء اس پر ہے کہ معترض نے سلطنتِ مصطفےٰ کے معنی نہیں سمجھے اور ذاتی وعطائی مستقل اور غیر مستقل میں فرق نہیں کیا۔

شامی جلد اوّل بحث غسل میّت میں ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر رب کے مالک کئے ہوئے میں تم سے مصیبت دُور نہیں کر سکتا حضور علیہ السلام تو اجنبی لوگوں کو شفاعت سے نفع پہنچائیں گے پھر اپنے اہل قرابت مومنین کو کیوں محروم چھوڑیں گے۔

حدیث پاک میں ہے کہ کُلُّ نَسَبٍ وَّسَبَبٍ یَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ اِلَّا نَسَبِیْ وَ سَبَبِیْ یعنی موت سے تمام رشتے اور سلسلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ سوائے ہمارے رشتے اور سلسلے کے اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلثوم بنت فاطمہ زہرا سے نکاح کیا تاکہ حضور علیہ السلام سے ان کا سسرالی رشتہ قائم ہو جائے اور یہ آیت کہ یعنی جب صور پھونکا جائے گا لوگوں کے نسب ٹوٹ جائیں گے۔ اس آیت کے حکم سے حضور علیہ السلام کا نسب علیحدہ ہے۔ انتہیٰ شامی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فاطمہ زہرا کی بڑی ذات ہے سادات کرام کو یہی نسب کام آئے گا بشرطیکہ مومن ہوں۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے صحابی کا کچھ تھوڑے جو خیرات کرنا اوروں کے پہاڑ برابر سونا خیرات کرنے سے بہتر ہے حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے یہ درجے ہیں تو جو لختِ جگر اور نور نظر ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے مدارج تو رب ہی جانے ؎

خون خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر
ان کی اس پاک طینت پہ لاکھوں سلام

اعتراض (۱۰) : احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت دفعہ حضور صلے اللہ علیہ السلام پر مسائل پیش ہوئے تو خود فیصلہ نہ فرمایا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا جیسے کہ قبلہ بدلنے کا حکم جس کا واقعہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لوگوں نے تہمت لگائی تو خود کوئی فیصلہ نہ فرمایا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا اگر حضور خود مالک احکام ہوتے تو ہر بات کا خود ہی فیصلہ فرما دیا کرتے ۔

مصطفےٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرائیل
جبرائیل ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

جواب : ان جیسے واقعات میں کچھ حکمتوں کی وجہ سے حضور نے اپنی ملکیت سے کام نہ لیا براہ راست رب سے فیصلہ کرایا ۔ اس میں بہت راز ہوتے تھے ۔ کبھی تو یہ کہ مخالف لوگ ہم پر اعتراض نہ کریں کبھی یہ کہ اس سے اس مسئلہ کی اہمیت معلوم ہو کبھی اپنی زندگی کا اظہار مثلاً عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لوگوں نے تہمت لگائی ۔ اگر خود ہی فیصلہ فرما دیا جاتا تو منافقین تو کہتے کہ اپنی بیوی پاک کی طرفداری فرمائی ۔ اور حضرت صدیقہ کو وہ عظمت حاصل نہ ہوتی کہ قرآن نے ان کی پاکدامنی اور عصمت کے خطبے پڑھے ۔ اب قیامت تک ہر نمازی ہر حافظ ہر تلاوت کرنے والا ان کی عفت کے گیت گاتا رہے گا ۔ اسی طرح اگر خود اپنے حکم سے قبلہ بدل دیا جاتا تو مخالفین اور منافقین کا آپ پر اعتراض ہوتا کہ انبیاء کے قبلے کو بدل دیا اس لئے رب نے خود قبلہ کو بدل کر تمام ذمہ اپنے کرم پر لے لیا اور فرمایا فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا اے پیارے ہم آپکو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں ۔ جس سے آپ خوش ہوں لو لو ہم پر کسی کو کیا اعتراض ہے حضرت زید کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام نے نکاح کیا لوگوں نے اعتراض کیا ۔ رب نے ارشاد فرمایا فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا یعنی ہم نے اپنے محبوب کا نکاح زینب سے کر دیا جس کو اعتراض کرنا ہو وہ مجھ پر کرے ۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ سب کے نکاح ان کے ماں باپ کرتے ہیں ۔

لیکن میرا نکاح میرے رب نے کرایا۔ سب کے نکاح فقط فرش پر ہوتے ہیں۔ میرا نکاح عرش پر بھی ہوا۔

ان واقعات سے تو حضور کی ملکیت کے ساتھ ان کی محبوبیت کا پتہ لگ گیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

دیکھو ہم لوگ اپنی معمولی چیزیں خود فروخت کر دیتے ہیں نہ گواہ کی ضرورت ہوتی ہے نہ رجسٹری کی۔ لیکن بڑی اہم چیزوں کو جیسے باغ۔ مکان۔ زمین وغیرہ بغیر رجسٹری گواہ نہیں فروخت کرتے ہم دونوں چیزوں کے مالک تو ہیں مگر جن چیزوں میں جھگڑے پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس میں گورنمنٹ کو ذمہ دار بنا لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے بھی بعض بڑے اہم مسائل کی ذمہ داری خود لی اور ہزارہا احکام میں حضور علیہ السلام نے خود حکم دیئے۔

نکتہ : ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا آج ہم نے شیطان کو پکڑ لیا تھا اور اگر اسے ستون سے باندھ دیتے تو مدینے کے بچے اس سے کھیلتے۔ مگر حضرت سلیمان کی یاد آگئی کہ انہوں نے عرض کیا رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي اے رب تو مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دیا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی سلطنت تمام جن وانس، ہوا وغیرہ سارے عالم پہ ہے مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا گیا۔ کیونکہ یہ سلطنت حضرت سلیمان کا خاص معجزہ بن چکی تھی۔ وہ خصوصیت دوسری جگہ ظاہر نہ ہونا چاہیئے۔

اعتراض (۱) : اگر حضور علیہ السلام تمام عالم کے مالک ہیں تو خود عیش آرام کی زندگی کیوں نہ گزاری۔ تکلیف میں کیوں گزر فرمائی؟

جواب : اپنی ملکیت کو اپنی ذات کریمہ پر استعمال نہ فرمایا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ مالک نہیں روزے کی حالت میں ہم لوگ دن بھر اپنی روٹی اپنا پانی استعمال نہیں کرتے اس لئے نہیں کہ ہم ان چیزوں کے دن میں مالک نہیں بلکہ

اس لئے کہ اس وقت کھانا پینا رضائے الٰہی کے خلاف ہے۔ حضور نے بھی اس جہاں میں اپنی چیزوں کو اپنی ذات پر استعمال نہ کیا اس جہاں میں ہر چیز حضور ہی پہ قربان ہو گی ان کے صدقے سے ان کے غلاموں کو بھی ملے گی کیونکہ آپ کی زندگی پاک تمام دنیا کے لئے نمونہ اور دستور العمل ہے اور دنیا میں فقیر بھی ہوں گے اور مالدار بھی۔ اگر زندگی عیش میں گزاری جاتی تو فقرا کے لئے نمونہ قائم نہ ہوتا لہٰذا کبھی تو مال قبول فرمایا اور اس وقت رب کا شکر اور صدقات و خیرات فرما کر مالداروں کے لئے نمونہ قائم فرمایا اگر تم کو خدا مال دے تو اس طرح اس کی راہ میں خرچ کرو اور کبھی مال قبول نہ فرمایا اور صبر کا نمونہ پیش فرما دیا کہ فقراء اس کو دیکھ کر اس طرح صبر کریں۔ سبحان اللہ! ایک جنگ میں شکم پاک پر پتھر بندھے ہیں اسی حالت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ نے دعوت کر دی تو چار سیر جَو کے آٹے سے صد ہا آدمیوں کو سیر کر دیا جیسا کہ پہلے باب میں آپ پڑھ چکے غرض کہ یہ زندگی پاک مجبوری کی وجہ سے نہ تھی بلکہ حق یہ ہے ؎

مالک کونین ہیں پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں انکے خالی ہاتھ میں

بخیل وہ جو نہ کھائے نہ کھلائے سخی وہ جو خود بھی کھائے دوسروں کو بھی کھلائے مگر جواد وہ ہے جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لئے رب کو سخی نہیں کہتے۔ جواد کہتے ہیں کہ هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ۔ وہ کھانا کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفت جواد کا مظہر ہیں کہ کھاتے نہیں کھلاتے ہیں۔ (تفسیر روح البیان) اور جو کچھ کھاتے بھی ہیں وہ بھی اُمت کی تعلیم کے لئے ورنہ انہیں کھانے کی بالکل حاجت نہیں۔ کھانا ان کا محتاج ہے وہ رب کے سوا کسی چیز کے حاجتمند نہیں خود فرماتے ہیں اَيُّكُمْ مِثْلِي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيْنِي۔ تم میں ہم جیسا کون ہے ہمیں رب تعالیٰ غیبی رزق کھلاتا اور پلاتا ہے۔ جب کبھی بھوک کی تکلیف ظاہر ہوتی ہے تو وقت بشریت کے ظہور کا ہوتا ہے اور روزہ

کے وصال میں نورانیت جلوہ گر ہے۔ خیبر میں زہر نے اثر نہ کیا بوقت وصال شریف زہر کا اثر ہوا۔ موت کا وقت بشریت کے ظہور کا وقت ہے کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے یہ نہایت باریک کلام ہے اس کی تفصیل مرقاۃ شرح مشکوٰۃ یا روح البیان یا لمعات میں دیکھو۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ ط۔

خاتمہ

اس کتاب کی تصنیف کے دوران میں میرے محترم دوست سیٹھ عبد الغنی صاحب تاجر نے مجھ سے فرمایا کہ وفادار رعایہ کو شوق ہوتا ہے کہ اپنے شہنشاہ کا دیدار کریں اور یہ ہمارا نصیب نہ تھا کہ زمانہ پاک میں پیدا ہوتے اور ان ناچیز آنکھوں سے وہ جمال جہاں آرا دیکھتے اور دل کی حسرتیں نکالتے ؎

ہوتے صدقے کبھی ناقہ کے کبھی محمل کے ساربان کے کبھی ہاتھوں کی بلائیں لیتے
دشتِ طیبہ میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

اب جبکہ ہم ناچیز تیرہ سو برس کے بعد پیدا ہوئے تو کم از کم آپ کو حضور کا حلیہ شریف ہی بتائیں جس کو دیکھ کر تسلی ہو مجھے ان کا یہ جذبہ بہت پسند آیا اور ارادہ کر لیا کہ اب اس کتاب کو حلیہ شریف کے ذکر پر ختم کروں اور مسلمانوں سے گزارش ہے کہ اس حلیہ شریف کو اپنے خیال میں لیں یہاں تک کہ یہ حال ہو جائے ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اور یقین سے جانیں کہ وہی گھر آباد ہوتا ہے جس میں گھر والا ہو اور جو مالک سے خالی ہے وہ ویران ہے اسی طرح وہ دل آباد ہے جس میں انکا دھیان ہے ؎ رنہ برباد

آباد وہی دل ہے جس میں تمہاری یاد ہے
جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم الیٰ یوم القیام بعض موقعوں پر یہ حدیث بیان فرماتے ہوئے جوش میں فرما دیتے تھے۔ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ گویا میں اس وقت حضور کو دیکھ رہا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تصور میں رہتے تھے۔

اور خیالِ یار کا امتحان قبر میں بھی ہوگا کہ نکیرین پوچھیں گے کہ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ ھٰذَا الرَّجُلِ تم ان محبوب کے بارے میں کیا کہتے تھے ؟

لطف تو جب ہے کہ خلوت میں وہ جلوہ کا مزہ دے اور یہ ہو کہ ؎

دل میں ہو یا د تیری گوشہ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو (حسن بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

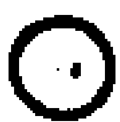
اور جلوت میں خلوت کا لطف آئے اور یہ صادق ہو ؎

سارا عالم ہو مگر دیدۂ دل دیکھے تمہیں
انجمن گرم ہو اور لذتِ تنہائی ہو (صدر الافاضل علیہ الرحمۃ)

لو اب با ادب اپنے محبوب علیہ السلام کا حلیہ پاک سنو اور اپنے ایمان کو تازہ کرو ؎

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو کہتا ہے کہ ایمان ہیں یہ ایمان یہ کہتا ہے کہ مری جان ہیں یہ

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے ترمذی شریف کے آخر میں ایک رسالہ لگایا جس کا نام ہے شمائل شریف۔ اس رسالہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ کا ذکر ہے۔ ہم اس سے یہ حلیہ شریف نقل کرتے ہیں :



سید فاضل شاہ اللہ قلمکار گجرات

حُلیہ شریف

اللہ کے محبُوب صلی اللہ علیہ وسلّم کا حُلیہ مبارک یہ ہے

قد شریف درمیانہ یعنی نہ بہت دراز نہ بہت مختصر۔ جسم پاک کا رنگ مبارک سفید مائل سرخی (جیسے گلاب کا پھول) نہ تو خالص چٹا نہ گندمی' بال باریک تیز سیاہ جیسے کہ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى۔ کچھ گھونگر والے خمدار' نہ بالکل سیدھے نہ بالکل پیچے دار۔ مبارک گیسو اکثر تا بگوش اور کبھی تا بدوش یعنی کان کی لَو تک اور کبھی کندھوں تک سر مبارک بڑا اور بہت خوب صورت' چوڑی پیشانی باریک اور لمبی بھویں (ربڑ ٹے) ان بھووں کے درمیان باریک سی رگ جو کبھی چمکتی تھی' آنکھیں بڑی بڑی پلک لمبی، آنکھ کی سفیدی بہت تیز اور پتلیاں خوب سیاہ جن کا سرمہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى یعنی رب کو دیکھ کر نہ جھپکیں، باریک اور لمبی ناک شریف رخسار مبارک کا رنگ چمکدار نہ بہت اُبھرے ہوئے اور نہ دبے ہوئے بلکہ درمیانی' چوڑا منہ' پتلے پتلے ہونٹ جیسے گلاب کی پتی۔ چمک دار اور سفید اور چھوٹے چھوٹے دانت جیسے سچے موتیوں کی لڑیاں اور ان کے درمیان میں معمولی سی کھڑکیاں، گھنی داڑھی جس کا رنگ سیاہ درمیانی ریش بچی مبارک چاندی کی طرح صاف اور سفید گردن شریف دو کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت۔ گردن کے نیچے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ یہ کبوتر کے انڈے کے برابر تھی۔ کچھ ابھرا ہوا گوشت تھا جس پر بال تھے۔ اور پڑھنے میں آتا تھا مُحَمَّدٌ ایسی مہرِ نبوّت کو دیکھ کر حضرت سلمان فارسی وغیرہ ایمان لائے خوب چوڑا سینہ رحمت کا خزینہ۔ گلے شریف سے ناف تک بالوں کی باریک سی ڈور' شکم مبارک سینے کے برابر نہ ابھرا ہوا نہ دبا ہوا، اس کے ماسوا بھرے ہوئے بازو جن پر کچھ بال کسی قدر لمبی کلائیاں چوڑی اور بھری ہوئی ہتھیلیاں۔ کندھوں اور کلائیوں پر بال انگلیاں مبارک پتلی اور

لمبی پنڈلیاں بھری ہوئی جن پہ رونگٹے۔ ایڑیاں پتلی اور قدم بھرے ہوئے کہ زمین پہ پورے جم جائیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ چاندنی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سُرخ حُلّہ زیب تن فرمائے تشریف فرما تھے میں کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنے مدینے کے چاند کو (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم ہے رب کی حضور چاند سے زیادہ حسین معلوم ہوتے تھے۔ اس کے دیکھنے والوں کی آنکھوں کے قربان۔

دیگر اوصاف

چہرۂ انور بارعب تھا کہ جو اچانک دیکھ لیتا اس کے دل میں رعب اور ہیبت آسمانی آجاتی اور جس کو صحبت میں رہنا نصیب ہو جاتا تو اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے حضور سے ایسا مانوس ہو جاتا کہ اور جگہ اس کا دل نہ لگتا۔ اکثر نگاہ نیچی رہتی تھی ؂

اک ماہ بدن، گورا سا بدن، نیچی نظریں کل کی خبریں
وہ سنا کے سخن دکھلا کے پھبن مرا لے پھونک گئے سب تن من دھن

چہرۂ انور پر فکر کے آثار نمایاں رہتے تھے جیسے کچھ سوچ رہے ہیں جب کسی طرف نظر فرماتے تو پوری طرح ادھر منہ پھیر کر کبھی قہقہہ نہ فرمایا اکثر تبسم فرماتے تو دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتیں بعض روایات میں آیا ہے کہ اس نور میں گم شدہ سوئی تلاش کی جاسکتی تھی ؂

سوزنِ گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

پسینہ شریف میں گلاب کی تیز خوشبو جب کسی گلی سے گزرتے تو مکانوں والے لوگ پہچان جاتے اور مدینہ کے لوگ اس پسینہ کو بجائے خوشبو کے استعمال کرتے تھے (مشکوٰۃ) چلنے کی حالت میں زمین لپٹتی تھی کہ حضور علیہ السلام آہستہ چلتے مگر ساتھیوں کو تیز چلنا پڑتا تھا، کبھی خضاب نہ لگایا کیونکہ سر شریف میں تقریباً چودہ ۱۴ بال اور

داڑھی شریف میں چھ بال سفید ہوئے تھے یعنی کل بیس بال سفید تھے۔ بال شریف کی زیارت کرنے والوں نے جو خضاب کی روایت کی وہ اس خوشبو کے رنگ سے دھوکہ کھا گئے جس میں بال شریف رکھے ہوئے تھے۔

کھانے میں بکری کی دستی۔ سرکہ۔ شہد۔ میٹھی چیزیں اور کدّو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ لیکن مرغ اور بٹیر۔ ستّو اور بکثرت خرمے کھانا بھی ثابت ہیں نیز دیگچی کی کھرچن بھی مرغوب تھی۔ بہت دفعہ جَو کی روٹی کھجور سے ملاحظہ فرمائی۔

لباس سفید رنگ کا پسند تھا۔ اکثر عمامہ، قمیص اور تہبند استعمال فرماتے تھے کبھی سیاہ عمامہ بھی ثابت ہے یعنی چادر اور اکثر پیوند والا کمبل شریف استعمال میں رہتا تھا۔

اسی عرشی مہمان صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک کبھی دو تہہ والا ٹاٹ اور کبھی چمڑے کا گدیلہ جس میں کھجور کی چھال کا بھراؤ ہوتا تھا۔

ہدایت

ناظرین رات کو سوتے وقت اس حلیہ شریف کا مطالعہ کیا کریں اور پاک بستر پر پاک کپڑے پہن کر با وضو قبلہ رو سویا کریں اگر ممکن ہو تو سوتے وقت عطر بھی لگا لیں اور ہمیشہ اس امید پر سوئیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہو جائے اس میں یا رب العالمین جس نے خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کی اس نے حضور ہی کو دیکھا وہ نفسانی، شیطانی یا خیالی نہیں ہوتا بلکہ واقعی ہوتا ہے۔ چہرۂ انور کو نورانی دیکھنا اپنی قوت ایمانی کی دلیل ہے اس کے خلاف دیکھنا اپنی کمزوری ایمان کی علامت ہے اسی طرح عمدہ لباس میں زیارت ہونا اپنی نیک عملی کی نشانی ہے اور اس کے برعکس دیکھنا اپنی بدعملی کی پہچان مثنوی شریف میں ہے ؎

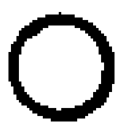
گفت من آئینہ مصقول دوست
ترکی و ہندی بہ بیند آں کہ اوست

حضور علیہ السلام آئینۂ قدرتِ الٰہی ہیں آئینہ میں اپنا رنگ نظر آتا ہے ورنہ حضور کو کما حقہٗ بجز پروردگار کسی نے نہ دیکھا۔

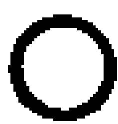
جو کوئی اس رسالہ سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ فقیر بے نوا کے لئے خاتمہ بالخیر کی دعا کرے اور دعا کرے کہ رب تعالیٰ فقیر کی ان کتب کو قبول فرمائے اور میرے لئے توشۂ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے اور میرے ولیِ نعمت مرشد برحق صدر الافاضل مولینا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ دام ظلہم کا سایہ مجھ پر اور تمام اہل سنت پر قائم رہے آمین یارب العالمین ۔

بِنَبِیِّکَ الرَّؤُفِ الرَّحِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِہٖ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

احمد یار خاں نعیمی اشرفی



یہ کتاب حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی مبارک زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت یہ دعا کی گئی ۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ کو حضرت نے اپنے رب کی رحمت میں آرام فرمایا۔ اب یوں دعا کیجئے کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے معمور فرمائے اور ان کے برکات سے ہمیں مستفید فرمائے۔ آمین



الکلام المقبول

فی

طہارۃ نسب الرسول ؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اسلام میں سارے نسب وخاندان برابر ہیں کوئی کسی سے افضل نہیں۔ لہذا سید، پٹھان، تیلی، نائی دھوبی سب یکساں درجہ رکھتے ہیں۔ تقویٰ سے فضیلت ہے۔ نسب سے نہیں یہ بھی کہتا ہے کہ کسی کے پرہیزگار باپ دادا کام نہ آئیں گے صرف اپنے اعمال کام آئیں گے۔ زید یہ آیت پیش کرتا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہ میں تم سے عذاب الٰہی دفع نہیں کر سکتا۔
عمر کہتا ہے کہ نہیں بلکہ سید تمام خاندانوں سے افضل ہیں اور بزرگوں کی اولاد کو ان کے باپ دادا کی نیکی ضرور کام آئے گی فرمایا جاوے کہ کس کا قول درست ہے۔ بیّنوا وتوجروا

الجواب: ان دونوں مسئلوں میں عمر کا قول صحیح ہے اور زید کا قول غلط و باطل ہے۔ حضرات سادات کرام کا نسب دوسرے نسبوں سے اعلیٰ و افضل ہے اور مومنوں کے صالح بزرگوں کے نیک اعمال انشاءاللہ تعالیٰ اولاد کے ضرور کام آئیں گے۔

یہ دونوں مسئلے قرآن کریم کی آیات، احادیث صحیحہ اور عقلی دلائل وغیرہ سے ثابت ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

دلیل نمبرا: رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ بِاِيْمَانٍ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ	ہم جنت میں مومنوں کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اعمال سے کچھ کم نہ کریں گے۔

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مومن اولاد انشاءاللہ تعالیٰ قیامت میں حضور کے ساتھ رہے گی۔ اس سے سادات کرام کے نسب کی عظمت بھی ثابت ہوئی اور بزرگوں کے اعمال کا کام آنا بھی معلوم ہوا۔

آیت ۲

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى	فرما دو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں تبلیغ نبوت پر کچھ معاوضہ طلب نہیں کرتا صرف قرابت کی محبت چاہتا ہوں

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ میرے حق کی وجہ سے میرے عزیزوں اہل قرابت سے محبت کرو۔ معلوم ہوا کہ سادات کرام جو حضور کے اہل قرابت اور اولاد ہیں ان سے حضور کی خاطر محبت کرنا لازم ہے۔ دیگر خاندانوں کا یہ حال نہیں۔

آیت ۳

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ	جان رکھو کہ جو کچھ غنیمت تم حاصل

شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَ لِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ ۔	کرو۔ اس کا پانچواں حصہ اللہ رسول اور رسول کے اہلِ قرابت اور یتیموں اور مسکینوں کے لئے ہے۔

معلوم ہوا کہ زمانہ شریف میں مالِ غنیمت کے خمس میں حضور کے اہلِ قرابت کا علیحدہ اور مستقل حصّہ تھا۔ بلکہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اب بھی سیّدوں کو اس خمس سے حِصّہ ملے گا۔ دُوسرے خاندانوں کو یہ عزّت حاصل نہیں۔

آیت ۴

وَ کَانَ اَبُوۡہُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنۡ یَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّہُمَا وَ یَسۡتَخۡرِجَا کَنۡزَہُمَا ۔	حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اس دیوار کے نیچے دو بچوں کا خزانہ ہے ان دونوں کا باپ نیک مرد تھا اس لئے رب نے چاہا کہ یہ بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو یتیموں پر رب نے اس لئے رحم فرمایا کہ ان کا باپ متقی مرد تھا۔ پتہ لگا کہ نیکوں کی نیکیاں اولاد کے کام آتی ہیں لہٰذا حضور کی نیکیاں سادات کرام کو ضرور کام آئیں گی۔

آیت ۵

وَجَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالۡکِتٰبَ ۔	ہم نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی۔

یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بعد سارے نبی آپ ہی کی اولاد میں ہوئے اور ساری کتابیں اور یہ صحیفے آپ کی اولاد پر آئے۔ اولاد ابراہیم کو یہ عظمت اسی وجہ سے حاصل ہوئی کہ وہ ابراہیمی ہیں۔ لہٰذا آپ کا نسب اشرف ہے۔

آیت ۶

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ○

اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور میں نے تم کو اس زمانہ میں تمام جہانوں پر بزرگی دی۔

معلوم ہوا کہ یعقوب علیہ السلام کا نسب ایسا اعلیٰ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی اولاد کو تمام خاندانوں سے اونچا کیا تھا۔ لہذا یقیناً حضور علیہ السلام کے خاندان والے سادات کرام آج تمام جہانوں سے اعلیٰ خاندانی ہیں۔

آیت ۷: وَ اذۡکُرُوۡا اٰلَآءَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَ جَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا ○

اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد میری نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر ہیں کیونکہ تم میں نبی بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا۔

معلوم ہوا کہ کسی قوم میں انبیاء کا آنا خدا کی خاص نعمت ہے۔ جس سے دوسری قومیں محروم ہیں لہذا سادات کرام میں حضور کا تشریف لانا رب تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو اوروں کو حاصل نہیں۔

آیت نمبر ۸

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ ۔

اے نبی کی بیویو! اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو تم دوسری کسی عورت کی طرح نہیں ہو۔

پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متقی پرہیزگار بیویاں تمام جہان کی پرہیزگار بیویوں سے افضل ہیں کیونکہ وہ حضور کی بیویاں ہیں۔ لہذا سادات کرام جو متقی پرہیزگار ہیں۔ وہ دیگر پرہیزگاروں سے اعلیٰ ہیں کیونکہ وہ حضور کے نسب والے ہیں۔

آیت نمبر ۹

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا

اے نبی کے گھر والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی دُور کر رکھے اور تم کو خوب پاک وصاف رکھے۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت خواہ ازواج مطہرات ہوں یا اولاد اطہار ہوں سب کو رب نے پاک فرما دیا۔ کیوں اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے والے ہیں۔ یہ خصوصی طہارت دوسروں کو میسّر نہیں۔ ورنہ پھر سادات کی خصوصیت کیا ہوگی۔

آیت نمبر ۱۰۔

وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ مولیٰ ہماری اولاد میں ایک جماعت اپنی مطیع وفرمانبردار رکھ۔

اس دعا سے معلوم ہوا کہ سارے سیّد کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے دوسری اسلامی قومیں تو ساری گمراہ ہو سکتی ہیں۔ پتہ لگا کہ حضرت ابراہیم کا نسب وخاندان اعلیٰ وافضل ہے کہ انہیں یہ دعائے ابراہیمی حاصل ہے۔

آیت نمبر ۱۱۔

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ وَ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب اس شہر میں تم ہو اور تم باپ کی قسم اور اس کی اولاد کی قسم۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ بھی ہے کہ والد سے مراد حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اولاد سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور کا شہر تمام شہروں سے افضل اور حضور کی اولاد پاک تمام خاندانوں سے اعلیٰ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کی قسم ارشاد فرمائی اور ہو سکتا ہے کہ والد سے مراد حضرت

عبداللہ و آمنہ خاتون ہوں رضی اللہ عنہما اور ولد سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

احادیثِ شریفہ

اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بے شمار ہیں کہیں فرمایا کہ حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ کہیں فرمایا کہ فاطمہ جنتی بیبیوں کی سردار ہیں وغیرہ چند احادیث برکت کے لئے پیش کی جاتی ہیں:

حدیث نمبر ۱: مسلم شریف، ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمَاعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چن لیا۔ اور بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ فرمایا۔

معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ بالا قبیلے تمام دوسرے خاندانوں سے افضل و برگزیدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۲: فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے۔

اَنَا تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَوَّلُھُمَا کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ الْھُدٰی وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِکِتٰبِ اللّٰہِ وَاسْتَمْسِکُوْا بِہٖ وَحَثَّ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ وَرَغَّبَ فِیْہِ وَاَھْلُ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ (مسلم)

میں تم میں دو نفیس و اعلیٰ چیزیں چھوڑتا ہوں ایک تو اللہ کی کتاب جس میں ہدایت اور نور ہے لہٰذا اللہ کی کتاب کو لو۔ اور اسے مضبوطی سے پکڑو کتاب اللہ پر لوگوں کو رغبت دی۔ دوسرے میرے اہل بیت میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان شریف اور آلِ اطہار کی عظمت قرآن کریم کی طرح ہے۔ جیسا کہ ایمان کے لئے قرآن کا ماننا ضروری ہے ایسے ہی حضور کے اہل بیت کا ماننا لازم ہے۔ دوسرے خاندانوں کو یہ شرف کہاں نصیب۔

حدیث نمبر ۳ - ترمذی نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

اَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوْا اَھْلِ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ

اللہ کے لئے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی خاطر میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

حدیث نمبر ۴ : احمد نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَھْلِ بَیْتِیْ فِیْکُمْ مِثْلُ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ۔

میرے اہل بیت کی مثال تم میں کشتی نوح کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا۔ اور جو اس سے علیحدہ رہا۔ ہلاک ہو گیا۔

حدیث نمبر ۵ : ترمذی نے زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَحَدُھُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ کِتَابُ اللّٰہِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ وَلَمْ یَتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْھِمَا۔

میں تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ جب تک اسے پکڑے رہو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کی دراز رسی ہے۔ دوسرے میری اولاد گھر والے یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئینگے

لہٰذا تم دیکھو کہ تم ان دونوں میں میری کیسی نیابت کرتے ہو۔	

حدیث نمبر ۶: مسلم شریف نے عبدالمطلب ابن ربیعہ سے روایت کی۔

اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَ اِنَّمَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ	یہ صدقے لوگوں کے میل ہیں یہ صدقے نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہیں نہ حضور کی اولاد کے لئے۔

یہ تمام برکتیں سید حضرات کو صرف اس لئے حاصل ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل شریف سے ہیں۔ غیر سید خواہ کتنا ہی پرہیزگار ہو اسے یہ خوبیاں حاصل نہیں ہو سکتیں معلوم ہوا کہ خاندان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف ہے۔

حدیث نمبر ۷: ردالمختار جلد اوّل باب غسل میت میں بحوالہ حدیث شریف فرمایا

کُلُّ نَسَبٍ وَّ سَبَبٍ مُّنْقَطِعٌ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلَّا نَسَبِیْ وَ سَبَبِیْ۔	یعنی قیامت کے دن ہر نسبی اور سسرالی رشتے کٹ جائیں گے اور کام نہ آئیں گے مگر میرا نسب اور سسرالی رشتہ کام آئے گا۔

پھر فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کلثوم بنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کی بنا پر نکاح کیا تاکہ حضرت علی شیر خدا سے آپ کا سسرالی رشتہ قائم ہو جائے پھر فرمایا قرآن شریف میں جو ہے فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ط قیامت میں نسب کام نہ آئیں گے۔ اس آیت کے حکم سے حضور کا نسب شریف علیحدہ ہے وہ ضرور کام آئیگا جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ساری امت کو بخشوائیں گے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنی اولاد کو نہ بخشوائیں۔ سادات کرام کے نسب پاک کو یہ افضلیت اس لئے ہے کہ وہ حضور کا خاندان ہے۔

حدیث نمبر ۸:

اَلنَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَیْشٍ
مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِهِمْ
وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِكَافِرِهِمْ۔
(مسلم، بخاری، مشکوٰۃ باب مناقب قریش)

تمام لوگ قریش کے تابع ہیں۔ عام مسلمین مسلمان قریش کے تابع ہیں اور کافر لوگ کفار قریش کے فرمانبردار

حدیث نمبر ۹

لَا یَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ فِیْ قُرَیْشٍ مَا بَقِیَ مِنْهُمْ اثْنَانِ (بخاری مسلم)

یہ خلافت قریش میں ہی رہے گی جب تک ان کے دو آدمی بھی ہوں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمان قریش کے تابع ہیں۔ اور خلافت اسلامیہ قریش ہی کے لئے ہے۔

عقلی دلائل

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاندان تمام خاندانوں سے اعلیٰ اور اشرف ہو چند وجوہ سے۔

دلیل نمبرا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے کنکروں پتھروں یا نوروں کو عزت حاصل ہے کہ حضور کی ناقہ شریف تمام اونٹوں سے افضل حضور کے شہر کے کنکر پتھر بادشاہوں کے تاجوں سے افضل۔ کہ رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی قسم فرمائی لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ تو جو حضرات حضور کے لختِ جگر نور نظر ہوں وہ دوسرے قبیلوں سے ضرور افضل ہیں۔

دلیل نمبر ۲: تمام لوگ زکوٰۃ صدقات کھا سکتے ہیں مگر سید صاحبان نہ زکوٰۃ لے سکیں نہ کوئی اور واجب صدقہ۔ کیونکہ یہ مال کا میل ہے اگر یہ نسب شریف بھی اور نسبوں کی طرح ہوتا تو دوسروں کی طرح انہیں بھی زکوٰۃ

کھانا جائز ہوتی معلوم ہوا کہ یہ نسب شریف نہایت ہی پاک ستھرا اور دیگر نسبوں سے اعلیٰ ہے۔

دلیل نمبر ۳: سادات کرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ نماز میں درود ابراہیمی میں حضور کے ساتھ ان پر بھی درود پڑھا جاتا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ پٹھان، شیخ وغیرہ کسی قوم کو درود میں داخل نہ فرمایا گیا۔ سوا اس خاندان شریف کے یوں سمجھو کہ اس خاندان کی تعظیم نماز میں داخل ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام خاندانوں سے افضل یہ خاندان ہے۔

دلیل نمبر ۴: حضرت طلحہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فصد کا خون بے ادبی کے خوف سے پی لیا۔ تو سرکار نے فرمایا اب تمہارے پیٹ میں درد نہ ہوگا۔ اور تمہیں اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے بچالے گا۔ جب حضور کا خون شریف پیٹ میں پہنچنے کا یہ اثر ہو تو جن کا خمیر حضور کے خون شریف سے ہو ان کی عظمت کا کیا پوچھنا!

دلیل نمبر ۵: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز تمام پیغمبروں کی چیزوں سے اعلیٰ ہے۔ دیکھو حضور کی امت ساری امتوں سے افضل کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ تم ساری امتوں سے افضل ہو۔

حضور کی بیویاں تمام جہانوں کی بیویوں سے افضل یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ حضور کا شہر تمام نبیوں کے شہروں سے افضل۔ حضور کے صحابہ کرام تمام نبیوں کے صحابیوں سے افضل۔ اسی قاعدے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد تمام پیغمبروں کی اولاد سے اعلیٰ و افضل ہونی چاہیئے ورنہ کیا وجہ ہے کہ حضور کی نسبت اور تمام چیزوں کو اعلیٰ و افضل کر دے۔ اور اولاد شریف میں کوئی عظمت پیدا نہ کرے۔

جواباً: اب تک سائل کے سوال کا جواب دیا گیا۔ اب زید کے اعتراض کا جواب بھی سنتے چلو۔

اعتراض ۱: زید کی پیش کردہ آیت یعنی اِنَّا جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ اس کا مطلب وہ نہیں جو زید نے سمجھا کہ اسلام میں حضور کے خاندان کو دوسرے خاندانوں پہ کوئی بزرگی نہیں۔ اگر اس آیت کا یہ منشا ہو تو ان آیات سے تعارض اور مقابلہ ہو جائے گا۔ جو ہم نے پیش کیں۔ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ مسلمان سارے ہی عزت والے ہیں۔ خواہ کسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں۔ کسی اسلامی قوم کو ذلیل نہ جانو۔ جیسا کہ عرب میں رواج تھا۔ کہ بعض قوموں کو حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔ یعنی مسلمانوں میں کوئی قوم ذلیل نہیں۔ ہاں بعض بعض سے افضل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ	عزت اللہ رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔

اس میں سارے مسلمان شامل ہیں۔ بلاتشبیہ یوں سمجھا جائے کہ سارے ہی نبی عزت والے اللہ کے پیارے ہیں کسی پیغمبر کی ادنیٰ بے ادبی بھی کفر ہے۔ مگر بعض نبی بعض سے افضل ہیں۔ یا اس آیت کا منشا یہ ہے کہ کوئی نسبتی فضیلت کے گھمنڈ میں تقویٰ و پرہیزگاری نہ چھوڑے یہ دھیان رکھے کہ اللہ کے نزدیک جتنا تقویٰ زیادہ اتنا ہی درجہ زیادہ بلکہ بہت بڑی قومیت والوں کو بڑا تقویٰ چاہیئے۔ یا اس آیت کا منشا یہ ہے کہ مسلمان کسی مسلمان کو قومی طعنہ نہ دیں۔ اور نہ کسی مسلمان کو کمین سمجھے نہ کسی مسلمان کا قومی تمسخر اڑائے۔ ہر مسلمان واجب تعظیم و احترام ہے اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے۔

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ	کوئی قوم کسی کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے کہ جس کا مذاق اڑا رہا ہے وہ

اس سے بہتر ہو۔

کسی خاندان کے افضل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ دوسرے کو ذلیل جانو۔ لہذا سادات کرام کو یہ حق حاصل نہیں کہ دوسرے مسلمانوں کو حقیر و ذلیل جانیں ہر مسلمان کا احترام لازم ہے مگر دوسرے مسلمانوں کو چاہیئے کہ سادات کرام کا اس لئے اعزاز و اکرام کریں کہ یہ لوگ اس رسول کی اولاد ہیں جنہوں نے ہمیں کلمہ پڑھایا۔ جنہوں نے ہمیں قرآن و ایمان دیا صلی اللہ علیہ وسلم۔

اعتراض نمبر ۲: بعض لوگ اس آیت سے دھوکا کھاتے ہیں۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ | ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں نہ کوئی نسب کام آئے گا نہ اولاد۔

اس ارحام اور اولاد میں سارے رشتے اور ساری اولادیں داخل ہیں خواہ نبیوں کی اولاد ہو یا ولیوں کی۔

جواب: اس آیت کریمہ میں ان مسلمانوں سے خطاب ہے جن کی اولاد اور قرابت دار کافر تھے اور وہ مسلمان رشتے کی بنا پر ان کی طرفداری کرتے تھے۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ تم اسلام کے مقابلہ میں ان کافر قرابت داروں کی حمایت نہ کرو۔

اس آیت کو انبیاء کرام کے رشتوں اور صالح اولاد سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس رکوع کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے شروع فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (الآیۃ) | اے مسلمانو! تم میرے اور اپنے دشمنوں یعنی کافروں کو دوست نہ بناؤ

اور یہ رکوع حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوا جنہوں نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کی خاطر کفار مکہ کی جاسوسی کی کہ

مسلمانوں کے خفیہ راز انہیں لکھ بھیجے کیونکہ ان کے بچے مکہ معظمہ میں کفار کے پاس تھے اس تمہاری پیش کردہ آیت کے آخر میں ہے یَفۡصِلُ بَیۡنَکُمۡ اللہ قیامت میں تم میں اور تمہارے ان رشتہ داروں میں فاصلہ کر دے گا کہ تمہیں جنت میں اور انہیں دوزخ میں داخل فرما دے گا۔ اس آیت کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ مسلمانوں کو بتا رہا ہے کہ انہوں نے اسلام کے مقابلہ میں اپنی کافر قوم سے پوری طرح علیحدگی اختیار کی ان تمام علامتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کافر رشتہ دار مراد ہیں اس آیت کی تفسیر یہ آیت شریفہ ہے :

لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَھُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَھُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَھُمۡ (الآیہ)

آپ مسلمانوں کو ایسا نہ پائیں گے کہ وہ اللہ رسول کے دشمنوں سے محبت رکھیں اگرچہ وہ ان کے باپ دادے ہوں۔ یا بیٹے پوتے ہوں یا کنبہ والے ہوں۔ (الآیہ)

نیز فرمایا :

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ وَاَوۡلَادِکُمۡ عَدُوًّا لَّکُمۡ فَاحۡذَرُوۡھُمۡ

اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں ان سے پرہیز کرو۔

ان آیات نے بتایا کہ اس آیت کریمہ میں کافروں کے رشتہ دار اور کافر اولاد مراد ہیں۔

اعتراض نمبر ۳ :

یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَھُمۡ یَوۡمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوۡنَ۔

جس دن صور پھونکا جائے گا تو نہ ان بندوں کے آپس کے رشتہ رہیں گے۔ اور نہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سارے نسب بیکار ہیں خواہ نبی کا نسب ہو یا ولی کا کوئی قیامت میں کام نہ آوے گا۔ لہٰذا سیّد اور غیر سید دل میں کوئی فرق نہیں۔

جواب: اس آیت کریمہ میں قیامت کی دہشت اور اس کے اوّل دفت کی افراتفری کا ذکر ہے کہ جب عدل الٰہی کا ظہور ہوگا تو نسبتی محبتیں اور قرابت کی مدد وغیرہ سب ختم ہو جائیں گی۔ اور ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ کسی کو دوسرے کی فکر نہ ہوگی جس کی تفصیل دوسری جگہ رب تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ۔	اس دن انسان اپنے بھائی اور ماں باپ بیوی و اولاد سے بھاگے گا۔ ہر شخص کا یہ حال ہوگا کہ دوسرے سے بے خبر کر دے گا۔

اس آیت میں بعض نسبوں کی عظمت کا انکار نہیں ہے نسب کی عظمت اور چیز ہے اور قیامت کی دہشت دوسری چیز قیامت کے اول دفت تو دیگر انبیاء کرام بھی شفاعت سے انکار فرمائیں گے۔ اور سوائے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بھی بارگاہ میں لب کشائی کی جرأت نہ کرے گا۔ تو کیا اس ہیبت ذوالجلال سے یہ لازم ہے کہ وہ حضرات عزت والے نہیں ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ قیامت کی وحشت بھی عام انسانوں کو ہوگی۔ اللہ کے بعض خاص بندے اس وحشت سے محفوظ ہوں گے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔	انہیں قیامت کی بڑی گھبراہٹ غمگین نہ کرے گی اور ان کا فرشتے استقبال کریں گے۔

نیز فرماتا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔	اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو اس دن خوف نہ ہوگا وہ غمگین ہوں گے۔

بلکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ اللہ کے پیارے بندوں کی دوستی وہاں بھی قائم رہے گی اور دوسری دوستیاں دشمنی سے بدل جائیں گی۔

فرماتا ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ط اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ۔	اسی دن دوست بعض بعض کے دشمن بن جائیں گے۔ سوا پرہیزگاروں گے۔

غرضیکہ اس آیت سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں انبیائے کرام کے نسب کو بزرگی نہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت میں نسب کام نہ آئیں گے۔

اعتراض نمبر ۴: حدیث شریف میں ہے کہ سب کی پیدائش آدم علیہ السلام سے ہے اور آدم علیہ السلام کی پیدائش خاک سے پتہ لگا۔ کہ سب انسان نسب میں برابر ہیں اور کسی کو کسی پر کوئی عظمت نہیں۔

جواب: اس حدیث کا مقصد بھی وہی ہے کہ کوئی قبیلہ کسی خاندان کو برا نہ سمجھے ذلیل نہ جانے کیونکہ سب کی اصل خاک ہے۔ اور خاک میں عجز و انکسار ہے۔ ایسی عجز و انکسار کی وجہ سے خاک میں پھل پھول باغ کھیت ہوتے ہیں۔ آگ میں تکبر و غرور ہے اس لئے وہاں یہ کچھ نہیں ہوتا یہ مقصد نہیں کہ کسی نسب کو کسی دوسرے پر فضیلت نہیں بلکہ حدیث سے اشارہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ بعض نسب بعض سے افضل ہیں کیونکہ سب انسانوں کی اصل خاک ہے اور بعض خاک دوسری خاک سے افضل ہے مدینہ پاک کی خاک دوسری خاک سے

بڑھ کر۔ مسجد کی خاک بازار کی خاک سے بہتر۔ جبریل امین کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک فرعونی گھوڑے کی خاک سے بہتر (از قرآن) عمدہ زمین کی خاک شورہ زمین کی خاک سے بہتر کہ شورہ زمین میں کچھ نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح جن نسبوں کو انبیاء کرام سے تعلق ہو گیا۔ ان کی خاک دوسرے نسبوں کی خاک سے افضل ہے۔ نیز خاک میں دو خصوصی صفتیں ہیں ایک یہ کہ ہمیشہ نیچے کو گرتی ہے اگر وہ اوپر کو آجائیگی۔ تو دوسرے کے پھینکنے سے اور خارجی طاقت سے دوسرے یہ کہ خاک ہمیشہ پھل پھول اگانے میں پانی کی محتاج ہے۔ اسی طرح ہر انسان طبعی طور پر پستی کی طرف گرتا ہے ہاں اللہ والوں کی نظر کی برکت سے اسے بلندی بھی ملتی ہے اور فیض بھی حاصل ہوتا ہے۔ سادات کرام کو یہ عظمت اپنی ذاتی طور پر نہیں ملی بلکہ اس لیے کہ انہیں نبوت کی نسبت نے بلند کر دیا۔

اعتراض نمبر ۵ : حدیث پاک میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

یَا فَاطِمَۃُ سَلِیْنِیْ مِنْ مَالِیْ مَا شِئْتِ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ۔	اے فاطمہ تم جو چاہو میرا مال مانگ لو میں تم سے خدا کا عذاب دور نہیں کر سکتا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور کا نسب ان کی خاص صاحبزادی کے لئے بھی فائدہ مند نہ ہوا۔ تو دوسرے سیّدوں کو کیا کام آوے گا۔ جو اور نسبوں کا حال ہے وہی حضور کے نسب کا حال ہے۔

جواب : یہ حدیث اول تبلیغ کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کا حکم دے رہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ ایمان لاؤ اگر یہ ایمان قبول نہ کیا تو یہ سب نسب کام نہ آوے گا۔ اور جو شخص حضور کے نسب میں تو ہو مگر مومن نہ ہو وہ سیّد نہیں کیونکہ وہ مسلمان ہی نہیں رب تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرماتا ہے

اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ۔	اے نوح! یہ کنعان تمہارا گھر والا نہیں کیونکہ وہ بدکار ہے۔

کوئی مرزائی، رافضی، چکڑالوی، وہابی سید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سید ہونے کے لئے ایمان ضروری ہے اور وہ ایمان سے بے بہرہ ہے۔ کفر کی وجہ سے سارے نسبتی رشتہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ اسی لئے کافر نہ مومنہ سے نکاح کر سکے اور نہ مومن کی میراث پائے اور نہ مومنوں کے قبرستان میں دفن ہو۔ جب کافر اولاد کو مومن باپ کی مالی میراث نہیں مل سکتی تو کافر کو نسبی شرافت و عزت کیسے مل سکتی ہے۔ ابولہب بنی ہاشم سے ہے مگر اس کی کوئی شرافت نہیں لہٰذا صرف مومن سادات کرام انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے ضرور فائدہ پہنچے گا۔ حضور کی نسبت سے سارے مسلمان فائدہ اٹھائیں گے کہ جہنمی جنتی ہو جائیں گے اور گنہگار معافی پائیں گے۔ جب نسبت کام آ رہی ہے تو نسب کیوں نہ کام آوے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔	اگر یہ لوگ جب بھی اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس آ جاویں اور اپنے رب سے بخشش مانگیں اور تم بھی شفاعت کرو تو اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔	اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ حالانکہ اے محبوب ان میں تم ہو۔

خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ	میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لئے ہے۔

نیز فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

يَخْرُجُ قَوْمٌ مِّنَ النَّارِ	حضور کی شفاعت سے ایک

بِشَفَاعَۃِ مُحَمَّدٍ یُسَمَّوْنَ الْجَہَنَّمِیِّیْنَ۔ (بخاری)	بہت بڑی جماعت دوزخ سے نکلے گی جنہیں جہنمی کہا جائے گا۔

شفاعت کی آیات اور احادیث بہت ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی شفاعت ہر اس شخص کو نصیب ہوگی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔

لہٰذا یقیناً حضور کی اولاد خصوصی شفاعت سے فائدہ اٹھائے گی۔

خاتمہ اور ضروری ہدایات

سَادَاتِ کرام کے متعلق چند ضروری باتیں اور خاص ہدائتیں یاد رکھنی چاہئیں:

پہلی ہدایت: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد جو حضرت خاتونِ جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ہے اسے سیّد کہتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد جو دوسری بیویوں کے بطن سے ہے اسے علوی کہتے ہیں سیّد نہیں کہتے۔ جیسے محمد ابن حنفیہ وغیرہم۔ یہ تمام فضائل اس اولاد شریف کے ہیں جو حضرت فاطمہ زہرا خاتون جنت کے بطن سے ہوں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف میں یہ ہی حضرات داخل ہیں۔

دُوسری ہدایت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو سیّد دو وجہ سے کہتے ہیں ایک یہ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں شہزادوں حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق ارشاد فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔	میرے حسن و حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

یعنی جوانی میں جو فوت ہوئے ان کے سردار ہیں نیز امام حسین رضی اللہ

عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ لَعَلَّ اللّٰہَ یُصْلِحُ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

میرا یہ فرزند سیّد یعنی سردار ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرادے

چونکہ ان شہزادوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّد فرمایا اس لئے ان کی اولاد کو بھی سیّد کہا گیا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ سید کے معنی ہیں سردار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے سید المرسلین یہ حضرات ان کی اولاد ہیں ہیں تو رسولوں کے سردار کی اولاد بھی مسلمانوں کی سردار کہلاتی ہے۔ سبحان اللہ حضور نبیوں کے سردار حضرت علی شیر خدا ولیوں کے سردار، حضرت فاطمہ زہرا مسلمان بیبیوں کی سردار، حضرت حسنین شہیدوں کے سردار۔ سرداری ان پر عاشق ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے۔ سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ غرضیکہ اللہ کے پیاروں کو خود رب تعالیٰ نے سیّد فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّد فرمایا۔

تیسری ہدایت: سیّد وہ ہوگا جس کا باپ سیّد ہوگا۔ اگر ماں سیّدانی ہے اور باپ غیر سیّد تو وہ سیّد نہیں۔ نہ اس پر سیّد کے احکام جاری ہوں اسے زکوٰۃ کھانا بھی جائز ہے۔ کیونکہ نسب باپ سے ہے نہ کہ ماں سے اور اگر باپ سید ہے اور ماں غیر سیّد تو وہ سیّد ہی ہے۔ اور اگر دونوں ماں باپ سیّد ہیں تو وہ نجیب الطرفین سید ہے۔ جیسے حضور غوث ثقلین رضی اللہ عنہ کہ والد حسنی سید اور والدہ حسینی سیّد۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی حسنی سیّد ہوں گے۔ فی زمانہ حسنی سیّد کم ہیں حسینی سیّد زیادہ ہیں مگر دونوں واجب التعظیم ہیں۔

چوتھی ہدایت: سیّد حضرات کے جو فضائل بیان ہوئے ان کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حضرات نیک کام نہ کریں۔ نماز نہ پڑھیں صرف خاندانی شرافت

کی وجہ سے وہ اعمال سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ خیال محض غلط اور باطل ہے۔ سادات کرام کو دوسروں سے زیادہ نیکیاں کرنی چاہئیں تاکہ وہ حضرات اوروں کے لئے مثال بنیں۔ فسٹ کلاس والے مسافر کو تھرڈ کلاس والے مسافر سے زیادہ روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ انہیں لازم ہے کہ وہ اپنے اسلاف کا نمونہ بنیں۔ امام حسین نے خنجر کے نیچے نماز پڑھی اگر ان کی اولاد بلا وجہ نماز چھوڑے۔ تو بڑے افسوس کی بات ہے۔

پانچویں ہدایت : جتنے سادات کرام کے فضائل بیان ہوئے وہ ان کے لئے ہیں جو صحیح النسب خاندانی سیّد ہوں۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے لے کر ان تک ان کی نسل میں غیر سید نہ آیا ہو فی زمانہ نقلی سیّد بہت بن گئے کہ سیّد نہیں مگر سیّد کہلاتے ہیں یہ سخت حرام اور شدید ترین جرم ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس غلام پر لعنت فرمائی جو اپنے کو غیر مولیٰ کی طرف نسبت کرے اور اس شخص پر لعنت فرمائی جو اپنے کو غیر خاندان سے منسوب کرے۔ جو سیّد نہ ہو اور سیّد بنے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا بھی مستحق ہے۔ نیز وہ اپنی ماں کو گالی دیتا ہے اس کا نکاح غیر سید سے ہوا۔ اور وہ سید کو اپنی ماں کا خاوند بناتا ہے۔ دیکھو حضرت زید ابن حارث رضی اللہ عنہ حارثہ کے بیٹے تھے انہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا۔ لوگ بھی انہیں اسی وجہ سے زید ابن محمد کہتے تھے۔ قرآن کریم نے اس سے سخت منع فرمایا۔ ارشاد فرمایا :

وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ اَدْعِيَاۤءَكُمْ اَبْنَاۤءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ۔	اللہ نے تمہارے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہ بنایا۔ یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے۔

پھر اسی سے بھی منع فرمایا کہ ارشاد فرمایا :

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۤئِهِمْ	انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر

هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ۔

پکارا کرو یہ اللہ کے نزدیک ٹھیک ہے۔

پھر اگر تمہیں ان کے باپ نہ معلوم ہوں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں۔ جب حضرت زید کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہنا حرام ہوا۔ حالانکہ وہ حضور کے پروردہ اور پالک بھی تھے تو جو کوئی اپنے کو سید کہہ کر حضور کی اولاد کہے۔ حالانکہ وہ سید نہ ہو وہ اس آیت کی رُو سے کتنا بڑا مجرم ہے۔ نیز جو لوگ غصہ میں اپنی بیوی کو ماں کہہ دیں ان کے بارے میں قرآن شریف یوں فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ اَزۡوَاجَكُمُ الّٰٓـئِىۡ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ اُمَّهٰتِكُمۡ۔

اور تمہاری ان بیویوں کو جنہیں تم اپنے ماں کے برابر کہہ دو۔ رب نے تمہاری ماں نہ بنایا۔

دوسری جگہ انہیں ظہار کرنے والوں کے متعلق قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّذِيۡنَ يُظٰهِرُوۡنَ مِنۡكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِهِمۡ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمۡ اِنۡ اُمَّهٰتُهُمۡ اِلَّا الّٰٓـئِىۡ وَلَدۡنَهُمۡ وَاِنَّهُمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ مُنۡكَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَزُوۡرًا

وہ جو تم میں سے اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی جگہ کہہ دیں وہ ان کی مائیں نہیں انکی مائیں تو وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے۔ اور بے شک یہ لوگ بُری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں۔

جب اپنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے کو قرآن کریم نے بُری بات اور جھوٹ قرار دیا۔ اور ان کی سخت سزا مقرر فرمائی۔ تو اپنے غیر

باپ کو باپ کہنے والا بھی قرآن کے اس فتویٰ کی رُو سے بڑا جھوٹا اور عذاب نار کا مستحق ہے۔ غرضیکہ جو سیّد نہ ہو اور اپنے کو سیّد کہے وہ اپنی ماں کو گالی دیتا ہے۔ اور نبی کریم کے نزدیک لعنتی ہیں۔ رب کے نزدیک جھوٹے فریبی، مکار، مستحق عذاب نار ہیں۔ مسلم شریف کتاب الایمان میں ہے۔

مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ غَيْرُ اَبِيْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ

جو اپنے کو اپنے غیر باپ کی طرف نسبت کرے اور جانتا ہو کہ یہ اس کا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے

دوسری روایت یہ ہے۔ مَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِيْهِ فَهُوَ كُفْرٌ۔

تیسری روایت میں ہے۔ مَنِ ادَّعٰى اَبًا فِي الْاِسْلَامِ غَيْرَ اَبِيْهِ يَعْلَمُ اَنَّهٗ غَيْرُ اَبِيْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ

یعنی جو دیدہ دانستہ اپنے کو اپنے غیر باپ کی طرف نسبت کرے تو اس پر جنت حرام ہے۔ اور وہ کافر ناشکرا ہے۔

چھٹی ہدایت: سیّد قوم کا آدمی اگر اسلام سے خارج ہو جائے ہندو، سکھ یا مرزائی رافضی وغیرہ بن جائے تو نہ وہ سیّد ہے نہ اس کے یہ فضائل ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ کیونکہ کفر کی وجہ سے اس کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ گیا۔ وہ شریعت میں اپنے باپ کے خاندان سے ہی نہ رہا۔ قرآن کریم نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کے بارے میں فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ

اے نوح یہ کنعان تمہارا گھر والا نہیں اس کے عمل خراب ہیں۔

جب نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا کنعان کفر کی وجہ سے ان کا بیٹا نہ رہا۔ تو اب اس قسم کے بے دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کیسے بن

سکتے ہیں۔ نیز قرآن کریم عاص بن وائل کے بارے میں فرماتا ہے۔
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ اے محبوب تمہارا بدگو ادتر ہے۔
دیکھو عاص ابن وائل صاحب اولاد تھا۔ مگر رب تعالیٰ نے اسے ابتر یعنی بے اولاد فرمایا۔ کیونکہ اس کی ساری اولاد مسلمان ہو گئی اور وہ کافر رہا لہذا نہ وہ اس اولاد کا باپ مانا گیا۔ اور نہ وہ لوگ اس کی اولاد۔ پتہ لگا کہ دین کے اختلاف سے نسب ختم ہو جاتا ہے نسب کے لئے دین میں اتحاد شرط ہے۔ بلکہ اس پر شریعت کے احکام بھی جاری نہیں ہوتے۔ چنانچہ مسلمان باپ کا کافر بیٹا میراث نہیں پاتا۔ بلکہ کافر بیٹا دوسرے وارثوں کے لئے حاجب نہیں بنتا۔ نہ حجب حرمان نہ حجب نقصان باپ کے ساتھ قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتا۔ باپ اس کافر بیٹے کی شرعی تجہیز و تکفین نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعض مومن مائیں اپنے کافر بیٹے سے پردہ کرتی ہیں۔ کافر مرد کا مومنہ عورت سے نکاح نہیں ہوتا۔ غرضیکہ جنازہ۔ میراث۔ نکاح۔ دفن کفن وغیرہ احکام نہ وہ کافر کا باپ نہ مومن کی اولاد۔

اسی طرح جو اپنے کو سید کہے گا مگر ہو مرتد وہ مسلمان ہی نہیں، سید ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔ الحمد للہ کہ یہ فتویٰ بہت مشغولیت کی حالت میں بقدر ضرورت مکمل ہوا۔ اس کا نام الکلام المقبول فی طہارۃ نسب الرسول رکھتا ہوں رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

مفتی احمد یار خاں

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

ایمان دو نہیں نبی قرآن دو نہیں
اسلام ایک ہی ہے کہ رحمٰن دو نہیں

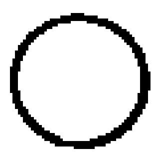


معہ اضافاتِ جدیدہ

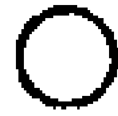
ایک اسلام

جس میں

قوی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام میں
حدیث کی سخت ضرورت ہے،



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم



حضرت اخی محترم سید معصوم شاہ صاحب قادری دام ظلہم نے فرمائش کی کہ ایک رسالہ لکھا جائے۔ جس میں حدیث شریف کی ضرورت کے متعلق کچھ مضمون ہو۔ کیونکہ آج کل بعض لوگ مسلمانوں کے ایمان پر برق گرا رہے ہیں۔ اور کئی کتابیں اسی موضوع پر لکھ رہے ہیں۔ کہ "قرآن ہی کافی ہے حدیث شریف کا ماننا بالکل عبث ہے"

میں حضرت موصوف کے ارشاد کے مطابق بہت اختصار کے ساتھ کچھ عرض کرتا ہوں۔ اگر آیندہ ضرورت پڑی تو انشاءاللہ اسی کے متعلق مستقل رسالہ لکھ دیا جاوے گا۔ اس مضمون کے دو باب کرتا ہوں۔ پہلا باب ضرورت حدیث کے ثبوت میں، دوسرا باب اس پر سوال وجواب میں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

احقر

احمد یار خاں بدایونی

گجراتی

پہلا باب

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سارے وہ فرمان جن پر حضور کو باقی رکھا گیا سب رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن جن کا مضمون اور الفاظ سب بذریعہ وحی کے ہوں اسے قرآن کہتے ہیں اور جس کا مضمون تو رب کی طرف سے ہو مگر الفاظ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسے حدیث کہا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کی تلاوت نماز میں ہوتی ہے اور حدیث کی تلاوت وہاں نہیں ہوتی۔ حدیث کی تین قسمیں ہیں:

عا حدیث قولی یعنی حضور کے فرمان

ع۲ حدیث فعلی یعنی حضور کے دن رات کے اعمال

ع۳ حدیث سکوتی یعنی کسی کو کچھ کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا اور منع نہ کیا

اسی لئے قرآن کو وحی جلی اور حدیث کو وحی خفی کہتے ہیں۔

صحابہ کرام کے نزدیک قرآن وحدیث کا ایک ہی درجہ تھا کیونکہ انہوں نے حدیث خود حضور سے سنی تھی۔ اسی لئے انہوں نے حدیث کی وجہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کی حالانکہ تقسیم میراث کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے۔ ہم چونکہ بہت بعد میں پیدا ہوئے اس لئے ہم کو احادیث کے بارے میں بہت چھان بین کرنی پڑی جو احادیث متواتر یقینی طور پر ہم کو مل گئیں ان پر ہم نے قرآن کی طرح عمل کرنا ضروری جانا۔ جیسے نماز کی رکعات اور زکوٰۃ کی تعداد وغیرہ کی حدیثیں اور جو اس درجہ پر قطعی ثبوت کو نہ پہنچیں ان کو حسب مراتب مانا۔ غرضکہ قرآن و حدیث اسلام کے دو ایسے ضروری ستون ہیں جن کے بغیر اسلام کی چھت قائم نہیں رہ سکتی۔ اب بعض

لوگ بالکل آنکھیں بند کر کے حدیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ خود ہزارہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں مگر زبان سے انکار کئے جاتے ہیں۔ ہم احادیث کی ضرورت اوران کے اعتراضات کے جوابات ترتیب وار عرض کرتے ہیں۔ پہلے دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ یعنی فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی۔ قرآن پر عمل رب تعالیٰ کی اطاعت ہے اور حدیث پر عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ اور فقہا کا ماننا اولی الامر کی اطاعت ہے اسی لئے عام صحابہ کرام فقہا صحابہ کی اطاعت کرتے تھے۔ اگر صرف قرآن کی اطاعت ضروری تھی تو اس آیت میں تین کا ذکر کیوں فرمایا۔

(۲) وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کتاب یعنی قرآن اور حکمت یعنی حدیث سکھاتے ہیں۔ اگر حدیث کی ضرورت نہیں تو اس آیت میں کتاب کے ساتھ حکمت کا ذکر کیوں ہے؟

(۳) مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ط جو تم کو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیں وہ لے لو۔ اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اگر صرف قرآن ماننا چاہئے تو یوں فرمانا چاہیئے تھا کہ جو تمہیں ہم دیں وہ لے لو اور جس سے ہم منع کریں اس سے بچو! پتہ لگا کہ جو حضور سے ملے قرآن یا حدیث سب لو۔

(۴) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی معلوم ہوا کہ احادیث اور قرآن کا ایک ہی درجہ ہے۔ حدیث پر عمل بھی خدا کی اطاعت ہے۔

(۵) وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا مسلمانوں کی نشان یہ ہے کہ جب ان پر قرآنی آیات پڑھی جادیں

توان آیتوں پر اندھا دھند اپنی عقل سے نہیں گر پڑتے بلکہ اسے سمجھ کر عمل کرتے ہیں۔

(۶) وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ احادیث سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسے کہ گدھا اور کتا ان کی حرمت حدیث شریف سے ہی ثابت ہے۔

(۷) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے ہر جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مان لیں۔ اور حضور کو حاکم ماننے کی یہی صورت ہے کہ آپ کی ہر بات پر عمل کرے۔ اور یہی حدیث کا ماننا ہے۔

(۸) رب فرماتا ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ہم نے ہی قرآن اتارا ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ قرآن کے الفاظ۔ قرآن کے معنی۔ قرآن کے احکام۔ قرآن کے اسرار سب کا محافظ ہے۔ اسی لئے حافظ۔ قاری۔ عالم۔ مشائخ تا قیامت باقی رکھے۔ اور حدیث قرآن کے احکام و اسرار کے بقا کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو صلوٰۃ۔ زکوٰۃ کے لفظوں کی تو حفاظت رہی مگر یہ خبر رہی کہ صلوٰۃ ناچنے کو کہتے ہیں یا بھاگ دوڑ کو اور زکوٰۃ کپڑے دھونے کو کہتے ہیں یا کسی اور چیز کو غرضکہ قرآن کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ حدیث ہے۔

احادیث

(۱) فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کی مثل (حدیث) بھی عطا فرمایا گیا۔ عنقریب ایسا شخص پیدا ہو گا جو کہے گا کہ ہمیں قرآن ہی کافی ہے۔

خبردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرام فرمایا ہوا خدا تعالیٰ کے حرام فرمائے ہوئے کی طرح ہے۔ خبردار گدھا حرام ہے اور ہر کچیل والا جانور اکتا وغیرہ) حرام ہے (ابوداؤد۔ دارمی۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام)

(۲) فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنّت (مؤطا۔ مشکوٰۃ)

(۳) جو جماعت سے علیٰحدہ رہا۔ اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی (احمد۔ ابوداؤد، مشکوٰۃ)

(۴) بھیڑیا اس بکری کو پھاڑتا ہے جو ریوڑ سے علیٰحدہ ہو جاوے شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے علیٰحدہ ہو گا۔ شیطان کا شکار ہو جاوے گا۔ ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو۔ (احمد۔ مشکوٰۃ)

ہمیشہ سے مسلمان کتاب و سنت کو مانتے رہے۔ اب جو سنّت کا منکر ہے وہ جماعت سے علیٰحدہ ہے اور شیطان کے نرغہ میں ہے۔

(۵) فرماتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم جو حلال مال کھائے اور سنّت پر عمل کرے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں وہ جنّتی ہے (ترمذی مشکوٰۃ)

(۶) فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میری اُمّت کے ۷۳ فرقے ہوں گے۔ ایک کے سوا سارے دوزخی ہیں عرض کیا گیا۔ وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟

فرمایا مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ جس راستے پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(۷) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔ میرے صحابہ تارے ہیں جن کی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے (رزین مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہ)

عقلی دلائل

(۱) خود قرآن کا قرآن ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ ہم نے قرآن اُترتے جبرائیل علیہ السلام کو وحی لاتے نہ دیکھا۔ سرکار صلے اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قرآن ہے۔ ہم نے مان لیا اور سرکار کا یہ فرمان ہی حدیث ہے منکرین حدیث قرآن کو کلام اللہ ثابت نہیں کر سکتے۔

(۲) قرآن کی سورتیں اور آیتیں اور اس کی مقدار حدیث سے ثابت ہے۔ یہ کیسے پتہ چلا کہ اتنا قرآن، اتنی سورتیں۔ اتنی آیتیں رب کی طرف سے نازل ہوئیں۔ منکرین حدیث کبھی ثابت نہیں کر سکتے۔

(۳) حدیث کے بغیر قرآن پر عمل نہیں کر سکتے۔ بہت جگہ رب فرماتا ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ حدیث کا انکار کرنے والا نماز کا طریقہ اور تعداد اور زکوٰۃ کی مقدار اور ادا کرنے کا طریقہ قرآن سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتا اسی طرح قرآن کے سارے احکام کا حال ہے گویا حدیث قرآن کی شرح ہے۔

(۴) حدیث کے بغیر کوئی مسلمان مذہبی زندگی نہیں گزار سکتا لاکھوں مسائل حدیث سے ثابت ہیں۔ ہم کو قرآن میں نہیں ملتے۔ بتاؤ کُتّے اور گدھے کی حرمت کس آیت میں مذکور ہے۔ چکڑالویوں کو چاہیئے کہ کُتا گدھا کھایا کریں۔ قرآن نے صرف سُور، مردار وغیرہ تین چار جانوروں کو حرام فرمایا ہے۔ باقی سب کی حرمت حدیث ہی سے ثابت ہے۔

(۵) سنّت فرائض کے لئے اور حدیث قرآن کے لئے ایسی ہے۔ جیسے کھانے کے لئے پانی جیسے کھانا بغیر پانی کے نہ پک سکے۔ نہ کھایا جا سکے۔

ایسے ہی قرآنی احکام سنت کے بغیر نہ ادا ہو سکیں نہ باقی رہ سکیں۔ نماز فرض ہے۔ ہاتھ باندھنا۔ سبحان اللہ پڑھنا۔ التحیات، درودِ ابراہیمی اور سلام سب سنتیں ہیں۔

چکڑالوی ایک نماز ایسی پڑھ کر دکھائیں۔ جو صرف قرآن کی نماز ہو۔ حدیث سے اس میں مدد نہ لی گئی ہو۔

(۶) قرآن گمراہ بھی کرتا ہے اور ہدایت بھی دیتا ہے۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ط لیکن سچوں کے ساتھ رہنا ہدایت کا باعث ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچوں کے ساتھ رہو۔ اور فرماتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ خدایا ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت کر۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا اور حدیث و فقہ کا ماننا سارے علماء۔ اولیا۔ صالحین کا راستہ ہے۔ اسی میں ہدایت ہے اور حدیث کا انکار ان کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس میں گمراہی ہے۔

(۷) قرآن کتاب اللہ ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور اللہ ہیں رب فرماتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ کتاب بغیر روشنی کے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ ایسے ہی قرآن بغیر حضور کے فرمان کے فائدہ نہیں دے سکتا۔

یہ بھی خیال رہے کہ وہ ہی دین سچا ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں جو مذہب اولیاء اللہ سے خالی ہے وہ باطل ہے اسی شاخ میں سبزہ اور پھل پھول لگتے ہیں جس کا تعلق جڑ سے قائم ہو اولیاء اللہ درخت ملت کے پھل پھول ہیں۔ دیکھو بنی اسرائیل میں پہلے صدہا اولیاء اللہ ہوئے۔ لیکن جب سے ان کا دین منسوخ ہوا اس سے ولایت ختم ہو گئی آج اسلام میں بہت فرقے ہیں۔ لیکن سوا اہل سنت والجماعت کے کسی فرقے میں اولیاء اللہ نہیں کوئی چکڑالوی وغیرہ

اپنے دین میں کوئی دلی دکھا دیں۔ معلوم ہوا کہ بحمدہٖ تعالیٰ جماعت اہل سنت ہی برحق ہے۔

دُوسرا باب

اِس پر اعتراض و جواب میں

منکرین حدیث کے چند مشہور اعتراضات ہیں جو وہ ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔ ہم وہ تمام اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱: رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ ہم نے قرآن شریف آپ پر ہر چیز بیان کرنے کے لئے اتارا۔ جب قرآن نے سب کچھ بیان کر دیا تو حدیث کی کیا ضرورت رہی۔

جواب: قرآن شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر چیز کا کھلا بیان ہے نہ کہ ہم جیسے ناسمجھ انسانوں کے لئے اسی لئے عَلَيْكَ فرمایا گیا۔ آپ براہ مہربانی زکوٰۃ کی مقدار قرآن شریف سے نکال دیں۔

(۲) رب فرماتا ہے۔ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ۔ نہیں ہے کوئی خشک وتر چیز مگر روشن کتاب یعنی قرآن میں ہے۔ جب ہر چیز قرآن میں ہے تو حدیث سے کیا لیتے ہو۔

جواب: بے شک قرآن شریف میں ہر چیز ہے۔ مگر اس سے ہر چیز نکالنے کے لئے کامل عقل کی ضرورت ہے تم نہیں نکال سکتے۔ سمندر میں واقعی موتی ہیں۔ مگر غوطہ خور نکال سکتے ہیں۔ دُوسرا آدمی ڈوب جاوے گا۔ دواخانہ میں بیشک دوائیں ہیں۔ مگر اس کا استعمال طبیب کرا دے گا۔

اعتراض نمبر ۳: رب فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ: ہم نے قرآن ذکر کے لئے آسان کر دیا۔ جب قرآن

رب کچھ ہے اور قرآن آسان بھی ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔

جواب : قرآن کریم حفظ کرنے کے لئے آسان ہے نہ کہ مسائل نکالنے کے لئے اسی لئے لِلذِّکْرِ فرمایا گیا۔ توریت و انجیل کا کوئی حافظ نہ ہوا۔ قرآن شریف کو بچے بھی حفظ کر لیتے ہیں۔ آسان کرنے کے یہ معنی ہیں۔ اگر مسائل نکالنے کے لئے آسان ہوتا تو اس کی تعلیم کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں بھیجے جاتے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ بڑا مدرس بڑی کتاب پڑھاتا ہے۔

اعتراض ۴ : خلفائے راشدین لوگوں کو حدیث روایت کرنے سے روکتے تھے جب صحابہ کرام روایت حدیث سے باز رہے تو بعد کے لوگوں کو حدیثیں کیسے پہنچیں؟

جواب : صحابہ کرام روایت حدیث سے منع نہ کرتے تھے بلکہ روایت میں بے احتیاطی کرنے سے منع فرماتے تھے۔ تاکہ غلط باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جاویں۔ اگر اصل حدیث کی روایت سے روکتے تو آج دین ختم ہو جاتا۔ کیونکہ بغیر حدیث دین قائم نہیں رہ سکتا۔ آج صحابہ کرام کی ہزارہا روایتیں موجود ہیں۔ چنانچہ مسلم باب الاستیذان میں ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا۔ اَقِمْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ وَاِلَّا اَوْجَعْتُكَ اس حدیث شریف پر گواہ لاؤ ورنہ تم کو سزا دوں گا۔ پھر جب ابن ابی کعب نے گواہی دی تب قبول فرمائی اسی روایت سے پتہ لگا کہ صحابہ کرام حدیث کی روایت میں بہت تحقیق کرتے تھے تاکہ منافقین کو حدیث گھڑنے کی جرأت نہ ہو۔

چنانچہ اس حدیث کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں :

وَلٰكِنْ خَافَ عُمَرُ مُسَارَعَةَ النَّاسِ اِلَى الْقَوْلِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَا يَقُوْلَ عَلَيْهِ بَعْضُ الْمُبْتَدِعِيْنَ اَوِ الْكَاذِبِيْنَ

آیۃ المنافقین۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا حَدِّثُوْا عَنِّیْ وَلَا حَرَجَ۔ لوگوں سے میری حدیثیں بیان کرو کوئی حرج نہیں (مسلم آخر جلد دوم کتاب العلم) تو خلفائے راشدین اس سے کیسے منع کر سکتے ہیں۔

اعتراض ۵: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَمَّا لَا تَکْتُبُوْا عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ قرآن شریف کے سوا میری کوئی بات نہ لکھو۔ جب حضور نے حدیث لکھنے کی ممانعت کر دی تو اس کے بقاء کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہا صرف قرآن باقی رہا وہ ہی واجب العمل ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں:

(۱) تعجب ہے کہ تم حدیث کے منکر ہو اور پھر حدیث سے ہی دلیل پیش کر رہے ہو۔ یہ بھی حدیث ہے جو تم نے بیان کی۔ گویا آپ حدیث کو حدیث سے رد کر رہے ہیں۔ دوسرا جواب

(۲) اس روایت کا منشا یہ ہے کہ لوگ حدیثیں یاد کرنے کی کوشش کریں۔ لکھنے سے یاد کرنے کا شوق کم ہو جاتا ہے۔ تیسرا جواب

(۳) یہ حدیث اس وقت کی ہے جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن بھی لکھیں گے اور حدیث بھی تو شاید حدیث قرآن سے مخلوط نہ ہو جائے جب لوگوں نے قرآن و حدیث کا فرق پہچان لیا تو لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

اجازت کی احادیث حسب ذیل ہیں

(۱) حضور نے وفات شریف کے وقت خود کاغذ منگایا اور فرمایا۔ لاؤ میں تمہارے لئے کچھ لکھ دوں تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔ اگر حدیث لکھنا منع تھا تو اس کا ارادہ کیوں فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں عمرو ابن عاص کَانَ یَکْتُبُ

وَلَا اُکْتُبُ عمرو ابن عاص حدیثیں لکھتے تھے میں نہ لکھتا تھا۔

(۲) حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور نے تقریر فرمائی تو ابوشاہ نے عرض کیا کہ حضور مجھے یہ احکام لکھوا دیں۔ تو فرمایا اُکْتُبُوْا لِاَبِیْ شَاہٍ ابوشاہ کیلئے لکھ دو۔

(۳) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صدقہ کے احکام کی احادیث لکھ کر اپنے حاکموں کو بھیجیں تاکہ ان پر عمل کریں۔

(۴) لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس حضور کے کونسے اسرار ہیں فرمایا۔ کوئی نہیں سوا اس رسالہ کے جس میں چند حدیثیں لکھی ہیں۔

(۵) عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ابوبکر ابن حزم کو لکھا۔

اُنْظُرْ مَا کَانَ مِنْ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاکْتُبْنِیْ فَاِنِّیْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ۔ حضور کی حدیثیں تلاش کرو اور لکھ لو مجھے خطرہ ہے کہ علم مٹ نہ جائے۔ بخاری نے ایک باب بندھا باب کتابۃ العلم یعنی علم لکھنے کا باب یہ تمام احادیث اسی جگہ ہیں بخاری میں اور مسلم کے آخر میں دیکھو۔

خوٹے ضنو وری :-

تعجب ہے کہ قرآن تو قرض کے لین دین کے لکھ لینے کی تاکید فرماتا ہے اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ : تاکہ قرض برباد نہ جاوے۔ اور احادیث میں ایمان ہے جو مال سے زیادہ شاندار ہے اس کی ممانعت کر دی جاوے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ معترض نے دھوکا کھایا ہے۔

اعتراض ۶ : احادیث میں بہت جگہ تعارض ہے کہیں تو فرمایا گیا رات کی نماز تمام دنیا سے افضل ہے اور کہیں فرما دیا گیا کہ جہاد دنیا سے افضل ہے۔ اسی طرح کہیں آتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے اور کہیں آتا ہے کہ نہ کرتے تھے۔ کہیں ترک دنیا پر زور ہے کہیں دنیا دار بننے کی تعلیم ہے۔ پتہ لگا کہ ساری حدیثیں غلط ہیں کیونکہ رسول کے کلام میں تعارض نہیں ہو سکتا۔

جواب : تمہیں اپنی بے علمی کی وجہ سے تعارض معلوم ہو رہا ہے۔ ورنہ ان میں

تعارض کوئی نہیں بعض لحاظ سے تہجد کی نماز بہت اچھی ہے اور دوسرے لحاظ سے جہاد بہتر ہے۔ اولاً سرکار کا عمل رفع یدین تھا بعد میں چھوڑ دیا گیا وہ منسوخ ہوگیا۔ ذاتی معاملات میں دنیا سے بے رغبتی اچھی چیز ہے اور قومی ملکی دینی معاملات میں دنیا سے تعلق اچھی چیز ہے۔ اپنی بے علمی کی وجہ سے حدیث کا انکار کیوں کرتے ہیں کسی مدرسے میں جا کر حدیث پڑھو۔ پھر پتہ لگ جاوے گا۔ انگریزی اور اردو کے ترجموں سے حدیث نہیں آتی۔ ورنہ پھر قرآن کی آیتیں بھی تعارض سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ دنیا کُن سے پیدا ہوئی ہے یعنی آناً فاناً اور کہیں فرماتا ہے کچھ دنوں میں بنی۔ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔ کہیں فرماتا ہے کہ قیامت میں خدا کافروں سے کلام نہ کرے گا۔ کہیں فرماتا ہے کلام کرے گا۔ کہیں فرماتا ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ کہیں فرماتا ہے اٹھائے گا کہیں فرماتا ہے کافروں پر نرمی کرو۔ کہیں فرماتا ہے سختی کرو جہاد کرو۔ کہیں فرماتا ہے کہ عورت کی عدت ایک سال ہے کہیں فرماتا ہے چار ماہ دس دن ہے کیا آپ قرآن کا بھی انکار کر دیں گے۔ نہیں بلکہ سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ ایسے ہی حدیث میں محنت کرو۔ نہ قرآنی آیات میں تعارض ہے نہ احادیث صحیحہ میں سمجھ کا قصور ہے۔

(۷) بست حدیثیں عقل کے خلاف ہیں۔ دیکھو حدیث کہتی ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد خدا کے دربار میں حاضر ہو کر سجدہ کرتا ہے پھر اجازت لے کر طلوع ہوتا ہے اور جغرافیہ کہتا ہے کہ سورج کبھی غائب ہوتا ہی نہیں چکر لگاتا رہتا ہے جب یہاں رات ہوتی ہے تو امریکہ میں دن ہوتا ہے۔ ایسی حدیثوں کو مان کر آج سائنس کے زمانہ میں اسلام کا مذاق اڑوانا ہے۔

جواب: یہ بھی آپ کی عقل کی کمی ہے اور حدیث نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ ایسے تو قرآن کی بہت سی آیتیں عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ قرآن کہتا ہے درخت اور بیل بوٹے سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے ہمیشہ انہیں کھڑا ہی دیکھا ہے کبھی

جھکتا نہ دیکھا۔ جو کچھ سجدہ سے یہاں مراد ہے وہ ہی حدیث میں مراد لے لو یعنی سورج ہمیشہ رب کا مطیع رہتا ہے اور دوسرے مقام پر طلوع ہونے کی اجازت چاہتا رہتا ہے۔ غرض یہ کہ اس زمانہ میں ہر اُردو خواں حدیث و قرآن کا ترجمہ بے سمجھے بوجھے پڑھ رہا ہے۔ اور جب اُسے نہیں سمجھتا تو انکار کر دیتا ہے۔

اعتراض ۸ : احادیث سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین نے لوگوں سے لکھی ہوئی احادیث کے دفتر منگا کر جلا دیئے اگر احادیث کا لکھنا اچھا تھا تو انہیں جلانے کی کیا ضرورت تھی اور اب جب وہ جل گئے تو اب بعد کے لوگوں کو احادیث کیسے ملیں

جواب : اس کا جواب اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ کہ ان دفتروں کو جلا دیا گیا۔ جن میں قرآن و حدیث مخلوط تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ سب قرآن ہے جیسے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیفے۔ چنانچہ بخاری باب جمع القرآن کے یہ لفظ ہیں۔ وَاَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِیْ كُلِّ صَحِیْفَةٍ اَنْ یُّحْرَقَ یا ان دفتروں کو سپرد آتش کیا گیا جو صحیح و غلط روایات کے جامع تھے۔ جیسے ان صحیفوں کو جلانے کے بعد اصل قرآن محفوظ رہا۔ ایسے ہی ان صحیفوں کو جلانے کے بعد اصل احادیث بھی محفوظ ہیں۔

غرضیکہ احادیث کے منکر سوا چند وہمیات کے اور کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے۔ میں تو چکڑالویوں سے کہتا ہوں کہ صرف ایک نماز ایسی پڑھو جو صرف قرآن کی نماز ہو یا ایک دن کی زندگی ایسی گزارو جو صرف قرآن کی زندگی ہو۔ مگر نہ کر سکو گے تو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو نہ کر سکو۔ جیسے قرآن کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی حدیث و فقہ کی بھی ضرورت ہے۔

اعتراض ۹ : حدیثیں زمانہ نبوی کے بعد لکھی گئیں اس زمانے میں کتابی شکل میں نہ تھیں لہٰذا اب حدیثوں کا اعتبار نہ رہا نہ معلوم غلط لکھی گئیں یا صحیح۔

جواب : بعینہ یہ سوال قرآن شریف پر بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن زمانہ نبوی میں

کتابی شکل میں نہ تھا۔ بعد میں زمانہ صدیقی میں صرف جمع کیا گیا۔ پھر زمانہ عثمانی میں اس کی اشاعت ہوئی اور خلفائے راشدین کے بعد اس پر اعراب (زیر زبر) لگے۔ پھر بہت عرصہ کے بعد اس کے پارے اور رکوع وغیرہ مقرر ہوئے نہ معلوم لوگوں نے درست لکھا یا غلط۔ جناب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو وہ حافظہ غضب کا بخشا تھا کہ بعض صحابہ ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثوں کے ایسے حافظ تھے کہ زیر زبر کا فرق نہ ہوتا تھا۔ جب عہد صحابہ قریب الختم ہوا تو زمانہ تابعین میں کتب احادیث ایسی احتیاط کے ساتھ لکھی گئیں جس کی مثال کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔ کہ ہر راوی کی تاریخ کتابوں میں آگئی۔ اور اس کے لئے پورا ایک فن وضع ہوا۔ جسے اسماء الرجال کہتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو کہ ۸۰ھ میں پیدا ہو چکے تھے۔ "مسانید ابوحنیفہ" لکھی۔ پھر امام مالک قدس سرہٗ نے جو کہ ۹۰ھ میں پیدا ہوئے "موطا" امام مالک" لکھی۔

اسی طرح امام محمد نے 'موطا امام محمد' وغیرہ تالیف کیں۔ حتیٰ کہ ۱۹۴ھ میں امام بخاری پیدا ہوئے اور انہوں نے ایسی معرکۃ الآرا کتاب لکھی کہ سبحان اللہ! یعنی بخاری شریف اس تالیف سے پہلے اور تالیف کے زمانہ میں لوگ احادیث ایسے یاد کرتے تھے جیسے آج حافظ قرآن شریف کو۔ اس جمع کے بعد پھر حدیث کے یاد کرنے کا رواج کم ہو گیا۔

اعتراض ۱۰: حدیث کا یہ حال ہے کہ ایک راوی ایک سے ایک روایت کرتا ہے حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ تم دو گواہ بنایا کرو۔ ایک کی روایت قرآن کی اس آیت سے معتبر نہیں۔ لہٰذا جن جن حدیثوں کے راوی صرف ایک ایک صحابی یا ایک ایک تابعی ہیں۔ وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی۔ دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر قرآن شریف کی بھی خیر نہیں۔ کیونکہ ایک جبرائیل نے حضور کو قرآن

پیش کیا۔ اور ایک نبی نے اپنی امت کو قرآن پہنچایا۔ لہذا قرآن کی اسی آیت سے خود سارا قرآن قابل اعتبار نہ رہا۔ چاہیئے تھا کہ دو جبرائیل قرآن لاتے اور دو نبی قرآن اپنی اُمت تک پہنچاتے۔ نیز آج آپ جنگل میں ایک آدمی کی خبر سے قبلہ پانی کی طہارت، جگہ کا پاک ہونا۔ ایک آدمی کی خبر سے نئے کپڑوں کی طہارت گوشت کا حلال ہونا معلوم کر لیتے ہیں۔ اگر ہر جگہ دو گواہیوں کی ضرورت ہو تو دنیا میں فساد ہو جائے۔

خود قرآن کہتا ہے کہ ایک گواہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ فرماتا ہے وَ شَہِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا زلیخا کے گھر والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔

معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی عصمت ایک گواہی سے ثابت کی گئی۔ اور قرآن نے اُسے درست رکھا۔

تحقیقی جواب: یہ ہے کہ قاضی کے ہاں مالی معاملات میں دو گواہوں سے دعویٰ کا ثبوت ہوگا بلکہ زنا کے لئے چار گواہیاں ضروری ہیں مگر دینی امور میں ایک شخص کی خبر معتبر ہے۔ احادیث میں اس طرح تفصیل کی گئی ہے چنانچہ قطعی عقائد کے لئے خبر متواتر کی ضرورت ہے۔ دیگر مسائل میں کہیں مشہور حدیث ضروری اور کبھی ایک کی روایت کافی ہے۔ مگر مسائل میں صرف صحیح حدیث مانی جاتی ہے۔ فضائل میں ضعیف حدیث بھی قبول کر لیتے ہیں۔ یہ تمام باتیں اصول فقہ اصول حدیث میں بہت تفصیل سے مذکور ہیں جن سے آپ بالکل کورے ہیں۔

اعتراض ۱۱: بعض احادیث میں ایسی چیزیں ہیں جنہیں سن کر ایمان کانپ جاتا ہے۔ مثلاً بخاری شروع کتاب الطلاق میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اجنبی عورت امیمہ بنت جون کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف راغب کیا مگر اس نے آپ سے پناہ مانگی۔ بھلا جب احادیث میں ایسی باتیں مذکور ہوں تو احادیث کو مانا جا سکتا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے حدیث کسی لائق اُستاد سے

پڑھی نہیں اور درست مطلب سمجھ نہ سکے۔ آپ اپنی عقل پر لاحول پڑھیں۔ حدیث پر نہ پڑھیں بغیر سمجھے تو قرآن میں بھی ایسے اعتراض کر سکتے ہیں۔

دیکھو قرآن کریم حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنے مہمانوں کی عزت بچانے کے لئے اپنی قوم سے فرمایا۔ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۝ یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم نہیں کرنا ہے۔

قرآن کریم حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا۔ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور یوسف نے زلیخا کا ارادہ کر لیا۔

کہیے جناب قوم کے سامنے اپنی بیٹیاں پیش کرنا کیا اس سے آپ کا ایمان نہیں کانپتا۔ اور غیر عورت کا ارادہ کر لینا کیا اس سے آپ نہیں گھبراتے۔ کیا یہ چیزیں نبوت اور نبی کے شایان شان ہیں۔ مگر الحمد للہ نبی ہر عیب سے پاک ہیں عیب آپ کی جہالت اور آنکھ میں ہے۔ امیمہ بنت جون حضور کی منکوحہ تھی غیر عورت نہ تھی۔ جیسا کہ خود بخاری میں اسی جگہ موجود ہے مگر دیکھنے کے لئے ایمانی عینک چاہیئے۔ اور حضرت لوط نے اپنی بیٹیوں سے ان قوم والوں کی بیویاں مراد لیں یعنی قوم کی بیٹیاں۔ اور سورۃ یوسف کی اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کا ارادہ کر لیا۔ اور وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برہان نہ دیکھتے۔ رب تعالیٰ اپنے کلام اور اپنے حبیب کے فرمان کی صحیح فہم عطا فرمائے۔

اعتراض ۱۲: تواریخ سے ثابت ہے کہ محدثین کے پاس لاکھوں حدیثیں تھیں۔ مگر خود انہوں نے اکثر کو غلط سمجھ کر روایت نہ کیا بہت تھوڑی روایات لیں۔ امام بخاری نے لاکھوں حدیثوں میں سے چند ہزار اپنی کتاب میں درج کیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلط حدیثیں بھی گھڑی جا چکی ہیں۔

جواب: جی ہاں غلط حدیثیں گھڑی بھی جا چکی ہیں اور محدثین کی

کوشش کے بعد وہ نکال کر الگ بھی کی جا چکی ہیں۔ آپ کے سوال سے تو یہ ثابت ہوا کہ محدثین نے مجروح حدیثوں کو چھانٹ کر علیحدہ کر دیا۔ بعض نے تو اپنی کتب میں انہیں لکھا ہی نہیں اور بعض نے لکھا تو ساتھ بتا بھی دیا کہ یہ حدیث اس درجہ کی ہے۔ دیکھو ترمذی شریف میں ہر حدیث کے ساتھ اس کا حال بھی لکھا ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف۔

نوٹ ضروری

آخر میں دو مسئلے اور سمجھ لینا چاہئیں ایک یہ کہ حدیث اور سنّت میں فرق یہ ہے کہ حدیث تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وہ قول یا فعل شریف ہے جو روایت میں آجاوے خواہ ہمارے لئے وہ قابل عمل ہو یا نہ ہو۔ لیکن سنت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر وہ قول یا عمل شریف ہے جو ہمارے لئے بھی لائق عمل ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ یک وقت نو بیویاں اپنے نکاح میں رکھنا۔ یا اونٹ پر سوار ہو کر طوافِ کعبہ فرمانا۔ یا اپنی نواسی حضرت امامہ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر نماز ادا فرمانا۔ حدیث سے ثابت ہے مگر سنت نہیں ہم اس پر عمل ہرگز نہیں کر سکتے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ میری سنت کو لازم پکڑو۔ یہ نہ فرمایا عَلَیْکُمْ بِحَدِیْثِیْ میری حدیث کو لازم پکڑو۔ لہٰذا دنیا میں اہل حدیث کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور ہم بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنّت ہیں۔ کیونکہ اہل حدیث کے معنی ہر حدیث پر عمل کرنے والا اور یہ ناممکن ہے۔ مگر اہل سنّت کے معنی ہیں ہر سنت پر عمل کرنے والا یہ ممکن ہو سکتا ہے

مسئلہ نمبر ۲: دوسرے یہ کہ اگرچہ ہم فرض، واجب، مستحب، نفل، سنت سب ہی ادا کرتے ہیں۔ مگر ہمارا نام اہل فرض، اہل واجب وغیرہ نہیں۔ اہل سنّت ہے۔ اس لئے کہ فرض واجب۔ تو بالغ، عاقل ہونے کے بعد ہمارا

ہاتھ پکڑتے ہیں۔ مگر سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں پیدا ہوتے ہی اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ دیکھو نکاح کرنا سنت تعلیم دلانا سنّت۔ پھر کھانا پینا۔ تجارت کرنا۔ روزی کمانا۔ جاگنا سونا۔ بیوی بچوں کی پرورش کرنا بلکہ جینا اور مرنا سنت ہے فرض تو صرف اس قدر ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک ستر ڈھانپ لیا جاوے۔ اور جب بھوک سے مرنے کا خطرہ ہو تو روٹی کا ٹکڑا کھا لیا جاوے۔ باقی یہ تمام سنتیں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور کی سنّت پر جینا مرنا نصیب فرمائے۔ آمین

مفتی احمد یار خاں

سرپرست دارالعلوم غوثیہ پاکستان

گجرات

۵ ربیع الآخر
۵ ۱۳۷ھ جمعہ

الحمد للہ کہ ایمانی رسالہ رحمت کا قبالہ موجودہ بریلی ہیوؤں سے مسلمانوں کا ایمان بچانے والا

مُسمّٰی بہ

اِسلام کی چار اُصولی اِصطلاحیں

اِلٰہ ○ رسُول ○ نبی ○ ایمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ہمیشہ سے مسلمانوں میں دو جماعتیں رہی ہیں ایک مخلصین کی دُوسری منافقین کی مخلصین مذہبی مسلمان مانے جاتے رہے ہیں اور منافقین صرف قومی مسلمان متصوّر ہوتے رہے ہیں ان دونوں جماعتوں میں بہت سے امتیازات رہے ان میں سے ایک خصوصی امتیاز یہ رہا کہ مخلصین کا ہر قول دل کی گہرائیوں سے ہوتا تھا۔ وہ کوئی بات دھوکہ دینے کے لئے نہیں کرتے تھے اسی لئے ان کے ہر کلام کی اسلام میں قدر و منزلت تھی اور منافقین کا طریقہ یہ رہا کہ منہ سے باتیں بہت اچھی کرنا مگر نیت بہت فاسد ہوتی تھی اسی لئے قرآن کریم نے ان باتوں کی بھی تردید فرمائی ہے جو بظاہر بھلی معلوم ہوتی تھیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ منافقین آپکی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے

رسول ہیں دیکھئے کتنی اچھی بات کہہ رہے ہیں لیکن رب تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ خدا گواہ ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِنْ تُصِبْھُمْ حَسَنَۃٌ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو یہ منافقین کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے دیکھو کتنی سچی بات ہے لیکن قرآن کریم نے ان کا یہ کلام کفریات میں شمار کیا۔ کیوں اس لئے کہ نیت فاسد تھی دھوکہ دینے کے لئے کہتے کہ ہم آپکو رسول اللہ مانتے ہیں اور دوسرے کلام کا منشا یہ تھا کہ جو بھلائی دیتا ہے رب دیتا ہے حضور کی برکت اس میں شامل نہیں۔ یعنی خدا کی حمد بھی کرتے تھے تو حضور کی توہین کے لئے یہ حمد عین کفر تھی یہ ہی حال آج کل منافقین کا ہے کہ ان کا بہت زور توحید باللہ عبادت شرک وبدعت پر ہے۔ ان سب کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور سے بیگانہ کر دیا جائے۔
(توحید کے بہانے مقبول بندوں کی توہین کرتے ہیں)

میں نے حال ہی میں ایک کتاب دیکھی اسلام کی چار بنیادی اصطلاحیں۔ بہت صدمہ ہوا۔ کیونکہ اس کتاب کا مقصد صرف یہ ہے کہ حضور نبی کریم کی تعظیم و تکریم شرک ہے۔ کفر ہے بے دینی ہے اس لئے میں نے اپنے والد محترم حضرت الحاج حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب سے عرض کیا۔ کہ اس کا جواب دیجئے۔ قبلہ والد محترم مدظلہٗ نے مختلف مجالس میں اس موضوع پر تقریریں فرمائیں جن سے بہت تشفی ہوئی۔ پہلے وہ تقریریں برادر مفتی محمد مختار صاحب دام ظلہٗ نے اپنے ماہوار رسالے اشاعت فیض عام میں قسط وار شائع کیا۔ میں نے چاہا کہ ان متفرق پھولوں کا گلدستہ بناؤں اور ان بکھرے ہوئے موتیوں کا ہار بنا کر اپنی قوم کے سامنے پیش کروں اللہ تعالیٰ میرے اس ہار کو جیت کا ذریعہ بنائے۔

لیجئے :

گلدستہ حاضر ہے اس کی مہک سے دماغ ایمان کو معطر کیجئے اور اس زمانے کی چمن سوز خزاں سے اپنے ایمان کو محفوظ فرمائیے۔ اور مجھ فقیر بے نوا کو اپنی دعا میں یاد رکھیئے۔

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خاں
مدرس دار العلوم غوثیہ نعیمیہ گجرات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں

اِلٰہ ، رَسُول ، نَبِی ، اِیمَان

از : حکیم الامت مفتی احمد یار خاں گجرات

زمانہ نیا ہے زمانہ والوں کے ذہن جذب پسند ہیں ہر چیز میں جدّت طرازی آج کل کا محبوب مشغلہ ہے۔ بعض جدّت پسند دل نے توحید کے معنی نئے کر ڈالے رسالت، نبوّت، ایمان کے شربتوں کو نئے گلاسوں میں پینا شروع کر دیا جس سے لوگوں کے ایمان متزلزل ہونے لگے۔ لہذا ضرورت محسوس کی گئی کہ مسلمانوں کو ان چار لفظوں کے وہی پرانے معنی بتائے جائیں جو ساڑھے تیرہ سو برس سے مانے جا رہے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ توحید و رسالت وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر اسلام کی ساری عمارت قائم ہے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر ہی سب مسلمان ہوتے ہیں۔ آج اس صحبت میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اِلٰہ کے کیا معنی ہیں اور الوہیت کا مدار کس چیز پر ہے۔ الوہیت و عبدیت میں فرق کرنے والی کیا شے ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہیں اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں...... آخر اِلٰہ ہے کیا؟ آج عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اِلٰہ وہ ہے جو غیب جانے۔ اِلٰہ وہ ہے جو حاضر ہو ناظر ہو۔ اِلٰہ وہ ہے جو بیٹا دے۔ اِلٰہ وہ ہے جو نفع دے۔ اِلٰہ وہ ہے جو مشکل کشا حاجت روا ہو۔ دادرس فریاد رس ہو۔

الٰہ وہ ہے جو دور سے سن لے۔ دور سے دیکھ لے۔ اس تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ عام مسلمان حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب حاضر و ناظر دادرس فریاد رس سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

خلق کے دادرس کل کے فریاد رس !
کہفِ روزِ مصیبت پہ لاکھوں سلام

وہ سب مشرک ہیں کیونکہ انہوں نے بندوں کو الٰہ مان لیا۔ مشرکین عرب اپنے بتوں کے متعلق یہی عقیدے رکھتے تھے کہ وہ غیب جانتے ہیں۔ فریاد رسی کرتے ہیں وہ مشرک تھے۔ یہ مسلمان بھی نبیوں ولیوں میں یہ صفات مان کر مشرکین عرب کی طرح ہی شرک میں گرفتار ہیں۔ ہم دکھاتے ہیں کہ الٰہ کے یہ معنی ہرگز نہیں اور نہ ان چیزوں پر الوہیت کا مدار ہے ورنہ از روئے قرآن لاکھوں الٰہ ماننے پڑیں گے ملاحظہ فرمائیے

غیب کا جاننا اگر غیب کا جاننا مدار الوہیت ہے تو قرآن کریم حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے یوں خطاب کیا۔ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ (اور خبر دیتا ہوں میں تم کو جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور بچاتے ہو) خیال رہے کہ تاکلون اور تدخرون مضارع ہے جس میں حال و استقبال دونوں زمانوں کی گنجائش ہے تو معنی اس کے یہ ہوئے کہ جو کچھ تم اپنے گھروں کی کوٹھڑیوں میں بیٹھ کر کھاتے ہو یا کھاؤ گے، بچاتے ہو یا بچاؤ گے میں سب کی خبر تم کو دے سکتا ہوں۔ یعنی کھیتوں میں دانے باغوں میں پھل پیدا ہوتے ہیں۔ ہر دانہ و پھل پر کھانے والے کی مہر ہوتی ہے۔ میں ان مہروں کو جانتا ہوں اور کھانے والوں کو پہچانتا ہوں۔ سوچو تو اللہ تعالیٰ نے جناب مسیح کو کتنا وسیع علم غیب عطا فرمایا۔ اگر غیب جاننا مدارِ الوہیت ہو تو از روئے قرآن مجید جناب مسیح الٰہ ٹھہرتے ہیں ✦

عالم میں تصرّف کرنا

اگر عالم پر حکمرانی ہوا و پانی چاند سورج پر قبضہ الوہیت کا معیار ہو تو از روئے قرآن مجید حضرت سلیمان علیہ السلام کو الٰہ ماننا پڑے گا۔ کہ ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے وَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ -

ع وَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ ع

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی اور نرم ہواؤں کو خواہ پُروا ہو یا پچھوا شمالی ہو یا جنوبی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا۔ کہ تَجْرِي بِأَمْرِهِ ہر قسم کی ہوائیں ان کے حکم سے چلتی تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہوا ہی بارش لاتی ہے۔ اور ہوا ہی بارش اڑاتی ہے۔ لہٰذا بارش بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان کر دی گئی۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ بارش سے ہی پیداوار ہے جس پر تمام جانداروں کی بقا کا مدار ہے۔ اس قاعدہ سے سارا نظام عالم حق تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان کر دیا تھا۔ الوہیت کے اس قاعدے سے انہیں بھی الٰہ ماننا پڑے گا۔ نعوذ باللہ منہ ❖

شفا دینا قرآن کریم فرماتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے مہمان بھائیوں سے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی خیریت دریافت کی معلوم ہوا کہ وہ فراق یوسفی میں روتے روتے بصارت کھو چکے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا :

اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلٰى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ؕ ط

میری یہ قمیص لے جاؤ میرے ابا جان کے چہرے پر ڈال دو۔ وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔

قرآن کریم حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے :

ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ - اپنا پاؤں زمین پر

رگڑ۔ اس سے پیدا شدہ پانی غسل کے لئے بھی ہے اور پینے کے لئے بھی یعنی اس میں آپ کے لئے ظاہری باطنی شفا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: أُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ (میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھوں کوڑھیوں کو اچھا کرتا ہوں اور مردے زندہ کرتا ہوں) دیکھو شفا دینا، مردوں کو زندہ کرنا رب کا کام ہے۔ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ اور يُحْيِي وَيُمِيتُ۔ مگر ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندے باذنِ پروردگار بیماروں کو شفا اور مردوں کو زندگی بخشتے ہیں۔

قرآن کریم کا وہ واقعہ بھی یاد رکھو کہ چار ذبح کئے ہوئے۔ قیمہ کئے ہوئے پرندے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر زندہ ہو کر حاضر ہو گئے۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ط۔ مگر اس کے باوجود رب رب ہے اور بندہ بندہ۔ بندے کے ہاتھ پر ربانی کام ظاہر ہوتے ہیں مگر بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔ اِلٰہ کی اس مذکورہ تعریف سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ، ایوب، یوسف و ابراہیم علیہم السلام اِلٰہ ہو جائیں۔ نعوذ باللہ۔

بیٹا دینا قرآن کریم فرماتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم کے پاس اس حالت میں تشریف لے گئے جب آپ باپردہ جگہ میں غسل کی تیاری فرما رہی تھیں۔ انسانی شکل میں تھے آپ دیکھ کر گھبرا گئیں۔ تو جناب جبرئیل نے تسکین دیتے ہوئے فرمایا: إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا (میں تمہارے رب کا قاصد ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں پاک بیٹا دوں) دیکھو بیٹا بیٹی دینا رب کا کام ہے۔ فرماتا ہے۔ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ۔ رب کے لئے بھی يَهَبُ فرمایا گیا اور جناب جبرئیل کے لئے بھی لِأَهَبَ فرمایا گیا۔ صیغہ ایک معنی ایک مگر نہ خدا تعالیٰ جبرئیل ہو گیا اور نہ جبرئیل خدا بنے اگر بیٹے دینا دلیل الوہیت ہوتا تو حضرت جبرئیل بھی اِلٰہ بن جاتے۔

دُور سے سُننا اور دیکھنا

قرآن کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ آپ چیونٹیوں کے جنگل پر گزرے تو آپ نے سُنا ایک چیونٹی اپنی سہیلی چیونٹیوں سے کہہ رہی ہے یَا اَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۔ آگے فرماتا ہے فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنْ قَوْلِهَا ۔ ترجمہ: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم کو لشکر سلیمان کچل دے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ آپ اس کی یہ بات سُن کر ہنس پڑے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ آواز تین میل سے سُنی۔ خیال کیجئے کہ چیونٹی کی آواز اتنی باریک اور ہلکی ہے کہ آج سائنس کے زمانہ میں کوئی مشین اسے نہ سُنا سکی۔ ایسی باریک آواز تین میل سے سُننا۔ کتنی دُور کی آواز سُننا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے زلیخا یوسف علیہ السلام کو سات دروازوں والی کوٹھری میں لے گئی اور دروازے مقفل کر کے اس نے آپ کو پھانسنا چاہا۔ مگر یعقوب علیہ السلام ان سارے واقعات سے خبردار تھے۔ آپ نے کنعان سے بیٹھے ہوئے یہ سب واردات دیکھی اور فرزند کو وہاں پہنچ کر مدد کی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (وہ تو قصد کر ہی چکی تھی یوسف علیہ السلام کا آپ بھی اس کا قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی بُرہان نہ دیکھ لیتے)

وہ بُرہان کیا تھی یعقوب علیہ السلام کا سامنے آجانا۔ اور اشارہ سے فرزند کو منع کرنا۔ خیال رہے کہ یہاں رای فرمایا گیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بُرہان کوئی دیکھی بھالی چیز تھی نہ کہ سُنی سُنائی۔ قرآن نے نبی کو دیکھی بھالی برہان فرمایا ہے۔ فرماتا ہے: یَاۤ اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ (اے لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے برہان و دلیل یعنی محمد رسول اللہ تشریف لائے)۔

دیکھو یعقوب علیہ السلام نے کتنی دُور سے کیسی تیرہ و تاریک کوٹھڑی میں

اپنے بیٹے کا حال دیکھ لیا نیز قرآن کریم فرماتا ہے وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ جب قافلہ قمیض یوسفی لے کر مصر کی بستی سے جدا ہوا تو یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے فرمایا۔ کہ میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پا رہا ہوں۔ ع

آمد نسیم جانفزا سوئے من از کوئے کسے

غور تو کرو کہ کہاں مصر افریقہ کا دارالخلافہ اور کہاں کنعان ملک شام کی بستی اتنی دور سے آپ نے قمیض یوسفی کی خوشبو پالی۔ اگر دور سے دیکھنا، سننا، بو پانا مدار الوہیت ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام بھی اِلٰہ ہونے چاہئیں۔

حاضر و ناظر اگر ہر جگہ حاضر یعنی متصرف ہونا اور ہر جگہ کو مثل کف دست دیکھنا دلیل الوہیت ہو تو ایک دو نہیں، بلکہ لاکھوں اِلٰہ ماننے پڑیں گے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ آصف برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا:

قَالَ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ۔

میں آپ کی خدمت میں تخت بلقیس لاؤں گا آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے خیال تو کرو کہ تخت بلقیس ملک یمن کے شہر سبا میں بلقیس کے محل میں مقفل ہے اور آپ ملک فلسطین میں ہیں کسی سے اس شہر کا راستہ نہیں پوچھتے۔ باربرداری کے لئے کوئی چھکڑا، گاڑی ساتھ نہیں لیتے اور پل بھر سے پہلے اتنا وزنی تخت اٹھا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیتے ہیں یہ ہے ولی بنی اسرائیل کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے۔ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ (تم سب کو وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مسلط کیا گیا ہے) اور فرماتا ہے:۔ وَتَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا الخ (ان سب کو ہمارے بہت سے فرشتے وفات دیتے

ہیں) یعنی مددگاران ملک الموت علیہ السلام۔ دیکھو حضرت ملک الموت اور اُن کے رفقا فرشتے بیک وقت ہزارہا مقامات پر ہزاروں مرنے والوں کی جان نکال لیتے ہیں۔ یعنی تمام جہان ان کے سامنے ہے اور ہر جگہ ان کا ہاتھ پہنچتا ہے۔

نیز فرماتا ہے: اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔

وہ ابلیس اور اس کا سارا قبیلہ وذریت تم سب لوگوں کو وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

معلوم ہوا کہ ان بے ایمانوں کو بہکانے کے لئے اتنی قوت رب کی طرف سے دی گئی ہے کہ وہ بیک وقت تمام انسانوں کو دیکھتے ہیں ان کے خطروں اور دلی ارادوں سے خبردار ہیں۔ اس ہی لئے جب کوئی شخص نیکی کا ارادہ یا خیال بھی کرتا ہے۔ تو یہ اس کو بہکاتے ہیں۔ چاند سورج سارے تارے ہر جگہ حاضر ہیں کہ ہر جگہ سے بیک وقت دیکھے جاتے ہیں اور ہر جگہ اپنی روشنی پھینکتے ہیں۔ کھیتیاں تیار کرتے ناپاک زمین کو خشک کرکے پاک کرتے ہیں اگر حاضر وناظر ہونا مدار الوہیت ہو تو حضرت ملک الموت اور ان کے سارے ساتھی فرشتے اِلٰہ ہوں گے شیطان اور اس کی ساری ذریت اِلٰہ ہوگی۔ چاند سورج اور سارے تاروں کو اِلٰہ ماننا پڑے گا۔ ہندو تو دس بیس ہی اِلٰہ مانتے ہیں۔ مگر ان توحیدیوں کے اِلٰہ بندوں کی تعداد سے زیادہ ہو جائیں گے۔

مشکل کشا حاجت روا فریاد رس ہونا

یہ چیزیں بھی مدار الوہیت نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں بلکہ ان کے تبرکات کو یہ صفات بخشی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جناب مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دردِ زِہ شروع ہوا۔ آپ جنگل میں اکیلی تھیں جہاں آپ کے پاس نہ مائی تھی نہ دائی۔ اس سے پہلے کبھی یہ تکلیف نہ دیکھی نہ آزمائی تو گھبرا کر

بولیں: یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ ہائے کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوچکتی۔

اس عرض پر دریائے رحمتِ الٰہی جوش میں آیا اور آپ کی دادرسی اور فریادرسی اس طرح فرمائی گئی کہ:

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ط نیچے سے آواز آئی اے مریم گھبراؤ مت تمہارے رب نے تمہارے قدم کے نیچے ایک سرد آب (پانی کا چشمہ) بنادیا ہے۔ تَحْتَكِ سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ اس چشمہ کا پھوٹنا جناب مریم کے قدم شریف سے تھا۔ جیسے آبِ زمزم کا جناب اسمٰعیل کی ایڑی شریف سے نکلنا:

وَهُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا: اور کھجور کے ڈنڈ کو جو سوکھا گھنا ہوا ہے۔ اپنی طرف ہلاؤ۔ وہ فوراً آپ کی ہری عمدہ کھجوریں گرائے گا۔

یعنی ان کھجوریں کو کھا کر یہ پانی پی لو۔ تمہاری مشکل آسان ہوگی اور بآسانی ولادت ہوجائے گی۔ حضرت مریم کی دادرسی مشکل کشائی کچھ کھجوروں اور پانی کے ذریعہ کی گئی مگر وہ کھجوریں ان کے ہاتھ سے اور پانی ان کے پاؤں سے پیدا کیا گیا۔ جس میں بتایا گیا کہ ولی کا ہاتھ لگنے سے سوکھا گھنا ہوا ڈنڈ آناً فاناً ہرا ہوکر پھل لاسکتا ہے اور فوراً پکا سکتا ہے۔ اور اس پھل سے مشکلیں آسان ہوسکتی ہیں۔ تو اگر ہمارے سوکھے ہوئے دلوں پر کسی ولی کی نگاہِ کرم پڑجائے۔ تو یہ سرسبز ہوکر معرفت کے پھل پھول دے سکتا ہے۔ اور پھر اس سے مشکلیں آسان ہوسکتی ہیں۔

نیز قرآن مجید فرمارہا ہے کہ غرقِ فرعون کے دن جبرئیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار تھے اس گھوڑی کی ٹاپ سے خشک ریگستانی زمین میں سبزہ پیدا ہوتا تھا۔ سامری نے اس ٹاپ کے نیچے کی کچھ خاک لے لی۔ بہت

عرصہ بعد جب موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دیر لگی تو سامری نے فرعونی سونے کا بچھڑا ڈھال کر اس کے منہ میں یہ خاک ڈال دی۔ جس سے وہ زندہ بچھڑا بن کر چیخنے لگا اور اسرائیلی اس کو پوجنے لگے۔ فرماتا ہے۔ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ۔ میں نے حضرت جبرئیل کی گھوڑی کے آثار قدم سے ایک مٹھی خاک لے لی تھی۔ وہ میں نے اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی۔ میرے دل نے یہی چاہا۔ اس آیت نے یہ بتایا کہ مقبولوں کے تبرکات بے جان کو جاندار کر سکتے ہیں۔ بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس نسبت کا کہ جسم جبرئیل لگا کاٹھی سے وہ لگی گھوڑی کی پیٹھ سے، گھوڑی کی ٹاپ لگی خاک سے وہ خاک پہنچی بچھڑے کے منہ میں اسے زندگی بخش دی خاک نے تو اپنا کام کر دیا۔ مگر سونا فرعونیوں کے ہاں کا تھا۔ اس لئے اس کی آواز سے لوگوں کو ہدایت نہ ملی۔ گمراہ ہو گئے۔ جیسے بے دین مولوی کے علمی وعظ سے لوگ گمراہ ہی ہوتے ہیں۔ اس آیت نے بتایا کہ مدینہ منورہ کی خاک دافع بلا باعث شفا ہے۔ اسی لئے اسے خاکِ شفا کہتے ہیں کہ وہاں کے ذرّوں نے جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلینِ پاک چومے ہیں ؎

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگِ اسود کے

یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

اگر دافع بلا ہونا الوہیت کا مدار ہے تو جناب مریم اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی اِلٰہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ حکیموں کے شربت، عرق، گولیاں، جنگل کی جڑی بوٹیاں سب اِلٰہ بن جائیں گی۔ ایک شربت کا نام ہے شربت فریاد رس، حب مسکین نواز، حب شفا، حب دافع تجار، قبض کشا گولیاں وغیرہ۔ سب اِلٰہ ہو گئیں نعوذ باللہ منہا۔

خالق ومالک وابدی ہونا

بعض کا خیال یہ ہے کہ اِلٰہ وہ ہے جو خالق ہو، مالک ہو، غیر فانی ہو۔ بیشک رب تعالیٰ ان

صفات سے موصوف ہے مگر مدار الوہیت یہ چیزیں بھی نہیں کیونکہ جب کوئی مملوک پیدا نہ ہوا تھا اور اس کی صفت مالکیت کا ظہور نہ ہوا تھا تب بھی وہ الٰہ تھا۔ نیز جنتیں اور وہاں کی نعمتیں جنتی لوگ جنت میں پہنچکر لونہی دوزخیں وہاں کے عذاب اور دوزخی وہاں پہنچکر سب غیر فانی ہوں گے۔ رب فرماتا ہے اُکُلُھَا دَائِمٌ اس کے پھل ہمیشہ ہیں اور فرماتا ہے خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا وہ جنتی جہنمی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تو اس سے لازم آیا کہ ہر جنتی دوزخی اِلٰہ بن جائے۔

لطیفہ موجودہ دور کے ایک موحّد عالم کہیں وعظ فرمانے تشریف لے گئے اور دوران وعظ میں کلمہ طیبہ کے معنی یوں کیے لَا اِلٰہَ نہیں ہے کوئی بیٹا دینے والا۔ نہیں ہے کوئی فریاد رس۔ نہیں ہے کوئی مشکل کشا۔ نہیں ہے کوئی حاجت روا۔ اِلَّا اللّٰہُ اللہ ہی ہے۔ اتفاقاً بانی جلسہ سُنی تھا۔ اسے اس وعظ سے تکلیف بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ صبح کو مولوی صاحب کو نذرانہ دینے نہ آیا۔ آخر مولوی صاحب مجبور ہو کر اس کے گھر گئے اور اس سے نذرانہ مانگا اور کرایہ کا مطالبہ کیا۔ وہ بولا مولوی صاحب رات کا وعظ بھول گئے۔ صبح سویرے ہی شرک میں گرفتار ہو گئے۔ لَا اِلٰہَ نہیں ہے کوئی کرایہ دینے والا لَا اِلٰہَ نہیں ہے کوئی نذرانہ دینے والا اِلَّا اللّٰہُ اللہ ہی ہے۔ اب مجھ سے کرایہ کیوں مانگتے ہو رب سے مانگو۔

بہرحال اِلٰہ کے یہ معنی اور ان چیزوں پر الوہیت کا مدار ہونا باطل محض ہے۔

الوہیت و اِلٰہ کے شرعی معنی یقیناً اللہ تعالیٰ ازلی ابدی، سمیع، بصیر، حاجت روا، مشکل کشا، خالق، مالک، فریاد رس، شفا و روزی رساں ہے مگر ان میں سے کوئی چیز الٰہ و عبد و معبود کے درمیان باعث فرق نہیں۔

جو چیز بندہ اور الٰہ میں فرق کرے جس کی بنا پر بندہ، بندہ ہو اور الٰہ الٰہ وہ ایک چیز ہے یعنی غنی اور بے نیازی۔ بندہ وہ ہے جو نیاز مند ہو۔ دوسرے

کا حاجت مند ہو۔ اس کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔ اس کی صفات اور وہ خود دوسرے کے قبضہ میں ہو۔

اللہ وہ ہے جو کسی کا حاجت مند، کسی کا نیازمند نہ ہو سب سے غنی و بے پرواہ ہو۔ دیکھو سورہ اخلاص میں پہلے فرمایا گیا۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ بے نیاز ہے۔ پھر ارشاد ہوا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ یہ اس کی بے نیازی کا ثبوت ہے کہ وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کی اولاد کیونکہ ابوّت اور بنوّت نیاز مندی کی بنا پر ہوتی ہے پھر آخر میں ارشاد ہوا وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں کیونکہ سب اس کے حاجت مند ہیں اور وہ سب کا حاجت روا۔ اور فرماتا ہے وَاللّٰهُ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ اللہ جہانوں سے بے پروا اور بے نیاز ہے۔ اور فرماتا ہے اَللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اللہ غنی اور بے نیاز ہے۔ تم اس کے فقیر نیاز مند ہو۔ اور فرماتا ہے وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلِیًّا مِّنَ الذُّلِّ؛ اللہ نے اپنی کمزوری اور حاجتمندی کی بنا پر کسی کو اپنا ولی نہیں بنایا اور فرماتا ہے وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ۔ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو بنا کر تھک نہیں گیا۔ اور تھک کر کسی کا نیازمند نہیں ہو گیا۔

یہ وہ معیار ہے جس کی بنا پر بندہ بندہ رہتا ہے اور رب رب۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ اللہ سمیع و بصیر اور دیکھنے سننے والا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سمیع و بصیر یعنی سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ اللہ زندہ ہے بندے بھی زندہ ہیں مگر پھر اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ بے نیاز ہو کر سمیع و بصیر و حی و قیوم مالک و ملک ہے۔ اور بندہ رب کا حاجتمند اور اس کا محتاج ہو کر حی و قیوم سمیع و بصیر مالک اور ملک ہے یہ تمام صفتیں بندہ کو رب نے دی ہیں اور جب چاہے وہ یہ صفتیں ان سے چھین لے۔

نوٹ ضروری صوفیا کی اصطلاح میں قیومیت ولایت کا ایک درجہ ہے۔ کہ اس پر پہنچ کر بندہ قیوم کہلاتا ہے یعنی باعث

قیام عالم اسی لیے مجددیہ خاندان کے بزرگوں کی کتب میں بعض اولیاء کو قیوم اول قیوم ثانی کہا گیا ہے۔ حدیث شریف میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فریادرس حاجت روا۔ مشکل کشا۔ شفا بخش۔ اولاد بخشنے والا ہے۔ اور بعض بندے بھی اس کی عطا واس کے ارادہ سے فریادرس مشکل کشا اور اولاد بخش ہیں جن کی آیات اوپر گذر گئیں۔ مگر پھر بندہ بندہ ہے اور رب رب۔ اللہ کی یہ تمام صفات بے نیاز و غنی ہو کر ہیں۔ اور بندوں کی یہ صفات اس کے حاجت مند اور نیازمند ہو کر کہ انہیں یہ صفات رب نے دیں۔ اور وہ خود اور ان کی یہ صفات رب کے قبضہ اور قدرت میں ہیں۔ اسی کی غنی اور بے نیازی کو ذاتی و حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس نیازمندی کو مجازی و عطائی سے۔ یہی الوہیت و عبدیت کے درمیان باعث فرق ہے۔ بلاتشبیہ انجن اور سارے ریل کے ڈبے ایک ہی لائن پر ایک ہی رفتار سے دوڑ رہے ہیں۔ مگر عقل والا جانتا ہے کہ دوڑنے والے ڈبے ہیں۔ اور دوڑانے والا انجن۔ جو محتاج ہیں وہ ڈبے ہیں اور محتاج الیہ انجن۔ آئینہ میں سورج کا عکس آگیا جس سے شیشہ میں روشنی شعاعیں گرمی غرضکہ سورج کے سارے صفات نظر آنے لگے۔ مگر ہوشمند جانتا ہے کہ سورج سورج ہے اور شیشہ شیشہ۔ سورج شیشہ میں نہیں آگیا اور شیشہ سورج تک نہیں پہنچ گیا۔ آئینہ دار آئینہ میں نظر آرہا ہے اس کے سارے اعضاء قدوقامت رنگ وروپ لباس، حرکات وسکنات سب آئینہ میں دیکھی جارہی ہیں۔ وہ انگلی ہلاتا ہے تو آئینہ کے عکس بھی ہلتی ہے مگر پھر اصل اصل ہے اور ظل ظل۔ یہاں بھی وہی غنیٰ واحتیاج حقیقت ومجاز۔ ذاتی وعطائی کا فرق کارفرما ہے کسی صوفی نے کیا شاندار بات کہی ہے

عارف خدانما است ولے او نہ می شود
آئینہ رُو نما است ولے رُو نہ می شود

ترجمہ: عارف خدا دکھانے والا ہے لیکن خدا نہیں بن جاتا۔ آئینہ چہرہ دکھانے والا ہے لیکن وہ چہرہ نہیں بن جاتا۔

اب وہ حدیث قدسی پڑھیئے کہ رب فرماتا ہے۔ جب بندہ مجھ سے بہت قریب ہوتا ہے تو میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ نہ یہاں حلول ہوتا ہے نہ سرایت بلکہ تجلّی ربانی جب بندہ پر پڑتی ہے تو بندہ سے خدائی کام ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

ایک شبہ

ہماری گذشتہ تقریر پر مخالفین کی طرف سے ایک شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اگر مدارِ الوہیت غنیٰ ہے اور مدار عبدیت محتاجی۔ الاّ وہ جو بے نیاز ہو، بندہ وہ جو نیازمند ہو تو مشرکین عرب مشرک نہ ہونے چاہیئے تھے اور نہ ان کے معبودانِ باطلہ کو اِلٰہ کہا جا سکے۔ حالانکہ قرآن کریم نے انہیں اِلٰہ فرمایا ہے۔ اور ان کے پجاریوں کو مشرک قرار دیا ہے کیونکہ کوئی مشرک اپنے معبودوں کو غنی اور بے نیاز نہیں مانتا کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے یہ معبود اللہ کے بندے اور اس کے حاجتمند ہیں۔ قرآن حکیم فرما رہا ہے کہ اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ آسمان و زمین کس کا ہے تو کہیں گے اللہ کا۔ اور فرماتا ہے اگر تم ان سے پوچھو کہ تمہیں روزی کون دیتا ہے۔ کہیں گے اللہ۔ نیز فرماتا ہے اگر تم ان سے پوچھو کہ کس کے قبضہ میں ہے بادشاہت آسمان و زمین کی تو کہیں گے اللہ کی وغیرہ۔

احادیث سے بھی ثابت ہے کہ مشرکین عرب جب حج یا عمرہ کا احرام باندھتے تو پھر تلبیہ میں یہ الفاظ بھی کہتے تھے لَاشَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا وَاحِدًا هُوَ عَبْدٌ لَّکَ الٰہی تیرا کوئی شریک نہیں سوا ایک کے اور وہ شریک بھی تیرا بندہ ہی ہے۔ ان باتوں کے باوجود وہ اپنے بتوں کو اِلٰہ کہتے تھے۔ اور قرآن کریم نے انہیں مشرک قرار دیا۔

اب غور کرنا چاہیے کہ وہ کیا عقیدہ تھا اور کفار اپنے بتوں کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے تھے جس سے انہیں الٰہ مانتے تھے اور انہیں خدا کا شریک جانتے تھے وہ صرف یہ عقیدہ تھا کہ ہمارے معبودین دان۔ ہر جگہ حاضر وناظر۔ دُور وقریب سے دیکھنے سننے والے۔ ہمارے حاجت روا مشکل کشا۔ فریاد رس ہیں۔ انہی عقیدوں کی بنا پر وہ مشرک ہوئے۔ اور یہی صفات الوہیت کا مدار ہیں۔ جس بندہ میں یہ صفات مان لی جائیں اُسے اللہ مان لیا گیا۔ مشرکین یہ صفات اپنے معبودین میں مان کر مشرک ہوئے اور آج کے مسلمان نبیوں ولیوں میں یہ صفات مان کر مشرک ہو رہے ہیں۔ یقیناً یہ مسلمان اپنے پیروں اور ولیوں کو الٰہ مانتے ہیں۔

نوٹ: مخالفین کے یہ انتہائی دلائل ہیں جن کی بنا پر وہ عام مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں۔

اس شبہ کا ازالہ شرک کا دارومدار کسی کو اللہ کے برابر مان لینے پر ہے قرآن کریم فرماتا ہے:

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ؛ پھر کفار بندوں کو اپنے رب کی برابر کر دیتے ہیں۔

نیز فرماتا ہے قیامت کے دن مشرکین اپنے معبودین سے کہیں گے کہ ہم بڑی گمراہی میں تھے۔

اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؛ کیونکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر جانتے تھے۔

معلوم ہوا کہ شرک کا مدار اس پر ہے کہ کسی بندہ کو رب کے برابر سمجھا جائے رب کے برابر سمجھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ کو اتنا اونچا کیا جائے کہ اس کو رب کے برابر درجہ دے دیا جائے کہ اسے اللہ کی طرح خالق۔ مالک غیب دان فریاد رس وغیرہ مستقل ذاتی طور پر مان لیا جائے دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ کی شان گھٹا کر اسے اپنے بندوں کی صف میں قائم کر دیا جائے اور یہ مانا جائے۔ کہ بعض چیزوں میں بندے اللہ کے محتاج ہیں اور بعض باتوں میں رب تعالیٰ بندوں

کا دست نگر۔ یہ دونوں صورتیں بندوں کو اللہ ماننے کی ہیں اور شرک ہیں۔ کفار عرب ان دونوں قسم کے شرکوں میں گرفتار تھے۔ بعض کفار فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور بعض اپنے بتوں کو خدا کے بیٹے مانتے تھے اور ظاہر ہے کہ باپ بیٹے آپس میں ایک دوسرے کے حاجتمند ہوتے ہیں اور جنسیت و توعیت میں برابر وہ لوگ اس عقیدے کی بنا پر مشرک ہوئے ان کی تردید میں قرآن کریم کی بہت سی آیتیں ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ نہ کوئی اس کا ہمسر اور فرماتا ہے لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا اور فرماتا ہے وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا عام مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ ہمارے بُت معبودانِ باطلہ ہیں تو خدا کے بندے مگر خدا تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ وہ رب تعالیٰ دنیا کو پیدا فرما کر اتنا تھک گیا اور عاجز ہو گیا کہ وہ اب دنیا چلا نہیں سکتا۔ اس کا انتظام سنبھال نہیں سکتا۔ ہمارے یہ معبود دنیا کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں اور یہاں کا کام چلا رہے ہیں۔ یہ عقیدہ شرک ہوا۔ کہ اس میں بندوں کو رب کا ہمسر مانا گیا۔ اس طرح کہ بندوں کو رب کا حاجتمند مانا گیا۔ اور رب کو ان بندوں کا۔ ان کی تردید میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔ رب فرماتا ہے وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ ہمیں عالم کی پیدائش میں کچھ تھکن نہیں پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو پیدا فرما کر تھک نہیں گیا۔ اور فرماتا ہے۔ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلِيًّا مِّنَ الذُّلِّ اللہ تعالیٰ نے عجز اور کمزوری کی بنا پر کسی کو اپنا ولی نہیں بنایا۔ غرض کہ ان کا یہ عقیدہ شرک تھا۔ بعض کفار عالم کے لئے دو مستقل خدا خالق و مالک مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ خیر کا خالق اور چاہیئے اور شر کا خالق اور۔ خالق خیر کا نام یزدان رکھتے تھے اور شر کے خالق کا نام اہرمن۔ انہوں نے اس کے بعض فرضی بندوں کو اتنا اونچا سمجھا کہ خدا مان لیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، کوئی مسلمان ایسے گندے عقیدے نہیں رکھتا۔ صرف بہ عطائے

الٰہی کسی بندے کو علم غیب ماننا یا بہ عطائے الٰہی کسی محبوب بندے کو خلق کا فریاد رس مشکل کشا جاننا نہ شرک نہ کفر اور مشرکین عرب صرف ان عقیدوں کی بنا پر مشرک نہیں ہوئے مشرک بنانے والے وہ عقیدے ہیں جو ابھی ہم نے قرآن کریم کی روشنی میں بیان کئے صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ عطائے الٰہی اپنا حاجت روا بھی جانتے تھے۔ اور مشکل کشا بھی۔ فریاد رس بھی۔ جب ان سے کوئی قصور ہو جاتا تو بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے طَهِّرْنِي يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یعنی حضور مجھے پاک کر دو کیوں نہ کہتے جب رب تعالیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرما رہا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ہمارے محبوب ان کو پاک فرماتے ہیں اور کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث سکھاتے ہیں اور فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ اے محبوب ان کے صدقات وصول پاؤ اور انہیں ان صدقات کے ذریعہ سے ظاہری و باطنی صاف فرماؤ۔ اور ان کے لئے دعائے رحمت کرو آپ کی دعا ان کے دلوں کا چین ہے،

ان آیات سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن و حدیث اور روزہ نماز وغیرہ ہم کو پاک صاف نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ نگاہِ مصطفوی صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہو۔ قرآن و حدیث روحانی صابن و پانی ہے۔ حضور کا کرم و نگاہ، عنایت روحانی پاک کرنے والا ہاتھ ہے صرف صابن اور پانی بغیر کسی کا ہاتھ لگے کپڑے کو صاف و پاک نہیں کرتے نابیناؤں نے حضور سے گئی ہوئی آنکھیں مانگیں۔ مرگی والوں نے حضور سے شفا مانگی جانوروں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے امان مانگی۔ لکڑیوں پتھروں نے حضور کی پناہ لی ہے۔ سیدنا ربیعہ ابن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور سے جنت مانگی ہے چنانچہ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ حضور میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ یعنی ایمان عمل حسن خاتمہ قبر کے امتحان میں کامیابی۔ ہول محشر سے نجات۔ پلصراط سے بخیریت گذر۔ جنت کا داخلہ۔ حضور کا قرب سبھی کچھ مانگ لیا۔ اس شاہنشاہِ کونین نے یہ نہ فرمایا کہ یہ

چیزیں خدا کی ہیں۔ میں کیسے دے سکتا ہوں۔ بلکہ فرمایا اَوْ غَیْرَ ذٰلِکَ کیا اس کے علاوہ کچھ اور مانگتے ہو عرض کیا ھُوَ ذَاکَ یہی میری مراد ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور بہ عطائے پروردگار مرادیں دیتے ہیں۔ فریادرسی فرماتے ہیں دادرسی کرتے ہیں۔ اگر کسی بندے کو علم غیب بہ عطائے الٰہی ماننا۔ دادرس۔ فریادرس سمجھنا۔ مشکل کشا، حاجت روا سمجھنا ہی شرک ہوتا تو صحابہ کرام سارے مشرک ہو جاتے۔ (نعوذ باللہ)

حیرت ہے کہ حضرات انبیاء کرام کا علم غیب۔ مشکل کشا۔ حاجت روا ہونا، ایسا ظاہر مسئلہ ہے کہ جس کا اس زمانے کے کفار بھی انکار نہ کر سکتے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب فرعون و فرعونیوں پر کوئی عذاب الٰہی آتا تھا تو بھاگے ہوئے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتے تھے اور عرض کرتے تھے لَئِنْ کَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَکَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَکَ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام اگر اس بار آپ نے یہ عذاب ہم سے دور کر دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ رب تعالیٰ بھی اور جناب کلیم اللہ بھی ان کی اس حاضری اور عرض و معروض اور حاجت روائی مشکل کشائی، فریادرسی کی درخواست کو شرک قرار نہ دیتے تھے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام دعا کر دیتے تھے۔ اور رب تعالیٰ وہ عذاب اٹھا لیتا تھا۔ پھر بعد میں یہ لوگ بے وفائی کرتے اور ان پہ دوسرا عذاب آتا۔ خود رب فرماتا ہے فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰی اَجَلٍ فَاِذَا هُمْ یَنْکُثُوْنَ جب ہم ان سے عذاب اٹھا لیتے تھے تو وہ پھر جاتے تھے۔ اگر ان کا یہ کام شرک ہوتا تو اس پہ عذاب زیادہ ہونا چاہیئے تھا نہ کہ اٹھایا جانا افسوس ہے کہ اس زمانے کے بعض کلمہ گو ان لوگوں سے بھی ناسمجھ ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کلمہ طیبہ کے دو جزو ہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اِلٰہ کے معنی اور جس چیز پر الوہیت کا مدار ہے وہ آپ حضرات معلوم کر چکے۔ اب

سوچنا یہ ہے کہ رسول کون ہوتا ہے اور رسالت کے معنی کیا ہیں اور رسالت کس چیز پہ مدار ہے؟

خیال رکھنا چاہیئے کہ رسالت کے معنی بھی بھیجنا ہیں اور بعثت کے معنی بھی بھیجنا۔ مگر ان میں فرق یہ ہے کہ بعثت مطلقاً بھیجنے کہتے ہیں مگر رسالت کچھ دے کر بھیجنا۔ کسی کے پاس بھیجنا اور کچھ دینے کے لئے بھیجنا ہے۔ لہذا رسالت بعثت سے خاص ہے۔ اسی لئے ہم عوام لوگ رسول نہیں کہلاتے۔ رسول کا مختصر ترجمہ ہے پیغام رساں فیض رساں۔ پھر رسول دو قسم کے ہیں بے اختیار رسول اور با اختیار رسول بے اختیار رسول بعض فرشتے ہیں جن کے سردار حضرت جبرائیل امین ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ اور با اختیار رسول حضرات انبیاء کرام ہیں۔ بغیر تشبیہ یوں سمجھو کہ بادشاہ کا قانونی حکم بذریعہ ڈاک گورنر یا وزیر اعظم کے پاس پہنچتا ہے۔ تاکہ اسے قانونی حیثیت سے رعایا پہ جاری کیا جائے۔ محکمہ ڈاک کا ملازم وہ پیغام رجسٹری کی شکل میں گورنر یا وزیر اعظم کے پاس پہنچاتا ہے۔ پھر یہ حضرات رعایا کو جمع کر کے یہ حکم انہیں سناتے ہیں۔ ان پر جاری کرتے ہیں۔ قانون شکنی کرنے والوں کو سزائیں دیتے ہیں بعض وفاداروں میں انعام تقسیم کرتے ہیں۔

دیکھو! محکمہ ڈاک کا ملازم بھی ان افسران کے پاس بادشاہ کا پیغام ہی لایا ہے اور ان حکام نے بھی رعایا تک بادشاہ کا پیغام ہی پہنچایا ہے۔ مگر ان دونوں پیغام رسانوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر شخص بے اختیار پیغام رساں ہے اور یہ حکام و افسران با اختیار کام دونوں نے ایک ہی کیا۔ مگر مختلف حیثیات سے کیا۔ اس فرق کا نتیجہ یہ نکلا کہ اول الذکر ملازم خادم قرار دیا گیا اور آخر الذکر حکام اس کے بھی مخدوم ہوئے اور رعایا کے بھی کہ ان حکام کی اطاعت بادشاہ کی اطاعت مانی گئی اور ان کے حکم

سے سرتابی بادشاہ کی بغاوت قرار دی گئی۔ ان حکام کو جیل بھیج دینے پھانسی لگوا دینے کے بھی اختیار دیئے گئے مگر وہاں کوئی اختیار نہیں۔

اسی طرح پیغام رساں حضرات انبیاء کرام کے خدام قرار دیئے جاتے ہیں کوئی شخص ان فرشتوں کا امتی نہیں ہوتا۔ کسی شخص پر ان فرشتوں کے احکام نافذ نہیں ہوتے ان فرشتوں کا نام کلمہ میں نہیں آتا۔ بلکہ وہ فرشتے حضرات انبیاء کے خدام خاص قرار دیئے جاتے ہیں حضرات انبیاء کرام خلق کے مخدوم رب تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ با اختیار حاکم ہوتے ہیں۔ اسی لئے قوم ان کی امت کہلاتی ہے۔ ان کے نام کا کلمہ پڑھتی ہے۔ ان کے احکام ان سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ یہ با اختیار اور بے اختیار کا فرق ضرور خیال میں رہے۔ اگر یہ حضرات انبیاء کرام بھی بے اختیار رسول ہوتے تو رسالت جبریلی و رسالت محمدی میں کیا فرق ہوتا۔ اور ہم کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ کیوں پڑھتے۔ جبرئیل رسول اللہ کیوں نہ پڑھتے۔ مسلم و بخاری میں ایک حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک بار ہم بارگاہ رسالت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جس کے کپڑے سفید اور بال کالے تھے یعنی مسافر نہ تھا اور ہم میں سے کوئی انہیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ (یعنی وہ مدینہ کا باشندہ نہ تھا) وہ حضور کے سامنے زانوئے ادب بچھا کر گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر ایسا باادب بیٹھا۔ جیسے نمازی التحیات میں رب کے حضور بیٹھتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سوال کیئے۔ "ایمان کیا ہے۔ اسلام کیا ہے۔ احسان کیا ہے۔ قیامت کب ہوگی۔ علامات قیامت کیا ہیں؟"

سرکار عالی نے انہیں جوابات عطا فرمائے۔ وہ ہر جواب پر تصدیق کرتے رہے۔ صَدَقْتَ۔ صَدَقْتَ۔ پھر چلے گئے۔ حضور نے فرمایا یہ جبریل تھے جو تمہارے پاس اس لئے آئے تھے کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔"

دیکھو!۔ جبرئیل امین نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر نہ فرمایا کہ

لوگو! میں جبریل ہوں۔ مجھ سے یہ مسائل سیکھ لو۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شاگردانہ حیثیت سے التحیات کی سی نشست بیٹھے اور سوال پیش کر کے سرکار ابدقرار کے زبان مبارک سے وہ مسئلے بیان کرائے آخر کیوں؟

اس لئے کہ لوگوں پر ان کی اطاعت اور ان کی بات ماننا واجب نہ تھی۔ بلکہ دوزانو بیٹھ کر مسلمان کو بارگاہِ نبوت کا ادب سکھا دیا۔ اور بتا دیا کہ میں بھی تمہاری طرح ان کا خادم و اُمتی ہوں۔ یہ فرق ہے با اختیار بے اختیار رسول میں جو حضرات آج انبیاء کرام کو بندہ مجبور محض بالکل بے اختیار پوسٹ مین کی طرح صرف پیغام رساں مانتے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

مصطفےٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرائیل
جبرائیل ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

ترجمہ: نبی کریم ہرگز نہ بولتے اگر جبریل نہ بولتے اور جبریل ہرگز نہ بولتے اگر خدا کلام نہ فرماتا۔

وہ رسالت جبریلی اور رسالت محمدی میں کیا فرق کریں گے اور اس صورت میں پھر ان کی اتباع کیونکر ہوگی اور قوم ان کی اُمت کیوں بنے گی۔ اختیارات رسالت کے متعلق قرآن کریم کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ :-

ہمارے نبی ان لوگوں کو ظاہری و باطنی پاک و صاف فرماتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت (حدیث پاک) سکھاتے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ محض بے اختیار پیغام رساں تزکیہ و تعلیم نہیں کر سکتا۔

(۲) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا :-

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے مالوں کے صدقات وصول فرما لیا کرو۔ اور انہیں ان صدقوں کے ذریعہ ظاہری پاکی

طہارت بھی بخشو اور باطنی پاکی تزکیہ بھی"۔

(۳) تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ۔

آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں جس کو چاہیں اپنے سے الگ رکھیں"۔

(۴) مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۔

جب اللہ و رسول کسی چیز کا فیصلہ فرما دیں تو کسی مسلمان مرد یا عورت کو اپنے ذاتی معاملات میں بھی اس کے متعلق اختیار باقی نہیں رہتا

اور فرماتا ہے:

(فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ط

اے محبوب آپ ہی کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے تمام اختلافات میں حاکم مطلق نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے قلب میں کوئی تنگی نہ پائیں بلکہ سر تسلیم خم کر دیں۔

بے اختیار پیغام رساں نہ حاکم ہی ہوتا ہے نہ اس کو اپنی قوم پر اتنے اختیارات ہی حاصل ہوتے ہیں۔

رسول کی ضرورت

اگرچہ اللہ تعالیٰ بمقابلہ شہ رگ کے بھی ہم سے قریب ہے۔ خود فرماتا ہے:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۔

ہم اس سے بمقابلہ شہ رگ کے قریب تر ہیں۔

لیکن ہم رب تعالیٰ سے بہت دور ہیں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے

یار نزدیک تر از من بمن است　　　دیں عجب بیں کہ من از وے دورام

کہ بلا واسطہ ہم اس سے فیض یاب نہیں ہو سکتے ہم ظلمت ہیں وہ نور وہ قادر ہے ہم مجبور و مقدور۔ وہ قاہر ہے ہم مقہور۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ رب و مربوب" عابد و معبود" خالق و مخلوق۔ بندہ و بندہ نواز۔ محتاج و کارساز" کے درمیان کوئی ایسا برزخ کبریٰ ہو جو سب سے فیض۔ لے تکے ہم کو دے سکے۔ جب قلب و قالب کے درمیان رگوں پٹھوں۔ شرایئن وغیرہ کی ضرورت ہے کہ یہ رگیں قلب کا فیض ہڈی اور گوشت تک پہنچاتی ہیں"۔ روح" جسم کو بذریعہ قلب و جگر پالتی اور پرورش کرتی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم مجبور بلا واسطہ رب سے فیض لے سکیں اور اس تک پہنچ سکیں۔ اس لئے ہمارے اور رب کے درمیان ایک برزخ ضروری ہے۔ اسی برزخ کا نام رسول ہے۔ اور اسی وساطت کا نام رسالت ہے۔

ہر وہ شخص جو رب تک پہنچنا چاہے یا اس سے کچھ لینا چاہے اسے رسول کی ضرورت ہے بلکہ جو دنیا کی آفات سے بچنا چاہے اس کے لئے نبی کا دامن پکڑنا ناگزیر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور بکھر نہ جاؤ۔

اس آیت کی تشریح یوں سمجھو کہ ایک گہرے کنوئیں میں شفاف پانی بھی ہے اور تہ میں کیچڑ کوڑا بھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ کنوئیں میں ڈول جائے پانی لے کر بخیریت اوپر آجائے۔ وہاں کی کیچڑ اور کوڑے میں پھنسا نہ رہ جائے اس لئے ہم رسی کا واسطہ اختیار کرتے ہیں۔ کہ اس کا ایک کنارا اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں دوسرا ڈول میں باندھتے ہیں اور اگر رسی موٹی ہو جس میں گرہ نہ لگ سکے تو اس کو تار یا پتلی رسیوں کے ذریعے ڈول سے وابستہ کرتے ہیں۔ اس صورت میں ڈول کنوئیں میں جا کر پانی لے کر بخیریت اوپر آجاتا ہے۔ نہ کیچڑ میں پھنستا ہے اور نہ وہیں رہ جاتا ہے۔

دنیا ایک گہرا کنواں ہے جس میں درست عقائد اور نیک اعمال کا شفاف

پانی بھی ہے جس سے آخرت کی کھیتی ہری ہوتی ہے اور یہاں بدعقیدگیوں بدعملیوں کی کیچڑ بھی ہے ہم لوگ ڈول کی طرح یہاں نیک اعمال کا پانی لینے آئے ہیں۔ رب نے اعلان فرمادیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔

ہم نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کے لئے۔

مرضی الٰہی تھی کہ میرے بھولے بندے دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں پھنس کر رہ نہ جائیں وہاں سے بخیریت اعمال وعقائد کا پانی لے کر آئیں تو اس رحیم وکریم نے اس ذات کریم کو ہم میں بھیجا۔ جن کا ایک ہاتھ رب کے دست قدرت میں ہے اور دوسرا مخلوق کی دستگیری کے لئے ادھر ادھر پھیلا ہوا ہے انہی کا نام حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ۔ یعنی اللہ کی مضبوط رسی ہے۔

جس نے اللہ کی اس مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔ اس نے اللہ کا دست کرم پکڑ لیا۔ خود فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ : جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

پھر خیال رہے کہ جیسے ڈول موٹے اور مضبوط رسے سے بلا واسطہ نہیں بندھ سکتا۔ بلکہ اسے تاروں اور چھوٹی رسیوں کے ذریعہ باندھا جاتا ہے اسی طرح ہم لوگ براہ راست حضور کے دامن سے وابستہ نہیں ہو سکتے اس وابستگی کے لئے ولایت کے مضبوط تار کی ضرورت ہے۔ ہمارے مشائخ ہم کو حضور تک پہنچاتے ہیں اور حضور اللہ تعالیٰ تک

بھیکا وہ سر کوڑ ہیں جو جائیں گر کو اور
رب روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں ٹھور

فقیر کی اس تقریر سے ضرورت رسالت بھی ثابت ہوگی اور ضرورت ولایت بھی۔

دلی کتنا ہی اونچا ہو رب تک نہیں پہنچا سکتا۔ وہ حضور تک پہنچائے گا۔ خدا تک پہنچ حضور کا اور صرف حضور ہی کا کام ہے۔ تانگہ کتنا ہی قیمتی ہو گجرات والوں کو کرا نہیں پہنچا سکتا۔ تانگہ صرف ریل تک ہی پہنچائے گا اور ریل کراچی تک۔

جب یہ سمجھ لیا تو یہ بھی سمجھ لو کہ عقیدۂ رسالت کے لئے تین باتیں ماننا ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ ہم براہِ راست رب تعالیٰ سے کوئی نعمت نہیں لے سکتے جو کچھ ملے گا وسیلہ رسول سے ملے گا ورنہ رسالت کی ضرورت ہی نہ رہتی اور دنیا میں رسول کی تشریف آوری بالکل بے کار ہوتی۔ کیونکہ ہم لینے والے رب دینے والا۔ پھر رسول کی کیا ضرورت رہی؟

دوسرے یہ کہ رسول ہماری طرح بے بس نہیں وہ رب سے لے بھی سکتے ہیں اور ہم کو دے بھی سکتے ہیں۔ اگر وہ براہ راست رب سے لینے پر قادر نہ ہوں تو پھر انہیں خود ایک اور رسول دینے کی ضرورت درپیش آئے گی۔ جس کے وہ اُمتی بنیں گے اور اگر ہمیں دینے پر قادر نہ ہوں گے تو ہمیں ایک اور رسول کی ضرورت پیش آئیگی

تیسرے یہ کہ رسول دینے والے رب کو بھی جانتے ہیں اور لینے والے اُمتیوں کو بھی پہچانتے ہیں کہ ان دو علموں کے بغیر لینا اور دینا متحقق نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ وسیلۂ نبوت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر نعمت رب سے بلا واسطہ لو۔ وہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکاری ہیں۔ اور کلمہ طیبہ کی دوسری جز محمد رسول اللہ کے منکر ہیں۔ کیونکہ جب ہر چیز رب سے ہم خود لے سکتے ہیں تو ان کی پھر کیا ضرورت رہی؟ نعوذ باللہ منہ۔

اس تقریر سے آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ رسول کی نسبت اللہ تعالیٰ سے لینے کی ہے۔ ہم سے نسبت ہے عطا کرنے کی اس ہی لئے انہیں رسول اللہ بھی کہا جاتا ہے یعنی اللہ سے لینے والے اور ہم انہیں رَسُوْلُنَا بھی کہتے ہیں۔ یعنی ہم کو دینے والے۔ ان دو نسبتوں میں ان کے دو کمالات کا اظہار ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو "رَسُوْلُ اللّٰہِ" بھی کہا

گیا ہے اور "رَسُوْلُکُمْ" بھی فرمایا گیا۔

رسول کی شان

دنیا میں ہم بھی رب کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ اور رسول بھی۔ مگر ہماری آمد کو قرآن کریم نے خلق یعنی پیدائش فرمایا کہ ارشاد ربانی ہوا۔

خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ : اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

اور فرمایا گیا : وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔

ہم نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا۔ مگر عبادت کے لئے" اور فرمایا گیا۔

خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ اللہ نے تم کو اور ان کو پیدا فرمایا۔ جو تم سے پہلے گزرے۔

مگر رسول کی دنیا میں تشریف آوری کو بعثت اور "رسالت" سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا :

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا۔

وہ اللہ وہ ہے جس نے بے پڑھوں میں رسول بھیجا۔

اور فرمایا : هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ :

اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

غرضکہ لفظ بعثت اور رسالت صرف نبیوں کے لئے استعمال ہوا ہے ہمارے واسطے نہیں یعنی ہم اللہ کی صرف مخلوق ہیں اور رسول اس کی مخلوق بھی ہیں رسول بھی اور اس کے مبعوث بھی اس فرق کی چند وجوہات ہیں :۔

ایک یہ کہ ہم دنیا میں اپنے کام کے لئے اپنی ذمہ داری پر آتے ہیں اور رسول دنیا میں رب کے کام کے لئے رب کی ذمہ داری پر تشریف لاتے ہیں جیسے کہ کسی ملک میں کوئی شخص اپنے کام کے لئے جائے اور کوئی مملکت کا سفیر بن کر حکومت کے کام کے لئے اس کی ذمہ داری پر جائے۔ یقیناً دونوں کے جانے میں فرق ہے کہ سفر کے تمام اخراجات اس حکومت کے ذمہ ہوں گے اس کی ہر

بات حکومت کی بات ہوگی۔ بخلاف خود اپنی ذمہ داری پر جانے والے کے۔

دوسرے یہ کہ ہم دنیا میں بننے کے لئے آئے ہیں کہ درست عقائد اختیار کر کے مومن بنیں نیک اعمال کر کے متقی پرہیزگار بنیں مگر رسول دوسروں کو بنانے کے لئے آتے ہیں کہ لوگ ان کے ذریعہ متقی و پرہیزگار بنیں۔ اسلام کے جہاز میں ہم بھی سوار ہیں اور رسول بھی۔ مگر ہم پار لگنے کے لئے رسول ہم کو پار لگانے کے لئے۔ جیسے جہاز میں مسافر بھی سوار ہوتے ہیں اور کپتان بھی۔ اگرچہ جہاز و سمندر راہ سفر کا مبداء و منتہیٰ ایک ہے مگر مسافر جہاز میں پار لگنے کے لئے سوار ہوئے ہیں اور کپتان پار لگانے کے لئے اسی فرق کی بنا پر مسافر کرایہ دے کر سوار ہوتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر۔

تیسرے یہ کہ ہم لوگ دنیا میں ناسمجھ آتے ہیں یہاں آ کر سیکھتے ہیں وہ حضرات سب کچھ رب سے سیکھ کر آتے ہیں اور دوسروں کو سکھانے آتے ہیں اسی لئے ہم لوگ یہاں کے ماحول کے مطابق بن جاتے ہیں۔ مگر رسول گندے ماحول میں آ کر ستھرے رہتے ہیں یعنی ہمیں ماحول بدلتا ہے اور وہ ماحول کو بدلتے ہیں۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ارشاد فرمایا: اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ الخ:

میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب (انجیل) عطا فرمائی مجھے نبی بنایا۔ اور مجھے برکت والا بنایا۔ جہاں میں بھی رہوں اور مجھے نماز و پاکیزگی کا حکم دیا۔ جب تک زندہ رہوں اور اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا۔"

اس آیت کریمہ میں سارے صیغے ماضی کے استعمال ہوئے یعنی سب کچھ بنکر سیکھ کر یہاں آیا ہوں۔ یہ ہے رسول کی شان۔ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی عارف کامل رسول ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی گناہ کے قریب بھی نہ گئے۔

زمانہ پرورش میں بی بی حلیمہ دائی رضی اللہ عنہا کے ہاں جب بچوں نے کھیل کی دعوت دی تو اس عمر شریف میں زبان فیض ترجمان سے فرمایا :

مَا خُلِقْنَا لِهٰذَا : ہم اس کام کے لئے پیدا نہیں کیے گئے۔

یہ ہے رسول کی فطرت اور یہ ہے رسول کی دنیا میں تشریف آوری کی شان۔

جو لوگ رسولوں کو اپنی طرح بے خبر یا بے علم یا نبوت سے پہلے گمراہ و بیدین مانتے ہیں وہ درحقیقت رسول کی شان کے منکر ہیں۔ اگر رسول ہماری طرح اصلاح طلب ہوتے تو انہیں ایک اور رسول کی ضرورت ہوتی جو ان کی اصلاح کرتا۔ اور جس کی امت یہ ہوتے۔

خیال رہے کہ سب سے بڑا کامیاب وہ شخص ہے جو پاک وستھرا ہو کر جئے رب کا نام جپے اور نماز کا پابند رہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۔

بے شک کامیاب ہو گیا وہ جو پاک وصاف ہوا اور جس نے اپنے رب کا نام جپا اور نماز پڑھی۔"

معلوم ہوا کہ پاکی وصفائی کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ پاک کرنے والا کون ہے؟

یہ بھی قرآن کریم نے ہی بتایا کہ ارشاد فرمایا :-

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ :-

ہمارے نبی ان لوگوں کو پاک وصاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔

اور فرماتا ہے :

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا :

آپ ان کے صدقے قبول فرمالو ان کے ذریعہ آپ انہیں پاک وصاف فرما دو۔

پتہ لگا کہ پاک ہونے والے ہم ہیں اور پاک کرنے والے حضور۔ ہمارے پاس چار چیزیں ہیں : "جسم۔ دماغ۔ دل اور روح" حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیں

چار چیزیں عطا فرمائیں۔ "شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت"۔ شریعت سے ہمارے جسم کو پاک فرمایا۔ طریقت سے ہمارے دماغ وخیالات کو پاکیزگی بخشی۔ حقیقت سے دل کو اور معرفت سے روح کو پاک وصاف فرمایا۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ شریعت کا مرکز جسم پاک مصطفٰے ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ طبیعت کا مرکز دل شریف۔ حقیقت کا سرچشمہ روح مصطفوی اور معرفت کا مرکز سرِّ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو چار قسم کی گندگیاں دُور فرمانے کے لئے چار قسم کے پانی بخشے۔ رہا ہمارا نفس امارہ وہ نجس لعینہٖ ہے۔ جو کسی پانی سے پاک وصاف نہیں ہوتا۔ اس کو پاک فرمانے کے لئے عشق مصطفوی کی آگ عطا فرمائی جس سے نفس کو جلا کر اس کی حقیقت بدل دو۔ تبدّل حقیقت ناپاک کو پاک کر دیتا ہے۔

بہرحال

مخلوق کو رسول کی ایسی ہی حاجت ہے جیسے زمین کو پانی کی۔ چمن کو بارش کی۔ زمین کا کوئی حصّہ کسی وقت بارش سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی کوئی فردِ بشر خواہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو۔ کسی وقت زندگی موت، قبر و نشر میں حضور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور جیسے چمن کا ہر برگ و بار گل وخار بارش کا مرہونِ منت ہے۔ یونہی مخلوق کا ہر کمال بارگاہِ نبوّت کا رہینِ کرم ہے۔ انہی کے رب کی قسم جو جسے ملا انہی کے ہاتھوں ملا ؎

لَا وَ رَبِّ الْعَرْشِ جو جس کو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار
کہ اگر خار و گر گل ہمہ پروردۂ تست

خدا سے دعا ہے کہ ہم سب کو باران کرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیرابی نصیب ہو۔ آمین!

ایک شبہ ہماری اس تقریر پر بعض حضرات کی طرف سے ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جب رسول بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ لے سکتے ہیں تو پھر ان کے اور رب کے درمیان حضرت جبرئیل کا واسطہ کیوں رکھا گیا اور وحی کا سلسلہ کیوں قائم کیا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ :

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بازوؤں والے قاصد بنایا۔

اور فرماتا ہے:

نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ عَلٰى قَلْبِكَ

حضرت جبرئیل نے یہ قرآن آپ کے دل پر اتارا۔

ان آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم بلا واسطہ رب سے کچھ نہیں لے سکتے۔ ایسے ہی رسول بلا واسطہ اس سے نہیں لے سکتے۔ وہ حضرات ایک اور رسول کے حاجتمند ہیں جنہیں شریعت کی زبان میں رُوح القدس یا جبرائیل کہتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے حضرت جبرائیل اور ان کے معاونین فرشتوں کو رسول فرمایا۔

اس شبہ کا ازالہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وحی کی آمد اور جبرئیل علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنا قانون کے اجراء کے لئے ہے نہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کے لئے۔ رب تعالیٰ نے حضور کو پہلے ہی سب کچھ سکھا پڑھا کر بھیجا ہے۔ مگر قوانین الٰہیہ کا بندوں میں اجراء اس وقت ہوگا۔ جب بذریعہ وحی وہ قانون نازل فرمایا جائے گا اس کے دلائل چند ہیں:

ایک یہ کہ رب العالمین نے قرآن کریم کی تعریف اس طرح فرمائی۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ قرآن پرہیزگاروں کا ہادی ہے۔

یعنی اے محبوب تمہارا ہادی نہیں تم تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہو کہیں ھُدًی لَّکَ نہ فرمایا:

دوسرے یہ کہ نزول قرآن کا سلسلہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے

چالیس سال بعد شروع ہوا اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی صدق وامانت راست گفتاری و پاک بازی کا مرقع تھی حتیٰ کہ کفار نے آپ کو امین و صادق الوعد کا خطاب دیا تھا۔

اگر آپ کی ہدایت نزول قرآن پر موقوف ہوتی تو آپ کے یہ چالیس سال اپنے ماحول کے مطابق عام اہل عرب کے سے گزرتے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے اس دراز مدت میں شرک و کفر تو کیا کبھی کھیل کود، تماشوں، شراب جھوٹ وغیرہ کے قریب بھی نہ گئے۔ کبھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھایا۔ بنا ءبریں ہدایت کس فرشتہ یا وحی کے ذریعہ حضور نے لی تھی؟

تیسرے یہ کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس وقت سرکار غارِ حرا میں چھ ماہ سے اعتکاف نماز سجدہ و رکوع وغیرہ عبادات میں مشغول تھے غور کیجئے کہ اس زمانہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ عبادتیں کس سے سیکھیں۔

چوتھے یہ کہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز کا تحفہ معراج کی رات لامکان میں پہنچ کر عطا ہوا۔ اور معراج کے سویرے فجر کی نماز نہ پڑھائی گئی۔ ظہر کے وقت سے متواتر دو روز تک جبرائیل امین حاضر ہوتے رہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت کی نماز پڑھاتے رہے تب نماز پنجگانہ جاری کی گئی۔ مگر یہ بھی غور کیا کہ معراج کی رات فرش سے عرش پر جاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں سارے انبیاء کرام کو نماز پڑھائی۔ اس طرح کہ آپ امام ہوئے اور سارے انبیاء کرام مقتدی جن میں سے بعض مؤذن بعض مکبر غور تو کرو کہ نماز لینے جا رہے ہیں مگر نماز پڑھا کر جا رہے ہیں۔

اور کن کو نماز پڑھائی بادشاہوں کو نہیں بلکہ ان انبیاء کرام کو جو اپنی امتوں کو نماز پڑھاتے۔ بتاتے، سکھاتے رہے۔ اور یہ مسئلہ معلوم ہونا چاہیئے کہ نماز کا امام شرعاً وہ ہو جو تمام مقتدیوں سے زیادہ نماز کے مسائل سے واقف ہو۔

پانچویں یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی بواسطہ جبرائیل علیہ السلام نہ ہوتی تھی۔ وحی کا بیشتر حصّہ وہ ہے جو بلا واسطۂ جبرائیل حضور پر انقاء ہوتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔

ہمارے محبوب اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سب وحی الٰہی ہے۔ جو اُن کی طرف کی جاتی ہے ۔

اور ظاہر ہے کہ ہر کلام پر جبرئیل امین وحی لے کر نہ آتے تھے اور فرماتا ہے :
ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى۔

پھر ہمارے محبوب قریب سے قریب تر ہوئے۔ چنانچہ دو کمانوں میں ہو گئے۔ پھر رب نے اپنے بندے کو جو وحی کی سو کی ۔"

ظاہر بات ہے کہ اس قرب خاص کے وقت جو وحی خاص کی گئی ہے۔ وہاں جبرئیل امین کا گمان وخیال بھی نہ پہنچ سکتا تھا۔ ؎

غنچے مَا اَوْحٰى کے وہ چٹکے دَنٰى کے باغ میں
بلبل سدرہ تک ان کی بُو سے بھی محرم نہیں

بہرحال یہ ماننا ہی پڑے گا کہ رب العالمین اور محبوب کے درمیان جناب جبرائیل کی آمد و رفت اور وحی کا سلسلہ اجراء قوانین کے لئے ہے نہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے محض علم کے لئے ورنہ پھر جیسے ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں حضور جبرائیل امین کے اُمتی ہوتے اور جیسے ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ حضور جبرائیل امین کا کلمہ پڑھتے۔

نبی اس مضمون کے دو حصّے ہیں ایک اسلام میں نبوت کا درجہ دُوسرے اسلام میں نبی کا مقام۔ خیال رہے کہ مدارِ نجات توحید نہیں بلکہ ایمان ہے اور مدار ایمان محبت ہے ۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مدارِ نجات محبت ہے اس کی چند دلیلیں ہیں :۔

ایک یہ کہ شیطان خدا کی ذات و صفات جنت و دوزخ۔ حشر و نشر۔ تقدیر و ملائکہ وغیرہ سب کا قائل تھا۔ مگر نجات نہ پا سکا۔ خود کہتا ہے:

وَ بِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔

تیری ہی عزت کی قسم میں ساری اولادِ آدم کو بہکاؤں گا۔ سوا تیرے خلوص والے بندوں کے۔

معلوم ہوا کہ رب کی ذات و صفات سے واقف ہے نیز وہ جانتا ہے کہ مخلص بندے ایسے داؤ سے ماہر ہیں یعنی تقدیر کا قائل ہے اور عرض کیا تھا:

أَنْظِرْنِیْ إِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔

مولا! مجھے اس دن تک مہلت دے جب سب اٹھائے جائیں گے

پتہ لگا کہ قیامت اور احوال قیامت کو جانتا مانتا ہے رب نے فرمایا تھا:

لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِمَّنْ تَبِعَكَ :۔

میں تیرے اتباع کرنے والوں سے دوزخ بھر دوں گا۔

پتہ لگا کہ جنت و دوزخ سے بھی خبردار ہے۔

غرضیکہ سارے ایمانیات کو مانتا ہے۔ انکاری ہے تو نبوت کا۔ لہذا پھٹکار کا مستحق ثابت ہوا۔ نبوت کو توحید کے ساتھ وہی نسبت ہے جو سو یا ہزار کے نوٹ کی تحریر کو اس کے کاغذ کے ساتھ ہے کہ جب نوٹ سرکاری تحریر کے ساتھ ہو تو ایک وقت نہیں بلکہ ہر وقت سو روپیہ قیمت رکھتا ہے لیکن اگر یہ سرکاری تحریر مٹا دی جائے تو صرف کاغذ کی کوئی قیمت نہیں یونہی بازار قیامت میں اسی توحید کی قیمت ہو گی جس پر نبوت کی مہر ہو گی۔

دوسرے یہ کہ کلمہ طیبہ نام ہے کلمہ توحید (وحدانیت کا) مگر اس کے دو جزء ہیں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ: پہلے جزء میں توحید کا ذکر ہے دوسرے میں نبوت کا۔ خیال تو کرو کہ نام کلمہ توحید اور اس

میں ذکر دو کا معلوم ہوا۔ کہ پہلے جز میں توحید کے کاغذ کا ذکر ہے اور دوسرے میں اس کی سرکاری مہر کا جس سے یہ توحید ایمانی توحید بنی۔

اگر فقط توحید نجات کے لئے کافی ہوتی تو اس کلمۂ طیبہ میں یہ دوسرا جز قطعاً نہ ہوتا۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہم لوگوں کو اَلَّذِیْنَ وَحَّدُوْا کہیں نہ فرمایا۔ ہم مردوں کو مومنین اور عورتوں کو مومنات کا خطاب دیا۔ موحدین یا موحدات سے کہیں مخاطب نہ فرمایا۔ اگر صرف توحید نجات کے لئے کافی ہوتی تو کہیں نہ کہیں ہمیں یہ خطاب ضرور دیا جاتا۔

چوتھے یہ کہ مسلمانوں کے علاوہ اور بہت سے فرقے توحید کے قائل ہیں جیسے سکھ، آریہ بلکہ بعض عیسائی بھی۔ لیکن انہیں مسلمان نہیں کہا جاتا اور نہ ان کی نجات ممکن کیوں؟ صرف نبوت کے انکار سے توحید کو نبوت کے شیشہ میں دیکھو، کعبہ معظمہ کا نظارہ سبز گنبد کی سنہری جالیوں کے جھروکوں سے کرو۔ تب مومن بنو گے۔

پانچویں یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک دنیا میں بہت سے آسمانی دین آئے اور ان سب کو الگ الگ دین مانا گیا۔ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ ان دینوں کی توحیدیں مختلف تھیں اس لیئے نہیں کہ ان ادیان میں حشر و نشر جنت دوزخ وغیرہ کے عقائد میں اختلاف تھا اس لیے نہیں کہ ان ادیان میں جنت و دوزخ کے فرشتے یا مسئلہ تقدیر کے ماننے میں اختلاف تھا۔ تمام دین ان چیزوں کو یکساں مانتے تھے اس کے باوجود مختلف تھے۔ اس لیے کہ ان کی نبوتیں مختلف اور نبی جدا تھے دین موسوی اور تھا دین عیسوی کچھ اور کیوں؟ اس لئے کہ دین موسوی کے نبی موسیٰ علیہ السلام تھے اور دین عیسوی کے جناب عیسیٰ علیہ السلام۔

معلوم ہوا کہ دین بنتا ہے نبوت سے، خالی توحید اور دین رب نے کبھی دنیا

میں نہیں بھیجا۔

چھٹے چونکہ قبر میں ہر مُردے سے توحید اور دین کے سوال کے بعد نبوّت کا سوال ہوتا ہے۔ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُل ؟ تو ان کے بارے میں کیا کہتا تھا۔

اگر فقط عقیدۂ توحید کافی ہوتا تو پہلے جواب (ربی اللہ) پر ہی مرد بخش دیا جاتا ہے۔

اِن دلائل سے ثابت ہوا کہ نجات کا دارومدار صرف عقیدۂ توحید پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر۔

نوٹ ضروری جو مردے دفن نہ کیے جائیں مثلاً ان کو شیر کھا جائے یا ڈوب کر اور جل کر ہلاک ہوجائیں یا یونہی ان کی لاشیں عرصے تک پڑی رہیں ان سے بھی یہ سوال اور بعد سوال سزا جزا ہوتی ہے مگر صرف روح سے جسے کوئی بھی محسوس نہیں کرسکتا۔ ماں کے پیٹ میں فرشتے پہنچکر سب کچھ لکھ جاتے ہیں مگر ماں کو خبر نہیں ہوتی۔

گذشتہ تقریر میں بیان کئے گئے دلائل سے ثابت ہوا کہ نجات کا دارو مدار صرف عقیدۂ توحید پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوّت پر۔

لطیفہ : اس سلسلۂ گفتگو میں جب سوالات قبر کا ذکر آگیا ہے تو ایک ایمان افروز پُرلطف بات بھی سُن لیجئے۔

نکیرین قبر میں مُردے سے تین سوال کرتے ہیں :

مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے ؟ بندہ کہتا ہے اللہ۔

نکیرین کہتے ہیں :

مَا دِیْنُكَ تیرا دین کیا ہے ؟ بندۂ مومن کہتے ہیں۔ اسلام

پھر کہتے ہیں۔ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُل ؟

تو ان صاحب کے متعلق کیا کہتا تھا۔ مومن بندہ کہتا ہے اللہ کے سچے رسول۔

مگر طرز سوال میں فرق ہے۔ توحید و دین کے سوال میں لفظ هٰذا نہیں مگر نبوت کے سوال میں هٰذا موجود ہے۔ یعنی جیسے پوچھا گیا تھا کہ رب تیرا کون ہے۔ دین تیرا کیا ہے؟ ایسے ہی یہ نہ کہا گیا کہ نبی تیرا کون ہے عجیب لطف ہے کہ سوال تین ہیں۔ اور نیت سوال دو! وجہ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور دین میت کو دکھایا نہیں جاتا۔ تاکہ اس کی طرف لفظ هٰذا سے اشارہ کیا جا سکے۔ اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال میت کو دکھا کر کہا جاتا ہے کہ دیکھو وہ گورے چہرے والے کالی زلفوں والے کون ہیں اور تو انہیں جیتے جی کیا کہتا تھا۔ بھائی کہتا تھا یا آقا۔ اپنی مثل کہتا تھا یا بے مثال نبی!

یہاں دو اعتراض ہیں ایک یہ کہ بیک وقت مختلف مقامات پر ہزارہا مُردے دفن ہوتے ہیں اور ایک ہی ساعت اور ایک ہی آن میں ان ہزارہا مقامات پر سوالات قبر ہوتے ہیں اور ایک جمال اتنی جگہوں سے کیسے دکھائی دے سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک سورج بیک وقت ہزارہا جگہ سے دیکھا جا سکتا ہے اور ہر جگہ اشارہ کرکے کہا جاتا ہے۔ یہ سورج ہے۔ بلکہ ہزارہا جگہ سے لاکھوں شیشوں کو بیک وقت سورج کی طرف کر دیا جائے تو وہی ایک سورج ان سب شیشوں میں اپنی تجلی شعاعیں اور تیز ی جگمگاہٹ ڈال دیتا ہے۔ یہ تو آسمانی مثال تھی۔

آج سائنس کے دریافت کردہ ٹیلی ویژن نے اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں ہر جگہ نظر آ سکتا ہے اور اس کی آواز لاکھوں جگہ سنی جاتی ہے جب نار کی طاقت کا یہ حال ہے تو نور کی طاقت کا کیا پوچھنا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہم مسلمان جنہوں نے زندگی میں کبھی جمال مصطفوی کی زیارت نہ کی وہ قبر میں حضور کو کس طرح پہچانیں گے اور ابوجہل وغیرہ کفارِ مکہ جنہوں نے عمر بھر حضور کو دیکھا تھا وہ کیوں نہ پہچان سکے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مادی تعلقات میں پہچان دیکھنے بھالنے سے ہوتی ہے مگر رُوحانی اور ایمانی تعلق میں پہچان اس آنکھ کے دیدار پر موقوف نہیں۔ زندگی میں جس کو حضور سے ایمانی رشتہ رہا وہ ضرور پہچان لے گا۔ اگرچہ کبھی نہ دیکھا ہو اور جسے ان سرکار سے رشتہ ایمانی نہ رہا وہ ہرگز نہ پہچان سکے گا اگرچہ مرتے وقت تک حضور کو دیکھتا رہا ہو۔

بعض خوش نصیب خواب میں اور بعض اہل کمال حضرات کشف میں حضور کی زیارت کرتے ہیں اور دیکھتے ہی پہچان کر فدا ہو جاتے ہیں۔

بہرحال یہ مسئلہ بالکل واضح ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ھٰذا ذہنی اشارہ کے لئے ہے حسی اشارہ کے لئے نہیں یعنی مردے کو جمال مصطفوی دکھایا نہیں جاتا بلکہ اس سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ صاحب کون ہیں جو تیرے علم میں ہیں مگر یہ غلط ہے۔

اولاً تو اس لئے کہ ذہن میں تو دین بھی موجود تھا مُردے کو بھی اللہ تعالیٰ کا علم تھا۔ تو ان دونوں کی طرف ھٰذا سے ذہنی اشارہ کیوں نہ کیا گیا۔

دُوسرے اس لئے کہ کافر حضور سے خالی الذہن ہوتا ہے اگر کوئی جمال اس کی نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا تو وہ سوال سن کر ذرا کہتا کہ کس کے بارے میں پوچھتے ہو وہ یہ نہیں کہتا بلکہ کہتا ہے ہا، ہا لا اَدْرِیْ میں انہیں پہچانتا نہیں۔ معلوم ہوا کہ کوئی جمال اس کے سامنے ہے جسے دیکھ رہا ہے۔ مگر پہچان نہیں رہا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ملائکہ مُردے کو حضور کی تصویر دکھاتے ہیں۔ مگر یہ بھی باطل ہے اس لئے کہ وہ تصویر نہ رَجُل ہے نہ نبی اس تصویر کو رَجُل کہنا غلط ہونا اور نبی بتانا کفر ہوتا۔

نیز اگر تصویر ایک ہی ہے جو ہر جگہ دکھائی جاتی ہے تو پھر وہی سوال

پیدا ہوگا۔ کہ ایک تصویر بیک وقت لاکھوں مقامات پر کس طرح نظر آرہی ہے اور اگر تصاویر چند ہیں تو بھی غلط ہے اور اگر تصاویر چند نہیں تو بھی غلط۔ کیونکہ سوال کرنے والے فرشتے دو ہی ہیں۔

بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ نجات کا مدار توحید پر نہیں ہے بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر

نبی

یہ لفظ نَبَأٌ بمعنی خبر کا صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں خبر والا جیسے کریم کرم والا۔ رحیم، رحم والا۔ حسین، حسن والا۔ ایسے ہی نبی خبر والا۔ اس خبردار ہونے والا میں تین احتمال ہیں:

خبر دینے والا، خبر لینے والا اور خبر رکھنے والا۔

اگر اس کے معنی ہوں خبر دینے والا تو غور طلب مسئلہ یہ ہوگا کہ کون سی اور کہاں کی خبر دینے والا۔

اخبار۔ ریڈیو۔ تار۔ خط۔ لفافے، وائرلیس۔ ٹیلیفون وغیرہ اور بی بی سی کا محکمہ یہ سب ہی خبر دینے والے ہیں۔ مگر ان کو نبی نہیں کہا جاتا۔ اگر کہو کہ حرام و حلال کی خبر دینے والا اور شرعی مسائل بتانے والا نبی ہے تو ہر عالم۔ ہر مجدد و مجتہد یہ خبریں دیتا ہے مگر ان کو نبی نہیں کہا جاتا۔

بہرحال کوئی خاص ہی خبر ہونی چاہیئے جس کا پہچاننے والا نبی کہلائے لہٰذا تحقیق یہی ہے۔ کہ فرش والوں کو فرش کی خبر دینے والا اور عالم شہود کی باتیں بتلانے والا اخبار یا تار ہے۔ اور کتب یا اجتہاد سے مسائل بتلانے والا عالم یا مجتہد ہے مگر فرش والوں کو عرش کی خبریں دینے عالم غیب کی باتیں بتانے والا نبی ہے۔ جہاں خبر رسانی کے اسباب معطل اور بے کار ہوں وہاں کی خبریں دینے والی ذات نبی ہے۔

جو لوگ نبی کے علوم غیبیہ کا انکار کریں وہ درحقیقت ان کی نبوت ہی کے منکر ہیں اور جو لوگ کہیں کہ نبی صرف مسائل شرعیہ جانتے ہیں اور دنیا والوں کو صرف وہی بتانے آتے ہیں۔ وہ لوگ نبی اور عالم مجتہدین کیا فرق کریں گے۔ میں آپ کو چند روایتیں سناتا ہوں جن سے پتہ لگے گا کہ نبی کہاں کی خبر دیتے ہیں۔

بارگاہِ رسالت میں

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کچھ مغموم سے بیٹھے تھے۔ فرمایا جابر کیا بات ہے غم زدہ کیوں ہو؟ عرض کیا میں غم زدہ کیوں نہ ہوؤں۔ میرے والد حضرت عبداللہ غزدۂ احد میں شہید ہو گئے۔ لڑکیاں اور قرض چھوڑ گئے یعنی ان کی جدائی کا غم اپنی بہنوں و قرض کی فکر دونوں ہی مجھ میں جمع ہو گئی ہیں۔

فرمایا۔ کیا تمہیں کچھ بتائیں۔ جس سے تمہارا غم غلط ہو جائے۔ عرض کیا۔ حضور ضرور!

فرمایا۔ آج تک رب تعالیٰ نے کسی سے بے حجابانہ کلام نہ فرمایا۔ تمہارے والد وہ پہلی میت ہیں کَلَّمَہٗ رَبُّہٗ کِفَاحًا۔ کہ ان سے ان کے رب نے بے حجابانہ کلام فرمایا۔

حضرت جابر کو شوق پیدا ہوا کہ وہ کلام بھی سن لیں۔

فرمایا: رب نے تمہارے والد سے ارشاد کیا تَمَنَّ (کچھ آرزو کرو)۔

تمہارے والد نے عرض کیا کہ مولیٰ تو نے مجھے سب کچھ دیا۔ کس چیز کی آرزو کروں؟ فرمایا ضرور کچھ آرزو کرو۔ عرض کیا کہ مولیٰ یہ آرزو ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیجا جائے۔ پھر وہی میدانِ اُحد کی تپتی ہوئی زمین ہو۔ اسی طرح پھر خون میں نہاؤں اور تیری راہ میں سر کٹاؤں۔ جو مزہ تیری راہ میں سر کٹانے میں آیا وہ کسی چیز میں نہ آیا تب رب نے فرمایا۔ کہ ہمارا یہ قانون نہیں کہ کسی کو آزما کر یا کسی کو پاس کر کے دوبارہ آزمائیں۔

اسی طرح ایک بی بی صاحبہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ

یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) میرا اکلوتا جوان بیٹا آپ کے ساتھ جہاد میں شہید ہو گیا ہے اگر وہ جنت میں ہو تو میں صبر کروں اور اگر اس کے خلاف ہو تو میں اس پر ایسا روؤں گی جس کی زمانہ میں یادگار رہے گی۔

فرمایا۔ اللہ کی بندی جنت کے آٹھ طبقے ہیں۔ تیرا بیٹا جنت کے سب سے اعلیٰ طبقے فردوس میں ہے۔

یونہی ایک شخص کو زمانۂ اقدس میں سزائے سنگسار کیا گیا۔ کسی نے اس کی سنگساری کے بعد اسے برائی سے یاد کیا۔ فرمایا تم اسے برا کہہ رہے ہو اور وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔

دیکھو سرکار زمین مدینہ میں تشریف فرما ہو کر کہاں کی خبریں دے رہے ہیں وہاں کی خبر جہاں خبر رسانی کے سب ذرائع مفقود ہیں۔

پھر پوچھنے والوں کے سوال پر یہ نہیں فرماتے کہ میں مدینہ میں ہوں اور وہ شہدا عالم غیب میں پہنچ چکے۔ مجھے وہاں کا کیا پتہ۔ نہ یہ فرماتے ہیں کہ اچھا جبرائیل امین کو آنے دو۔ ان سے پوچھ کر بتائیں گے بلکہ بلا تامل سوال سنتے ہی جواب ارشاد فرما دیا اور صحابہ کرام کا اس قسم کے سوالات بارگاہ رسالت میں پیش کرنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ حضرات اس کے معتقد تھے کہ نبی ہوتا ہی وہی ہے۔ جو عالم غیب کی خبر دے اور سرکار کا ان بندگوں کو تسلی بخش جواب دینا اس عقیدہ صحیحہ کی رجسٹری فرما دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کو اسی طرح خبرداری علم سے ثابت فرمایا۔ خود فرماتا ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا	اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو
" " " "	ہر چھوٹی بڑی حقیر و عظیم اعلیٰ ادنی
" " " "	چیزوں کے نام سکھا دیئے اور صرف
	سکھا ہی نہ دیئے بلکہ ذرے سے پہاڑ تک قطرے سے دریا تک زمین سے آسمان

تک مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا علم سکھا دیا (از تفسیر جلالین وغیرہ) اور زمین تک سے آسمانوں تک کی ہر چیز ان کو دکھا بھی دی۔ فرماتا ہے۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۔ معلوم ہوا کہ نبی کہتے ہی خبردار کو ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے اپنی نبوت کو خبرداری اور علم سے ثابت فرمائی کہ فرمایا:

وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ یعنی میں تم کو خبر دے سکتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے اور بچاتے ہو۔ لفظ نبی کو دیکھو اور اُنَبِّئُكُمْ کو دیکھو دونوں کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے۔ یعنی خیال رہے کہ تاکلون فعل مضارع ہے۔ جس میں حال اور استقبال دونوں ہیں۔ اگر اس کے اول میں س آ جائے تو مضارع مستقبل ہوتا ہے جیسے:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ اور اگر لام آ جائے تو بمعنی حال ہوتا ہے۔ جیسے لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ (قرآن) اور اگر دونوں سے خالی ہو تو بمعنی حال اور استقبال دونوں کو شامل ہوتا ہے۔

چونکہ یہاں تاكلون اور تدخرون دونوں لام اور س سے خالی ہیں ان دونوں کے معنی بعموم یہ ہو سکتے ہیں کہ میں تم کو خبر دے سکتا ہوں کہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور مرتے وقت تک کھاؤ گے اور جو کچھ بچاتے ہو اور جو کچھ مرتے وقت تک بچاؤ گے یعنی کھیت کی پیداوار کے ہر دانے باغوں کے ہر پھل پانی کے ہر قطرے کے متعلق مجھ کو علم ہے کہ اس کو کون کھائے پئے گا یہ ہے نبی کی خبرداری یعنی نبی کی شان یہ ہے کہ وہ خالق کی بھی خبر رکھے اور مخلوق کی بھی۔ مخلوق میں آسمانوں کی بھی خبر رکھتا ہو۔

اور زمین و زمینی چیزوں کی بھی جیسے قابل طبیب مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی رگ رگ کا پتہ لگا لیتا ہے ایسے ہی ہمارے حضور کا ہاتھ ہر ایک

کی نبض جان وایمان پر ہے اس کے لئے صرف چند حدیثیں پیش کرتا ہوں:

مشکوٰۃ شریف باب مناقب سیدنا عمرؓ میں ہے ایک بار حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف فرما ہیں۔ رات کا وقت ہے۔ آسمان صاف ہے تارے جگمگا رہے ہیں۔ حضرت ام المومنین نے پوچھا یا رسول اللہ کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں۔ غور تو کرو کتنا اہم سوال ہے کیونکہ تارے مختلف آسمانوں پر ہیں پہلے آسمان سے لے کر ساتویں آسمان تک ہیں جن میں بعض اتنے چھوٹے بھی ہیں جو آج تک دیکھنے میں نہیں آئے اور بعض وہ بھی ہیں جو آفتاب کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ آسمان میں گزر جاتے ہیں اور اسی طرح تاقیامت مسلمانوں کی نیکیاں مختلف قسم کی ہیں۔ بعض غاروں میں بعض پہاڑوں میں بعض اندھیری راتوں میں دن کی روشنی میں بعض خلوتوں میں بعض جلوتوں میں غرضیکہ یہ سوال عرش و فرش کے متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ دو چیزوں کی بڑائی چھوٹائی اور برابری وہ ہی بتا سکتا ہے جس کے سامنے دونوں چیزیں ہوں اور اس کی نظران دونوں کے ہر فرد پر ہو۔ معلوم ہوا کہ ام المومنین کا عقیدہ یہ تھا ؎

سر عرش پر ہے تیری گزر ٭ دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملکین کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پر عیاں نہیں

اس کے جواب میں نبی کریمؐ نے یہ نہ فرمایا کہ اے عائشہ تمہاری طرح میں بھی زمین مدینہ میں ہوں۔ مجھے کیا خبر کہ قیامت تک میری امت کہاں ہوگی اور کتنی نیکیاں کرے گی اور مجھے کیا خبر کہ کس آسمان پر کتنے تارے ہیں مجھ سے تو روزے نماز کے مسائل پوچھو نہ یہ فرمایا کہ جبرائیل امین آئیں گے تو ان سے پوچھ لیں گے۔ یا رب تعالیٰ سے ہی پچھوا لیں گے۔ نہ یہ فرمایا کہ کاغذ قلم لاؤ۔ ٹوٹل لگا لیں نہ یہ فرمایا کہ ذرا ٹھہر جاؤ سوچ لیں۔ بلکہ بلا تامل فوراً فرمایا کہ ہاں ایک شخص ہیں جن کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں اور وہ ہیں جناب عمر۔ ام المومنین نے عرض کیا کہ میرے والد جناب

صدیق اکبر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ فرمایا ان کی ہجرت کی رات کی خدمت جناب عمر کی تمام نیکیوں سے افضل ہے۔ پتہ لگا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اُمتی کی ہر نیکی سے خبردار ہیں۔ یہ ہیں خبر رکھنے والے نبی۔ بخاری شریف جلد اول باب سہم غرب میں ہے کہ جنگ بدر میں حضرت حارثؓ غائبانہ تیر سے شہید ہو گئے ان کی والدہ حاضر بارگاہ ہوئیں۔ بولیں یا رسول اللہ اگر میرا بیٹا جنت میں ہو تو میں صبر کر دوں ورنہ میں اپنے بیٹے کو ایسا روؤں گی کہ لوگوں میں چرچا ہو جائے گا۔ یہاں بھی نبی کریم نے یہ نہ فرمایا کہ مائی مجھ کو کیا پتہ جہاں تو ہے وہاں میں ہوں اور نہ یہ فرمایا کہ جبرئیل امین کو آنے دو ان سے پوچھ کر بتائیں گے۔ بلکہ فرمایا کہ اللہ کی بندی جنتیں آٹھ ہیں جن میں سب سے اونچا طبقہ جنت الفردوس ہے۔ تیرا بیٹا اس میں ہے یہ ہے ہمارا خبردار نبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

مشکوٰۃ شریف باب فضل صدقہ کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا :

اَيُّهَا اَوَّلُ لُحُوْقًا بِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ	یعنی یا حبیب اللہ ہم میں سے سب سے پہلے آپ سے کون ملے گا۔
فرمایا : اَطْوَلُكُنَّ يَدًا	تم میں سے لمبے ہاتھ والی ہمیں پہلے ملے گی۔

ہم نے اپنے ہاتھ ناپے تو بی بی سودہ ہم سب میں لمبے ہاتھ والی تھیں مگر بعد میں پتہ لگا کہ لمبے ہاتھ سے مراد صدقہ و خیرات کرنے والی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے بی بی زینب کی وفات ہوئی کہ سب سے زیادہ صدقہ کرتی تھیں۔ غور تو کرو۔ کہ اس مختصر سے سوال میں کتنی باتیں پوچھ لیں۔ ہر ایک کی وفات کا وقت کہ کس کی وفات کب ہو گی۔ وفات کی نوعیت کہ ہم سب کی وفات ایمان پر ہو گی یا نہیں۔ بعد

وفات اپنا مقام کہ ہم کہاں ہوں گے آپ کے پاس یا کہیں اور کیونکہ انہوں نے یہ پوچھا کہ ہم میں سب سے پہلے آپ سے کون ملے گی یہاں بھی حضور نے یہ نہ فرمایا کہ یہ علوم خمسہ ہیں۔ مجھے کیا خبر نہ یہ فرمایا کہ جبرائیل امین سے پوچھ کر بتائیں گے بلکہ فوراً تسلی بخش جواب دے دیا۔ یہ ہیں ہمارے خبردار نبی۔ بخاری شریف کتاب الطہارۃ کے باب تَنَزَّہ مِنَ الْبَوْلِ میں حدیث پاک ہے کہ ایک مرتبہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک مقام سے گزر رہے تھے۔ دو قبریں ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا ان قبروں میں نہایت معمولی گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک چغلی کھاتا تھا اور دوسرا اونٹ چراتا تھا اور ان کے پیشاب سے بچتا نہ تھا۔ پھر ایک تر شاخ کے دو ٹکڑے کئے ایک ایک شاخ دونوں قبروں پر گاڑ دی اور فرمایا کہ جب تک یہ تر رہے گی ان کی تسبیح کی برکت سے دونوں قبروں میں عذاب ہلکا ہوگا۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

(۱) حضور کی نگاہ کے لئے کوئی مٹی آڑ نہیں بن سکتی آپ غائب اور حاضر کو یکساں ملاحظہ فرماتے ہیں۔ دیکھو عذاب قبر ہزاروں من مٹی کے نیچے زمین کے اندر ہو رہا ہے اور حضور زمین کے اوپر تشریف فرما ہیں۔ مگر حضور کی نگاہ اس عذاب کو دیکھ رہی ہے۔

(۲) حضور ہر شخص کے ہر نیک و بد عمل کی خبر رکھتے ہیں۔ دیکھو ان قبر والوں کا اپنی زندگی میں چغلی کھانا پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا ایسے کام تھے جو یہ لوگ حضور کے سامنے نہ کرتے تھے۔ مگر حضور کو ان کا پتہ تھا۔ معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ہر عمل سے خبردار ہیں۔ یہ ہیں خبر رکھنے والے نبی۔ قبر پر سبز گھاس۔ ہری شاخ پھول وغیرہ لگانا سنت سے ثابت ہے۔ اس سے قبر کا عذاب ہلکا ہوتا ہے۔

نبی بمعنی خبر لینے والا

حضور صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں قبر میں حشر میں ہر جگہ اپنی امت کی دستگیری فرماتے ہیں۔ خبر لیتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے خلق کی خبر حضور لیں گے۔ پھر حساب کتاب شروع ہوگا

لیکن حالات قیامت کی ابتداء حضور کی دستگیری سے ہی شروع ہو گی۔ جیسا کہ بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث میں ہے۔

نکتہ: مجمع قیامت میں شفیع کو ڈھونڈنے والے محدثین، مفسرین، علمائے فقہا، اولیاء، صوفیاء، غوث قطب سب ہی ہوں گے مگر کسی کو یاد نہ ہوگا کہ آج شفاعت کا سہرا صرف نبی کریم کے سر مبارک پر ہے حالانکہ دنیا میں اُن سب کا عقیدہ تھا کہ شفاعت کا دروازہ صرف حضور ہی کھولیں گے۔ مگر وہاں ایسے بھولیں گے کہ کسی کو حضور کا نام یاد نہ آئے گا۔ محض اپنے قیاس سے دیگر انبیاء کرام کے پاس شفاعت کے لیے جائیں گے اور وہ حضرات بھی حضور کا پتہ نہ بتا سکیں گے۔ خیال سے ہی حضرت نوح و ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام وغیرہم کا پتہ بتا دیں گے۔ سوا عیسیٰ علیہ السلام کے حضور کا نام کوئی نہیں بتا سکے گا۔ اس میں کیا راز ہے۔ حکمت یہ ہے کہ اگر مخلوق پہلے ہی حضور اقدس کے آستانے پر حاضر ہو جاتی اور حضور اس کی شفاعت فرما دیتے۔ تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اس شفاعت میں حضور کی کیا خصوصیت ہے ہم اتفاقاً یہاں آ گئے اور شفاعت ہو گئی۔ اگر کسی اور نبی کے پاس چلے جاتے تو بھی شفاعت ہو جاتی سب کی دہن دوزی کرنے کے لئے پہلے سب دروازوں پر پھرا لیا جائے گا۔ اور ہر جگہ بھیک منگوالی جائیگی اور سب سے منوا لیا جائے گا کہ آج حضور کے سوا کوئی خبر لینے والا نہیں۔ یہ ہیں ہمارے نبی خبر لینے والے صحابہ کرام ہر حاجت روائی کے لئے حضور ہی کے آستانہ پر حاضر ہوتے تھے۔ یارسول اللہ بارش نہیں ہوتی یارسول اللہ بارش بہت ہو گئی یارسول اللہ میں گناہ کر کے آیا ہوں۔ بلکہ کفار مکہ بھی حاجات کی دعا کرانے حضور ہی کے پاس آتے تھے جانور تک اپنا ہر دکھ درد حضور ہی سے عرض کرتے تھے ؎

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پہ شتران ناشاد گلۂ رنج و عناں کرتے ہیں!

جانور، حجر، شجر سب جانتے ہیں کہ یہ نبی ہماری خبر لینے والے ہیں کیونکہ

فریاد اسی کے سامنے کی جاتی ہے۔ جو خبر لے سکے یہ ہیں نبی بمعنی خبر لینے والا۔

ایمان یہ لفظ امن سے بنا ہے اس کے معنی ہیں۔ امن دینا۔ یہ خدا تعالیٰ کی بھی صفت ہے اسی لئے اس کا نام پاک مومن بھی ہے یعنی اپنے بندوں کو اپنے قہر و عذاب سے امن دینے والا اور بندے کی بھی صفت ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کو قرآن کریم نے مومن فرمایا۔ یعنی اچھے عقیدے اختیار کر کے اپنے کو رب کے عذاب سے امن دینے والا۔ شریعت میں ان عقیدوں کا نام ایمان ہے جن کو اختیار کرنے سے انسان کفر سے بچ جاتا ہے۔ اور مومنوں کی جماعت میں آ جاتا ہے۔

جانِ ایمان دنیا کی چیزوں میں ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک روح اور روح کے بغیر ڈھانچہ کی کوئی قیمت نہیں۔ جسم انسانی میں جب تک روح ہے تب تک وہ ہر قسم کے اکرام کا مستحق ہے۔ اعلیٰ غذائیں۔ عمدہ لباس، بہترین مکانات، امیری وزیری۔ سلطنت روح والے جسم کے لئے ہیں۔ روح نکلتے ہی بجز زمین میں دفن کر دیئے جانے کے اور کسی کام کا نہیں۔ درخت میں جب تک زندگی ہے تب تک اس میں سبزی پھل پھول سب کچھ ہے۔ ختم ہوتے ہی چولھے کا ایندھن ہے بلب۔ ٹیوبیں پنکھے وغیرہ تمام ساز و سامان پاور آ جانے پر کار آمد ہیں بغیر پاور بالکل بے کار ہیں۔ اسی طرح روزہ۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ۔ بلکہ ایمان ان سب کا ایک ڈھانچہ ہے۔ اور ایک روح جاندار عبادات و ایمان کی بارگاہِ الٰہی میں قدر و قیمت ہے۔ بے جان ایمان وغیرہ کی نہ کوئی قدر ہے نہ قیمت۔

خیال رکھو کہ کلمہ پڑھنا اور ایمان مجمل و مفصل آمَنْتُ بِاللّٰہِ الخ کو مان لینا ایمان کا ڈھانچہ ہے جانِ ایمان ایک اور صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے نبوت کو الوہیت سے اور نبی کو اللہ سے ملانا۔ جہاں اللہ اور رسول میں جدائی کی انسان کافر ہوا اور جہاں اللہ کو رسول سے ملایا مومن ہو گیا۔

قرآن کریم کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

يُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ	اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے

اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ـ

رسولوں میں فرق و جدائی کر دیں اور کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کریں۔ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

بفتوائے قرآن کریم ثابت ہوا کہ اللہ رسول میں جدائی سمجھنا کفر ہے تو لامحالہ اللہ رسول کو ملانا ایمان ہوا ؎

میں اپنی حیاتی تے قربان تھیواں
احد نال احمد ملیندے گزر گئی

اسکا مطلب ملانے کا مطلب نہ تو یہ کہ ہے کہ رسول کو خدا مان لیا جائے اور نہ یہ کہ رب کو رسول تصور کر لیا جائے اللہ اللہ ہے نبی نبی ہے۔ بلکہ ملانے کا مطلب بطور تمثیل یوں سمجھو کہ نوٹ میں کاغذ بھی ہے اور شاہی مہر بھی۔ مہر کاغذ نہیں کاغذ مہر نہیں مگر مہر کاغذ سے ایسی ملی ہوئی ہے کہ اگر کاغذ سے الگ ہو جائے تو کاغذ بے قیمت ہو جائے۔ لیمپ کی چمنی ہری ہے تو چمنی کا رنگ بتی کے نور سے ایسا ملا ہوا ہے کہ گھر کے جس کونے میں بتی کا نور ہے وہاں چمنی کا رنگ ہے ایسا کوئی گوشہ نہیں مل سکتا۔ جہاں بتی کا نور تو ہو مگر چمنی کا رنگ نہ ہو قرآن کریم فرماتا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ـ

اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں جن میں سے ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ توجہ الٰہی گویا نور ہے اور ذات پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گویا زجاجہ یعنی چمنی ہے۔

بھلا غور تو کرو کہ کلمہ طیبہ ہے تو توحید۔ مگر اس میں توحید کے بعد حضور کی رسالت کا بھی ذکر ہے اور ترتیب ذکر یوں ہے کہ اوّل جزو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں اللہ کا ذکر پیچھے ہے اور جزو دوم یعنی مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ میں حضور کا نام پہلے ہے نہ تو جزوِ اوّل میں اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اور نہ جزو دوم یعنی رَسُوْلُ اللّٰہِ مُحَمَّد میں حضور کا نام محمد بعد میں ہے۔ تاکہ حضور کا نام اللہ کے نام سے ملا رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اور حبیب کے نام میں لفظ تک کی جدائی منظور نہ فرمائی تو اور جگہ اپنے اور اپنے حبیب میں تفریق اور جدائی کیوں کر پسند فرمائے گا۔ قرآن کریم میں بہت جگہ اپنے نام کو اپنے حبیب سے ملایا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

۱۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔	فرمانبرداری کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔
۲۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔	جو فرمانبرداری کرے اللہ اور اس کے رسول کی وہ بڑا کامیاب ہوگیا۔
۳۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ۔	اللہ رسول زیادہ حقدار ہے۔ کہ انہیں راضی کریں۔
۴۔ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ	اللہ رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔
۵۔ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	جو اپنے گھر سے نکل پڑا اللہ رسول کی طرف ہجرت کرکے۔
۶۔ وَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ	اللہ رسول تمہارے اعمال دیکھیں گے۔
۷۔ لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو۔
۸۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	اللہ رسول پر ایمان لاؤ۔

۹- وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ	اگر وہ اس پر راضی ہوئیں۔ جو انہیں اللہ رسول نے دیا۔
۱۰- وَقَالُوْا سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ	اور کہا انہوں نے کہ ہم کو اللہ رسول اپنے فضل سے اور دیں گے۔
۱۱- اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ	جب آپ کہتے تھے اسی سے جس پر اللہ نے اور آپ نے انعام کیا۔

حضور کے شاعر خاص حضرت حسّان ابن ثابت فرماتے ہیں :

ضَمَّ الْاِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ بِاسْمِهٖ
اِذْ قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ نماز پنجگانہ کی تکبیر اور اذان کہہ کر دیکھ لو کہ موذّن اور مکبّر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے ہی اشھد ان محمد الرسول اللہ کہتا ہے۔

خیال رہے کہ حضرت حسّان وہ خوش نصیب نعت گو صحابی ہیں جن کے ایک ایک شعر پر حضور نے جھوم جھوم کر دعائیں دی ہیں۔ ان کے اشعار بارگاہ نبوت سے قبولیت بلکہ داد حاصل کر چکے ہیں۔ ذرا اسلامیات میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کی سنتوں کو اپنے فرائض سے اس طرح ملایا ہے کہ کوئی عبادت سنتوں سے خالی نہیں۔ نماز پنجگانہ میں ظہر کے فرض چار۔ آس پاس کی سنتیں چھ۔ نماز مغرب میں فرض تین اور سنتیں نفل چار۔ وغیرہ پھر فرض پڑھنے لگو تو سبحانک اللّٰھم پڑھنا سنت اعوذ باللہ بسم اللہ پڑھنا سنت پھر تلاوت قرآن کریم فرض ہے رکوع سجدہ فرض۔ ان کی تسبیحیں سنت۔ روزہ رمضان فرض۔ سحری۔ افطار، تراویح سنت۔

اپنی زندگی کو دیکھ لو بچے کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان دینا سنت عقیقہ

الحمد للہ المنعام

رسالہ نافعہ ہر خاص و عام

مُسمّٰی بہ

اسرار الاحکام

به

انوار القرآن

جس میں عقائد اسلامیہ، مسائل شریعت، احکام طریقت کی عقلی حکمتیں نہایت خوبی سے بیان کی گئی ہیں۔



حضرت حکیم الامت الحاج المفتی احمد یار خان نعیمی قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

نعیمی کتب خانہ ۵۔ الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ ۴۰۔ اردو بازار لاہور

۰۴۲۔۳۷۲۲۸۹۲۷

فہرست

الحمد للہ المنعام کہ رسالہ نافعہ ہر خاص و عام

مسمّٰی بہ

اسرار الاحکام

به

انوار القرآن

جسمیں عقائد اسلامیہ - مسائل شریعت - احکام طریقت کی عقلی حکمتیں نہایت خوبی سے بیان کی گئی ہیں ؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ الَّذِی نَوَّرَ عُقُولَ المُسلِمِینَ بِاَنوَارِ القُرآنِ وَ زَیَّنَ قُلُوبَ العَارِفِینَ بِاَسرَارِ العِرفَانِ وَنَجَّاھُم عَن ظُلُمَاتِ الشُّکُوکِ والاوھام ثم افضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی سید الانس والجانّ مالکِ الکون عالِم ما یکون وما کان سیدِنا ومولانا محمدٍ وعلی آلہ الکرام واصحابہ العظام -

جاننا چاہیئے کہ ہمارے مادی جسم کو نورِ نظر کی ضرورت ہے اندھا انسان گویا مجبورِ محض ہے - پھر نورِ نظر نور ہونے کے باوجود ایک دوسرے کا خارجی روشنی کا حاجتمند ہے - کہ ہماری آنکھ اندھیرے میں کام نہیں کر سکتی غرضکہ اندرونی اور بیرونی دونوں مل کر ہماری حاجت پوری کرتے ہیں اور اس دنیا کی چیزیں دکھاتے ہیں اسی طرح ہماری روح و قلب کو نورِ عقل کی ضرورت ہے - دیوانہ و پاگل آدمی اپنی کسی

قوت سے صحیح کام نہیں لے سکتا۔ پھر نورِ عقل اگرچہ نور ہے۔ لیکن اس کے لئے نورِ نبوّت ازبس ضروری ہے۔ بے نورِ نبوت انسانی عقل باعثِ کفر و طغیان ہے۔ انسان عقل سے مشین۔ انجن۔ بجلی بنا سکتا ہے۔ ہوا و پانی پر راج اور قبضہ کر سکتا ہے مگر ایمان و عرفان تیار نہیں کر سکتا۔ یوں سمجھو کہ عقل سے آسمان و زمین کی پیمائش ہو سکتی ہے۔ مگر اپنی پیمائش نہیں ہو سکتی۔ عقل سے اس مادی دنیا کی چیزیں پہچان سکتے ہیں مگر اپنے کو نہیں پہچان سکتے من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ اگر ایمان کے لئے محض عقل انسانی کافی ہوتی تو عقلا یونان میں کوئی بے دین نہ ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں !
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے وطن کے گلی کوچوں سے خوب واقف ہوتا ہے اجنبی جگہ کے لئے ایسے رہبر کا محتاج ہے جو یا تو وہاں کا باشندہ ہو یا وہاں آتا جاتا رہتا ہو۔ ہماری عقل اس سفلی دنیا کی چیز ہے اسے اسی عالم کی خبر ہے۔ یہاں کی چیزوں کو جانتی پہچانتی ہے۔ اسے عالم بالا اور دوسری دنیا سے کیا تعلق۔ وہاں سے وہ ہی باخبر ہوگا۔ جو اس عالم میں رہ کر آیا ہو یا وہاں آتا جاتا رہتا ہو۔ اللہ کے جو بندے ان دونوں جہانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہی کا نام اسلام میں انبیاء اولیاء ہے علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام لہٰذا ضروری ہے کہ عاقل اس دنیا کی باتوں میں اپنی عقل پر اعتماد نہ کرے بلکہ بارگاہِ انبیاء و اولیاء میں اپنی ناقص و ناکارہ عقل بالائے طاق رکھ کر طفلِ مکتب بن کر حاضر ہو تاکہ وہاں کا فیض پا سکے۔ وہی ڈول کوئیں سے پانی لاتا ہے جو خالی ہو کر جاتا ہے۔ عقل قربان کن بہ پیشِ مصطفٰے۔ یہ طریقہ نہایت ہی بہتر تھا۔ اس پر صحابہ کرام اور بزرگانِ دین عامل رہے۔ جس سے انہوں نے بارگاہِ مصطفوی سے جو فیوض و برکات حاصل کیے۔ وہ دنیا کو معلوم ہے

لیکن موجودہ زمانہ کے مسلمان اپنی عقل و دانش پر ایسے نازاں ہوئے کہ ہر دینی حکم میں عقل کو دخل دینے لگے کہ جو عقل میں آجائے وہ ٹھیک ورنہ اس میں تامل ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اگر کسی دینی حکم کی حکمت عقل سے سمجھ میں آجاتی تو خدا کا شکر کرتے اگر سمجھ میں نہ آتی تو بلا چون وچرا قبول کرتے مگر ایسا نہ کیا اس لئے مجھے خیال پیدا ہوا کہ بقدر وسعت احکام شرعیہ کی عقلی حکمتیں بیان کروں تاکہ مخلصین کو سرور رہے اور مخالف قبول کرنے پر مجبور ہو۔

اللہ تعالیٰ حق بولنے حق ماننے کی توفیق دے اور میری اس ناچیز خدمت کو قبول فرما کر اسے صدقہ جاریہ اور میرے گناہوں کا کفارہ بنائے۔ اس رسالہ کا نام اسرار الاحکام بانوار القرآن رکھتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

احمد یار خاں

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ

۲۱ مارچ ۱۹۴۹ء

یوم دوشنبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِسلام اور کلمۂ طیّبہ

س ۔ دینِ محمدی کو اسلام کیوں کہتے ہیں ؟

ج ۔ اس لئے کہ اسلام سَلَم سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں صلح یا اطاعت فَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ۔ لہذا اسلام کے معنی ہوئے رب اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا۔ متقی مسلمان اپنے عقیدہ اور عمل سے رب کی اطاعت کرتا ہے لہذا مسلم یعنی مطیع ہے۔ گنہگار مسلمان اگرچہ بدعملی میں گرفتار ہے مگر رب کا باغی نہیں اپنے کو مجرم سمجھتا ہے لہذا وہ بھی مسلم ہے۔

س ۔ کیا گذشتہ پیغمبروں کے دین کا نام بھی اسلام تھا ؟

ج ۔ نہیں۔ بعض انبیا کرام کو لغوی معنی سے مسلم اور ان کے اعمال کو اسلام کہا گیا ہے۔ جیسے فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۔ مگر اسلام نام صرف اسی دینِ محمدی کا ہوا۔ رب فرماتا ہے: هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ یا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۔ جیسے قرآن نے لغوی معنی سے بعض بندوں کو رب یا مصطفٰے فرمایا ہے۔ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ ۔ مگر اصطلاح میں رب خدا کا مصطفٰے حضور کا نام ہے۔

س ۔ عبادات کے لئے ایمان کی کیا ضرورت ہے جو بھی نیکی کرے اسے ثواب ملنا چاہیئے۔ جو بھی روٹی کھاتا ہے اسے بھوک سے نجات ملتی ہے۔

ج ۔ اس لئے کہ نیک اعمال روحانی غذائیں ہیں اور کفر زہر۔ اگر بریانی میں

زہر ملا دو تو وہ نقصان ہی دے گی۔ ایسے ہی کفر کے ساتھ عبادات زہر آلود غذا ہے یا اعمال گویا تخم ہیں اور ثواب ان کا پھل۔ تخم جب ہی پھل دیگا۔ جب عمدہ زمین میں بویا جائے اور خود بے عیب ہو۔ کافر کے عمل میں کفر کا عیب موجود ہے اور اس کا دل بنجر زمین ہے۔ پھر ثواب کیسے پائے پہلے سلطان کی وفادار رعایا بنو۔ پھر قوانین پر عمل کرو۔

س۔ گذشتہ پیغمبروں کے دین پر اب عمل کرسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں وہ بھی تو خدا کے دین ہیں۔

ج۔ نہیں۔ اب نجات صرف اسلام میں ہے۔ رب فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥ وہ دین اپنے وقت میں اس زمانہ کے لئے رحمت تھے۔ لالٹین اور گیس رات میں روشنی دیں گے۔ دن میں نہیں۔ آفتاب نے ان سب کو بے کار کردیا۔ لڑکپن میں ماں کا دودھ اور گھٹی بچہ کو زندہ رکھتی ہے۔ بڑا ہو کر نہیں۔ اگرچہ یہ تمام چیزیں رب کی بنائی ہوئی ہیں۔ مگر ہر ایک کے استعمال کا ایک وقت ہے۔ ایسے ہی ان دینوں کے استعمال کا وقت اب نکل چکا۔ حکیم مریض کے نسخوں میں مریض کی حالت کے مطابق تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ اگر ان دینوں میں اب بھی نجات ہوتی تو یہود و نصاریٰ کو اسلام اور قرآن ماننے کی دعوت کیوں دی جاتی؟

س۔ تو چاہیئے کہ دین اسلام بھی منسوخ ہو جائے اور اب بھی برابر نبی آتے رہیں۔

ج۔ نہیں۔ اس لئے کہ غذاؤں اور دعاؤں میں تبدیلیاں اس وقت تک ہوتی ہیں جب تک بچہ اور مریض اپنے اصلی حال اور کمال پر نہیں پہنچ جاتے دودھ گھٹی وغیرہ روٹی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسلام دین مکمل ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کا اعلان ہو چکا۔ نبوت کا نہ غروب ہونے والا آفتاب طلوع ہو چکا۔ نیز ناسمجھ بچہ کو پہلے معمولی قاعدے اور چھوٹی کتب

دی جاتی ہیں وہ پڑھتا بھی جاتا ہے اور پھاڑتا بھی جاتا ہے۔ کچھ سمجھ آنے پر اگرچہ پھاڑتا نہیں مگر اسے لکھ لکھ کر سیاہ کر دیتا ہے۔ میلا کچیلا کر دیتا ہے۔ پوری عقل آنے پر کتاب کو جان سے زیادہ عزیز اور محفوظ رکھتا ہے۔ مخلوق کو پہلے آدم و نوح اور ابراہیم علیہم السلام کے صحیفے ملے جو ضائع کر دیئے گئے۔ ہوش سنبھالنے پر توریت و انجیل و زبور کو بالکل برباد تو نہ کیا مگر اس میں لکھ لکھ کر تحریف کر دی۔ اب مکمل ہوش سنبھالنے پر قرآن کو جان سے زیادہ محفوظ رکھا۔

س۔ کلمہ کا نام تو ہے کلمہ توحید مگر اس میں ذکر ہے اللہ تعالیٰ کا اور حضور علیہ السلام کا چاہیے تھا کہ صرف خدا کا ذکر ہوتا کہ نام مسمّٰی کے مطابق ہو۔

ج۔ کلمہ طیبہ کے پہلے جزو میں توحید کا ذکر ہے دوسرے میں توحید کی نوعیت کا کیونکہ توحید کی دو قسمیں ہیں۔ ایک پیغمبر کی بتائی ہوئی دوسرے پیغمبر سے منہ پھیر کر محض عقل سے مانی ہوئی۔ پہلی توحید ربانی ہے اور مقبول۔ دوسری توحید شیطانی ہے اور مردود گویا کلمہ پڑھنے والا توحید کا اقرار کرتے ہی اعلان کرتا ہے کہ میری وہ توحید ہے جو پیغمبر نے سکھائی جس کا نام اسلامی اور ربانی توحید ہے

س۔ مخلوق کو نبوت اور نبی کی کیا ضرورت ہے کیا رب بغیر نبی کے فیض نہیں دے سکتا

ج۔ جب کمزور چیز کسی قوی سے فیض لینا چاہے تو درمیان میں واسطہ ضروری ہے ورنہ کمزور فنا ہو جائے گا۔ اگر روٹی کو آگ سے گرم کرنا ہے تو درمیان میں توا ضروری ہے اگر سورج کو دیکھنا ہے تو ٹھنڈے شیشے کا واسطہ لازم ہے خالق قوی و قادر ہے اور مخلوق ضعیف۔ لہٰذا درمیان میں کسی ایسے برزخ کبریٰ کا ہونا لازم ہے جو رب سے فیض لینے اور مخلوق تک پہنچانے کی طاقت رکھتا۔ اس برزخ کبریٰ کا نام نبی ہے۔

س۔ پھر تو رب مجبور ہوا کہ اپنے بندوں تک بغیر پیغمبر کے احکام نہ پہنچا سکا۔

ج۔ نہیں بلکہ ہم مجبور ہوئے کہ رب سے بلا واسطہ فیض نہ حاصل کر سکے۔ روٹی

کمزور ہے نہ کہ آگ۔ ہماری آنکھ کمزور ہے نہ کہ آفتاب۔ دنیا میں رب کی رحمت وقہر کے خزانہ مقرر ہیں۔ جہاں سے یہ رحمت وقہر تقسیم ہوتا ہے سانپ و دیگر موذی چیزیں قہر الٰہی کے مظہر ہیں۔ سمندر۔ کنوئیں اور دیگر فیض رساں چیزیں اس کی رحمت کے خزانہ ہیں۔ اسی طرح انبیاء و اولیاء کے دل رب کے اسرار و احکام و حکمتوں کے خزانہ ہیں۔ جیسے سونے کی کان سے سونا ہی نکلے گا۔ ایسے ہی پیغمبر کے ہاں سے اسرار الٰہی ہی ظاہر ہوتے ہیں۔

س۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ نبی ہمیشہ انسان اور مرد اور شرفا ہی ہوئے معمولی قوموں فرشتوں عورتوں، عورتوں کو نبوت کیوں نہ ملی۔

ج۔ اعلیٰ اور نازک چیز نہایت مضبوط اور عمدہ برتن میں رکھی جاتی ہے۔ ہر برتن میں دہی نہیں جمایا جاتا اور کمزور پیٹی میں موتی نہیں رکھے جاتے۔ نبوت نہایت اعلیٰ اور عمدہ نعمت ہے اس کے لئے فرشتہ اور دیگر مخلوق مناسب نہیں کیونکہ وہ تبلیغ نہیں کر سکتے۔ تبلیغ وہ کرے جو انسانوں کے سامنے آکر ان کی سمجھ سکے۔ اپنی سمجھا سکے۔ ان کے دکھ درد سے واقف ہو۔ عورت کو پردہ لازم ہے۔ اس کا باہر پھرنا فساد کا باعث ہے۔ نیز حیض و نفاس و زچگی میں وہ کام کاج سے عاجز ہے۔ پھر وہ تبلیغ کیسے کرے۔ ذلیل آدمی کی شرفا میں کوئی عزت نہیں۔ اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیتا۔ مقصد تبلیغ اس سے بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ لہذا نبی شریف و اعلیٰ مرد ہی ہو سکتے ہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ نیز ارشاد الٰہی ہے اَللّٰهُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔

س۔ کلمہ پڑھتے ہی کفر کے سب گناہ کیوں معاف ہو جاتے ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ اسلام مثل سمندر کے ہے جس میں کیسا ہی پلید آدمی غسل کرے پاک ہو جاتا ہے سمندر ظاہر گندگی کو دور کرتا ہے اخلاص والا کلمہ باطنی نجاست سے پاک کرتا ہے

نماز

س - نماز ساری عبادات میں افضل کیوں ہے۔ اس میں تو مشقت بھی زیادہ نہیں ہے۔ حج و روزہ میں محنت زیادہ ہے وہ ہی سب سے افضل ہونے چاہئیں -

ج - چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ نماز کی حالت میں کوئی دنیاوی کام نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں سارے اعضا پر مکمل کنٹرول ہے - دوسری عبادات میں دنیاوی کام بھی ہو سکتے ہیں - حج میں تجارت روزے میں دنیاوی کاروبار ہو سکتے ہیں۔ لہذا اس میں اخلاص زیادہ ہے - اسی لئے ارشاد ہوا - اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ - دوسرے یہ کہ نماز سارے ظاہری باطنی اعضا سے ادا ہوتی ہے - روزہ صرف منہ اور پیٹ سے - لہذا یہ ہر عضو کی عبادت ہے - تیسرے یہ کہ نماز سارے فرشتوں کے عبادات کا مجموعہ ہے - کہ کوئی فرشتہ رکوع میں ہے کوئی قیام میں کوئی سجدہ میں چوتھے یہ کہ نماز ساری مخلوق الٰہی کی عبادات کا مجموعہ ہے کہ درخت قیام میں ہیں - چوپائے جانور رکوع میں ہیں - کیڑے مکوڑے سجدے میں - مینڈک وغیرہ قعدہ میں - لہذا نماز سارے فرشتوں اور ساری مخلوق کی عبادات کی جامع ہے - پانچویں یہ کہ نماز سب پر فرض ہے - زکوٰۃ و حج غریب پر نہیں روزہ مسافر پر نہیں - لہذا یہ عبادت عام ہے - چھٹے یہ کہ نماز روزانہ ادا کی جاتی ہے - روزہ زکوٰۃ سال میں ایک بار اور حج عمر میں ایک بار - ساتویں یہ کہ نماز آدمی کی زندگی سنبھال دیتی ہے - نمازی کو اپنا بدن کپڑا ہر وقت پاک رکھنا پڑتا ہے اور دن رات ہر وقت نماز کی فکر رکھنی پڑتی ہے - لہذا نمازی ہر وقت عبادت میں رہتا ہے - فکر

عبادت بھی عبادت ہے۔

س۔ نماز پانچ وقت کیوں فرض ہوئی۔ کم و بیش کیوں نہ ہوئی؟

ج۔ اس لئے کہ معراج میں اولاً پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی تھی جن میں ۴۵ وقت کی معافی ہو گئی۔ رب کے ہاں نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے۔ خود فرماتا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا لہذا اب نمازیں پڑھنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس۔

س۔ پانچ نمازوں کے یہ ہی اوقات کیوں مقرر کئے گئے۔

ج۔ اس لئے کہ مومن کی ہر حالت رب کے ذکر سے شروع ہونی چاہیئے۔ جن کی ابتدا اچھی ہو۔ امید ہے کہ انتہا بھی اچھی ہو گی۔ اسی لئے بچہ کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان کہتے ہیں کہ یہ زندگی کی ابتداء ہے۔ چونکہ چوبیس گھنٹے میں انسان کے پانچ حال ہوتے ہیں۔ صبح کے وقت دن کی ابتدا ہے گویا نئی زندگی ملی ہے۔ پہلے نماز پڑھے ظہر کے وقت کھانے اور آرام سے فراغت پائی۔ دن کے دوسرے حصّہ کی ابتداء ہوئی نماز پڑھے۔ عصر کے وقت ملازمین کاروبار سے فارغ ہو کر سیر و تفریح کو چلے۔ تجارت کے فروغ کا وقت آیا نماز نہ پڑھ لے۔ سوتے وقت جاگنے کی انتہا ہے۔ نیند جو ایک طرح کی موت ہے شروع ہو رہی ہے نماز پڑھ کر سوئے شاید یہ آخری نیند ہو کہ اس کے بعد قیامت ہی کو جاگے۔

س۔ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں یکساں کیوں نہیں اگر مغرب میں چار رکعت پڑھیں تو کیوں نہیں ہوتی؟

ج۔ لائق طبیب کے نسخہ میں دواؤں کے اوزان مختلف ہوتے ہیں۔ نمازیں بھی مختلف دوائیں ہیں۔ جس قفل میں تین دانتوں والی چابی چاہیئے وہ چار دانتوں والی چابی سے نہیں کھل سکتا۔ یہ نمازیں مختلف پیغمبروں کی یادگاریں ہیں۔ آدم علیہ السلام نے زمین پر آکر رات دیکھی گھبرا گئے۔ صبح نمودار ہوئی تو

دو رکعت شکرانہ ادا کیں۔ یہ فجر ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ذبح فرزند کے ع
دُنبہ پایا۔ فرزند کی جان بچنے اور قربانی قبول ہونے پر چار رکعت شکرانہ ا
کیں یہ ظہر ہوئی۔ عزیر علیہ السلام نے سولہ برس بعد زندہ ہو کر ۴ رکعت شک
پڑھیں یہ عصر ہوئی۔ کیونکہ آپ اسی وقت زندہ ہوئے تھے۔ داؤد علیہ ال
نے توبہ قبول ہونے کے شکریہ میں غروب آفتاب کے بعد چار رکعت کی نیت
باندھی مگر تین رکعت پڑھ کر تھک گئے اور سلام پھیر دیا یہ مغرب ہوئی۔ ہمارے
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشاء ادا کی۔ (طحاوی شریف)

س۔ سفر میں قصر یعنی چار فرض کو دو کیوں پڑھتے ہیں تین رکعت میں قصر کیوں نہ
ج۔ اس لئے کہ سفر معراج میں دو دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں بعض نمازوں
میں بعد میں زیادتی کی گئی (حدیث) جب تم بھی سفر میں جاؤ تو سفر معراج
کی یادگار قائم کرلو۔ اسی لئے پچھلی دو رکعتوں میں قرأت فرض نہیں۔ او
امام ان میں آہستہ قرآن پڑھتا ہے تاکہ یہ یاد تازہ رہے کہ یہ رکعتیں پہلے
فرض ہوئیں اور یہ بعد میں۔ چونکہ تین کا آدھا صحیح نہیں بن سکتا۔ اس
لئے اس میں قصر بھی نہیں۔

س۔ امام ظہر و عصر میں آہستہ قرأت کیوں کرتا ہے اور باقی میں زور سے کیوں
ج۔ اس لئے کہ شروع زمانہ اسلام میں کفار کا غلبہ تھا وہ قرآن شریف
سُن کر رب تعالےٰ اور جبریل اور حضور علیہ السلام کی شان میں بکواس
بکتے تھے ان ہی دو وقتوں میں وہ آوارہ گھومتے رہتے تھے۔ مغرب میں کھان
میں مشغول ہوتے تھے۔ عشا میں سو جاتے تھے۔ فجر میں جاگتے نہ تھے۔ اس
لئے ان دو نمازوں میں آہستہ قرأت کا حکم ہوا۔ رب نے فرمایا: وَ
تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا
نہ اتنی آواز سے قرآن پڑھو جو آواز باہر جاوے نہ اتنی آہستہ کہ خود بھ
نہ سن سکو۔ اب اگرچہ وہ حالت نہ رہی مگر حکم وہ ہی رہا تاکہ مسلمان اس

مغلوبیت کو یاد کرکے اب غلبۂ اسلام پر خدا کا شکر کریں۔

س۔ نماز کے ارکان قیام و قعود میں کیا حکمتیں ہیں؟

ج۔ نماز میں چار چیزیں پڑھی جاتی ہیں۔ اور چار کام کیے جاتے ہیں:۔ قرآن۔ تسبیحیں۔ درود شریف اور دعائیں تو پڑھی جاتی ہیں اور قیام۔ رکوع۔ سجدہ۔ قعود کیے جاتے ہیں۔ ان چاروں کاموں میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان میں چار وصف ہیں۔ وہ جماد بھی ہے نامی بھی۔ حیوان بھی ہے انسان بھی۔ جماد کی عبادت میں بیٹھا رہتا ہے۔ حیوان کی اصل عبادت رکوع میں رہنا ہے۔ نبات کی بندگی سجدہ۔ انسان کی بندگی قیام۔ جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے۔ لہٰذا نماز میں ان چاروں عبادات کو جمع کر دیا گیا۔ نیز یہ چاروں وصف انسان کے لئے رب سے دوری کا باعث بنے۔ گویا انسان چار درجے نیچے اُترا۔ اس کی ترقی کے لئے چار کام مقرر کیے گئے۔

دوسرے یہ کہ انسان میں آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی جمع ہے۔ آگ کی خاصیت تکبر و غرور ہے۔ اسی لئے وہ اوپر کو بھاگتی ہے۔ دیکھو شیطان آدم علیہ السلام کے آگے نہ جھکا۔ پانی کا کام ہے پھیلنا۔ خاک کی تاثیر جمود اور بے حسی ہے۔ ہوا کی تاثیر شہوت ہے۔ اسی لئے مقوی باہ دوائیاں بادانگیز ہوتی ہیں۔ گویا انسان ان چار مفردوں کا معجون مرکب ہے اور مفردات کا اثر معجون میں ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان میں یہ چاروں عیوب موجود تھے۔ ان کے دفعیہ کے لئے یہ چار ارکان نماز میں قائم کیے گئے۔ اور ان ارکان کو اللہ کے مختلف ذکروں سے پُر کیا گیا۔ تاکہ ان عیوب سے پاکی حاصل ہو۔ جس کا بیان اس آیت میں ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (روح البیان سورۂ مائدہ) آیۃ وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّی مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ)

س ۔ نماز کے لیئے وضو کیوں ضروری ہے ۔
ج ۔ اس لیئے کہ نماز دل کو پاک کرتی ہے ۔ چاہیئے کہ پہلے جسم پاک کیا جائے کیونکہ ظاہری پاکی کا باعث ہوتی ہے ۔ دق کی بیماری والے کا کپڑا ۔ مکان بدن صاف رکھواتے ہیں تاکہ تندرستی حاصل ہو ۔
س ۔ وضو میں چار عضو دھونا کیوں فرض ہیں ۔ منہ ۔ ہاتھ ۔ سر کا مسح ۔ پاؤں ۔
ج ۔ دو وجہ سے ۔ ایک یہ کہ وضو کے پانی سے خطائیں اور گناہ جھڑتے ہیں آدم علیہ السلام سے پہلی جو لغزش صادر ہوئی یعنی گندم کھانا ۔ اس ان ہی چار اعضاء نے کام کیا تھا ۔ کہ دماغ میں کھانے کا خیال آیا ۔ پاؤں ادھر چلے ۔ ہاتھ سے گندم پکڑا ۔ منہ شریف نے کھایا ۔ لہذا حکم ہوا کہ نماز کے لیئے ان ہی اعضاء پر پانی پہنچاؤ ۔
دوم یہ کہ اب بھی اکثر گناہ دیں ان ہی عضوؤں کا زیادہ حصہ ہوتا ہے ہاتھ ۔ پاؤں ۔ آنکھ ۔ ناک ۔ کان ۔ دل ۔ دماغ سے ہی گناہ کیئے جاتے ہیں دل اور دماغ کا تعلق بادشاہ اور وزیر کا سا ہے ۔ کہ دل پر رنج آیا فوراً دماغ سے پانی آنسو کی شکل میں ٹپکا ۔ اور جہاں دماغ میں برا خیال پیدا ہوا کہ دل مغموم ہو گیا ۔ لہذا دماغ پر مسح کر دیا گیا ۔ دل کی جگہ دھوئی گئی کہ دماغ کے ذریعہ دل پاک ہو گا ۔
س ۔ پیشاب ۔ پاخانہ ۔ ریح ۔ قے ۔ خون وغیرہ سے وضو کیوں ٹوٹتا ہے ؟
ج ۔ وضو گندم کھانے سے لازم ہوا اور یہ چیزیں گندم ہی سے بنتی ہیں لہذا حکم ہوا کہ جب جسم سے گندم کا اثر ظاہر ہو ۔ وضو کر لو ۔ نیند بھی اسی لیئے وضو توڑتی ہے کہ وہاں ریح نکلنے کا احتمال ہے ۔ نبی کی نیند چونکہ غفلت نہیں پیدا کرتی ۔ لہذا ان کا وضو بھی نہیں توڑتی ۔
س ۔ تو چاہیئے کہ منی نکلنے سے بھی وضو ہی ٹوٹے ۔ کیونکہ منی بھی گندم سے بنتی ہے ۔ اس سے غسل کیوں ٹوٹتا ہے ؟

ج ۔ منی کا تعلق سارے جسم سے ہے کہ ہر عضو کے خون سے بنتی ہے اور اس کے نکلتے وقت سارے جسم کو لذت آتی ہے ۔ لہٰذا سارے جسم پر ہی اثر ہونا چاہیئے ۔

س ۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کیوں کرایا جاتا ہے اس میں کیا مصلحت ہے ؟

ج ۔ سارے عناصر یعنی آگ پانی مٹی ۔ ہوا میں دلوں کی شفا اور جسم کی پاکی ہے ۔ اسی لئے بہت سی چیزیں آگ سے پاک ہو جاتی ہیں جیسے مٹی تانبہ کے ناپاک برتن نجس زمین ہوا سے خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے ۔ بہت صورتوں میں مٹی سے رگڑنا پاکی بخشتا ہے ۔ اور پانی تو طہارت کا ذریعہ ہے ہی ۔ اسی طرح پانی پر دم کر کے بیماروں کو پلایا جاتا ہے ۔ حضور علیہ السلام نے ایک بیمار پر مٹی لعاب دہن شریف میں تر کر کے استعمال فرمائی ۔ قرآن پڑھ کر دم کرتے ہیں ۔ دم کی ہوا سے خدا شفا دیتا ہے ۔ غرضیکہ ان عناصر میں طہارت کا اثر ہے ۔ لہٰذا طہارت حکمی یعنی وضو و غسل کے لئے پانی کو تو اصل مانا گیا ہے ۔ اور بوقت ضرورت مٹی کو نائب کیونکہ مٹی بھی ایک عنصر ہے ۔

س ۔ نماز کی اطلاع کے لئے اذان کیوں رکھی گئی ۔ ہندوؤں عیسائیوں کی طرح سنکھ یا ناقوس کیوں نہ بنایا ۔

ج ۔ اذان اطلاع نماز کا بہترین ذریعہ ہے ۔ اس کے مثل نہ سنکھ ہو سکتا ہے نہ ناقوس ۔ چند وجوہ سے اولاً تو یہ کہ سنکھ میں مردہ جانور کی ہڈی کا استعمال ہے ۔ ناقوس میں لوہے پیتل وغیرہ دھات کا استعمال ۔ مگر اذان میں اشرف المخلوق یعنی انسان کا استعمال ہے ۔ وہ بھی حلق کی آواز کا نہ کہ ہاتھ کی تالی کا نہ سیٹی وغیرہ کا ۔ کیونکہ حلق اندرونی اور بیرونی اعضا کے درمیان واسطہ ہے کہ باہر سے جو ہوا پانی غذا اندر جائے وہ حلق کے راستہ اور جو دل کی بات باہر آئے وہ حلق کے ذریعہ ۔

دوسرے یہ کہ سنکھ وغیرہ میں محض بے ڈھنگی آواز ہے جس کا مطلب کچھ نہیں ۔ جیسے ریل کی سیٹی کی محض اطلاع ہے ۔ مگر اذان میں محض آواز نہیں ۔

بلکہ اللہ کی کبریائی حضور کی نبوت کا اعلان ہے۔ جو اصل ایمان اور مغز عبادت ہے۔ پھر نماز کا بلاوا ہے۔ پھر نماز کے فوائد کا ذکر جس سے دل میں نماز کا شوق پیدا ہو۔ اگر کوئی خوش گلو اذان دے تو سن کر وجد آجاتا ہے غرضیکہ اذان میں بلاوے کے ساتھ تبلیغ بھی ہے۔

س۔ نماز جماعت سے کیوں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ مسجد میں حاضری کیوں دی جاتی ہے؟

ج۔ جماعت میں دینی یا دنیوی بہت سی حکمتیں ہیں۔ دنیاوی حکمتیں تو یہ ہیں کہ جماعت کی برکت سے قوم میں تنظیم رہتی ہے۔ کہ مسلمان اپنے ہر کام کے لیے امام کی طرح صدر اور امیر چن لیا کریں۔ پھر امیر کی ایسی اطاعت کریں جیسے مقتدی۔ امام کی جماعت سے آپس کا اتفاق بڑھتا ہے۔ روزانہ پانچ بار کی ملاقات اور دعا وسلام دل کی عداوت دور کرتا ہے۔ قوم میں پابندی اوقات کی عادت پڑتی ہے۔ کہ سب لوگ جماعت کے وقت پر دوڑتے آتے ہیں۔ جماعت سے متکبرین کا غرور ٹوٹتا ہے کہ یہاں بادشاہ کو فقیر کے ساتھ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

نیز مسجد ہماری کمیٹی گھر یا دارالشوریٰ ہے۔ جہاں جمع ہو کر مسلمان اہم مشورہ کر سکتے ہیں۔ گویا مسجد میں روزانہ محلہ کی پانچ کانفرنسیں ہوتی ہیں۔ مسجد نبوی سے ہی اسلامی فوج نکل کر جہاد وغیرہ کرتی تھی۔

دینی فائدے یہ ہیں کہ اگر جماعت میں ایک کی نماز قبول ہو گئی تو سب کی قبول ہے۔ جماعت میں گویا مسلمانوں کا وفد بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حاکم کے یہاں تنہا کے مقابل وفد کا زیادہ احترام ہوتا ہے۔ جماعت میں انسان رب کی کچہری میں وکیل یعنی امام کے ذریعہ عرض معروض کراتا ہے (بات کا دامن اٹھا لیا گیا ہے) مسجد کی طرف آنے جانے میں ہر قدم پہ دس نیکیاں ملتی ہیں۔ جماعت سے آدمی کو دینی پیشوا علماء صوفیا کا ادب سکھایا جاتا ہے

س ۔ جمعہ اور عید میں جماعت فرض کیوں ہے پنجگانہ نمازوں میں کیوں نہیں ؟

ج ۔ پنجگانہ جماعت محلہ بھر کی کانفرنس ہے اور جمعہ کی جماعت سارے شہر یا اکثر حصہ کی۔ پنجگانہ جماعت فرض کرنے میں مسلمانوں پر دشواری ہو جاتی ہے۔ کہ جنگل کھیت وغیرہ سے بھاگ کر شہر آنا پڑتا۔ اس لئے اس جماعت کو سنت قرار دیا گیا۔ اور چونکہ جمعہ ہفتہ میں ایک بار اور عید سال میں دوبار آتے ہیں ان کے لئے کرنا آنا گراں نہ ہوگا۔ یہ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا اجتماع بھی ہو جایا کرے اور کاروبار بھی بند نہ ہوا کرے۔

س ۔ اسلام میں جمعہ کو عید المومنین کیوں مانا گیا۔ عیسائی اتوار کی کیوں تعظیم کرتے ہیں۔ جمعہ میں کون سی خوبی ہے۔

ج ۔ عیسائی اتوار کو صرف اس لئے مانتے ہیں کہ اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے مائدہ یعنی دستر خوان اُترا تھا۔ انہوں نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا ۔ لہٰذا یہ دن ان کی عید کا ہوا لیکن جمعہ مسلمانوں کی عید اس لئے بنا کہ وہ انسانی دنیا کا پہلا دن بھی ہے اور آخری بھی۔ کیونکہ جمعہ کے دن ہی آدم علیہ السلام کی پیدائش ان کا جنت میں جانا ہوا۔ پھر جنت سے زمین پر آنا بھی اسی دن ہوا۔ قیامت بھی جمعہ کے دن آوے گی۔ نیز انبیاء کرام پر بڑے بڑے انعامات اسی دن میں ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ یعقوب علیہ السلام سے ملنا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا سب جمعہ کے دن ہوا۔ نیز ہفتہ میں سات دن ہیں جن میں پہلا دن جمعہ ہے لہٰذا جمعہ کو عبادت کے لئے خاص کیا گیا تاکہ ہفتہ کی ابتداء برکت پر ہو۔ (روح البیان زیر نزول مائدہ)

س ۔ ہم اللہ کے بندے ہیں صرف فرض ہی پڑھیں جو اللہ کا حکم ہے۔ سنت کیوں پڑھیں اس کی کیا ضرورت ہے ؟

ج ۔ فرض کے لئے سنت ایسی ہے جیسے کھانے کے لئے پانی کہ نہ تو کھانا بغیر پانی کے تیار ہوا اور نہ کھایا جا سکے۔ ایسے ہی خود فرض نماز میں سنت داخل ہے ۔ جیسے ہاتھ اُٹھانا۔ سورہ فاتحہ پڑھنا۔ سورہ ملانا وغیرہ اور قریباً ہر فرض نماز کے ساتھ سنتیں بھی ادا کی جاتی ہیں ۔ جیسے بغیر پانی کھانے کی دعوت ناقص ہے۔ ویسے ہی بغیر سنت فرض نماز غیر مکمل ہے ۔تارک سنت شفاعت سے محروم ہے۔ بلکہ انسان پر فرائض تو بعد بلوغ جاری ہوتے ہیں ۔ مگر سنتیں پیدائش سے ہی ساتھ ہوتی ہیں ۔ ختنہ عقیقہ۔ نام رکھنا سب سنت ہی ہے ۔ اسی طرح مرتے ہی تمام فرائض ختم ہو جاتے ہیں مگر سنتیں مرنے کے بعد بھی ساتھ نہیں چھوڑتیں ۔ چنانچہ قبر۔ کفن بعد دفن فاتحہ ایصال ثواب سنت ہیں بلکہ خود مرنا بھی سنت ہے ۔ اسی لئے ہمارا نام اہل فرض نہیں ۔ بلکہ اہل سنت و جماعت ہے ۔سنت کے منکر کو چاہیئے کہ ناف سے گھٹنے تک کا جانگیہ پہنا کرے اور جان نکلتے وقت کچھ چنے چاب لیا کرے جس سے جان بچے کہ فرض صرف اتنا ہی ہے۔ نکاح اولاد سب سنتیں ہی تو ہیں ۔

س ۔ بعض کھانے بغیر پانی ہی تیار ہوتے ہیں اور بغیر پانی کھائے بھی جاتے ہیں جیسے تر میوے ۔

ج ۔ ان میں بھی پانی کی ضرورت ہے کہ ان کے درخت پانی ہی سے پرورش پاتے ہیں ۔ نیز ان میں قدرتی پانی موجود ہے ورنہ یہ سوکھ جاویں ۔

س ۔ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض والے کی نماز کیوں نہیں ہوتی اور فرض والے کے پیچھے نفل والے کی نماز کیوں ہو جاتی ہے ؟

ج ۔ اس لئے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ضمن میں ایسی ہوتی ہے ۔ جیسے لفافہ میں پرچہ ۔ حدیث میں ہے کہ امام ضامن اور ظاہر ہے کہ ضمن میں لینے والا یا تو قوی ہو یا برابر۔ کاغذ کا لفافہ لوہے کے پترے کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتا ۔ پھٹ جاویگا ۔ لہذا لازم ہے کہ یا تو امام کی نماز مقتدی سے

قوی ہو یا برابر۔ لہذا نفل تو فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ فرض نفل سے قوی ہے۔ اس لئے امام کا بھی مقتدیوں سے قوی یا برابر ہونا لازم ہے۔ اگر امام مقتدی سے کمزور ہو تو نماز میں خرابی ہوگی۔ امی قاری کی نماز کی امامت نہیں کر سکتا۔

س۔ احادیث میں وارد ہے کہ معراج کی صبح کو جبریل علیہ السلام نے دو دن حضور کو نمازیں پڑھائیں۔ حالانکہ یہ نمازیں حضور علیہ السلام پر فرض تھیں۔ اور جبریل علیہ السلام کیلئے نفل۔ کیونکہ فرشتوں پر یہ نمازیں فرض نہیں۔ دیکھو فرض نفل کے پیچھے ادا ہوئے۔

ج۔ جب جبریل علیہ السلام کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو وہ نمازیں ان پر فرض ہو گئیں۔ لہذا امامت جائز ہوئی جیسے دیہات کے باشندے جب شہر میں آ جاویں تو ان پر جمعہ و عید فرض ہو جاتا ہے کہ اہل شہر کی امامت بھی کر سکتے ہیں

س۔ امام مقتدی سے افضل ہوتا ہے۔ لازم آیا کہ جبریل علیہ السلام حضور سے افضل ہوں۔

ج۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں حضور علیہ السلام نے صحابی عبدالرحمن ابن عوف کے پیچھے بھی ایک رکعت پڑھی ہے۔ حالانکہ وہ امتی ہیں اور حضور نبی۔ استاد شاگرد کے پیچھے۔ شیخ مرید کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو امامت ہے حضور تو کعبہ معظمہ سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ خیر خلق اللہ ہیں۔ کعبہ بھی جز خلق اللہ ہے۔ لہذا اس سے بھی افضل ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام ساجد ہیں۔ اور کعبہ مسجود الیہ۔

س۔ کم از کم جبریل علیہ السلام نماز کے استاد ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے حضور کو نماز سکھائی اور حضور علیہ السلام شاگرد اور استاد شاگرد سے اعلیٰ ہوتا ہے۔

ج۔ معلم نہیں صرف مبلغ اور پیغام رساں ہیں اسی لئے حضور کے در دولت پر حاضر ہوتے ہیں۔ اگر استاد ہوتے تو حضور علیہ السلام ان کے پاس جاتے۔ دیکھو

موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے پاس گئے۔ حضور علیہ السلام رب کے شاگرد رشید ہیں ؎

لکھے نہ پڑھے جناب الا شاگرد رشید حق تعالیٰ

س۔ پھر تو انبیاء کرام کو بھی محض مبلغ ماننا چاہیئے۔ ان کی اتنی تعظیم و توقیر کیوں کی جاتی ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی نبی ماننا چاہیئے جو مبلّغ ہو وہ نبی ہے

ج۔ انبیاء کرام خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ فی العروض ہیں۔ جیسے کہ خرید و فروخت کا وکیل کہ عقد کے سارے احکام اولاً اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔ پھر موکل سے پیغمبر جو باتیں امت کو پہنچائیں گے خود بھی پہلے ان پر عمل کریں گے۔ ایسے ہی استاد و شیخ نبی اور اُمت کے درمیان گویا واسطہ فی العروض ہے مگر فرشتے خالق و مخلوق کے درمیان محض واسطہ فی الثبوت ہیں۔ جیسے نکاح کا وکیل کہ وہ محض موکل کے الفاظ نقل کر دیتا ہے۔ نکاح کے احکام سے اسے کوئی تعلق نہیں یا جیسے رنگریز کہ کپڑے میں رنگ پہنچا دیتے ہیں نہ خود عمل کرتے ہیں نہ دوسروں سے کراتے ہیں۔ اسی لئے بعض دفعہ جبرائیل علیہ السلام نے مجمع صحابہ میں حضور سے کچھ دینی مسائل دریافت کئے تاکہ لوگ سنیں اور عمل کریں۔ خود احکام نہ سنائے۔ لہذا پیغمبر نبی ہیں اور فرشتے نبی نہیں۔ جیسے حکام اور محکمہ ڈاک کے کام کرنے والے احکام بذریعہ ڈاک پہنچاتے ہیں۔ حکام عمل کرتے کراتے ہیں۔

س۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا جاتا ہے۔ مگر وضو کا غسالہ پینا مکروہ ہے۔ ایک پانی کے دو حکم کیوں ہیں ؟

ج۔ اس لئے کہ وضو کے پانی سے عبادت کی گئی ہے۔ لہذا اس کی عظمت بڑھ گئی۔ اسی لئے بچی ہوئی مسواک اور مسجد کے کوڑے کا بھی ادب ہے۔ مگر وضو کا غسالہ نمازی کے گناہ لے کر اعضاء سے علیحدہ ہوا ہے۔ اسی لئے اس کا پینا مکروہ ہے۔ لیکن نبی کا غسالہ پینا مکروہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ صحابہ کرام

پیا کرتے تھے۔ کیونکہ پیغمبر گناہوں سے معصوم ہیں۔ وہ سراپا نور ہیں۔ اُن کا غسالہ گناہ لے کر نہیں بلکہ نورانی ہو کر گرا ہے۔

س۔ جب وضو سے گناہ جھڑتے ہیں تو چاہیئے کہ پیغمبروں پر وضو واجب ہی نہ ہو۔ کیونکہ وہ بے گناہ ہیں۔ مقصد وضو وہاں حاصل نہیں۔

ج۔ ہمارے لئے وضو کے دو فائدے ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری فائدہ نجاست کا دور ہونا ہے۔ باطنی فائدہ گناہ جھڑنا۔ انبیاء کرام کے لئے بھی دو فائدے ہیں۔ ظاہری فائدہ بے وضوئی کا علیحدہ ہونا۔ باطنی فائدہ مراتب بڑھنا جو نیکی گناہ گار کے گناہ معاف کراتی ہے وہ بے گناہ کے درجات بڑھاتی ہے جیسے مسجد کے قدم کہ اس سے گناہ گار کے گناہ جھڑتے ہیں اور نیک کار کے مراتب بڑھتے ہیں۔

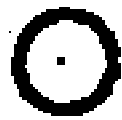
س۔ قرآن فرماتا ہے کہ نماز بے حیائیوں اور گناہ سے روکتی ہے حالانکہ بعض نمازی بھی گناہ گار ہوتے ہیں۔ شیطان بڑا نمازی تھا مگر بڑا گنہ گار رہا۔

ج۔ اس کے تین جواب ہیں:۔

ایک یہ کہ نماز بحالت ادا گناہ نہیں کرنے دیتی۔ روزہ حج وغیرہ میں جھوٹ غیبت وغیرہ نہیں ہے۔ مگر نماز میں سارے اعضاء پر کنٹرول ہے۔

دوسرے یہ کہ برائیوں سے روکنا نماز کی تاثیر ہے۔ لیکن اگر تو نِس والے کی پیاس پانی سے نہ بجھے تو اس میں پانی کا قصور نہیں۔ اگر کوئی زہر سے نہ مرے تو زہر کے قاتل ہونے میں فرق نہ آئے گا۔

تیسرے یہ کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ میں الف لام عہدی ہے یعنی نماز مقبول جس میں ظاہری و باطنی شرائط کا لحاظ رہے وہ بے شک گناہوں سے روکتی ہے۔ جو نماز گناہوں سے نہ روکے وہ نماز کا قالب ہے۔ نہ کہ نماز مقبول۔



روزہ

س۔ روزے میں کیا حکمت ہے۔ اسلام میں یہ کیوں رکھا گیا کہ ہم اپنی چیز ایک وقت خود نہ کھا پی سکیں۔

ج۔ پیٹ بھرنے سے نفس قوی ہوتا ہے اور خالی رہنے سے روح میں قوت آتی ہے۔ رُوح اور نفس ہمارے گویا دو بازو ہیں یا انسانی زندگی کے دو پہیے لہٰذا کچھ دن نفس کو غذا دو اور کچھ دن رُوح کو۔ نیز روزہ پیٹ کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ اگر کوئی ہر ماہ میں تین دن روزے رکھ لیا کرے تو وہ انشاءاللہ کبھی امراض سے محفوظ رہے گا۔ نیز روزے سے فقرا ورفاقہ کی قدر معلوم ہوتی ہے اور فقراء کی امداد کو دل چاہتا ہے۔ روزے میں اپنی بندگی اور رب کی مالکیت کا اظہار ہوتا ہے۔ کہ ہم اپنی کسی چیز کے مستقل مالک نہیں۔ گھر میں سب کچھ ہے مگر رب نے روک دیا۔ تو کچھ استعمال نہیں کر سکتے۔ روزے سے بھوک برداشت کرنے کی عادت رہتی ہے۔ کہ اگر کبھی فاقہ درپیش آ جاوے تو روزہ دار صبر کر سکے گا۔ روح جسم میں آکر غذا کی حاجت مند ہوئی۔ لہٰذا گناہ بھی کرنے لگی۔ اب کچھ وقت اسے بھوکا رکھو تاکہ اسے اپنی پہلی حالت یاد رہے اور گناہ سے باز رہے۔

س۔ روزے میں کیا خصوصیات ہیں۔ جو دیگر عبادات میں نہیں۔

ج۔ روزے میں چند خصوصیات ہیں۔ اوّلاً یہ کہ تمام عبادات میں کچھ کرنا ہے اور روزے میں چھوڑنا۔ یعنی کھانا پینا۔ جماع چھوڑنا اور رب کے لئے خواہشات چھوڑنا بڑی عبادت ہے۔ دُوسرے یہ کہ تمام عبادات میں اطاعت کا غلبہ ہے اور روزے میں عشق کا۔ کیونکہ اس میں عشاق کے تمام نشان موجود ہیں ؎

عاشقاں را شش نشان ست اے پسر آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر

گر ترا پرسند سہ دیگر کدام — کم خورد — کم گفتن و خفتن حرام

تیسرے یہ کہ دیگر عبادات خاص حالات میں رہتی ہیں مگر روزہ ہر حالت میں مومن کے ساتھ ہے۔ کیونکہ جاگتے سوتے کھیلتے کودتے، کاروبار کرتے ہر حال میں روزہ منہ میں ہے۔ چوتھے یہ کہ روزہ شکم سیری کی زکوٰۃ ہے۔ پانچویں یہ کہ عبادات شکر ہیں۔ اور روزہ صبر اور اللہ صابروں کیساتھ ہے

س۔ حدیث قدسی میں ہے اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ روزہ میرا ہے میں اس کی جزا دوں گا۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ ساری عبادات رب کی ہیں۔ اور وہ ہی جزا دینے والا ہے۔ پھر روزے کو خاص کر کیوں کہا گیا۔

ج۔ دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ دیگر عبادات میں ریا ہو سکتی ہے کیونکہ وہ ظاہر ہیں مگر روزے میں ریا کا احتمال نہیں۔ کیونکہ یہ خفیہ چیز ہے۔ اگر کوئی گھر میں کچھ کھالے اور لوگوں میں روزہ ظاہر کرے تو کوئی کیا جانے۔ لہذا روزہ دار یقیناً رب کے لئے ہی روزہ رکھ سکتا ہے دوسرے یہ کہ قیامت میں ظالم کی دیگر عبادت مظلوم چھین لیں گے۔ مگر روزہ کسی کو نہ دیا جائے گا۔ حکم ہوگا۔ کہ یہ تو میری چیز ہے کسی کو نہ ملے گی۔

س۔ پھر اس کا مطلب ہے کہ میں اس کی جزا دوں گا؟

ج۔ اس حدیث کی دو قرأتیں ہیں۔ اُجْزٰی بِہٖ۔ یعنی میں روزہ کی جزا ہوں۔ تمام عبادات کی جزا جنت اور روزے کی جزا خود خالق جنت ہے۔ دوسری اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی میں روزے کا خود بدلہ دوں گا دیگر عبادات کے ثواب مقرر ہیں۔ مگر روزے کی جزا کچھ مقرر نہیں فرمائی۔ رب دینے والا بندہ لینے والا۔ جس قدر چاہے گا۔ دیگا۔ کیونکہ روزہ دار عاشق ہے۔ اور عشق کا ثواب لقا محبوب ہے۔ لقاء محبوب کے ساتھ تمام نعمتیں غیر محدود ہیں۔

س۔ ماہِ رمضان میں کیا خصوصیات ہیں۔ جو دیگر مہینوں میں نہیں؟

ج۔ چند خصوصیات یہ ہیں: قرآن شریف میں صرف رمضان ہی کا نام آیا کسی اور مہینہ کا نہیں آیا۔ جیسے جماعت صحابہ میں صرف زید کا نام آیا۔ رمضان۔ رحمٰن۔ غفران۔ قرآن اور شیطان قریباً ہموزن ہیں۔ یعنی رحمٰن نے رمضان میں قرآن بھیجا۔ تاکہ مومنوں کو غفران ملے اور شیطان کو قید۔ دیگر مہینوں میں خاص دن یا خاص ساعتیں عبادت کی ہیں۔ بقرعید میں ۴ دن نویں سے بارہویں تک۔ محرم میں دسویں۔ شوال میں پہلی۔ شعبان میں چودھویں۔ رجب میں ستائیسویں تاریخیں۔ مگر رمضان میں ہر ساعت عبادت کی ہے۔ کہ صبح سے شام تک روزہ۔ پھر افطار تراویح سحری۔ تلاوت قرآن غرضیکہ عجیب مبارک ہے۔ ماہ رمضان گلشن اسلام کے لئے موسم بہار ہے۔ کہ اس کے آتے ہی مساجد قرآن۔ ذکر۔ تلاوت وغیرہ سب ہی میں رونق آجاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس مہینہ میں جنت بھی آراستہ ہوتی ہے۔ دیگر مہینوں میں ایک یا دو خصوصی عبادات کی جاتی ہیں۔ مگر رمضان میں بے شمار روزہ۔ افطار۔ سحری۔ تراویح۔ اعتکاف اور شب قدر کی عبادات۔ ادائے زکوٰۃ۔ عام مسلمانوں کو دوسرے مہینوں کی تاریخیں معلوم نہیں ہوتیں۔ مگر ماہ رمضان کا دن گن گن کر گزارا جاتا ہے۔

س۔ روزوں کے لئے ماہِ رمضان کیوں منتخب ہوا؟

ج۔ اس لئے کہ ماہ رمضان میں قرآن شریف لوح محفوظ سے منتقل ہوکر پہلے آسمان پر آیا۔ پھر وہاں سے ۲۳ سال میں آہستہ آہستہ حضور علیہ السلام پر نازل ہوا۔ قرآن رب کی بڑی نعمت ہے۔ نعمت ملنے پر بطور شکر یہ روزے رکھوائے گئے۔ نیز رمضان میں ہر نیکی کا ثواب ۷۰ درجہ ملتا ہے۔ اس لئے اس مہینہ میں روزہ اعتکاف وغیرہ رکھے گئے تاکہ ثواب زیادہ ہو۔

س ۔ رمضان میں تراویح بیس رکعت کیوں پڑھتے ہیں اور تراویح میں قرآن کیوں پڑھا جاتا ہے؟

ج ۔ اس لئے کہ ہر رمضان میں جبریل علیہ السلام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن شریف سنایا کرتے تھے اور اچھوں کی نقل بھی اچھی ہوتی ہے انسان ہر دن رات میں ۲۰ رکعت فرض واجب پڑھتا ہے ۔ ۱۷ فرض ۳ وتر رمضان میں ان ۲۰ کی تکمیل کے لئے ۲۰ رکعتیں اور پڑھوائی گئیں تا کہ اس مبارک مہینہ میں اگر وہ رکعتیں ناقص رہی ہوں تو ان سے کامل ہو جائیں ۔ اس ماہ میں عبادت کامل تر چاہیئے ۔

س ۔ جب ماہ رمضان ایسا مبارک مہینہ ہے تو اس کے جانے پر عید کیوں منائی جاتی ہے ۔ مبارک چیز جانے پر غم منانا چاہیئے نہ کہ خوشی ۔

ج ۔ یہ خوشی دو وجہ سے ہے ایک تو ماہ مبارک میں عبادت کی توفیق ملنے کا شکریہ ۔ خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے خیر سے روزے تراویح ، اعتکاف وغیرہ ادا کرا دیئے ۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو رمضان کے جانے کا بہت صدمہ ہوتا ہے جمعۃ الوداع کو لوگ زار زار روتے ہیں ۔ اس غم کو ہلکا کرنے کے لئے یہ خوشی رکھ دی تا کہ رنج کا احساس کم ہو ۔

س ۔ روزہ دن میں کیوں رکھا جاتا ہے ۔ رات کو چاہیے تھا ؟

ج ۔ اس لئے کہ بدنی عبادت میں محنت اور نفس کی مخالفت چاہیئے ۔ اسی پر اجر ملتا ہے ۔ رات میں انسان ویسے بھی نہیں کھاتا پیتا ۔ اس وقت کھانا چھوڑنا محنت نہیں ۔ نیز رات سوتے میں گزرتی ہے عبادت کا احساس ہوتا

س ۔ اگر روزے میں تکلیف ضروری ہے تو چاہیئے کہ ہندو دھاتما جوگیوں کی طرح دس پندرہ دن کا رکھا جاوے کہ اتنے روز تک افطار نہ ہوا کرے ۔ روز شام افطار کر لیا ۔ رات بھر کھایا پیا ۔ دن کو روزہ رکھ لیا ۔

ج ۔ جو گیوں کا برت عام انسانوں کی طاقت سے باہر ہے اور جو سادھو وغیرہ ایسا کرتا ہے۔ وہ دین و دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ یہ عبادت سارے مسلمان کریں اور روزے میں دوسرے عبادات دیگر کاروبار بند نہ ہوں۔ اور یہ عبادت بھی ادا ہو جائے۔ یہ مقصد اس طریقہ کے سوا اور طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتا اسلام عملی مذہب ہے۔ دیگر مذاہب کے احکام طاق میں رکھنے کے لیئے ہیں ۔

س ۔ روزے میں بھول چوک معاف ہے۔ بھول سے کھا پی لیا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مگر نماز میں معاف نہیں۔ اگر کوئی بھول کر نماز میں بول پڑے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ فرق کیا ہے ؟

ج ۔ روزے میں بھول چوک زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں کوئی یاد دلانے والی چیز موجود نہیں۔ اس لیئے یہاں معافی ہے۔ مگر نماز کی ہر حالت قیام رکوع وغیرہ نماز کو بتا رہی ہے۔ اس لئے اس میں بھول کم واقع ہو گی۔ اس لیے اس میں یہ رعایت نہ کی گئی ۔

زکوٰۃ

س ۔ اسلام نے زکوٰۃ کیوں فرض کی اپنا کمایا ہوا مال دوسروں کو مفت کیوں دلوایا ؟

ج ۔ چند وجہ سے ۔ ۱ ۔ سخاوت انسان کا کمال ہے۔ بخل عیب ۔ زکوٰۃ دینے سے یہ عیب دور ہوتا ہے اور وہ کمال حاصل ہوتا ہے ۔

۲ جیسے ہماری کمائی میں حکومت کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ جسے ٹیکس کہتے ہیں پھر وہ ٹیکس ہمارے ہی مفاد یعنی ملکی انتظام پر خرچ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہماری کمائیوں میں رب کا حق ہے جو ہمارے غربا پر ہی خرچ ہوتا ہے ۔

۳۔ چلتی پھرتی چیز سبز رہتی ہے اور رُکی ہوئی چیز بگڑ جاتی ہے کنوئیں کا پانی نکلتا رہے تو ٹھیک رہے گا۔ ورنہ بگڑ جائے گا۔ لہٰذا دولت بند نہ کرو اسے چلتا پھرتا رکھو۔

۴۔ زکوٰۃ سے امدادِ باہمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو انسان کی بہترین صفت ہے۔ کہ رب کی نعمت مل بانٹ کر کھاؤ۔

۵۔ خرچ سے نعمت بڑھتی ہے۔ روکنے سے گھٹتی ہے۔ انگور اور بیری کی شاخیں کاٹ دینے سے پھل زیادہ آتے ہیں۔ نہ کاٹو تو کم آتے ہیں دانہ کھیت میں بکھیرنے سے زیادہ ہوتا ہے جمع رکھنے سے جلد ختم ہو جاتا ہے۔

س۔ جب رب نے مال ہمیں دیا تو وہ ہمارا ہی حصہ۔ ہم ہی استعمال کریں۔ اپنا حصہ مفت خوروں کو کیوں دیں۔

ج۔ رب جو چیز کسی کو ضرورت سے زیادہ دے تو اس میں دوسروں کا بھی حصّہ ہوتا ہے۔ بھینس کے تھن میں دس سیر دودھ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف اس کے بچہ کے لئے نہیں۔ دُوسروں کا بھی اس میں حصّہ ہے۔ کُتیا کے تھن میں تھوڑا سا ہی دُودھ ہے کیونکہ وہ صرف اس کے بچوں ہی کے لئے ہے۔ اگر میزبان مہمان کے آگے ضرورت سے زیادہ کھانا رکھے تو وہ سب مہمان کے لئے نہیں بلکہ ہڈیاں اس کے کتوں کے لئے ہیں۔ باقیماندہ اس کے نوکروں کا حق ہے۔ کھیت میں کنوئیں سے پانی آرہا ہے۔ وہ کیاریوں کے لئے ہے۔ اگر کھیت والا وہ پانی نہ پھیلائے تو کنوئیں والا پانی نہ چھوڑے گا۔ غربا رب کی کھیتیاں ہیں۔ ان کا دیا ہوا مال ان میں بھی پھیلاؤ۔

س۔ کیا زکوٰۃ صرف مال ہی میں ہے یا ہر چیز میں؟

ج۔ شرعی زکوٰۃ تو صرف تجارتی مال میں ہے۔ مگر زکوٰۃ کی حقیقت ہر جگہ موجود ہے۔ پھلوں کا گودا انسان کے لئے ہے مگر چھلکا جانوروں کا حق ہے۔ گندم میں پھل ہمارا حصہ مگر بھوسہ جانوروں کا۔ گندم میں بھی آٹا ہمارا ہے۔

مجوسی جانوروں کی۔ ہمارے جسم میں بال ناخن کا علیحدہ کرنا ضروری ہے۔
یہ سب زکوٰۃ ہیں۔ بیماری تندرستی کی زکوٰۃ ہے مصیبت راحت کی۔
نمازیں دنیادی کاروبار کی گویا زکوٰۃ ہیں۔

س۔ زکوٰۃ سے قوم میں بیماری اور بھیک مانگنے کی رسم بڑھتی ہے۔ اسی لئے آج جتنے بھکاری مسلمانوں میں ہیں اتنے دوسری قوموں میں نہیں۔ جب مفت ملے تو محنت کیوں کریں۔

ج۔ زکوٰۃ سے مسلم قوم دوسروں کی محتاج نہ ہوگی۔ اپنی ضرورتیں اپنی ہی قوم سے پوری ہونگی۔ دیکھو ادھر سے قوم کا انتظام کہ ان میں زکوٰۃ کی وجہ سے کوئی غریب نہیں۔ مسلمانوں میں افلاس اب سو برس سے آیا ہے۔ اور زکوٰۃ کا مسئلہ چودہ سو برس سے رائج ہے۔ اگر زکوٰۃ قوم کو غریب کرتی تو پہلے مسلمان مالدار کیوں تھے۔ موجودہ افلاس کی وجہ مسلمانوں کی عیاشی۔ بے کاری۔ مقدمہ بازی۔ حرام رسموں کا رواج ہے۔ اسلام نے جہاں زکوٰۃ کا حکم مالداروں کو دیا ہے۔ وہاں غربا کو بھیک مانگنے سے سخت منع فرمایا۔ اور حلال کمائی کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ فقیروں کو زکوٰۃ ملنے کی امید تو ہوگی۔ مگر یقین نہ ہوگا۔ کہ زکوٰۃ ملے یا نہ ملے۔

س۔ زکوٰۃ اہل قرابت کو دینا کیوں جائز ہے چاہیئے تو یہ کہ بالکل اجنبی کو دی جاوے جس کوئی دنیا دی تعلق نہ ہو

ج۔ اہل قرابت کو زکوٰۃ دینے میں دو فائدے ہیں ایک تو عبادت دوسرے اپنے عزیز کی خدمت
عزیز کی خدمت و سلوک ویسے بھی لازم تھا رب کا یہ کرم تھا کہ اس نے اسی ضمن میں عبادت بھی ادا کر دی

س۔ تو چاہیئے کہ اپنے ماں باپ یا اولاد کو بھی زکوٰۃ دی جائے وہ بھی تو عزیز بلکہ بڑے قریبی عزیز ہیں۔

ج۔ ماں باپ زوج بیوی عادۃً انکے مال مشترکہ ہوتے ہیں یعنی ان میں ہر ایک دوسرے کا مال بے تکلف خرچ کرتا ہے اور اس کو اپنا مال سمجھ کر کھاتا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ ہمارے باپ کا مال ہے اگر ان لوگوں کو زکوٰۃ دی گئی تو زکوٰۃ اپنے گھر میں ہی رہی اس لئے ان عزیزوں کو زکوٰۃ مت دو۔

س۔ پیغمبر پر زکوٰۃ فرض کیوں نہیں۔ چاہیئے کہ نماز روزہ کی طرح یہ بھی ان

پر فرض ہو۔

ج ۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ پیغمبر ایسے فنا فی اللہ ہیں کہ ان کا مال براہ راست رب کی ملک ہے وہ حضرات مالک ہی نہیں اور رب کی ملک میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ مسجد۔ مدرسہ۔ خانقاہ وغیرہ اوقاف کے مالوں میں زکوٰۃ نہیں کیونکہ وہ کسی بندے کی ملک نہیں۔ رب کی ملک ہیں۔ ایسے ہی مال نبی ہے اسی لئے نبی کے مال میں میراث نہیں کہ وقف مال کی میراث کیسی۔

دوسرے یہ کہ اُمت نبی کی حکمی غلام و لونڈی ہے۔ اسی لئے اگر پیغمبر کسی کا کسی سے نکاح کر دیں تو ان کو ماننا لازم ہے۔ جیسے کہ حضرت زید اور زینب کا نکاح ہوا اور اگر کسی کی بیوی کو اس پر حرام کر دیں تو وہ بیوی ہوتے ہوئے شوہر پر حرام ہوگی۔ جیسے حضرت کعب ابن مالک کا حال ہوا۔ بائیکاٹ کے زمانہ میں اور آقا اپنے غلام، لونڈی کو اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ لہذا کوئی مسلمان پیغمبر کی زکوٰۃ کا مصرف نہ تھا۔ اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ جو عبادت قابل ادا نہ ہو۔ وہ فرض نہیں ہوتی۔

س ۔ زکوٰۃ چالیسواں حصّہ کیوں ہے۔ کم و بیش کیوں نہیں ؟

ج ۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل پر چوتھائی مال زکوٰۃ تھی یعنی روپیہ میں چار آنہ پچیس فی صدی۔ اس اُمت کو نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ لہذا رب تعالیٰ نے اس اُمت کے لئے چہارم کا دسواں یعنی چالیسواں حصّہ فرض کیا: تاکہ یہ دس گنا ہو کر چہارم کے برابر ثواب کا باعث ہو۔ جیسے اسلامی نمازیں پڑھنے میں پانچ اور ثواب میں پچاس ہیں۔ ایسے ہی اسلامی زکوٰۃ ادا کرنے میں ڈھائی روپیہ سینکڑہ ہے۔ مگر ثواب میں پچیس روپیہ سینکڑہ۔

س ۔ زکوٰۃ سال میں ایک بار کیوں فرض ہے۔ نماز کی طرح روزانہ یا حج کی طرح عمر میں ایک بار کیوں فرض نہیں ؟

ج ۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ مال بڑھتا بھی رہے اور اس کی زکوٰۃ بھی نکلتی رہے۔

لہذا مالک کو ایک سال بھر کا موقعہ دیا ہے کہ کاروباری آدمی سال بھر تجارت کرکے خوب مال بڑھالے پھر کل کا چالیسواں حصّہ ادا کرے۔ کیونکہ سال میں تینوں موسم اور چاروں فصلیں آجاتی ہیں۔ لہذا ہر مال کے بڑھنے کا کافی موقع مل جاتا ہے۔ ہر چیز کسی موسم میں سستی ہوجاتی ہے دوسرے میں مہنگی۔

س۔ زکوٰۃ کو زکوٰۃ کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکی ہیں بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّی مَنْ یَّشَآءُ اسی لئے مذبوح جانور کو مُذَکّٰی کہتے ہیں۔ چونکہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد باقی مال پاک ہوجاتا ہے لہذا اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ یا زکوٰۃ کے معنی ہیں بڑھنا چونکہ زکوٰۃ نکالنے سے مال بڑھتا ہے اور محفوظ بھی رہتا ہے۔ لہذا اسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔

یمحق اللّٰہ الربٰوا و یربی الصدقات ٥

حج و زیارت

س۔ حج کے کیا معنی ہیں اور حج کو حج کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ حج کے لغوی معنی ہیں ارادہ اور قصد۔ چونکہ اس میں بھی انسان بیت اللہ کے ارادے سے گھر سے سفر کرتا ہے۔ لہذا اس کا نام حج ہے۔

س۔ اسلام میں حج کیوں فرض ہے۔ بلاوجہ مسلمانوں کو سفر کی مشقت اور روپیہ کے خرچ میں کیوں ڈالا گیا۔

ج۔ حج میں دینی اور دنیاوی ہزارہا مصلحتیں ہیں۔ دنیاوی مصلحتیں حسب ذیل ہیں:
(۱) جیسے جسمانی تفریح کے لئے باغ کی سیر کو جاتے ہیں کہ وہاں کی ہوا دماغ کو تازگی بخشتی ہے اور وہاں کی مہک معطر کر دیتی ہے۔ ایسے ہی حرمین کی زمین ایمانی باغ ہے۔ جہاں کی ہوا ایمان کو تازگی بخشتی ہے اور چونکہ وہ جگہ ہزارہا انبیاء کرام کی گذرگاہ اور سینکڑوں نبیوں کا مدفن ہے۔ لہذا وہاں کی مہک

ایمان کو معطر کرتی ہے۔
(۲) حج و خشکی و تری کا سفر کرنا پڑتا ہے جس سے آدمی کا تجربہ بڑھتا ہے۔
(۳) حج میں ہر ملک کے مسلمانوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ جس سے دنیا کے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق رہتا ہے۔
(۴) حج مسلمانوں کی سالانہ کانفرنس ہے۔ جس میں بے تکلف مسلمان جمع ہو جاتے ہیں (۵) حج کے ذریعہ سے ملک حجاز کے باشندے پرورش پاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کی زمین بے آب و دانہ ہے۔ وہاں حج ہی پر گذر اوقات ہے۔
(۶) حج میں سفر کی قدر اور مسافر کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ جس سے انسان میں مسافروں کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
(۷) حج سے آدمی میں مشقت برداشت کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ کیونکہ حرمین شریفین میں تکلیف ضرور برداشت کرنی پڑتی ہے۔

س۔ حج میں دینی مصلحتیں کیا کیا ہیں؟
ج۔ صدہا مصلحتیں ہیں۔
۱۔ حج میں مسلمان اللہ کے لئے اپنا وطن چھوڑتا ہے جس میں مہاجر کا ثواب پاتا ہے
۲۔ حج سے پچھلے پیغمبروں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ جس سے ان کی محبت بڑھتی ہے۔ اور پیغمبروں کی محبت ہی اصل ایمان ہے۔
۳۔ حج میں حضرت ہاجرہ اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کی نقل ہے۔ اور اچھوں کی نقل بھی اچھی ہے۔
۴۔ حج میں حضرت ہاجرہ کی بے کسی اور پھر رب کی قدرت یاد آتی ہے۔ جس سے انسان میں صبر اور حلم پیدا ہوتا ہے۔ حج سے صبر و تحمل کا سبق ملتا ہے۔ کیونکہ حضرت ہاجرہ کی صبر اور تحمل کی یہ ساری بہار ہے۔ حج سے قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ منیٰ میں حضرت خلیل نے فرزند کی قربانی دی تھی۔ جس کی یادگار میں حاجی اب بھی قربانیاں دیتے ہیں۔

س۔ حج میں طواف کیوں ہوتا ہے۔ کعبہ کے آس پاس گھومنا دیوانگی سی معلوم ہوتی ہے
ج۔ حج میں عشق کا غلبہ ہے۔ پروانہ شمع کا عاشق ہے تو اس کے گرد گھومتا ہے حاجی بھی رب کا عاشق ہے تو اس کے گھر کو شمع سمجھ کر پروانہ کی طرح اس کے اردگرد گھومے۔

س۔ حج میں احرام کیوں باندھا جاتا ہے؟
ج۔ جیسے نماز میں داخلہ تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی حج میں داخلہ احرام سے ہے۔ احرام کے لباس میں کفن کی یادگار ہے کہ آیندہ ہمیں ایسا ہی بے سلا کپڑا پہن کر قبر میں جانا ہے۔ احرام میں امیر و غریب کو یکساں کیا گیا ہے۔ احرام میں عاشق کی شان بنا کر رب کے دروازے پر بلایا گیا ہے۔ کہ بکھرے بال بڑے ناخن کفنی گلے میں ڈالے عشاق حاضری کا شور مچاتے حاضر ہیں۔

س۔ حج کے لیئے بے آب و گیاہ جنگل کیوں مقرر ہوا۔ کوئی سرسبز و شاداب ملک ہونا چاہیئے تھا؟
ج۔ اس لیئے کہ کعبہ معظمہ کی جگہ آباد زمین کا بیچ حصہ ہے۔ اسی جگہ سے زمین بن کر پھیلی۔ درمیانی جگہ میں ہر ملک کے لوگوں کا پہنچنا آسان ہے۔ اسی زمین میں ان نبیوں کا درود ہوا حج جن کی یادگار ہے۔

س۔ تو اسی جگہ کو سرسبز شاداب کر دینا چاہیئے تھا اسے خشک ریگستان کیوں رکھا؟
ج۔ تاکہ حاجی محض رب کی رضا کے لیئے یہاں آویں۔ کوئی دنیاوی غرض شامل نہ ہو سرسبز ملک میں تفریح۔ تجارت۔ سیر آرام۔ عیاشی کا خیال ہو سکتا ہے اس بنجر زمین میں عبادت کے سوا دوسری نیت نہیں ہو سکتی۔ اس لیئے حاجی کے سلے کپڑے اتروا کر کفن پہنایا جاتا ہے تاکہ ظاہری آرام بھی ختم ہو جائے۔ عیش کرنا ہو تو لندن یا پیرس جاؤ۔ عبادت کرنا ہو تو عرب میں حاضری دو۔

س۔ حضور علیہ السلام کا قیام مکہ معظمہ میں کیوں نہ ہوا۔ اتنی دور مدینہ پاک میں ہوا۔
ج۔ تاکہ حج کے طفیل زیارت نہ ہو۔ زیارت کے لیئے علیحدہ مستقل سفر ہو تاکہ زائر

کی نگاہ میں زیارت کا وقار پیدا ہو۔ اسی لئے حضور علیہ السلام کی ولادت کسی مشہور مہینہ رمضان وغیرہ میں نہ کسی مشہور دن جمعہ یا اتوار کو ہوئی۔ کیونکہ حضور سے دوسروں کی عزت ہے حضور کی عزت خالق کے سوا کسی دوسرے سے نہیں

س۔ عرفان و مزدلفہ و منیٰ میں کیوں ضروری ہے؟

ج۔ جہاں اللہ والوں کا گذر ہو جاوے یا جس جگہ کسی پیارے پر رب کا فضل ہو جاتا ہے۔ وہ جگہ تا قیامت نزول رحمت کی جگہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہی حال تاریخوں اور دنوں کا ہے۔ منیٰ میں آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ عرفات میں حضرت آدم و حوا کی ملاقات ہوئی۔ مزدلفہ میں حضرت آدم علیہ السلام نے بعد قبول توبہ قیام فرما کر عبادت الٰہی کی۔ منیٰ میں حضرت خلیل اللہ نے فرزند کی قربانی کی۔ اس لئے یہ مقامات تا قیامت متبرک ہو گئے۔ چونکہ یہ کام ان ہی تاریخوں میں ہوئے تھے۔ اس لئے تاریخیں بھی وہ ہی مقرر ہوئیں۔

س۔ مدینہ پاک کی حاضری کیوں دی جاتی ہے

ج۔ بے شک اس کی رحمت تو ہر جگہ ہے مگر ہر جگہ ملتی نہیں۔ مدینہ پاک اور بزرگان دین کے آستانے رحمت الٰہی کے ملنے کے مقام ہیں۔ ریل ساری لائن سے گزرتی ہے مگر اس کے پانے کے لئے اسٹیشن جانا ہوتا ہے۔ بجلی کی رَو سارے تار میں ہوتی ہے۔ مگر روشنی وہاں ہی ہو گی۔ جہاں قمقمہ لگا ہو۔ یہ مقامات رحمت ربانی کے اسٹیشن یا تجلی کے قمقمہ ہیں۔ رب ہر جگہ رازق ہے۔ ہر جگہ شافی امراض ہے۔ مگر رزق تلاش کرنے مالداروں کے دروازے پر شفا لینے کے لئے اطباء کی دوکانوں پر جاتے ہیں۔ ایسے ہی مدینہ پاک رزق روحانی اور شفا نفسانی ملنے کی جگہ ہے۔

س۔ روضہ پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مزارات پر سلام کیوں پڑھا جاتا ہے۔

ج۔ بھیک مانگنے والا داتا کے دروازے پر کھڑے ہو کر گھر اور گھر والے کو دعائیں دیتا

ہے۔ یہ دعائیں گویا مانگنے کا طریقہ ہے۔ حضور سخی داتا ہیں۔ ہم بھکاری ان سخی داتا کے
پر صدا دینے والے کے لئے صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں۔ تاکہ بھیک ملے۔ نیز
رب فرماتا ہے اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا
یا مِثْلِهَا۔ جب تمہیں کوئی سلام کرے تو اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اس
جیسا ہی دو۔ ہم غلاموں کو قوی امید ہے کہ حضور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
ہمارے ناچیز سلاموں کا جواب ضرور دیں گے اور فرمائیں گے وعلیکم السلام
اے امتی تو بھی سلامت رہ۔ حضور مقبول الدعا ہیں اگر ایک دفعہ بھی
سلامتی کی دعا دے دی تو انشاء اللہ ہم دونوں جہاں کی آفتوں سے سلامت
رہیں گے۔ یہ صلوٰۃ سلام دعا لینے کی تدبیر ہے۔

س۔ مدینہ پاک کی مٹی کو خاک شفا کیوں کہتے ہیں۔ اور آب زمزم کو دواء اور
برکت کے لئے کیوں استعمال کرتے ہیں؟

ج۔ آب زمزم ایک پیغمبر اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں شریف سے پیدا ہوا۔ گویا
آپ کے پاؤں کا غسالہ ہے اور مدینہ پاک کے ذرے قدم پاک مصطفےٰ صلے
اللہ علیہ وسلم سے مس ہوئے۔ لہٰذا ان میں شفا پیدا ہو گئی۔ ؎

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگ اسود کے
یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد کے

شہد کی مکھی کے منہ میں پھولوں کا پھیکا رس میٹھا اور شفا یعنی شہد بن جاتا ہے
ریشم کے کیڑے کے منہ سے ہو کر شہتوت کے پتے ریشم بن جاتے ہیں۔ حضرت
جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ سے مس ہو کر خاک میں زندہ ہونے کی تاثیر پیدا
ہو گئی۔ جس سے سامری کا بچھڑا زندہ ہو گیا۔ اسی طرح پیارے مصطفےٰ صلی
اللہ علیہ وسلم کے قدم پاک سے مس ہو کر خاک مدینہ شفا ہو گئی۔ خود حضور
علیہ السلام نے مدینہ کی خاک کو شفا فرمایا۔ بِتُرْبَۃِ اَرْضِنَا بِرِیْقَۃِ بَعْضِنَا
یَشْفِیْ سَقِیْمُنَا اور یہ شفا تا قیامت باقی ہے۔

س - آبِ زمزم کو آبِ زمزم کیوں کہتے ہیں ؟

ج - زمزم زَمْزَمَۃٌ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں گنگنا کر گانا چونکہ حضرت ہاجرہ نے پہلی بار یہ پانی خوشی میں گنگنا کر پیا تھا۔ اس لئے اس کا نام زمزم رکھا گیا۔ یا یہ لفظ زم زم تھا جس کے معنی ہیں ٹھیر ٹھیر کہ حضرت ہاجرہ نے اس پانی کو دیکھا تو اس کے ارد گرد دیوار سی بنا دی اور فرمانے لگیں۔ یَامَاءُ زَمْ زَمْ اے پانی ٹھیر ٹھیر۔ اس لئے اس کا نام زمزم ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر اس پانی کو روک نہ دیا جاتا۔ تو مشرق و مغرب میں دریا کی شکل میں ہوتا۔

س - قربانی کیوں کی جاتی ہے کیا جانور کی جان لینا بھی عبادت ہے ؟

ج - اس لئے کہ قربانی کرنے سے خود رب پر قربان ہونا بھی آتا ہے۔ کیونکہ ہر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے۔ دانہ پر کھیت کی تربان قربان ہوئی کہ جوت دی گئی۔ اور دانہ جانور پر قربان ہوا کہ جانور نے کھا لیا۔ پھر جانور انسان پر قربان ہو گیا۔ کہ ذبح کر دیا گیا۔ اسی قاعدے سے چاہیئے کہ انسان رب پر قربان ہو کہ جب دین کو اس کی جان کی ضرورت ہو پیش کر دے۔ جیسے خلیل اللہ نے اپنے فرزند کی قربانی امر الٰہی پر پیش کر دی۔ نیز ذبح کرنے سے جہاد و شہادت پیدا ہوتی ہے۔ جس قوم نے خون نہ دیکھا ہو وہ کبھی جنگ نہیں کر سکتی۔ جیسے بنیا اور برہمن جسے مرنا آتا ہے اسے جینا بھی آتا ہے۔ جس قوم میں مرنے کا جذبہ نہ ہو اسے دنیا میں زندہ رہنے کا بھی حق نہیں گویا قربانی کرنے والے جانور کو مار کر خود مرنا سیکھتا ہے۔

جہاد اور شہادت

س - اسلام میں جہاد کیوں رکھا گیا۔ یہ تو وحشیانہ کام ہے۔ خونریزی اور

امن برباد کرنے میں کیا فائدہ ہے ؟

ج ۔ جہاد میں بہت حکمتیں ہیں ۔ چند حسب ذیل ہیں جن کا وجود امن کے لئے خطرہ ہو ۔ ان کو دبا دینا یا مٹا دینا گویا امن قائم کرنا ہے حکومتیں بدمعاشوں کو سزائیں دیتی ہیں ۔ تاکہ نیک لوگ امن سے رہیں ۔ کھیت سے گھاس دُور کی جاتی ہے تاکہ فصل کو ضعف نہ پہنچے ۔ گلا سڑا عضو کاٹ دیا جاتا ہے تاکہ تندرست عضو کو خراب نہ کرے ۔ کفار دنیا کے لئے گویا گھاس یا جسم درست میں خراب عضو ہیں ۔ مرد مومن گویا فصل یا تندرست جسم ہے ۔ ان کو مغلوب کرنا نیکوں کو امن دینا ہے ۔ جہاد سے قومی قوت پیدا ہوتی ہے ۔ جس سے قوم باعزت زندگی بسر کر سکتی ہے ۔ جہاد سے عبادات کی آزادی حاصل ہوتی ہے ۔ تلوار کے سایہ میں مسجدیں قائم اور اسلامی احکام جاری ہو سکتے ہیں ۔ تلوار قرآن کا راستہ صاف کرتی ہے اور قرآن تلوار کو بے محل چلنے سے روکتا ہے ۔ جیسے تندرستی کے لئے بیماری کے اسباب دُور کرنا لازم ہے ایسے ہی دینی قوت کے لئے غلبۂ کفر مٹانا ضروری ہے ۔

س ۔ کیا جہاد سے یہ مقصود ہے کہ کفار فنا کر دیئے جائیں ؟

ج ۔ نہیں بلکہ یہ کفر کا غلبہ توڑ دیا جاوے ۔ اگر جہاد سے کفر کا مٹانا مقصود ہوتا تو آج ہندوستان میں ایک کافر نظر نہ آتا ۔ کیوں یہاں آٹھ سو سال اسلامی سلطنت رہ چکی ہے ۔ اللہ کی زمین پر مسلمانوں کو بھی رہنے کا حق ہے کفار یہ گوارا نہیں کرتے جہاد کے ذریعہ مسلمانوں کو ان کا یہ جائز حق دلوایا جاتا ہے ۔

س ۔ جہاد کو جہاد کیوں کہتے ہیں ؟

ج ۔ جہاد جہد سے بنا ہے بمعنی مشقت ۔ چونکہ تمام عبادات سے یہ زیادہ مشکل ہے کہ اس میں سفر بھی ہے ۔ جان کا خطرہ بھی ، مصیبتوں کا جھیلنا بھی ۔ لہذا اسے جہاد کہا گیا ۔ یعنی مشقت والی عبادت ۔ اسی لئے اس کا ثواب بھی زیادہ ہے ،

کہ مار کے آیا تو غازی، مر گیا تو شہید، لٹ گیا تو مردود۔ لوٹ آیا تو عید۔

س۔ شہید کو شہید کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ یا تو شہید بمعنی حاضر ہے۔ کیوں کہ دیگر لوگ قیامت کے بعد جنت میں حاضر ہوں گے اور یہ مرتے ہی سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں کے رزق کھاتا ہے لہذا شہید یعنی حاضر ہے یا اس لیے کہ شہید کو بارگاہِ الٰہی میں حاضر کر کے پوچھا جاتا ہے کہ کچھ تمنا کر۔ عرض کرتا ہے کہ مجھے پھر دنیا میں بھیجا جائے۔ تاکہ پھر شہید ہوؤں۔ جو لذت خاک و خون میں تڑپنے میں ملی وہ کبھی نہ ملی۔ حکم الٰہی ہوتا ہے کہ ہم ایک بار پاس کر کے دوبارہ امتحان نہیں کرتے لہذا یہ شہید ہے۔ یا شہید بمعنی گواہ ہے۔ یوں تو سارے مسلمان گذشتہ پیغمبروں کے گواہ ہیں۔ مگر شہید سرکاری گواہ۔

س۔ شہید کا اسلام میں کیا درجہ ہے؟

ج۔ نبوت کے بعد صدیقیت ہے اور صدیقیت کے بعد شہادت۔ رب فرماتا ہے مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِينَ۔ شہید پر نبی کی خاص تجلی ہے کہ نبی کی نیند وضو نہیں توڑتی اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی نبی کے فضلات امت کے لیے پاک ہیں۔ شہید کا خون پاک۔ نبی وفات شریف کے بعد زندہ ہیں رزق پاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ۔ شہید بھی بعد موت زندہ ہے رزق پاتا ہے۔ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ط

س۔ شہادت کا اتنا اعلیٰ درجہ کیوں ہے؟

ج۔ اس لئے کہ ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ چونکہ دیگر عابدین راہِ الٰہی میں اپنا پیسہ یا وقت خرچ کرتے ہیں اور یہ جان اور جان سب سے اعلیٰ لہذا اس کا اجر بھی زیادہ۔ حکومتیں فوج کی بڑی عزت کرتی ہیں۔ جو مارا جائے اس کے بچوں نیک سلوک کرتی ہیں۔ کیونکہ اس نے اپنی جان سے حکومت کی خدمت کی۔ ایسے

ہی شہید بھی۔

س۔ سیدالشہداء کون ہے ابوبکر صدیق یا حضرت عمر یا امام حسین رضی اللہ عنہم۔

ج۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ ان حضرات میں سے ہر ایک مختلف حیثیات سے سیدالشہداء ہیں۔ ابوبکر فنا فی الرسول کی حیثیت سے سیدالشہدا ہیں کہ حضور کی وفات خیبر والے زہر سے صدیق کی وفات غار والے مار کے زہر سے حضور کی وفات دوشنبہ کے دن میں صدیق کی دوشنبہ کے بعد سہ شنبہ کی رات میں حضور کے گھر میں وفات کی شب چراغ میں تیل نہیں۔ صدیق کے گھر کفن کے لئے کپڑا نہیں۔ حضرت عمر اس لیے سیدالشہداء ہیں کہ مدینہ پاک کی زمین مسجد نبوی نماز فجر کی مشغولیت حضور کی محراب اس میں شہادت پھر روضہ پاک مصطفےٰ علیہ السلام میں دفن۔ حضرت عثمان غنی اس لئے سیدالشہدا ہیں کہ مدینہ پاک کی زمین۔ قرآنِ پاک کی تلاوت۔ خون کا قرآن پر گرنا بغیر مقابلہ کئے شہید ہونا امام حسین اس لئے سیدالشہداء ہیں۔ کہ آپ بوقت شہادت پردیسی مہاجر۔ بھی تین دن کے متواتر روزہ دار بھی گھر بار کو راہِ الٰہی میں لٹانے والے بھی اور بے مثل نمازی بھی جن کی نماز وضو تیمم سے بے نیاز ہے۔

س۔ واقعہ کربلا کیوں ہوا اس میں کیا حکمتیں ہیں؟

ج۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام قرآن کی زندہ تفسیریں ہیں۔ قرآن نے شاکرین کے اجر بھی بیان کئے۔ اور صابرین کے بھی۔ خلفائے راشدین کی زندگی پاک شکر کی تفسیر ہے۔ اور حضرت امام کی زندگی مبارک صبر کی تفسیر شاکرین کو ذاکر خلفاء راشدین ہیں اور صابر ہو کر امام کی زندگی مبارک صبر کی تفسیر شاکرین کو ذاکر خلفاء راشدین ہیں اور صابر ہو کر امام حسین کی شہادت تفسیر قرآن کی تکمیل ہے۔

س۔ اس صبر کے لئے امام حسین ہی کیوں تجویز ہوئے؟

ج۔ اس لئے کہ امام حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں جنتی جوانوں میں کوئی

مہاجر ہو گا۔ کوئی غازی کوئی شہید۔ امام حسین کربلا سے پہلے بظاہر مہاجر نہ تھے نہ مجاہد نہ غازی۔ مرضی الٰہی تھی۔ کہ ایک واقعہ کربلا میں اس جنتی سردار کو سارے مدارج طے کرا دیئے جائیں۔ گو یا کربلا کی تپتی ریت ان کے لئے ٹریننگ سکول تھا۔ اس لئے آپ پر مال۔ اولاد وطن۔ احباب جان غرض تمام چیزوں کی مصائب جمع کر دی گئیں۔

س۔ اگر امام حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ تو جنت میں سب جوان ہی ہوں گے۔ تو چاہیئے کہ آپ پیغمبروں اور صدیقین کے بھی سردار ہوں کہ وہ جنت کے جوان ہیں حالانکہ آپ اُمتی ہیں نبی کا سردار نہیں ہو سکتا اور پھر صدیق اکبر سب سے افضل نہ ہوئے۔

ج۔ جنتی جوانوں سے مراد وہ جنتی ہیں جو جوانی میں وفات پا جائیں۔ انہیں کے آپ سردار ہیں۔ کوئی پیغمبر دنیا سے جوانی میں نہ گئے۔ اور نہ صدیق اکبر و فاروق اعظم و مولیٰ علی۔ لہٰذا یہ حضرات اس حکم سے خارج ہیں۔

س۔ رب نے یہ مصائب کیوں رکھے ہیں۔ وہ بندوں کو مشقت میں کیوں ڈالتا ہے؟

ج۔ یہ مصائب کھوٹے کھرے کی پہچان ہیں۔ اصلی نقلی سونا کسوٹی پر معلوم ہوتا ہے۔ جنگ کے میدان ایمان کی کسوٹیاں ہیں۔ مصائب سے گناہ کی معافی ہوتی ہے۔ جیسے آگ سے لوہے کی صفائی۔

س۔ کسوٹی پر وہ پرکھے جو عالم الغیب نہ ہو۔ رب جب عالم الغیب ہے تو اُسے امتحان کی کیا ضرورت ہے؟

ج امتحان بھی دیکھنے کے ہوتا ہے کبھی دکھانے کیلئے۔ رب کے امتحانات دوسرے مقصد کے لئے ہیں۔ تاکہ قیامت میں جزا دیتے وقت کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔

س۔ تو چاہیئے کہ سارے مسلمان مجاہد اور غازی ہوا کریں بغیر جہاد جنت نہ ملا کرے ورنہ مخلوق کا اعتراض ہو گا۔ نیز بغیر مصیبت گناہوں سے صفائی نہ ہو گی۔

ج۔ امتحان قریباً سب کا ہوتا ہے۔ کسی کا آرام دے کر کسی کا مصائب بھیجکر، نوعیت کا امتحان جداگانہ ہے۔ ایوب علیہ السلام امتحان صبر میں کامیاب ہیں۔

اور سلیمان علیہ السلام تسکین ہم گنہ گاروں کا بھی یہی حال ہے کسی کو دیکر امتحان ہے کسی لیکر نیز بعض چیزیں آگ سے پاک کی جاتی ہیں بعض پانی سے بعض مومن راحت کے ذریعہ صاف ہوتے ہیں بعض تکلیف کے ذریعہ

س - امام حسین کے قاتل کون تھے سنی یا شیعہ ؟

ج - ان کے قاتل خالص شیعہ تھے - ان کے تین دلائل ہیں - ایک یہ کہ قاتلانِ امام حسین اہل کوفہ ہیں - اور کوفہ ہی ہیں حضرت علی مرتضٰی کا دارالخلافہ اور ان کا جائے قیام تھا - ظاہر ہے کہ شیعہ جماعت وہاں ہی رہتی ہوگی - آج بھی لکھنؤ اور اودھ شیعوں کا مرکز اس لیئے ہے کہ وہاں شیعہ سلاطین رہے اور اگر شیعہ کوفہ میں آباد نہ تھے تو یہ آباد کہاں تھے - دوسرے یہ کہ اب بھی شیعہ جماعت میں تقیہ داخل فی الدین ہے - حالانکہ اس وقت امام حسین نے تقیہ نہ کیا - عبیداللہ ابن زیاد نے کہا کہ بصرے سے حجازی لباس پہن کر حجاز کے راستہ سے کوفہ پہنچا تاکہ لوگ سمجھیں کہ امام حسین آگئے - تیسرے یہ کہ آج بھی محرم میں شیعہ وہ ہی کام کرتے ہیں جو اس وقت یزیدیوں نے کئے تھے - امام کا جنازہ نکالنا علم و تعزیہ کا جلوس اس میں ناچ کود اہل بیت نے یہ کام نہیں کئے -

س - شیعہ ماتم میں سینہ کیوں کوٹتے ہیں کیا اس کی کوئی اصل ہے بعض جگہ زنجیر سے تلوار سے ماتم ہوتا ہے ؟

ج - اس لیئے کہ ان کے سینوں میں عداوت صحابہ کرام بھری ہے - وہ سینے کوٹنے پیٹنے کے ہی قابل ہیں - یہاں خود پیٹتے ہیں آخرت میں ان سینوں کو فرشتے کوٹیں گے ذَالِكَ الْعَذَابُ الْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ اگر یہ سینہ کوبی اظہار محبت طریقہ ہوتا - تو ان سے زیادہ اہل کی محبت رکھنے والے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تھے وہ نیزوں برچھوں سے ماتم کیا کرتے -

س - شہیدوں کو زندہ کیوں فرمایا گیا ؟

ج - اس لیئے کہ انہوں نے اپنی فانی زندگی راہِ حق میں قربان کی لہذا انہیں باقی اور جاودانی زندگی عطا ہوئی - جزا مطابق عبادت عطا ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں

جاں دہی از بہر حق جانت دہند تاں دہی از بہر حق نانت دہند

رب نے فرمایا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

س - اگر شہید زندہ ہیں تو ان کی بیویاں دوسرے کے نکاح میں کیوں آجاتی ہیں اور ان کی میراث کیوں تقسیم ہو جاتی ہے؟

یہ حسّی اور جسمانی زندگی کے احکام ہیں کہ انسان کی بیوی اور مال دوسرے کو نہ لے۔ شہداء کی زندگی برزخی رُوحانی حکمی ہے۔ جو احساس میں نہیں آتی۔ اسی لئے فرمایا گیا۔ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ اس کی زیادہ تحقیق ہماری تفسیر نعیمی پارہ دوم میں اسی آیت کی تفسیر میں دیکھو۔

نکاح و طلاق

س - نکاح کو نکاح کیوں کہتے ہیں؟

ج - نکاح کے معنی ہے ملنا۔ چونکہ اس کی وجہ سے دو شخص ہی نہیں بلکہ دو قبیلے بلکہ کبھی دو ملک مل جاتے ہیں کہ لڑکی کے عزیز لڑکے کے عزیز بن جاتے ہیں اور برعکس بھی۔ لہذا یہ نکاح کہلاتا ہے۔

س - اسلام میں نکاح کو عبادت کیوں مانا گیا ہے۔ اسے تجارت کی طرح دنیاوی کاروبار کیوں نہ قرار دیا گیا؟

ج - اس لیے کہ یہ سنت انبیاء ہے۔ آدم علیہ السلام سے قیامت تک جاری ہے اسی کے ذریعہ انسان حیوان سے ممتاز ہے۔ اسی سے نسب چلتا ہے اور نسب سے ہزارہا فائدے ہیں۔ اسی سے اولیاء و بزرگانِ دین کی پیدائش ہے۔ جس سے اسلام کی بقاء ہے۔ اس سے بچہ کی پرورش اور تربیت کا انتظام ہے۔ نکاح سے تمام رشتے قائم ہیں۔ ماں باپ چچا تایا وغیرہ نکاح کی برکت سے ہیں۔ اسی واسطے قرآن کریم نے نکاح کو رب کی نعمت قرار دیا اور فرمایا وَجَعَلَ لَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا خیال رہے کہ عبادت کا موقوف علیہ بھی عبادت ہے۔ وضو

فرض ہے نماز کے لئے اور نکاح پر ساری عبادتیں موقوف ہیں کہ نمازی غازی اسی سے پیدا ہوں گے۔ لہذا یہ اصل عبادات ہے۔

س ۔ اسلام میں نکاح ایجاب وقبول سے ہی ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی طرح لڑکی کے آس پاس چکر لگانے یا انگریزوں کی طرح لڑکے کے گلے ہار ڈالنے کا نام نکاح کیوں نہیں ؟

ج ۔ اس لئے کہ ہر لین دین ایجاب وقبول سے کیوں ہوتا ہے۔ نکاح میں لڑکی کا اپنا مہر کا دینا ہے۔ لہذا اس کے لئے ایجاب وقبول درکار ہے۔ اگر میں کسی کے مکان کے آس پاس سو چکر بھی لگا لوں یا کسی کے جانور کے گلے میں دس ہار ڈال دوں تب بھی اس کا مالک نہیں بن سکتا۔ لیکن اگر وہ کہہ دے کہ میں نے دیا میں کہہ دوں۔ میں نے لیا۔ بس میں مالک ہو گیا۔ ایسے ہی نکاح ہے۔

س ۔ نکاح میں گواہ کیوں شرط ہیں اور اعلان کیوں سنت ہے ؟

ج ۔ تاکہ زنا سے فرق ہو جائے۔ زنا خفیہ طریق سے ہوتا ہے نیز عظیم الشان لین دین پر گواہ بنائے جاتے ہیں تاکہ آیندہ جھگڑا نہ پیدا ہو۔ معمولی چیزیں بغیر تحریر وگواہ خریدی جاتی ہیں۔ مگر زمین کی بیع پر گواہ بلکہ رجسٹری بھی کرائی جاتی ہے۔ تاکہ آیندہ جھگڑا نہ ہو۔ نکاح بھی عظیم الشان لین دین ہے جس میں صدہا جھگڑوں کا احتمال ہے۔ لہذا گواہ ضروری ہیں۔

س ۔ نکاح میں دعوت ولیمہ پر خرمے لٹانا کیوں سنت ہے ؟

ج ۔ اس لئے کہ نکاح نعمتِ الٰہی ہے اور نعمت ملنے پر فرحت وسرور کرنا رب کو پسند ہے۔ فرماتا ہے ۔ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا یہ چیزیں اظہار خوشی کے لئے ہے جیسے بچہ کی پیدائش پر عقیقہ۔

س ۔ نکاح میں مرد کے ذمہ مہر کیوں ہوتا ہے ؟

ج ۔ تاکہ زوجین میں قدرے برابری رہے کہ بیوی نے اپنی جان شوہر کے سپرد کی تو اس کے معاوضہ میں شوہر نے مہر و نفقہ دیا۔ قدرے برابری ہو گئی اگر

بیع میں قیمت نہ ہو تو ہبہ ہے بیع نہیں۔ اگر شوہر پر مہر وغیرہ حقوق نہ ہوں تو عورت لونڈی ہے زوجہ نہیں۔

س ۔ نکاح میں مرد کو عورت سے افضل کیوں مانا گیا۔ زوجین میں بالکل مساوات کیوں نہ رکھی گئی۔ عورت بھی اللہ کی بندی ہے۔

ج ۔ انتظام جب ہی قائم رہ سکتا ہے جب حاکمِ اعلیٰ ایک ہو۔ باقی ماتحت ہوں۔ ملک کا بادشاہ ایک درخت کی جڑ ایک انسان کے ظاہری اعضا دو دو مگر دل جو جسم کا سلطان ہے وہ ایک فوج کا کمانڈر انچیف ہے۔ ایک ایسے ہی گھر کا سلطان بھی ایک چاہیئے باقی ماتحت تاکہ خانگی نظام قائم رہے۔

س ۔ یہ اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ عورت افضل رہتی مرد ماتحت ایسا کیوں نہ ہوا ہے

ج ۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ مرد کے ذمہ عورت کا خرچہ اور مہر ہے۔ عورت کے ذمہ نہیں جو خرچہ دے وہ ہی حاکم ۔ دوم مرد عورت سے عام طور پر عقل و طاقت میں زیادہ لہذا یہ ہی انتظام کے لائق ہے۔ تیسرے عورت پر بعض وقت ایسے حالات آتے ہیں جب وہ کوئی کام نہیں کر سکتی۔ سمجھ بھی ٹھکانا نہیں رہتی۔ جیسے حیض و نفاس کی حالتیں ۔ مرد اس سے محفوظ ہے۔ لہذا سرداری کے وہ ہی لائق ہے۔ اسی لئے نبوت سلطنت قضاء مردوں ہی کو عطا ہوتی ہے۔

س ۔ ایک مرد چار عورتوں سے نکاح کیوں کر سکتا ہے ؟

ج ۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ عورتوں کی پیداوار بمقابلہ مردوں کے زیادہ ہے۔ پھر مرد جنگوں میں مارے بھی جاتے ہیں۔ اس لئے اگر چند نکاحوں کی اجازت نہ ہو تو عورتوں کی کھپت نہیں ہو سکتی۔ دوسرے چند نکاحوں سے قوم کی پیداوار زیادہ ہو گی کہ ایک بیوی سے جتنی مدت میں ایک بچہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اتنی مدت میں چار بیویوں سے چار بچے حاصل ہوں گے۔ آج کثرت سے سلطنتیں بنتی ہیں۔ پاکستان کا قیام کثرت ہی سے ہوا۔ وہ جو حدیث پاک میں ہے کہ محبت اور زیادہ بچہ جننے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ میں

تمہاری کثرت سے فخر کروں گا۔ اس میں یہ راز بھی ہے۔

س ۔ تو چاہیئے کہ اگر کسی جگہ مرد زیادہ ہوں تو ایک عورت چند مردوں سے نکاح کو

ج ۔ ہرگز نہیں۔ مرد حاکم اعلیٰ ہے وہ ایک ہی چاہیئے۔ نیز انسان کا بچہ پرورش و تربیت دونوں ہی کا حاجت مند ہے۔ پرورش ماں کے ذمہ ہے تربیت باپ کے ذمہ۔ اگر عورت کے چند شوہر ہوں تو کوئی بھی بچہ کی تربیت کا ذمہ دار نہ بنے گا اور نسب کسی سے ثابت نہ ہوگا۔ چونکہ جانور تربیت کے حاجتمند نہیں۔ لہٰذا وہاں یہ قید بھی نہیں۔ قدرت نے ہاتھ میں انگوٹھا ایک رکھا ہے اور انگلیاں جو کہ مؤنث ہیں چار تجویز فرمائیں معلوم ہوا کہ مرد ایک ہی چاہیئے۔ نیز چند شوہروں میں سے عورت کے خرچہ کا کفیل کوئی نہ بنے گا۔ جیسے چند اولاد کے لئے ایک ہی باپ چاہیئے۔ ایک شخص کے چند باپ نہیں ہو سکتے ایسے ہی بیوی کے لئے ایک ہی شوہر ضروری ہے۔

س ۔ تو چاہیئے کہ نبی کی بھی چار ہی بیویاں ہوتیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کی نو بیویاں تھیں۔ اتنی عیش پرستی سے نبوت کے فرائض کیسے انجام پاسکتے ہیں

ج ۔ نکاح فقط عیش پرستی کے لئے نہیں ہوتا۔ ورنہ حضور علیہ السلام کی تمام ازواج کنواریاں ہوتیں۔ عین شباب کے عالم میں جو نکاح شریف ہوا وہ عمر رسیدہ بی بی حضرت خدیجہ رضی سے ہوا۔ جن کی عمر شریف چالیس سال اور آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ ۵۰ سال کی عمر شریف جو بڑھاپے کی عمر ہے اس میں دوسرے نکاح ہوئے۔ پھر نبوت کے فرائض ایسے انجام دیئے کہ سبحان اللہ انبیا کے ذمہ تبلیغ ہے۔ تبلیغ کے لئے ضروری ہے کہ قوموں سے تعلقات ہوں۔ تعلق پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ لڑکی لینا دینا ہے حضور علیہ السلام نے ان قبیلوں کے سرداروں کی بیٹیاں نکاح میں قبول فرمائیں۔ جن سے پورے قبیلے قبضے میں آگئے۔ جیسے حضرت ام حبیبہ بنی امیہ کے سردار ابو سفیان کی بیٹی۔ حضرت صفیہ قبطی قوم کے سردار حی ابن خطیب

کی بیٹی وغیرہ جس کا نتیجہ ہوا کہ ان قوموں سے جنگ ختم ہو گئی اور آخر کار وہ سب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آج برطانیہ کے تعلق امریکہ سے اسی لئے قوی ہیں کہ ان کی لڑکیاں ایک دوسرے کے گھر ہیں۔ جرمنی سے یہ تعلق نہیں سلاطین کے نکاحوں میں مدہا راز ہوتے ہیں۔

س۔ عیسائی اور ہندوؤں کے یہاں بے نکاح راہب بڑی عبادت ہے سادھو اور دھیان بے نکاح رہتے ہیں اسلام میں ایسا کیوں نہیں ؟

ج۔ خدا کی دی ہوئی طاقتوں کو بے کار کر دینا حماقت ہے اور صحیح مقام پر خرچ کرنا عین کمال ہے۔ آنکھ بند کر لینا حماقت ہے۔ مگر اسے غیر محرم سے روکنا کمال ہے۔ قوت شہوانی بھی رب کی نعمت ہے۔ اگر یہ بری ہوتی تو رب دیتا ہی کیوں۔ اس شہوت کو روکنے کے بڑے بڑے نتائج زنا کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر نکاح نہ کرنا کمال ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے دو۲۔ داؤد علیہ السلام نے ۹۹ سلیمان علیہ السلام نے ایک ہزار بیویاں کیوں رکھیں عیسائی کیا جواب دیں گے۔ اور رام چندر کے والد راجہ جسرت نے دو کنھیا نے ایک ہزار بیویاں کیوں رکھیں۔ ہندو کیا جواب دیں گے۔

س۔ مسلمان کا نکاح کفار سے کیوں نہیں ہو سکتا۔ جب ان سے تجارت کر سکتے ہیں تو نکاح بھی ہونا چاہیئے ؟

ج۔ اس لئے کہ نکاح کا مقصد گھر کی آبادی ہے یہ جب ہی ہو گی جب زوجین کے دل ملے ہوں۔ اختلاف دین کی وجہ سے آپس میں نفرت ہو گی جس سے گھر کی بربادی لازمی ہے۔

س۔ پھر اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیوں جائز ہے۔ وہ بھی تو کافر ہیں ؟

ج۔ اس لئے کہ وہ اسلام سے قریب ہیں۔ لہذا امید ہے کہ ایسی عورت مومن کی صحبت سے مومنہ بن جائے۔ اگر مرد کے پھسلنے کا اندیشہ ہو تو اہل کتاب سے بھی نکاح منع ہے۔ مشرکہ مرتدہ چونکہ اسلام سے بہت ہی دور ہے لہذا

اس کے ایمان کی امید نہیں۔ نکاح کی بھی جائز نہیں۔ لڑکی کے لئے بھی کفو کیوں ڈھونڈتے ہیں؟

اس لئے کہ ہر شخص اپنے قبیلہ سے زیادہ مانوس ہوتا ہے جتنا اُنس زیادہ ہوگا اتنی ہی محبت زیادہ دیرپا ہوگی۔ اعلیٰ خاندان کی لڑکی ادنیٰ شوہر کو نگاہ میں نہیں لاتی جس سے خانہ جنگی رہتی ہے۔

س۔ اسلام نے چچا پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کیوں حلال کیا۔ چاہیئے تھا کہ بالکل اجنبی جگہ نکاح ہوتا۔ جیسا ہندوؤں میں ہوتا ہے۔

ج۔ اس لیے کہ آپس کے عزیز پہلے سے ایک دوسرے کی عادات سے واقف ہوتے ہیں۔ لہذا جتنی محبت آپس میں ہوگی اجنبی سے نہ ہوگی کہ نہ معلوم اس کی طبیعت کیسی ہو۔ نیز آپس میں ذات وغیرہ کی تحقیق نہیں کرنی پڑتی نیز آپس میں نکاح سے اپنی خاندانی جائداد و مال خاندان ہی میں رہتے ہیں غیر جگہ نہیں جاتے۔ نیز آپس کے نکاح سے محبت بڑھ جاتی ہے کیونکہ ایک محبت پہلے سے موجود تھی دوسری محبت لڑکی سے قائم ہوگئی۔

س۔ تو چاہیئے کہ سگی بہن سے بھی نکاح کیا جاوے کہ یہ سارے فائدے اس میں زیادہ ہیں۔ جیسا پارسی لوگ کرتے ہیں۔

ج۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ بہن۔ ماں۔ خالہ وغیرہ پر کسی کو شہوت نہیں پیدا ہوتی دل میں نفرت رہتی ہے۔ لہذا اس صورت میں یا تو اولاد پیدا نہ ہوگی۔ اگر کسی بے غیرت کے اولاد ہوگئی تو نہایت کمزور ہوگی۔ اور یہ مقصد نکاح کے خلاف

س۔ اسلام میں ختنہ کیوں رکھا گیا ہے؟

ج۔ چند وجہ سے ایک یہ سنت ابراہیمی اور سنت نبوی ہے۔ ختنہ نہ ہونے سے بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ختنہ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ اس لئے ڈاکٹر بعض بیماریوں میں ہندوؤں کا ختنہ کرا دیتے ہیں۔ ختنہ کی کھال باقی رہنے سے اس جگہ خارش سی ہوتی ہے اور وہ خارش

جلق کی عادت پیدا کرتی ہے جس سے ہزارہا بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ختنہ والے کی عورت بہت کم بدچلن ہوگی۔ ختنہ سے اولاد قوی پیدا ہوتی ہے حضرت اسمٰعیل کی قربانی قبول ہوئی۔ بدلہ میں دُنبہ ذبح کرایا۔ اور بدن کا ایک حصہ یعنی ختنہ کی کھال کٹوا دی گئی یہ ختنہ گویا بدن انسانی کی قربانی ہے

س۔ طلاق کو طلاق کیوں کہتے ہیں ؟

ج۔ اس لئے کہ طلاق طلق سے بنا۔ جس کے معنی ہیں کھلنا۔ چہرہ کے کھلنے کو طلاقۃ الوجہ اور بے قید کو مطلق کہتے ہیں۔ چونکہ طلاق میں عورت کو نکاح کی قید سے کھول دیا جاتا ہے۔ لہذا اسے طلاق کہتے ہیں۔

س۔ طلاق کیوں جائز رکھا گیا یہ تو جدائی ہے ؟

ج۔ اس لئے کہ کبھی مرد و عورت کی علیحدگی سخت ضروری ہوجاتی ہے۔ نکاح کا بقاء ایک یا دونوں کے لئے وبالِ جان بن جاتا ہے اسے شرعی کیا گیا۔ مگر ابغض المباحات یعنی بُری خبر فرمایا گیا۔

س۔ اگر طلاق کی ضرورت پڑ ہی جاتی تو چاہیئے کہ عورت کو بھی طلاق کا حق ہو۔ یہ کیا کہ مرد تو آزاد ہو اور عورت مرد کی پابند۔

ج۔ عورت میں قدرتی طور پر عقل کم ہوتی ہے اور جوش و غصہ زیادہ۔ اس کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ جن قوموں نے عورتوں کو طلاق کا حق دیا۔ وہاں بات بات پر طلاقیں ہو رہی ہیں اور گھر برباد ہو رہے ہیں جیسے لندن و پیرس۔

س۔ عورت کی اسی پابندی سے بڑے فتنے پڑے ہوئے ہیں کہ مردوں نے عورتوں پر بڑے ستم ڈھائے ہیں۔ اگر عورت کو بھی طلاق کا حق ہوتا تو یہ ظلم نہ ہوتے۔

ج۔ پھر اس سے صدہا گنا زیادہ مصیبت ہوتی۔ حق یہ ہے کہ طلاق مصیبت ہے لیکن مرد کے قبضہ میں رہے تو کم مصیبت ہے اور عورتوں کے قبضہ

ہیں جائے تو زیادہ مصیبت۔ اور جب انسان دو بلاؤں میں گرفتار ہو۔ آ
آسان کو اختیار کرے۔ عورتوں کی آزادی سے کوئی گھر قائم نہیں رہ سکتا

س۔ جیسے نکاح میں جانبین کی مرضی ضروری ہے ایسے ہی طلاق میں بھی جانبین
کی مرضی ضروری ہونی چاہیئے۔ صرف مرد کی رائے سے طلاق کیوں ہو جاتی ہے

ج۔ نکاح میں ایک شئے مرد کی ملک میں آتی ہے تو ضروری ہے کہ مالک
بننے والے اور ملک میں آنے والے دونوں کی رضا ہو۔ طلاق میں
ملک سے نکالنا ہے۔ اسی میں مالک مختار ہے۔ نوکر رکھتے وقت مالک
نوکر دونوں کی رضا ضروری۔ مگر نوکری سے علیحدگی کے وقت صرف
مالک کی رضا کافی ہے۔

س۔ نکاح پڑھاتے وقت زوجین کو کلمہ کیوں پڑھاتے ہیں۔ وہ دونوں
پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔

ج۔ اس لئے کہ نکاح کا وقت گویا معاہدہ کا وقت ہے کہ زوج زوجہ
کے لئے مہر اور خرچہ کا عہد کرتا ہے اور زوجہ زوج کے لئے اطاعت
فرمانبرداری کا معاہدہ کرتی ہے۔ اور معاہدہ کے وقت کلمہ پڑھانا
یا قرآن شریف اٹھوانا تاکید کے لئے ہوتا ہے تاکہ معاہدہ سے کوئی
پھر نہ سکے۔ لہٰذا کلمہ پڑھا کر عہد کراتے ہیں۔ نیز عوام کے منہ سے
کبھی کفر کی یہ باتیں نکل جاتی ہیں۔ گناہ کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا کلمہ پڑھا کر
توبہ کرا کر نکاح پڑھتے ہیں تاکہ برکت رہے۔

س۔ اب نکاح فساد کی جڑ بن گیا کہ اس سے بنے دل بگڑ جاتے ہیں۔ اس
کی کیا وجہ ہے؟

ج۔ اس لیے کہ موجودہ مسلمانوں نے نکاح کو عبادت نہ سمجھا۔ مالی کاروبار
بنا لیا۔ لڑکے زیادہ جہیز کی فکر میں ہیں اور لڑکی زیادہ مہر کی۔ جب یہ
دنیاوی کاروبار بن گیا اور دنیا فساد کی جڑ ہے۔ لہٰذا اس میں جھگڑے

فساد پیدا ہو گئے۔

اسلامی سزائیں

س - اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ یہ جرم سے زیادہ ہے کہ چور مال تو لے چار روپے کا اور ہاتھ وہ کٹے جس کی قیمت ہی نہیں۔ رب فرماتا ہے مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا۔ جو گناہ کرے اسے گناہ کی بقدر ہی سزا دی جاتی ہے۔

ج - چور کا ہاتھ کاٹنا مال کی سزا نہیں بلکہ قانون شکنی کی سزا ہے۔ قانون ہاتھ سے کہیں زیادہ قیمتی ہے قانون کے لئے سینکڑوں قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے اگر چور لاکھ روپیہ مالک کو دے دے تب بھی ہاتھ کٹنے سے نہیں بچ سکتا۔ آیت میں مثلها سے شرعی مثل مراد ہے نہ کہ فوری شریعت نے اس جرم کو ہاتھ کی مثل قرار دیدیا تو وہ ہی اس کی مثل ہے۔ یا یہ آیت آخرت کے بارے میں ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نیکیوں کو نیکی کا زیادہ ثواب دے گا کہ ایک کا ثواب سات سو۔ مگر بدی میں بالکل اضافہ نہ ہو گا۔

س - چوری میں ہاتھ کاٹنا ظلم ہے۔ چند روپیہ میں انسان کی زندگی خراب نہ کرنی چاہیئے۔

ج - ظلم وہ سزا ہے جو قانون سے زیادہ ہو۔ ہاتھ کاٹنا قانونی سزا ہے۔ آج چور کو دو سال کی سزا ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ آدھے گھنٹہ میں چوری کرتا ہے۔ مگر چونکہ قانون کے اندر ہے۔ لہٰذا ظلم نہیں۔ اگر ایک بدمعاش کی زندگی برباد ہونے سے لاکھوں زندگیاں سنبھل جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ قوم پر افراد قربان ہوتے ہیں۔ ایک کا ہاتھ کٹنے سے دوسرے بدمعاش چوری سے باز رہیں گے۔ نیک معاش آرام سے

زندگی بسر کریں گے۔

س۔ ہاتھ کاٹنے سے فائدہ کیا ہے؟

ج۔ ہاتھ چوری کا آلہ ہے۔ آلہ ہی ختم کر دو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری پھر یہ شخص چلتا پھرتا اشتہار اور لوگوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔ کہ اس کو دیکھ کر لوگ چوری سے توبہ کریں گے خود یہ بھی آئندہ اپنا کٹا ہوا ہاتھ دیکھ کر کبھی چوری نہ کرے گا۔

س۔ جب چوری میں ہاتھ کاٹا جو چوری کا آلہ ہے تو چاہیئے کہ زنا میں زانی کا ذکر کاٹو جو زنا کا آلہ ہے۔ اس میں رجم کیوں کرتے ہو؟

ج۔ چوری صرف ہاتھ سے ہوتی ہے۔ باقی وہاں جانا آنکھ سے مال دیکھنا۔ یہ چوری کے مقدمات ہیں۔ بخلاف زنا کے وہ تمام جسم سے ہوتا ہے اور سارے جسم کو لذت آتی ہے۔ منی بھی جسم کے ہر عضو کے خون سے بنتی ہے

س۔ اسلام میں زنا کی سزا موت کیوں ہے۔ جان کا بدلہ جان چاہیئے نہ کہ گناہ کا

ج۔ زانی ایک بچہ کی ساری نسل خراب کرتا ہے کہ اُسے حرامی بناتا ہے۔ حرامی ہونا ہلاکت کی طرح ہے۔ گویا زانی ایک نسل کا قاتل ہے۔ لہذا اس کی جان لو۔

س۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ قاتل سے قصاص تلوار سے لیا جاتا ہے۔ مگر زانی کی جان پتھراؤ سے نکالی جاتی ہے۔ جو قتل سے بدتر ہے۔ کیا زنا قتل سے بُرا ہے

ج۔ ہاں قاتل مقتول کی صرف جان لیتا ہے۔ مگر زانی بچہ کی نسل کو خراب کرتا ہے۔ اور مزنیہ کی بلکہ اس کے سارے خاندان کی آبرو برباد کرتا ہے۔ آبرو جان سے زیادہ عزیز ہے۔ نیز زنا بڑی خونریزی کا ذریعہ ہے۔ اس سے رقیبوں کی بہت سی جانیں جا سکتی ہیں۔ لہذا اسے روکنے کے لئے عبرتناک سزا دینا ہی ضروری ہے۔ ہابیل کا قتل زنا کی وجہ سے ہی ہوا۔ معلوم ہوا کہ پہلا قتل زنا سے ہوا۔

س۔ کیا وجہ ہے کہ زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ مگر اغلام جو زنا سے بدتر ہے
اس کی یہ سزا نہیں۔ اس میں صرف تعزیر ہے۔
ج۔ اس لئے کہ اغلام میں کسی بچہ کی نسل نہیں بگڑتی۔ ہاں یہ انتہائی بے شرمی
کا کام ہے اس لئے لوطی کی بھی جان ضرور لینی چاہیئے۔
س۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ جوا کھیلنے کی سزا مقرر نہیں مگر شراب کے لئے اسّی
کوڑے مقرر ہیں۔ حالانکہ شراب و جوا یکساں جرم ہے؟
ج۔ یکساں نہیں شراب سے عقل جاتی ہے جس سے انسان صدہا جرم کر
سکتا ہے۔ کیونکہ جرموں سے روکنے والی چیز عقل ہی تھی۔ جب وہ ختم
ہوگئی تو اب جرم سے کون روکے لہذا اس کی سزا سخت ہے۔ شراب
اُم الخبائث ہے۔
س۔ اسلام نے جیل کی سزا کیوں نہیں رکھی؟
ج۔ اس لئے کہ جیل بادشاہ اور رعایا دونوں کے لئے مصیبت ہے اور
اس سے جرم کم نہیں ہوتے۔ کیونکہ جیل کی وجہ سے حکومت پر خرچہ بہت
پڑتا ہے جسے پورا کرنے کے لئے یا مجرم سے جرمانہ لیا جائے یا رعایا سے
ٹیکس اور مجرم جب سمجھتا ہے کہ جرم کی سزا جیل ہے۔ جہاں مفت کی روٹیاں
ملیں گی وہ جرم پر دلیر ہوگا۔
بعض غربا کو کہتے سنا گیا کہ چوری میں فائدہ ہے۔ اگر بچ گئے تو مال
ہاتھ آیا۔ اگر پکڑے گئے تو دو سال مفت روٹی ملی۔ فاقہ سے تو بچیں گے
اس لئے ملک میں جرم کی سزا بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر چار ہاتھ کٹ جائیں
تو انشاء اللہ چوری کا خاتمہ ہو جائے۔
س۔ اسلام نے جرمانہ کی سزا کیوں نہ رکھی؟
ج۔ اس لئے کہ اس سے جرم بہت زیادہ ہوں گے۔ جرائم پیشہ طبقہ اکثر غریب ہے۔
جن سے جرمانہ وصول نہیں ہو سکتا۔ لہذا وہ جرم پر دلیر ہوں گے کہ حکومت ہم

سے کیا لے گی۔ رہا امیر طبقہ وہ بھی جرم پر دلیر ہو گا۔ اس خیال سے کہ جرم کرا و روپیہ بھر دیں گے۔ پھر حکومت بھی جرائم کی زیادتی چاہے گی۔ کیونکہ جرم حکومت کے لئے ذریعہ آمدنی ہوں گے۔ اپنی آمدنی کسے بری لگتی ہے غرضکہ اسلام کا مقصود بد معاشی مٹانا ہے نہ کہ بدمعاشیوں سے کمانا

س۔ قابیل سے ہابیل کا قصاص کیوں نہ لیا گیا۔ وہ بعد قتل اپنی بہن اقلیما کو عدن میں لے بھاگا۔ جس سے اس کی اولاد ہوئی۔ اس نے بڑے گناہ کئے اور وہ اپنی موت مرا۔ اسے پہلے ہی کیوں نہ مار دیا گیا؟

ج۔ تین وجہ سے۔ ایک یہ کہ اس وقت تک قصاص کے احکام نہ آئے تھے دوسرے اس لئے کہ آدم علیہ السلام کو قتل کی شرعی گواہی نہ مل سکی تیسرے اس لئے کہ آدم علیہ السلام مقتول ہابیل کے ولی تھے اور مقتول کے ولی کو معافی کا حق ہے۔

س۔ قابیل نے ہابیل کو ناحق قتل کیا۔ اسے سخت مجرم قرار دیا گیا فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ بلکہ دنیا کے سارے قتلوں میں اس کا رکھا گیا۔ کنعان نے نوح علیہ السلام کی مخالفت کی تو اسے کافر قرار دیا گیا۔ مگر برادران حضرت یوسف نے اتنے بڑے جرم کئے۔ ان کو پھر بھی بعض نے نبی مانا اور صحابی یا ولی تو سب ہی مانتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں تاروں کی شکل میں دیکھا۔ جرم یکساں مگر نتیجہ میں فرق کیوں ہے؟

ج۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ قابیل نے عورت کے عشق میں قتل کیا اور کنعان نے کفار کی محبت میں پیغمبر کو ناراض کیا۔ ان کے جرموں کی بنیاد ناجائز یہ تھی۔ مگر یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ سب کچھ یعقوب علیہ السلام کی محبت اور ان کا نور نظر بننے کی لالچ میں کیا۔ اگر یوسف علیہ السلام نہ ہوں تو ہم ان کے محبوب بیٹے ہوں گے۔ انہوں نے جرم کئے مگر بناء جرم پیغمبر کی محبت تھی۔ لہذا فرق ہوا کہ انہیں توبہ نصیب ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ ان برادران

نے یعقوب و یوسف علیہ السلام سے معافیاں حاصل کر لیں۔ وہ دونوں یہ نہ کر سکے۔

س۔ مرتد کو قتل کیوں کیا جاتا ہے۔ مذہب کی آزادی چاہیئے؟

ج۔ اس لئے کہ مرتد ربانی حکومت کا باغی ہے کہ رب کی رعایا، وفادار بن کر پھر گیا اور کافر اصلی رعایا بنا ہی نہیں۔ جب ان جھوٹی حکومتوں کا باغی قتل کا مستحق ہے۔ تو حقیقی سلطنت کا باغی بھی قتل کا مستحق ہونا چاہیئے اسلام نے دینی آزادی دی ہے۔ کسی کافر کو اسلام پر مجبور نہ کیا۔ کروڑوں کافروں کو سلاطین اسلامیہ نے حفاظت میں رکھا۔

س۔ کیا اُستاد سے شاگرد کا بدلہ لیا جائے گا؟

ج۔ اگر شاگرد کو قتل یا زخمی کر دیا ہے تو ضرور بدلہ لیا جائے گا۔ کسی قصور پر چپت مار دینے یا قمچی لگانے کا بدلہ نہ ہوگا۔ ہاں ضروری یہ ہے۔ کہ بقدر جرم سزا دے زیادہ نہ مارے (شامی)

س۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ایک صحابی سے کیوں فرمایا۔ کہ مجھ سے اپنا بدلہ لے لے۔ قریب وفات شریف لوگوں سے کیوں فرمایا۔ کہ مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔ نبی کا حق استاد سے کہیں زیادہ ہے؟

ج۔ اُمت کی تعلیم کے لئے کہ جب ہم پیغمبر ہو کر اتنی احتیاط فرماتے ہیں تو تم کو بہت زیادہ احتیاط چاہیئے۔ نیز اس اندیشہ سے کہ مبادا سزا قصور سے زیادہ دی گئی ہو۔

طریقت

س۔ شریعت کو شریعت کیوں کہتے ہیں اور طریقت کا نام طریقت کیوں ہے؟

ج۔ شریعت شرع سے بنا بمعنی چوڑا اور سیدھا راستہ۔ رب فرماتا ہے

شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا طریقت طریق سے بنا بمعنی تنگ اور پیچیدہ راستہ اس سے ہے اَطْرَقَ کُمْ شریعت اسلام کا وہ راستہ ہے جس پر ہر شخص آنکھ بند کرکے چل سکے۔ طریقت اسرار کے وہ پیچیدہ اور تنگ گلی کوچے ہیں جو ذات کے سوا دوسرا نہ طے کر سکے۔ شریعت میں آسانی ہے مگر کامیابی دیر میں۔ طریقت مشکل ہے مگر بہت جلد مقصود تک پہنچاتی ہے۔ گلیوں کے ذریعہ جلد پہنچنا ہوتا ہے

س۔ شریعت اور طریقت میں کیا فرق ہے؟

ج۔ جسم پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا نام شریعت ہے اور قلب پاک کے احوال کا نام طریقت سرپاک کے احوال کا نام حقیقت ہے۔ روح پاک کے حالات کا نام معرفت ہے۔ غرضیکہ ذات پاک مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان چاروں کا مرکز ہے۔ ان کا جسم پاک شریعت کا مرکز۔ قلب شریف طریقت کا۔

س۔ شریعت و طریقت کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

ج۔ شریعت پوست ہے طریقت مغز۔ پوست بغیر مغز بے قیمت ہے اور مغز بے پوست غیر محفوظ ہے۔ بادام کے چھلکے جب مغز سے جدا ہو جائیں تو ان کی قیمت کچھ نہیں۔ اسی طرح مغز بادام پوست سے علیحدہ ہو کر ہر جانور کی غذا ہے۔ شیطان کی عبادت پوست بے مغز تھی۔ لہٰذا کوئی قیمت نہ ہوئی۔ جاہل صوفی کی ریاضتیں مغز بے پوست ہیں۔ لہٰذا ہر دم خطرہ میں ہیں اور وہ مسخرہ شیطان ہے۔ طریقت گویا حقیقت ہے اور شریعت گویا مجاز۔ طریقت سمندر ہے شریعت جہاز۔ جو کہے کہ اب دنیا میں ولی کوئی نہیں۔ وہ جھوٹا ہے کیسے ممکن ہے کہ مجاز رہے حقیقت نہ رہے۔ شریعت درخت ہے۔ طریقت اس کا پھل پھول۔ شریعت راستہ ہے۔ طریقت منزل مقصود۔ شریعت مضبوط قلعہ ہے طریقت اس قلعہ کا محفوظ خزانہ۔ شریعت غازی کا جھنڈا ہے۔ اور طریقت سراپردہ۔

س ۔ پیر کی کیا ضرورت ہے کیا ہدایت کے لئے پیغمبر کافی نہیں ؟

ج ۔ جیسے خدا تک پہنچنے کے لئے پیغمبر کی ضرورت ہے ایسے ہی رسول تک پہنچنے کے لئے پیر کی حاجت ہے ۔ جس کتے کے گلے میں کسی مرشد کا پٹہ چاہیئے ۔ نفس کتا ہے اسے آزاد نہ رہنے دو ۔ اس کے گلے میں زنجیر ڈال کر کسی کے حوالہ کردو زنجیر میں کڑیاں ہوتی ہیں ۔ آخری کڑی پٹہ میں پہلی کڑی مالک کے ہاتھ میں ۔ شجرہ مشائخ اس زنجیر کی کڑیاں ہیں جس کی پہلی حضور علیہ السلام کے ہاتھ مبارک میں ہے ۔ آخری کڑی ہمارے نفس کے گلے میں ۔ جو کوئی شمع سے دور ہو اسے چاہیئے کہ ایسے آئینوں کے سامنے بیٹھے جس سے نور چھن کر آ رہا ہے ۔ مشائخ کے سینے شفاف آئینے ہیں اور جمال پاک مصطفیٰ شمع ۔ جو کوئی بارش نہ پائے وہ تالاب سے پانی لے ۔ حضور رحمت کی بارش ہیں اور مرشد تالاب ۔ اپنی ایمان کی کھیتیاں اس سے سیراب کرو ۔ مشائخ خاص مصیبت میں کام آتے ہیں ۔ یعقوب علیہ السلام کنعان میں تھے ۔ یہاں مصر میں زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو کمرے میں بند کر کے بلایا ۔ یعقوب علیہ السلام نے اس بند کمرے میں پہنچ کر یوسف علیہ السلام کو ارادہ گناہ سے روکا ۔ نجم الدین نے امام رازی کی موت کے وقت امداد کی ۔ رب فرماتا ہے ۔ یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ قیامت میں ہم سب کو امام کے ساتھ بلائیں گے ۔ اگر پیر نہ ہو تو کس کے ساتھ اٹھو گے ۔ قلب کا تعلق باقی جسم سے رگوں کے ذریعہ سے ہے حضور عالم کے قلب ہیں عالم جسم پیران عظام گویا رگیں ۔ پاور ہاؤس کا تعلق تمام شہر سے بذریعہ بجلی کے تار سے ہوتا ہے ۔ حضور علیہ السلام نور کے پاور ہاؤس ہیں ۔ ساری دنیا آباد شہر پیران عظام گویا بجلی کی تاریں علماء کرام ان تاروں کے کھمبے ۔ آتشی شیشے کے ذریعہ آفتاب کی شعاعیں کپڑے کو جلا دیتی ہیں ۔ ہمارے دل کپڑا ہیں حضور آفتاب ۔ مرشد کامل آتشی شیشہ ۔ اگر یہ واسطہ موجود نہ ہو تو عشق کی جلن نہ پیدا ہو گی ۔

س۔ صحابہ کرام کسی کے بیعت ومرید تھے یا نہیں ؟

ج۔ صحابہ کرام نے بہت سی بیعتیں کیں۔ اولاً اسلام لانے وقت حضور سے بیعت کی۔ پھر خاص معاہدوں کے لئے بیعت کی جیسے حدیبیہ میں بیعت الرضوان۔ رب فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔ پھر خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ اسلئے وہ حضرات مرید تھے بے پیرا تو بے نورا ہوتا ہے۔

س۔ کیا ایک بیعت کافی نہیں انہوں نے چند بیعتیں کیوں کیں ؟

ج۔ بیعت چند قسم کی ہوتی ہے ان کی پہلی بیعت حضور کے ہاتھ شریف پہ بیعت اسلام تھی۔ پھر خاص موقعوں پر بیعت خاصہ ہوئیں۔ پھر خلفاء راشدین کے ہاتھ پر بیعت دو بیعتوں پر مشتمل تھی بیعت سلطنت اور بیعت طریقت۔ خلفائے راشدین کے زمانہ تک ہر سلطان شیخ بھی ہوتا تھا کیونکہ ان کی خلافت خلافت راشدہ تھی۔ ان کے بعد سلاطین اس پایہ کے نہ رہے لہٰذا ان سے صرف سلطنت کی وفاداری کی بیعت کی گئی جیسے آج حلفِ وفاداری کہتے ہیں۔ اور مشائخ سے بیعت طریقت ہوئیں۔

س۔ مرید کے معنی کیا ہیں اور یہ کس لفظ سے بنا ہے اسے بیعت کیوں کہتے ہیں ؟

ج۔ یہ لفظ ارادہ سے بنا بمعنی قصد کرنا۔ اس کا ماخذ یہ آیت ہے یُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ لہٰذا مرید کے معنی ہوئے ارادہ کرنے والا۔ چونکہ مرید اللہ کی رضا کا طالب ہو کر شیخ کے پاس جاتا ہے لہٰذا اس سے مرید کہتے ہیں بیعت بیع سے بنا بمعنی بیچنا۔ چونکہ مرید شیخ کے ہاتھ پر بک جاتا ہے۔

س۔ مرید بننے کا مقصد کیا ہے اور مرید ہوتے وقت پیر کے ہاتھ میں ہاتھ کیوں دیتے ہیں ؟

ج۔ اللہ سے عہد کرنا کہ مولیٰ میں تیرا بندہ فرمانبردار رہوں گا۔ مگر چونکہ اللہ تک ہماری رسائی نہیں۔ تو اس کے کسی نیک بندے کے ہاتھ پر یہ عہد

کرتے ہیں۔ جیسے جب خدا کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ کو سامنے لے کر سجدہ کر لیتے ہیں۔ کعبہ قبلہ نما ہے۔ پیر قبلۂ عہد و پیمان بادشاہ کے گورنر وزراء سے حلف وفاداری لیتے ہیں۔ سامنے گورنر ہوتا ہے مگر حلف سلطان کے لئے۔ ایسے ہی سامنے شیخ ہوتا ہے مگر حلف اور عہد رب سے۔ اسی لئے رب نے فرمایا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ چونکہ عہد کے وقت ہاتھ بھی ملاتے ہیں کہ آؤ ہاتھ ملالو۔ اس لئے بیعت کرتے وقت شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔

س۔ طریقت کے سلسلے صرف چار ہیں۔ کم و بیش کیوں نہیں؟

ج۔ یہ قدرتی بات ہے۔ رب کو چار کا عدد بہت پیارا ہے۔ بڑے فرشتے چار جبرئیل میکائیل۔ اسرافیل۔ عزرائیل علیہم السلام۔ آسمانی کتابیں چار۔ انبیاء مرسلین چار۔ شریعت کے سلسلے چار حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ بلکہ انسان کے خمیر میں چیزیں چار آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی۔ حضور کے یار چار۔ لہٰذا طریقت کے سلسلے بھی چار۔ ایک عمارت میں زاویہ قائمے چار ہی ہو سکتے ہیں اگر کم و بیش ہو جائیں تو حادے یا منفرجے ہو جائیں گے۔ عمارت اسلام میں شریعت و طریقت کے سب زاویہ قائمے ہیں۔ لہٰذا چار چار ہونے چاہئیں۔

س۔ صوفیاء کرام قرآن سے دم درود کیوں کرتے ہیں۔ اس سے تعویذ کیوں لکھتے ہیں۔ قرآن کا نزول احکام کے لئے ہے نہ کہ طبابت کے لئے۔

ج۔ نزول قرآن صرف احکام کے لئے نہیں۔ اس سے بہت فائدے ہیں۔ ثواب تلاوت۔ نماز میں قرأت۔ کھانے پر بسم اللہ پڑھنا۔ چھینک وغیرہ پر الحمد للہ پڑھنا۔ احکام شرعیہ جاری کرنا۔ غافل دل کو زندہ کرنا۔ تعویذ اور دعاؤں میں استعمال کرنا۔ رب فرماتا ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ قرآن شفا بھی ہے اور رحمت بھی اگر قرآن صرف احکام کے لئے ہوتا تو اس میں منسوخ اور ذات و صفات کی آیات نہ ہوتیں۔ صرف احکام کی آیتیں ہوتیں۔ جب ہم ظاہری اعضاء اور

عبادت اور دنیاوی چیزوں سے صدہا فائدے حاصل کر لیتے ہیں۔ تو کیا
کلام ربانی ان چیزوں سے بھی کم ہے۔ ایک بجلی سے روشنی۔ ہوا۔ خبر رسانی
ریڈیو۔ تار۔ ٹرینوں کی رفتار مشینوں کی حرکت غرضکہ صدہا فائدے حاصل
کرتے ہیں۔ اب بجلی سے علاج بھی ہو رہے ہیں۔ جب بجلی جو کہ نار ہے۔
تو قرآن جو نور ہے اس کے کتنے فائدے ہونے چاہئیں۔

س۔ منہ کی سانس طبی قاعدے سے زہریلی ہوتی ہے اس سے پانی پر دم
کرنا بیماری کا باعث ہوگا۔

ج۔ آپ نے اتنا مان لیا کہ جو باہر کی ہوا جسم کے اندرونی حصہ سے مل کر آئے۔
اس میں بیمار کرنے کی تاثیر ہو جاتی ہے۔ اتنا اور مان لو کہ جو ہوا اس
زبان سے مل کر آئے جس نے ابھی قرآن پڑھا ہے اس میں تندرست
کرنے کی تاثیر ہو جاتی ہے۔

س۔ جب قرآنی آیتیں نور اور شفا ہیں تو چاہیئے کہ ہر شخص ان پر عمل کر لیا کرے
اعمال و وظائف میں اجازت کی اور علم دین میں دستار بندی و سند کی
شرط کیوں ہے۔ عمل آگ کی تاثیر رکھتا ہے آگ کا جلانا اجازت پر موقوف نہیں

ج۔ اعمال وظائف اور علم میں دو نور ہیں۔ ایک تو الفاظ کا دوسرے عامل
عالم کے زبان کا الفاظ کا نور ثواب ہے اور عامل کا اثر فتح باب اجازت
سے فتح باب ہوتا ہے۔ یہ اثر سینہ پاک مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام سے
پاک سینوں کے ذریعہ ایسا پہنچتا ہے جیسے شیشوں سے چھن کر نور شمع۔ تلوار
دھار اور وار دونوں ضروری ہیں۔ بغیر وار سیکھے ہوئے دھار بے کار رہے
اس وار کے لئے اجازت شیخ کی ضرورت ہے نہ کہ دھار کے لئے۔

س۔ جب قرآن و حدیث نور اور شفا ہیں تو شیخ کی بیعت استاد کی شاگردی
اماموں کی تقلید سب بے کار ہیں۔

ج۔ دوا کی شفا طبیب کی تجویز سے ظاہر ہوتی ہے طبیب نبض دیکھنے اور بیماری

پہچانتے دوا تجویز کرنے کی بڑی فیس لیتے ہیں ایسے ہی مشائخ عظام دل کی بیماری کے طبیب ہیں۔ قرآن وحدیث دوائیں ہیں اور محدثین ومفسرین گویا روحانی عطار ہیں۔ ان کے پاس احادیث وآیات ایسی ہیں جیسے عطار کی دکان میں صاف ستھری بہترین دوائیں۔ اس کی دکان میں ہے سب کچھ مگر طبیب کے تجویز کے بغیر مریض کو مفید نہیں۔

س۔ تعویذ کیوں لکھے جاتے ہیں ان سے کیا فائدہ ہے ؟

ج۔ جیسے بعض مخلوق کے ناموں میں تاثیر ہے کہ کسی کو اُلّو گدھا کہہ دو تو وہ رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اور حضرت قبلہ وکعبہ کہہ دو تو خوش ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اُلّو گدھا بھی مخلوق ہیں اور قبلہ وکعبہ بھی۔ ایسے ہی خالق کے مختلف ناموں میں مختلف تاثیریں ہیں۔ شافی میں شفا کی غفار میں بخشش کی۔ پھر خواہ یہ اسماء الہیہ لکھ کر پاس رکھو یا پڑھ کر دم کرو ضرور اثر کریں گے۔ اگر پیاز کی گانٹھ پاس ہو تو لُو اثر نہیں کرتی۔ ایسے ہی رب کا نام ساتھ ہو تو بلائیں اثر نہیں کرتیں۔ تیز ہم پر گناہوں کی شامت سے آتی ہیں۔ اور رب کے نام گناہ دُور کرتے ہیں جیسے پانی نجاست کو۔ لہٰذا ان سے شفا ہوتی ہے

س۔ پھر دم درود سے کیا فائدہ ہے ؟

ج۔ جیسے اگر ہوا چمن سے گزر کر آوے تو دماغ کو معطر کر دیتی ہے گھورے سے آوے تو دماغ سڑا دیتی ہے۔ آگ سے لگ کر نکلے تو جھلسا دیتی ہے۔ برف سے مس ہو کر آوے تو ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ کوہ مری کی ہوا تپ والوں کو شفا دیتی ہے کیونکہ چیڑ کے درخت سے ٹکرا کر مریض کو لگتی ہے۔ ایسے ہی جس زبان سے ذکر اللہ کیا گیا ہو اس سے چھو کر جو ہوا نکلے وہ بیمار کو شفا دے گی۔ صحابہ کرام حضور کے بال شریف لباس شریف دھو کر بیماروں کو پلاتے تھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کے لئے پانی میں اپنی انگلیاں شریف ڈبو دیا کرتے تھے عیسیٰ علیہ السلام دم کے ذریعہ مُردے زندہ کر دیتے تھے کیونکہ وہ خود حضرت جبریل

کے دم سے پیدا ہوئے تھے۔ اور جبریل علیہ السلام رُوح الامین ہیں۔

س۔ پھر چاہیئے کہ ہم خود قرآن پڑھ کر دم کر لیا کریں یا لکھ کر باندھ لیا کریں۔ پیروں سے کیوں کراتے ہیں؟

ج۔ آیاتِ قرآنیہ مثل کارتوس کے ہیں اور نیک بندوں کی زبانیں رائفل کا رتوس سے جب ہی شکار ہو سکتا ہے جب رائفل سے استعمال کیا جائے۔ ہماری زبانیں اس درجہ کی نہیں۔

س۔ پیروں کے وظیفے مختلف کیوں ہیں۔ کوئی زور سے ذکر کراتا ہے۔ کوئی مراقبہ۔ جب ذکر ایک ہے تو یہ اختلاف کیا؟

ج۔ جیسے ڈاکٹر اور یونانی طبیب مریضوں کا علاج انہی جڑی بوٹیوں سے کرتے ہیں مگر مختلف طریقوں سے پھر یونانی طبیبوں میں لکھنوی اطباء کا طریقہ علاج اور ہے۔ دہلویوں کا کچھ اور۔ حالانکہ دوائیں بھی ایک ہیں اور سب بوعلی سینا کے ہی متبع ہیں ایسے ہی یہ اطبّاء ایمان۔ اگرچہ حضور ہی کے نام لیوا ہیں اور قرآن وحدیث کی دعاؤں سے علاج کرتے ہیں۔ مگر طریقہ علاج جداگانہ ہیں اور سب درست ہیں۔

س۔ صوفیاء چلے کیوں کراتے ہیں۔ اس سے کیا فائدہ ہے؟

ج۔ نفس کشی اور دل کی صفائی کے لئے تنہائی اور ذکر الٰہی بہت ہی مفید ہیں آئینہ دل کے لئے صحبت اغیار ایسی ہے جیسے شیشہ کے لئے گرد و غبار اور دُنیاوی الجھنیں ایسی ہیں جیسے لوہے کے لئے زمین یا پانی جس سے زنگ آجاتی ہے۔ چلّوں میں ان چیزوں سے علیحدگی ہے۔ لہٰذا قلب کی صفائی حاصل ہو گی۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دینے کے لئے طور پر بُلایا۔ تو ان سے چالیس دن کا چلّہ کرایا۔ فرماتا ہے وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل ۶ ماہ غار حرا میں چلّے گئے

س۔ تو چلوں کے لئے چالیس دن ہی کیوں مقرر ہیں؟

ج - روحانی اور جسمانی ترقیوں کیلئے چالیس کا عدد مانا ہوا ہے آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال تک خشک کیا گیا۔ بچہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ پھر چالیس دن بستہ خون پھر چالیس دن تک حیض آسکتا ہے چالیس سال کی عمر میں عقل پختہ ہوتی ہے اسی لئے اکثر پیغمبروں کو نبوت اس عمر میں عطا ہوئی اس لیے چلے کے لئے چالیس دن مقرر ہوئے۔

س: صوفیا کا عرس کیوں ہوتا ہے؟

ج - شریعت میں نمازوں۔ حج اور زیارت مدینہ منورہ کے ذریعہ مسلمانوں کو جمع ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔ تاکہ تعلقات قائم ہوں ایسے ہی اہل طریقت کو جمع کرنے کے لئے عرس مقرر کئے گئے جس میں ایک پیر کے مریدین آپس میں ایک دوسرے سے مل کر تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں۔ نیز عام مومنین کو عرس کے ذریعہ تلاش پیر کا اچھا موقعہ مل جاتا ہے۔ ایک جگہ ہزارہا اہل دل جمع ہو جاتے ہیں۔ علماء کو مدارس کے سالانہ جلسوں۔ کانفرنسوں کے ذریعہ جمع کیا جاتا ہے۔ یہ عرس صوفیاء کی کانفرنسیں ہیں۔ اس کی اصل حدیث شریف سے ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سال میں ایک بار شہدائے اُحد کی زیارت فرماتے تھے۔

س - اسے عرس کیوں کہتے ہیں؟

ج - اس لئے کہ عرس کے معنی ہے شادی - اس لئے دولھا کو عروس کہا جاتا ہے بزرگوں کی وفات اپنے پیارے مولیٰ اپنے محبوب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا وہ ان کا شادی کا دن ہے۔ نیز نکیرین امتحان میں کامیاب پاکر ان سے عرض کرتے ہیں۔ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ اے اللہ کے بندے دولہا کی طرح سوجا۔ لہٰذا ان کی وفات کا دن روز عرس کہلایا۔

س - بعض عرسوں میں قوالی ہوتی ہے اور بعض میں نہیں۔ قوالی تو بری چیز ہے یہ کیوں ہوتی ہے۔ حضور نے گانے بجانے سے منع فرمایا۔

ج - گانا برائے رونا اور سونا برائے جانا۔ قوالی ایک درد کی دوا ہے جسے درد ہو وہ استعمال کرے۔ دوسرا اس سے علیحدہ رہے۔ جن گانوں سے منع کیا گیا۔ وہ مخرب اخلاق واہیات گانے بجانے ہیں۔ گانے والے سننے والے سب اہل ہوں۔

س - قوالی وغیرہ میں وجد اور رقص کیوں کرتے ہیں جسم کیوں ہلاتے ہیں؟

ج - پیارے کا ذکر وجد و شوق سے کرنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن

تلاوت کرنے والا ذکر محبوب سننے والا گویا اسلام کے چمن کا درخت ہے اور ذکر ایک مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ گویا رحمت کی ٹھنڈی ہوا صحیح طریق سے ثابت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصیدہ بردہ کے بعض اشعار پر جنبش فرمائی۔ انہیں اشعار بابلہ کہتے ہیں۔ اب بھی حکم ہے کہ اس قصیدہ کے وہ اشعار ہل کر پڑھنے چاہئیں۔ سارا قرآن وجد کی سی حالت پیدا کر کے ہل کر پڑھنا چاہیئے۔ رب فرماتا ہے۔ وَمِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ہمارے کلام سے خائفین کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور رسول کے ذکر پر جانوروں پتھروں بلکہ لکڑیوں کو وجد ہوا ہے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام تو دیدار یار کے وجد میں بے ہوش ہو کر گر بھی گئے۔ پہاڑ پھٹ گیا فَجَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا۔ رب فرماتا ہے کہ اگر ہم پہاڑ پر قرآن اتارتے تو وہ خوف الٰہی سے پھٹ جاتا۔

س۔ تو چاہیئے کہ سب بزرگ قوالی سنا کریں وجد کیا کریں۔ حالانکہ بعض صوفیا اس سے پرہیز کرتے ہیں۔

ج۔ بعض بزرگوں پر اطاعت و فرمانبرداری کا غلبہ ہے اور بعض پر عشق و محبت کا۔ پہلی قسم کے حضرات اس سے بچتے ہیں۔ دوسرے سنتے ہیں۔ اولیاء صحابہ کے اور صحابہ انبیاء کرام کے نقش قدم پر ہیں۔ بعض صحابہ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشق کا غلبہ ایسے ہی انبیاء کرام ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام پر عشق کا ظہور زیادہ۔ عیسیٰ علیہ السلام تارک الدنیا سلیمان علیہ السلام صاحب تخت و تاج۔ ہمارے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع صفات ہیں اس وجہ سے یہ اختلاف ہے۔

س۔ بعض لوگ خلاف شرع کام کرتے ہیں اور لوگ انہیں بزرگ مانتے ہیں یہ کس حد تک درست ہے۔ کیا بے نمازی ولی بن سکتا ہے؟

ج۔ بعض صوفی عقل و خرد کھو بیٹھتے ہیں جنہیں مجذوب کہا جاتا ہے ان پر بہت سے شرعی احکام جیسے نماز روزہ وغیرہ جاری نہیں ہوتے۔ حضور فرماتے ہیں

کہ تین شخصوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ بچہ۔ دیوانہ۔ مجنون ایسے لوگ اللہ کے پیارے ہیں۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مگر جس کے ہوش و حواس درست ہوں۔ پھر خلاف شرع عمل کرے وہ صوفی نہیں شیطان ہے۔ جب انبیائے کرام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر احکام شرع رہے تو دوسرا کس شمار میں ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ہر دیوانہ مجذوب نہیں۔

س۔ بعض مشہور بزرگوں سے خلاف شرع باتیں صادر ہوئی ہیں کسی نے کہا انا الحق۔ کسی نے کہا سبحانی ما اعظم شانی۔ تعجب ہے کہ فرعون نے دعویٰ خدائی کیا تو کافر ہوا منصور دعویٰ خدائی کرے مومن رہے یہ ہو سکتا ہے؟

ج۔ ان بزرگوں سے ایسے کلمات بے خودی اور غشی عشق میں نکلتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان پر شرعی احکام یعنی فتویٰ کفر صادر نہیں ہو سکتے اس وقت زبان ان کی تھی اور کلام رب کا۔ جیسے فوٹوگرافر کا ریکارڈ یا ریڈیو کی بیٹی کہ یہ خود نہیں بولتی اور ان میں سے آواز نکل رہی ہے مگر بولنے والا کوئی اور ہے۔ طور سینا کے درخت سے آواز آرہی تھی یا موسیٰ اِنِّی اَنَا اللّٰہُ۔ اے موسیٰ میں اللہ ہوں۔ یہ کلام رب کا تھا درخت اس کا مظہر۔ کیا وہ درخت کافر ہو گیا۔ ہرگز نہیں ایسے ہی یہ حضرات ہیں۔ فرعون کا یہ حال نہ تھا ؎

چوں روا باشد انا اللہ از درخت
کے روا نہ بود کہ گوید نیک بخت

س۔ بعض صوفیائے کرام وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے؟ کیا سارا جہاں خدا ہے معاذ اللہ ایک شخص کہتا ہے ہم تم ہیں۔ خدا ہر در و دیوار خدا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا مومن کیسے ہو سکتا ہے۔ ہندو دو خدا ماننے تو مشرک۔ یہ اٹھارہ ہزار عالم کو خدا مانیں اور مومن رہیں۔

ج۔ وحدت الوجود کے معنی یہ نہیں کہ ہر چیز خدا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کچھ نہیں۔ پہلی بات کفر ہے نہ کہ دوسری۔ وہ یہ فرماتے ہیں مصرع

همہ نیست اندر آنچہ ہستی توئی

مختصراً یوں سمجھو کہ دیوار کا سایہ دیوار سے علیحدہ مستقل وجود نہیں رکھتا۔ آئینہ خانہ میں کوئی شمع جلائے تو ہزاروں مختلف آئینوں میں نظر آئیں گی۔ شمع چند نہیں بلکہ اس کے عکس چند ہیں۔ جن کا غیر مستقل وجود اس ایک مستقل شمع سے وابستہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایسے ہی عالم کی چیزیں خود مستقل کچھ نہیں۔ یہ رب کے جلوے ہیں جن کا وجود محض اعتباری ہے اصل وجود وہی معبود ہیں۔ وہ کہتے ہیں لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا هُوْ یہ فقط سمجھانے کے لئے کہا گیا ورنہ ان کے نزدیک وہ آئے بھی اعتباری اور اعتبار بھی اعتباری ہے۔ واقعیت رب کے سوا کسی میں نہیں اس کے سوا کچھ عرض کرنے کی گنجائش نہیں۔

س۔ بعض مریدین اپنے پیر کے سوا کسی بزرگ کو نہیں مانتے۔ ہر وقت اپنے پیر ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ دوسرے ذکر کو پسند نہیں کرتے کیا یہ درست ہے؟

ج۔ ماننا اور بات ہے اور کسی کا ہر وقت تذکرہ کرنا اور بات۔ ہر مرید سارے بزرگوں کو مانتا ہے۔ مگر ہر دم اپنے شیخ کا اس لئے دم بھرتا ہے کہ اسے روحانی نعمتیں اسی سے ملی ہیں۔ کتا اپنے مالک کے پیچھے ہی دم ہلاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ہاتھ سے ہی ٹکڑے کھاتا ہے۔ شاگرد اپنے ہی استاد کے گن گاتا ہے۔ مگر ماننا سارے علماء کو ہے۔ اگر کوئی بدبخت مرید دوسرے بزرگوں کا منکر ہو تو وہ اس شیخ کے فیض سے بھی محروم رہے گا۔ سلسلہ مشائخ جال کے پھندے ہیں ایک کھل گیا سب کھل گئے۔ کسی نبی کا منکر شرعی کافر ہے۔ کسی ولی کا منکر طریقت کا مجرم ہے خاکپائے غوث اعظم سایۂ ہر ولی۔

س۔ بعض لوگ کسی بزرگ کے جنگل میں شکار نہیں کرتے یا وہاں کے کسی جانور کو نہیں مارتے۔ مخدوم سید اشرف جہانگیر کچھوچھوی قدس سرہٗ کے تالاب کی مچھلیاں کوئی نہیں پکڑتا کیا وہ جانور حرام ہیں یا شکار حرام ہے اور مسلمانوں کا یہ فعل خلاف ایمان ہے یا نہیں؟

ج - نہ یہ جانور حرام ہیں نہ ان کا شکار وہ سب حلال ہیں - ان کے شکار سے بچنا حرمت کی وجہ سے نہیں بلکہ نقصان سے بچنے کے لئے ہے - جیسے بلغمی مزاج کا آدمی دہی اور لسی سے بچتا ہے یا ہر شخص کھاری پانی سے کہ یہ چیزیں حرام نہیں مضر ہیں - بعض بزرگوں کے جنگلوں کے جانور کے شکار سے لوگوں نے نقصان اٹھایا - تجربہ کر کے شکار چھوڑ دیا - اطباء بعض زمین کی بعض چیزوں سے بھی پرہیز کراتے ہیں - اس کی اصل یہ ہے کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کہ وہ حرام نہ تھی - مگر اس کا تکلیف دینا تکلیف دہ ثابت ہوا - اس لئے اسے منع کر دیا گیا - ورنہ اونٹ حلال ہے - گذشتہ پیغمبروں کی قربانیاں کہ ان کا گوشت کوئی نہ کھا سکتا تھا - حضور علیہ السلام قوم صالح کے کنوئیں پر ایک سفر میں گذرے تو صحابہ کرام کو اس پانی کے کنوئیں سے روک دیا گیا کہ جن لوگوں نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا - وہ بھی پھکوا دیا - وہ پانی حرام نہ تھا - اس کا استعمال نقصان دہ تھا - حرم مدینہ کا شکار احناف کے نزدیک حرام نہیں نہ اس سے جزا واجب ہے - مگر اس سے بچنا لازم ہے - حرم مدینہ کے کبوتر کوئی نہیں مارتا - کیونکہ یہ فعل نقصان دہ ہوگا حالانکہ کبوتر حلال ہے -

س - صوفیائے کرام دعاؤں کے اوّل میں اَللّٰھُمَّ کیوں لگاتے ہیں اللہ کے ساتھ میم کیسی - اگر کہا جاوے کہ یہ لفظ اصل میں یا اللہ تھا - یا کے بدلے میم لگائی ہے تو بجائے میم کے کوئی اور حرف کیوں نہ لگایا ؟

ج - اس لئے کہ میم رب کے ۲۰ ناموں میں آتی ہے جیسے مومن - مُھَیمِن مَالِک - مُلک - مُقتَدِر - کریم - رحیم - حلیم - رحمٰن وغیرہ لہذا جو کوئی اللہ کے ساتھ میم لگا کر پکارے گویا اس نے رب کو ایسے ناموں سے یاد کیا اور ہر نام کے اثر مختلف ہیں - لہذا تمام اثرات حاصل ہوئے - اسی لئے حضور کے بہت سے اسماء شریف میں میم آتی ہے جیسے محمد احمد - مصطفیٰ - مجتبیٰ وغیرہ کیونکہ حضور ذات و صفات الٰہی ہیں - لہذا

اللہ میں اللہ کا نام اور محمد کی میم آگئی۔ گویا دعا میں حضور علیہ السلام کا وسیلہ بھی حاصل ہو گیا۔

س۔ صوفیاء کرام توجہ دیا کرتے ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

ج۔ توجہ کے معنی ہے دھیان دینا۔ اپنے دل کو کسی طرف لگا دینا۔ صوفیاء کرام کا دل کامل نورانی ہوتا ہے اور اعلیٰ نور کی خاصیت روشنی بھی ہے۔ اور پاک کرنا یا فیض پہنچانا بھی۔ دیکھو آفتاب کی نورانی شعاعیں روشنی کے ساتھ گندی زمین کو خشک کر کے پاک بھی کر دیتی ہیں اور کھیتیاں بھی پکاتی ہیں۔ چاند کی نورانی شعاعیں پھلوں میں دودھ پیدا کرتی ہیں ستاروں کی شعاعیں پھلوں میں لذت اور رنگت بھرتی ہیں۔ ایسے ہی قلب شیخ کی نورانی کرنیں مرید کے قلب میں صفائی ایمانی قوت وغیرہ پیدا کر دیتی ہیں۔ مسمریزم والے آنکھ کی شعاعوں کے ذریعہ وزنی چیزیں کھینچ لیتی ہیں نگاہ سے شیشے توڑ دیتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے انگلی پاک کی نورانیت سے آسمان پہ چاند کے ٹکڑے کر دیئے۔ ایسے ہی شیخ کی توجہ سے مرید کو وہ فائدہ پہنچتا ہے جو تمام قواعد سے اعلیٰ ہے۔

س۔ تصور شیخ کیوں کیا جاتا ہے۔ یہ تو مشرکانہ فعل ہے۔

ج۔ تصور کے معنی ہی خیال کرنا یا خیال رکھنا۔ بندے کو چاہیئے کہ رب کی قدرت و سلطنت کا خیال رکھے تاکہ یہ خیال اسے گناہوں سے روکے۔ بچہ استاد کو غافل دیکھ کر کھیلتا کودتا ہے۔ اگر پیچھے سے استاد دیکھ رہا ہے تو برابر پڑھتا رہے۔ یہ خیال نیکوں کی اصل ہے۔ خانہ کعبہ نماز خانہ ہر ایک کا یہی مقصد ہے۔ مگر انسان بے دیکھی ذات کا خیال نہیں رکھ سکتا۔ نہ ہم نے رب کو دیکھا ہے نہ رسول کی زیارت کی۔ مجاز حقیقت کی سیڑھی ہے۔ شیخ کو اس خیال سے دیکھا ہے کہ یہ اللہ رسول کا پیارا ہے۔ اس لحاظ سے اگر صورت شیخ کو دھیان میں رکھا جاوے تو یہ

شکل آئینہ حق نما بن جاوے گی کہ کچھ عرصہ بعد اس سے تصوّر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوگا۔ پھر رب کی صفات پر دھیان جم جاوے گا جو اصل مقصود ہے۔

س۔ کیا تصوّر شیخ کی کچھ اصل ہے بھی یا محض صوفیا کی ایجاد ہے؟

ج۔ اس کی اصل یہ ہے کہ صحابہ کرام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تصوّر میں رہتے تھے۔ بعض دفعہ روایت کرتے ہوئے زبان دیتے تھے کانی انظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گویا میں حضور کو اب دیکھ رہا ہوں۔ اس تصوّر کو جمانے کے لئے حلیہ شریف مکمل طور پر بیان کرتے تھے۔ ایک دُوسرے کو سنایا کرتے تھے قبر میں بھی اسی تصوّر کا امتحان ہوگا۔ کہ آخری سوال یہ ہی ہوگا کہ تم اس کالی زلفوں والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جانتے ہو۔ اسی تصوّر کی کامیابی پر اس آخری امتحان کی کامیابی موقوف ہے۔

س۔ کیا تصوّر شیخ یا تصوّر رسول نماز میں بھی کرنا درست ہے۔

ج۔ شیخ کا تصوّر نماز میں عمداً نہ لایئے کہ یہ خشوع کے خلاف ہے۔ بلا مقصد آجانے پر پکڑ نہیں۔ مگر تصوّر رسول نماز میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ نماز حضور کی اداؤں کا نام ہے۔ جن کی اداؤں کی نقل کر رہا ہوں۔ ان کا خیال بھی ضرور رکھیئے۔ نیز حضور کا نام شریف نماز میں آتا ہے۔ قرآن میں رسول نبی یا محمد رسول اللہ وغیرہ جگہ جگہ آرہا ہے۔ التحیات میں صاف طور پر نام شریف لے کر سلام عرض کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عین نماز میں حضور کا احترام کیا ہے۔ صدیق اکبر نماز پڑھا رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے مقتدیوں نے نماز میں تالی بجا کر حضرت صدیق کو تشریف آوری کی اطلاع دی اسی وقت صدیق اکبر مقتدی ہو کر صف میں تشریف لے آئے اور حضور درمیان نماز سے امام ہوئے (بخاری شریف) یہ تو تصوّر سے آگے بڑھ گیا۔

س۔ صوفیا مراقبہ کیوں کرتے ہیں۔ اس سے کیا فائدہ ہے؟

ج۔ مراقبہ رقبہ سے بنا بمعنی گردن جھکانا۔ چونکہ مراقبہ میں گردن جھکائی جاتی ہے

لہٰذا اسے مراقبہ کہتے ہیں۔ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو سوچنا اور غور کرنا صوفیا کے نزدیک ایک ساعت کی فکر ایک سال کے اس ذکر سے افضل ہے جو بغیر فکر کے ہو۔ انسان غور و فکر کے وقت سر جھکا لیا کرتا ہے۔ گویا مومن سر جھکا کر رب کی کسی خاص صفت کو سوچتا ہے۔ اس سوچنے کا حکم قرآن پاک میں بھی ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یا اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دوسرے یہ کہ قلب میں بھی ایک نور ہے اور دماغ میں بھی نور جب دماغ کی فکر کو قلب سے لگایا گیا۔ تو دو نور مل کر نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہوا۔ جس سے قلب و دماغ دونوں میں صفائی پیدا ہوئی۔ قلب کے نور نے دماغ کی اور دماغ کے نور نے قلب کی روشنی زیادہ کی۔ کچھ عرصہ بعد اس مراقبہ میں شیخ سامنے عالم کو ملکہ خالق عالم کے نور کو پاتا ہے۔ مسمریزم والے نگاہ جمانے کی مشق کر لیتے ہیں تو ان کی نگاہ میں عجیب تاثیریں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو جو دل پر خیال جمائے وہ کتنی قوتوں کا مالک ہوگا۔ انہی قوتوں کا ذکر قصیدہ غوثیہ میں فرمایا گیا ہے۔

س ۔ قرآن کریم نے راسخین فی العلم کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ راسخین کون لوگ ہیں اور انہیں راسخین کیوں کہا جاتا ہے۔

ج ۔ راسخین فی العلم وہ علماء ہیں جنہیں تصوّف کا بھی حصّہ ملا ہو۔ راسخ وہ درخت ہے جس کی رگیں بہت سی زمین میں پھیلی ہوں اور وہ مضبوطی سے گڑا ہوا ہو۔ پودا اگرچہ زمین پر کھڑا ہو مگر راسخ نہیں۔ اسی طرح علم کی تین جگہ ہیں۔ دل۔ دماغ زبان۔ زبان سے علم کا بیان دل سے معرفت دماغ سے حفظ ہوتا ہے۔ نیز راسخ دو کان وہ ہے جس میں ترازو اور باٹ ہوں کہ جو کچھ دوکان میں آوے تل کر آوے۔ جو جاوے وزن ہو کر جاوے۔ ایسے ہی راسخ عالم وہ ہے جو اپنے ہر عمل کو علم شریعت سے تول کر کرے۔ یا راسخ عالم وہ ہے جسے علم کے ساتھ عشق بھی ہو۔ یہ ہی عشق والا علم معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اسی کی رب نے تعریف فرمائی ہے بے عشق کا علم حجاب ہے۔ العلم حجاب اکبر بھی کہا گیا

ہے کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔ رب نے کہیں فرمایا اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ اور کہیں فرمایا وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ۔

نوٹ: الحمد للہ کہ تصور شیخ کا مضمون لکھنے کے بعد حضرت قاری صوفی غلام نبی صاحب للہ شریف والوں سے میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے خود تذکرہ فرمایا کہ اولاً تصور شیخ میں میرا یہ حال ہوا کہ مجھ کو نماز میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اپنے شیخ کی پیشانی پر سجدہ کر رہا ہوں۔ کچھ روز بعد وہ تشکل شیخ۔ جمال مصطفےٰ معلوم ہونے لگی۔ پھر ترقی ہوئی۔ تو ہر طرف نور الٰہی جلوہ گر نظر آنے لگا۔ اب بھی مجھے اپنی آنکھوں اور پیشانی میں لفظ اللہ محسوس ہوتا ہے۔

الحمد للہ ایک صاحب حال شیخ الوقت کے بیان سے میرے اس قال کی تصدیق ہوگئی۔ رب تعالیٰ اپنے پیاروں کے طفیل مجھ گنہ گار کو یہ حال نصیب کرے۔ آمین!

س ۔ بعض صوفیاء دنیا کو برا کیوں جانتے ہیں۔ اگر دنیا بری چیز ہے تو رب نے پیدا کیوں فرمائی اور بعض مشائخ دنیا میں مشغول ہوتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

ج ۔ ان کی اصطلاح میں دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کر دے۔ ریا کاری کی غار دنیا ہے اور رب کی رضا کے لئے تجارت کرنا بھی دین۔ اس کاروبار کو جنہوں نے غفلت کا باعث سمجھا وہ علیحدہ رہے۔

جنہوں نے اسے اختیار کیا وہ اس میں پھنسے نہیں ان کے لیے یہ دنیا نہ تھی۔

س ۔ دنیا کو دنیا کیوں کہتے ہیں۔ اس کے معنی کیا ہیں؟

ج ۔ یہ لفظ یا دنو سے بنا ہے بمعنی قرب۔ چونکہ دنیا قریب الفنا ہے لہذا دنیا ہے یا دَنَاءَۃٌ بنا۔ بمعنی ذلت و خواری۔ چونکہ یہ حقیر و ذلیل ہے لہذا دنیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ دنیا صفر کی طرح خالی ہے۔ صفر اگر اکیلا ہو تو خالی ہے لیکن اگر کسی عدد سے مل جاوے تو اسے دس گنا کر دیتا ہے۔ ایک کو دس اور دس کو سو بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی دنیا صفر آخرت عدد ہے جب آخرت سے

ملے تو اسے دس گنا کردے گی۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۔
مگر خیال رہے کہ اگر صفر مقتدی کی طرح عدد کی داہنی طرف رہے تو دس گنا کرتا
ہے۔ لیکن اگر امام بن کر بائیں طرف رہے تو پھر خالی۔ ایسے ہی اگر آخرت
مقصود ہو اور دنیا تابع تو بہار ہے۔ اور اگر دنیا مقصود بن گئی تو بے کار۔

س۔ پھر دنیادی احکام میں فرق کیوں ہے؟

ج۔ اس لئے کہ صفر عدد کو دس گنا کرتا ہے جیسا عدد ویسی اس کی زیادتی ۔
ہزار کو دس ہزار اور لاکھ کو دس لاکھ بناتا ہے۔ جن حضرات کی آخرت بڑے
عدد کی طرح مہتم بالشان ہے ان کی دنیا بھی اعلیٰ۔ جن کی آخرت معمولی ان کی
دنیا بھی معمولی۔ انبیاء کرام کی دُنیا ہماری دنیا سے اعلیٰ کیوں کہ ان کی آخرت اعلیٰ ہے

س۔ دنیا فانی اور آخرت باقی کیوں ہے دونوں کا خالق حی و باقی ہے مخلوق فرق کیوں۔

ج۔ اکثر دنیا میں ہمارے کسب کو دخل ہے اور ہم تو فانی۔ لہٰذا ہمارے کسب بھی
فانی۔ آخرت کی چیزیں ہمارے کسب سے نہیں۔ براہِ راست رب سے تعلق
رکھتی ہیں۔ لہٰذا باقی جیسے گیس اور سورج کے نور۔ لیکن اگر دنیا سے دین کو ملا دو
تو پھر انشاء اللہ یہ بھی فنا سے محفوظ رہے گی۔ پتہ جڑ سے لگا رہے خشک نہ
ہوگا۔ لیکن علیحدہ ہو کر فوراً سوکھ جائے گا۔ سمندر کا قطرہ سمندر میں رہ کر
نہیں بگڑتا لیکن علیحدہ ہو کر جلد بگڑ جائے گا۔ بگڑنے والے پھل شکر کے
قوام میں رکھ دیئے جائیں تو عرصہ تک نہیں بگڑتے۔ بعض چیزوں میں مصالحہ
لگا دیا جائے تو باقی رہتی ہیں۔ اسی طرح نفسانی چیزیں قلبی نور سے مل کر
باقی ہو جاتی ہیں۔ جیسے مقبول اعمال مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ
اللّٰهِ بَاقٍ ۔

عقائدِ اسلامیہ

س - صحیح عقائد کو ایمان کیوں کہتے ہیں - ایمان کے معنی کیا ہیں ؟

ج - ایمان امن سے بنا ہے بمعنی سلامتی - چونکہ درستی عقائد آخرت کے عذاب سے امن میں رہنے کا ذریعہ ہیں - لہذا ان کا نام ایمان ہوا - بندہ اس معنی سے مومن ہے کہ وہ اپنے کو عذاب سے محفوظ رکھتا ہے - رب بایں معنی مومن ہے کہ وہ نیک بندوں کو عذاب سے بچاتا ہے -

س - کافر کو مسلمان کرتے وقت کلمہ کیوں پڑھاتے ہیں - عیسائیوں کی طرح بپتسمہ یا آریوں کی طرح کوئی چیز کھلاتے کیوں نہیں ؟

ج - ایمان علم ہے اور عبادات عمل - علم کا درجہ عمل سے پہلے ہے - ایمان اللہ رسول کو ماننا ہے - عبادات ان کی اطاعت کرنا ہے - ماننا اطاعت سے مقدم ہے - پہلی تبلیغ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار سے اوّلاً یہ ہی سوال فرمایا - کہ کَیْفَ اَنَا فِیْکُمْ بتاؤ میں تم میں کیسا ہوں - معلوم ہوا کہ معرفت اللہ و رسول مقدم ہے - اعمال دنیا میں ہی رہ جاتے ہیں - مگر ایمان ساتھ جاتا ہے - جنت میں عمل نہ ہوگا - مگر ایمان - ہوگا -

س - کلمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کو رب کے نام کے ساتھ کیوں ملایا گیا ہے ؟

ج - کیونکہ حضور کو رب سے قرب ہے - لہذا ان کے نام کو رب کے نام سے قریب رکھا گیا - دیکھو محمد میں چار حرف ہیں - چاروں بے نقطہ ایک پر تشدید ہے اس طرح اللہ میں چار حرف ہیں سب بے نقطہ ایک پر تشدید - مگر شد پر کھڑا زبر معلوم ہوا کہ رب شنشاہ ہے اور حضور وزیر اعظم - پھر لا الہ الا اللہ میں بارہ حرف ہیں اسی طرح محمد رسول اللہ میں بارہ - ابوبکر الصدیق اور عمر بن الخطاب اور عثمان ابن عفان - علی ابن ابی طالب ان سب ناموں کے بارہ حرف ہیں -

پھر رب کا نام حامد۔ حضور کا نام محمد محبوب کا نام شریف احمد رب کا نام پاک محمود
یعنی رب ان کا حامد و رب کے۔

س ۔ عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرش پر جلوہ
افروز۔ ثابت ہوا کہ زیادہ قرب الٰہی عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے۔

ج ۔ صرف اوپر نیچے ہونے پر افضلیت کا مدار نہیں۔ موتی سمندر میں نیچے رہتا
ہے اور حباب اوپر۔ اشرف المخلوقات انسان زمین پر رہتا ہے اور چاند تارے
سورج آسمان پر۔ آسمان زمین پر سوتا ہے چڑیاں اوپر درختوں پر۔ عیسیٰ علیہ السلام
کا چوتھے آسمان پر جانا دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے ہے اور معراج میں حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عرش پر جانا مہمانی کے طور پر۔ یہ معراج طور اور چہارم آسمان
سب سے افضل ہے۔ حضور کے معجزات بے شمار اور قرب الٰہی بے حد ہے۔

س ۔ جب عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو نبی ہوں گے یا نہیں۔ اگر
نبی ہوں گے تو حضور خاتم النبیین نہ رہے اور اگر نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے
تو یہ ان کی شان کے خلاف ہے رب کسی کو نبوت سے معزول نہیں کرتا۔

ج ۔ نبی کا تعلق رب تعالیٰ سے فیض حاصل کرنے کا یہ نبوت کا بطن ہے اور خلق
سے تعلق ہے فیض دینے کا مطلب یہ ہے نبوت کا ظہور۔ پہلا وصف نسخ کے
قابل نہیں اور دوسرا وصف قابل نسخ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے وقت قرب
الٰہی اور درجہ کے لحاظ سے نبی ہوں گے۔ مگر ظہور کی حیثیت سے مسلمانوں کے ولی
ہوں گے۔ موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام سے ملنے گئے تو نبی ہی تھے۔ مگر
وہاں اپنے احکام جاری نہ فرما سکے۔ شب معراج میں سارے نبی حضور کے پیچھے
نماز میں موجود تھے۔ مگر اجراء احکام کے لئے نہیں۔ ایک کچہری کا جج دوسرے شہر
کی عدالت میں گواہ بن کر پیش ہو تو وہ اپنی جگہ جج ہے مگر یہاں اس وقت گواہ
کی حیثیت سے ہے۔ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کسی کو نبوت
نہ ملے عیسیٰ علیہ السلام پہلے کے نبی ہیں آخری بیٹا وہ جس کے بعد کوئی بیٹا پیدا

نہ کہ پہلی اولاد سب مرجاوے۔ نبی کی وفات سے اور نبی کا دین منسوخ ہونے سے ظہور نبوت نہیں رہتا۔ ان کی نبوت ویسے ہی قائم رہتی ہے اس لئے ہم سب پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر سب کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔

س۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ پھر انہیں افضل الانبیاء کیوں کہا جاتا ہے؟

ج۔ بشر بشرہ سے بنا۔ بمعنی ظاہری کھال۔ بشر بمعنی ظاہر کھال والا۔ انسان کے سوا کسی کی ظاہری کھال ظاہر نہیں۔ کسی کی کھال پروں سے کسی کی بالوں سے چھپی ہے۔ سانپ کی کھال بھی کینچلی سے چھپی۔ نیز اس کی پشت ظاہر اور پیٹ زمین سے متصل۔ لہذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم ظاہری چہرے مہرے میں ہماری طرح محسوس ہوتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن اور دیگر دنیاوی کتابیں کہ کاغذ لکھائی چھپائی میں یکساں معلوم ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت میں بہت فرق ہے۔ ایسے ہی حضور صاحب وحی صاحب معراج صاحب درود ہیں۔ لہذا بڑا فرق ہے۔ خود فرماتے ہیں اَیُّکُمْ مِثْلِی یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ تم میں ہم جیسا کون ہے ہمیں رب کھلاتا پلاتا ہے۔ جیسے ناطق نے انسان کو تمام مخلوق سے اعلیٰ کر دیا۔ ایسے ہی یُوحیٰ اِلَیَّ کی صفت سے حضور سارے انسانوں سے افضل ہوئے۔

س۔ حضور کو امّی کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ یہ لفظ یا توام القریٰ سے بنا جس میں مکہ معظمہ کی طرف نسبت ہے یعنی مکہ والے رسول۔ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ تمام زمین کی اصل ہے۔ کیونکہ وہاں سے ہی زمین پھیلی۔ یا امّی کے معنی ہیں ماں والے۔ حضور کی جیسی والدہ کسی کی نہیں۔ اسی لئے ان کا نام آمنہ ہوا یعنی دنیا کو امن دینے والی یا اللہ کی امانت دار بی بی۔ دائی کا نام پاک حلیمہ یعنی حلم والی بی بی۔ رحمت عالم کے شکم پاک میں حلم والی کا دودھ تشریف ہی

جانا چاہیئے۔ یا امی کے معنی ہے والدہ والی کے شکم سے عالم یعنی مادرزاد علم والے دنیا میں کسی کے شاگرد نہیں۔ اسی لئے جو شخص علم لدنی رکھے اسے بھی امی کہہ دیتے ہیں یعنی جس حال میں شکم مادر سے پیدا ہوئے اسی حال میں ہے۔ امی کے معنی ہیں اصل عالم کی ام یعنی اصل چونکہ نور پاک مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی اصل ہے لہذا حضور کا اسم شریف امی ہوا۔

س۔ حضور کے والدین مومن تھے یا نہیں۔

ج۔ آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ تک حضور کے سلسلہ نسب میں کوئی مشرک نہیں۔ سارے آباء و امہات مومن موحد گزرے۔ رب فرماتا ہے۔ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۔ اعلیٰ موتی قیمتی ڈبہ میں رکھا جاتا ہے۔ نور محمدی اعلیٰ چیز تھی۔ اس کے لئے پاک پیٹھ طاہر پیٹ لازم ہیں۔

س۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر بت پرست تھے۔ حالانکہ وہ بھی حضور کے نسب میں شامل ہیں رب فرماتا ہے لِاَبِيْهِ اٰزَرَ

ج۔ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں والد نہیں۔ ان کے والد تارخ ہیں جو مومن موحد تھے۔ عربی میں چچا کو اب یعنی باپ کہہ دیا جاتا ہے۔ رب نے فرمایا۔ وَاٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ دیکھو اسمٰعیل علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں۔ مگر انہیں آباء میں داخل کیا گیا۔ ایسے ہی یہاں ہے۔

س۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے آمنہ خاتون کی قبر کی زیارت کی اجازت رب سے چاہی دیدی گئی۔ مگر دعاء مغفرت کرنا چاہی تو اس سے روک دیا گیا۔ اگر وہ مومنہ تھیں تو ان کے لئے دعاء مغفرت سے کیوں روکا گیا؟

ج۔ اس لیے کہ وہ بے گناہ تھیں۔ دعاء مغفرت گنہ گار کے لئے ہوتی ہے دیکھو بچہ کی نماز جنازہ میں میت کو دعا نہیں کرتے کیونکہ وہ بے گناہ ہے اگر وہ مومنہ نہ ہوتیں تو ان کی زیارت قبر بھی منع ہوتی۔ رب فرماتا ہے وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ

وہ گنہ گار ہوتیں بھی کیسے گناہ وہ کر سکتا ہے جو شرعی حکم پائے اور مخالفت کرے ۔
وہ تو اسلام کے ظہور سے پہلے وفات پاگئیں ۔ ان کا نام ان کے ایمان کا پتہ
دیتا ہے ۔ آمنہ ایمان والی یا امن دینے والی یا امانت الٰہی رکھنے والی بی بی رضی اللہ عنہا

س ۔ حضور علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا اِنَّ اَبِیْ وَاِیَّاکَ فِی النَّارِ ۔ تیرا
اور میرا باپ آگ میں ہیں ۔ اگر حضرت عبداللہ مومن اور بے گناہ تھے ۔ تو آگ میں کیوں گئے

ج ۔ یہاں ابی سے مراد حضور کے چچا ہیں ۔ عربی میں چچا کو اب کہا جاتا ہے ۔

س ۔ حضرت آمنہ خاتون و عبداللہ کس نبی کے دین پر تھے عیسائی تھے یا یہودی ؟

ج ۔ وہ صرف موحد مومن تھے ۔ ان میں سے کسی پیغمبر کے دین پر نہ تھے ۔ دو وجہ سے ۔
ایک یہ کہ وہ دونوں رسول بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے خود فرماتے ہیں و رسولا الٰی
بنی اسرائیل اور والدین پاک دونوں بنی اسمٰعیل تھے ۔ دوسرے اس لئے کہ عیسائیت
و یہودیت اس وقت اپنے اصلی رنگ میں نہ رہے تھے ۔ توریت و انجیل میں بہت
تبدیلی ہو گئی تھی ۔ ان پیغمبروں کی تعلیمات مٹ گئی تھیں اس مٹی ہوئی تعلیم کا ماننا
لازم نہ تھا ۔ ایسے لوگوں کے لئے صرف توحید کا عقیدہ کافی تھا ۔ انہیں کو
اصحاب فترۃ کہتے ہیں ۔

س ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بھی کہتے ہیں ۔ رسول بھی اور امّی بھی ۔ ان تینوں
معنی میں کیا فرق ہے ۔ یہ الفاظ حضور پر کیونکر صادق آتے ہیں ؟

ج ۔ حکومت کے محکمے تین ہوتے ہیں ۔ داخلی جو اندرون سلطنت کا کام کرے ۔
جیسے پولیس چونگی وغیرہ ۔ خارجی محکمہ جو سلطنت کے باہر عمل کرے ۔ جیسے
فوج کا محکمہ ۔ وہ محکمہ جو خارج و داخل سے تعلق قائم رکھے جیسے ریل ڈاک خانہ اندرون
ملک کی خبریں اور چیزیں باہر اور باہر کی اندر لاتا اور لے جاتا ہے ۔ اسی طرح
حکومت ربانی کے محکمے ہیں کہ بعض ملائکہ فرش کے منتظم ہیں اور بعض عالم بالا
کے ان دونوں حکموں میں تعلق پیدا کرنے والے انبیاء کرام ہیں کہ رب کے احکام
مخلوق تک لاتے ہیں اور مخلوق کی عرض و معروض وغیرہ رب تک پہنچاتے ہیں معاصم

کی معافی کراتے ہیں۔ لہذا وہ حضرات چونکہ بندوں کی خبریں اعمال رب تک پہنچا دیں لہذا وہ رسول ہیں۔ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا پھر جیسے ڈاک خانہ تار کی خبریں جلد اور خط کی خبریں دیر سے پہنچاتا ہے۔ ایسے ہی انبیا کی معرفت سے بعض بندے جلد اور بعض دیر سے رب تک پہنچتے ہیں۔ پھر دیگر انبیاء دنیا میں تشریف لاکر نبی ہوئے اور ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی ہو کر تشریف لائے۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔ لہذا حضور علیہ السلام امی نبی یعنی مادر زاد نبی ہیں۔

س۔ حضور نے جو فرمایا کنت نبیا و آدم بین الماء والطین اگر اس سے مراد یہ ہے کہ میں علم الٰہی میں نبی تھا۔ جبکہ آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا تو اس معنی سے سارے پیغمبر اس وقت نبی تھے۔ اور اگر معنی یہ ہیں کہ میں واقعہ میں نبی تھا تو یہ ناممکن ہے۔ نبوت تو دنیا میں ہے وہاں کیسی؟ نیز نبی انسان ہوتا ہے اور انسان کے لئے یہ جسم ضروری ہے۔ پھر اس وقت نبوت کیسی؟

ج۔ روح پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں سارے عالم کی فی الواقع نبی تھی۔ اس وقت حضور کی روح مبارک ارواح انبیاء کی تربیت فرما رہی تھی۔ سارے انبیاء حضور سے ہی فیض لے کر اس عالم اجسام میں نبی ہوئے بلکہ ان کے ظہور نبوت کے بعد بھی روح پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض آتا رہا۔ جیسے تاروں میں آفتاب کا نور آتا ہے۔ اس لئے آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ستون عرش پر لکھا پایا۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ آئندہ جنت میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ ہی کی نبوت کا ظہور ہوگا۔ سارے جنتی حضور ہی کا کلمہ پڑھیں گے اور جنت کی ہر چیز پر حضور کا نام لکھا ہوا ہے۔ شب معراج میں حضور علیہ السلام ہی انبیا کے امام ہوئے لہٰذا ثابت وغیرہ اس دنیا میں

نبوت کے لئے ضروری ہیں۔ بشریت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ حضور کی نبوت ان سے بھی پہلے ہے۔ جسم میں آدم السلام حضور کی اصل ہیں اور حقیقت میں حضور آدم علیہ السلام کی اصل ظاہر میں درخت پھل کی اصل ہے۔ مگر حقیقت میں پھل درخت کی کہ درخت اسی کی خاطر لگایا گیا۔

س۔ عالم ارواح میں نبوت کی ضرورت کیا تھی۔ وہاں روزہ نماز فرض ہی نہ تھا۔ انہی احکام کے لئے نبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ج۔ ہر مقام اور ہر قوم کے احکام جداگانہ ہیں۔ اس عالم میں ارواح کے لئے بھی احکام تھے مگر وہ احکام ان احکام سے جداگانہ تھے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں سب سے بلیٰ حضور ہی نے کہلوایا تھا۔ دیکھو مدارج وغیرہ یہاں بھی حضور علیہ السلام ہر مخلوق کے نبی ہیں۔ مگر روزہ نماز صرف انسانوں کے لئے ہے۔ درخت وغیرہ پر یہ احکام جاری نہیں۔ انسانوں میں بھی امیر وفقیر کے جداگانہ احکام ہیں۔ مگر حضور نبی سب کے ہیں۔ جنت میں حضور سب کے نبی ہوں گے مگر احکام جداگانہ ہوں گے غرض وہاں بھی نبوت کی ضرورت سب کو تھی۔ کبھی رب کا فیض حضور کے بغیر واسطہ کسی کو نہیں ملتا۔

س۔ نبی اور امتی دونوں ہی اسلام کے جہاز میں سوار ہیں تو یہ فرق کیوں ہے؟

ج۔ جہاز کا کپتان اور سواریاں سب ہی ایک جہاز میں سوار ہیں مگر سواریاں تو پار اترنے کے لئے سوار ہیں اور کپتان سب کو پار اتارنے کے لئے۔ اسی لئے سواریاں کرایہ دے کر سوار ہوتی ہیں مگر کپتان تنخواہ لے کر۔ ہماری نمازیں روزے نجات پانے کے لئے ہیں۔ حضور کی عبادات ہم کو نجات دلانے کے لئے تاکہ ان کو عبادت کرتے دیکھیں۔ ہم بھی ایسے ہی کریں ورنہ وہ تو پہلے ہی مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔

س۔ قیامت کے دن انبیاء کرام کے اعمال میزان میں تولے جائیں گے یا نہیں؟

ج۔ نہیں۔ وزن اعمال صرف ان لوگوں کا ہوگا جس کے پاس نیکیاں بدیاں

دونوں ہوں گی۔ کیونکہ وہاں باٹ سے وزن نہ ہوگا۔ بلکہ اعمال بدکا اعمال نیک سے
اس لئے کفار کے بارے میں قرآن فرماتا ہے وَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
وَزْنًا یا کہ کفار کے لئے بھی قیامت میں وزن نہیں کیونکہ ان کے پاس
نیکیاں نادارد ہیں۔ نیز انبیاء کرام کے اعمال ایسے وزنی ہیں جنہیں کوئی ترازو
نہیں تول سکتا۔ جیسے دنیا کی ترازو زمین و آسمان نہیں تول سکتی۔ ایسے کا خا
قدرت میں ایسی ترازو بنی ہی نہیں جو نبی کی نیکیاں تولے بعض گناہگاروں
کے دفتر گناہ ایک کلمہ طیبہ سے تولا جاوے گا۔ تو کلمہ وزنی ہوگا۔ اس کے
دفتر ہلکے۔ کیونکہ وہ اس گنہگار کے کام ہیں۔ یہ مصطفٰے پاک کا پیارا نام ان کا
ایک سجدہ دو کونین کی ساری عبادت سے وزنی ہے۔

س۔ نبی کی توہین کفر کیوں ہے؟

ج۔ اس لئے کہ اس میں رب کے کلام کی تردید ہے اور شیطان کی تائید۔ رب
ان کی تعریف فرماتا ہے نِعْمَ الْعَبْدُ۔ یہ بندہ کہتا ہے کہ نہیں وہ بُرے
تھے اچھے نہ تھے۔ نبی کی لعنت کلام ربانی کی تائید ہے اور ان کی توہین
رب کی تردید۔

س۔ نبی کی ہر چیز کی توہین کفر کیوں ہے چاہیے کہ صرف تبلیغی امور کا انکار کفر ہو۔

ج۔ اسی لئے کہ رب نے ان کی مطلق تعریف فرمائی کہ نِعْمَ الْعَبْدُ وہ ہمارے
اچھے بندے ہیں اور ظاہر ہے کہ بندہ ہر حال میں ہر صفت کے ساتھ بندہ ہے
جب انہیں بندہ فرما کر اچھا کہا تو گویا ان کے سونے جاگنے، چلنے پھرنے ہر
حال کی تعریف ہوگئی۔ اب جو ان کے کسی حالت کی توہین کرنے رب کی تردید کرتا ہے

س۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ رَبِّ اَرِنِیْ وہ تو محبوب ہے بنی اسرائیل نے عرض کیا ہمیں رب دکھا دو ان پر عذاب آگیا

ج۔ موسیٰ علیہ السلام نے شوق ملاقات اور اشتیاق دیدار میں یہ کہا تھا۔ بنی
نے عناد اور موسیٰ علیہ السلام پر بے اعتمادی کی وجہ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کہا
تھا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ بغیر رب کے دیکھے آپ کی بات

مانیں گے اور نبی پر بے اعتمادی کفر ہے۔

س۔ رب نے مسلمانوں کو امتِ وسط یعنی درمیانی امت فرمایا حالانکہ یہ آخری اُمت ہے؟

ج۔ یہاں درمیانی سے زمانہ کے اعتبار سے درمیانی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ دین موسوی میں بہت سختی تھی۔ دین عیسوی میں بہت نرمی۔ دین محمدی میں درمیانی حالت لہٰذا وسط ہے۔ یا وسط سے افضل مراد ہے۔ افضل چیز درمیان میں ہوتی ہے امام صف کے بیچ میں۔ بڑا موتی ہار کے بیچ میں۔ دل جسم کے بیچ میں۔ مکہ شریف آباد زمین کے بیچ میں۔ لشکر کا جرنیل لشکر کے بیچ میں۔ محراب مسجد کے بیچ میں۔ کمی کناروں میں ہوتی ہے۔ بیچ بھرپور ہوتا ہے یا اس لئے وسط کہا کہ درمیانی چیز پر سب کا دارومدار ہوتا ہے۔ مرکز دائرہ کا کیل چکی کے پہیّہ کا دُھرہ پہیّہ کا ترازو کی لسان ساری ترازو کا موقوف علیہ ہے۔ چونکہ مسلمان سارے عالم کے بقا کا ذریعہ ہیں کہ ان کے فنا ہوتے ہی دنیا فنا ہے۔ لہٰذا یہ بیچ کی اُمت ہے۔

س۔ قرآن کو قرآن اور فرقان کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ قرآن کے معنی ہیں ملانے والا۔ انسان خدا۔ زبان۔ لباس۔ شکل۔ وصورت میں جدا گانہ تھا۔ مگر قرآن نے سب کو ملا کر مسلمان بنا دیا جیسے مختلف پھولوں کے رس شہد کی مکھی کی وجہ سے ایک شہد ہو گئے۔ لہٰذا یہ قرآن ہے۔ پھر قرآن سے پہلے مومن و کافر صدیق و زندیق یکساں معلوم ہوتے تھے۔ قرآن نے ان میں فرق دکھایا۔ جیسے بارش سے پہلے ساری زمین یکساں معلوم ہوتی تھی۔ خبر نہ تھی کہ مالک نے کس جگہ کیا بویا ہے بارش کے آتے ہی پودے اُگے۔ جس سے اندرونی تخم کا پتہ چل گیا۔ لہٰذا یہ فرقان ہے۔

س۔ جمع قرآن کے لئے عثمان کو کیوں منتخب کیا گیا۔ عثمان جامع قرآن کیوں ہوئے؟

ج : اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے بائیں ہاتھ شریف کو فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ اور حضور کا ہاتھ رب کا دستِ قدرت یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ اس واسطے سے عثمان کا ہاتھ یَدُ اللّٰهِ ہوا۔ تو کتاب اللہ کے جمع کرنے کے لئے یہ اللہ ہی چاہیئے تھا

س۔ قرآن شریف کی توہین کو فقہا نے کفر کیوں لکھا ہے ؟

ج۔ اس لئے کہ حکومت کی کسی چیز کی توہین حکومت کی توہین ہے۔ عدالت میں حاکم کے سامنے اونچی آواز سے بولنا جرم ہے کہ یہ توہینِ عدالت ہے اور توہینِ عدالت حکومت کی اہانت ہے۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی بت پرستی دیکھ کر توریت ٹپک دی حالانکہ اس کی تختیاں تحریر رب کی طرف سے تھیں۔ جب وہ کفر نہ ہوئی تو موجودہ قرآن کا نسخہ جس کا کاغذ روشنائی تحریر بندے کی ہے اس کی توہین کفر کیوں ہے ؟

ج۔ کتابِ الٰہی کے گرانے کی تین صورتیں ہیں۔ غلطی سے گر جائے جس سے کتاب اللہ ہاتھ سے گرا دی جائے۔ خود کتاب اللہ کی اہانت مقصود ہو اس لئے پھینکا جائے۔ پہلی صورت گناہ بھی نہیں۔ دوسری صورت خطا یا گناہ ہے۔ مگر کفر نہیں۔ تیسری صورت کفر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے تختیاں یا تو بلا قصد گر گئیں۔ کہ قوم پر اللہ کے لئے غصہ آیا جسم شریف میں رعشہ پیدا ہوا تختیاں گر گئیں۔ یا یہ ہوا کہ قوم پر غصہ آیا غصہ کے جوش میں تختیاں گرا دیں۔ خطا ہوئی جس کی رب سے معافی چاہی : رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ غرضیکہ وہاں توریت شریف کی توہین مقصود نہ تھی

س۔ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کی داڑھی پکڑی جس میں داڑھی کی بھی جو سنت انبیاء ہے توہین ہے اور ایک پیغمبر کی بھی اہانت یہ دونوں کفر ہیں اور چونکہ یہ سختی آپ نے بلا وجہ کی۔ لہٰذا قصاص دینا چاہیئے

کہ یہ حقوق العباد ہے۔

ج ۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کے یہ افعال کفر تو کیا غلطی و خطا بھی ہوتے تو ان پر عتابِ الٰہی آجاتا۔ جیسے آدم علیہ السلام کو گندم کھانے کی وجہ سے ہوا۔ ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے مگر درجہ میں موسیٰ علیہ السلام اعلیٰ کہ آپ سلطان تھے اور حضرت ہارون وزیر۔ موسیٰ علیہ السلام سے خطِ اجتہادی ہوئی ۔ وہ سمجھے کہ ہارون علیہ السلام نے قوم کو شرک سے روکنے میں کوتاہی کی۔ لہذا عتاب فرمایا۔ حقیقتِ حال دریافت ہونے پر دعا دی خطا اجتہادی معاف ہے۔ اگر حاکم غلطی سے کسی کو سزا دے تو معاف ہے۔ جج اپنے ملزم باپ کو سزا دے سکتا ہے۔ غرضکہ یہ توہین نہ تھی۔ تادیب تھی۔ جو خطا اجتہادی سے واقع ہوئی۔

س ۔ قرآن فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے پرندے بنا کر پھونک سے زندہ کر دیا کرتے تھے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مٹی میں جان کیسے پڑ سکتی ہے ؟

ج ۔ دن رات مٹی میں جان پڑتی رہتی ہے۔ سر میں گرد و غبار پڑی جمع ہو کر زندہ جوں ہو گئی ۔ چارپائی میں مٹی میل جمع ہوا۔ جان دار کھٹمل بن گیا۔ بارش مٹی میں گری ۔ وہ مٹی ہزار ہا مینڈکوں اور پروانوں کی شکل میں نمودار ہو گئی ۔ اگر آپ کی پھونک سے بھی مٹی میں جان پڑے تو کیا حرج ہے۔ آپ کا نام ہی روح اللہ ہے ۔

س ۔ عیسیٰ علیہ السلام پھونک سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے ۔ یہ بھی ناممکن سی بات ہے۔ نکلی ہوئی روح پھونک سے کیسے واپس آسکتی ہے

ج ۔ یہ بھی محال نہیں۔ بعض سانپوں کی پھونک سے آدمی کی روح نکل جاتی ہے۔ جب سانپ کی سانس جان نکال سکتی ہے تو روح اللہ

۸۰

کی سانس جان ڈال سکتی ہے۔ صور کے ذریعہ اسرافیل علیہ السلام کی سانس تمام عالم کو زندہ کرے گی۔

س۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرب قیامت جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ تو ان کی سانس سے کافر مریں گے عجیب بات ہے۔ کہ پہلے آپ کی سانس سے مردے جیتے تھے۔

ج۔ آنکہ داند دوختن او داند درید۔ جو سینا جانتا ہے وہ ادھیڑنا بھی جانتا ہے۔ موت زندگی رب کی طرف سے ہے یہ سانس شریف ذریعہ ہے وہ جس وقت چاہے کام لے لے۔ اسرافیل علیہ السلام کی پہلی پھونک سے زندہ مریں گے۔ پھر دوسری پھونک سے سب مردے زندہ ہوں گے۔

س۔ قرآن سے لوگ گمراہ کیوں ہو جاتے ہیں۔ وہ ہادی ہے۔ ہادی سے گمراہی کیسی؟

ج۔ ایک ہی ہارمونیم کا ایک پردہ دباؤ تو موٹی اور بھاری آواز نکلتی ہے دوسرا دباؤ تو سریلی اور باریک آواز دیتا ہے۔ حالانکہ ہوا ایک ہی جاتی ہے۔ انسان کے قلب و دماغ میں رحمانی پردے بھی ہیں شیطانی بھی۔ اگر شیطانی پردہ غالب ہے۔ تو قرآنی ہوا سے کفر کی آواز نکلتا ہے۔ اگر رحمانی پردہ غالب ہے تو اس قرآنی ہوا سے ایمان بولتا ہے۔ یہ قرآن کا قصور نہیں۔ اپنے پردہ کا قصور ہے بارش سے کہیں لالہ اگتا ہے کہیں خار۔

س۔ قرآن تو اچھی چیز ہے اس سے اچھی ہی شے صادر ہونا چاہیئے۔

ج۔ قرآن تو اچھا ہے پڑھنے والے کا دل و دماغ بُرا۔ سامری کے بچھڑے کے منہ میں حضرت روح الامین کی گھوڑی کی خاک پڑی۔ جو نہایت اعلیٰ تھی۔ مگر چونکہ وہ سونا فرعون کا خبیث مال تھا اس لئے

اس پاک مٹی نے اگرچہ اس میں زندگی بخشی اور آواز پیدا کردی۔ مگر اس آواز سے لوگ گمراہ ہوئے۔ کوئی اللہ کا بندہ وہ مٹی کھاتا تو لاکھوں کو ہدایت دیتا۔ قرآن و علم طیب و اعلیٰ ہیں۔ مگر بے دین عالم سامری کا بچھڑا ہے۔ کہ علم پڑھ کر جو بولتا ہے۔ اس سے لوگ گمراہ ہی ہوتے ہیں۔

قبر و دفن

س۔ میت کو دفن کرنا کوے کا فعل ہے۔ مسلمانوں نے کوے کی شاگردی کر کے دفن کرنا سیکھا ہے۔ میت کا جلانا اچھا ہے۔ زمین گھرتی ہے اور میت کا جسم خراب ہوتا ہے۔ دو گز زمین میں لاکھوں ہندو جل جاتے ہیں۔ مگر مسلمان اکیلا قیامت تک اس پر قابض رہتا ہے

ج۔ مردے کو جلانا فطرت کے خلاف ہے۔ دفن ہی فطرت کے مطابق ہے کیونکہ انسان مٹی کا ہے۔ آگ پانی ہوا تو مٹی کو خمیر کرنے کے لئے اس میں ایسی شامل کی گئی ہے جیسے آٹے میں پانی آگ۔ اسی لئے اسے آدمی کہتے ہیں۔ یعنی مٹی کی چیز۔ پھر انسان کا کھانا پینا لباس مٹی ہی سے ہے۔ تو چاہیئے کہ خود بھی بعد موت مٹی میں ہی رہے۔ مسلمان بنیا دوالی دیوار ہے۔ کیونکہ اس کے زندے زمین کے اوپر اور مردے زمین کے نیچے ہیں۔ ہندو بے بنیاد ہی دیوار کہ اس کے مردے زندے دونوں زمین کے اوپر ہی ہیں۔ لہذا مسلمان مضبوط ہے مشرک کمزور۔ دفن ہی کیا بہت سے کام انسان نے حیوانات سے سیکھے ہیں۔ چنانچہ آپریشن ایک بیل سے سیکھا۔ کہ ایک دھوبی کو استسقا تھا۔ اتفاقاً دو بیل آپس میں لڑے ایک نے بھاگتے ہوئے

دھوبی کے پیٹ پر لات رکھ دی جو سو رہا تھا۔ دھوبی کا پیٹ پھٹ گیا۔ پانی نکل کر آرام ہو گیا۔ زہر کی دوائیں بندر سے بوٹ بندر اور لنگور سے سیکھے۔ دیکھو حکیم اجمل خاں دہلوی کی کتب۔ تو کیا یہ تمام جانور انسان کے استاد ہو گئے۔ اگر کوئی اپنا کام کر رہا ہو دوسرا آدمی اپنی ذکاوت سے اُسے سیکھ لے تو وہ شاگرد نہ ہو جائے گا۔ جب تک کہ سکھانے اور سیکھنے کی نیت سے تعلیم و تعلم نہ کریں۔

س۔ اسلام فرماتا ہے کہ مُردے سے قبر میں تین سوال ہوتے ہیں۔ رب تیرا کون۔ دین تیرا کیا۔ ان محبوب کو تو کیا کہتا تھا۔ جس مسلمان نے حضور کو دیکھا نہیں وہ کیسے پہچان سکے گا؟

ج۔ تعلقِ ایمانی سے پہچانے گا۔ جیسے دنیا میں جان پہچان خونی رشتے یا ظاہری ملاقات سے ہوتی ہے۔ ایسے ہی روحانی پہچان ایمانی رشتہ سے ہو گی۔ جن کفار نے حضور کو دیکھا تھا وہ قبر میں حضور کو نہ پہچان سکے ایسے ہی جن مسلمانوں نے حضور کو نہ دیکھا وہ پہچان لیں گے۔ دیکھو حضور کو دیکھنے والے کافر حضور پر عاشق نہ ہوئے مگر کروڑوں نہ دیکھنے والے مسلمان حضور کے ایسے عاشق ہیں کہ ان کے نام پر مال و جان فدا کر دیتے ہیں۔ جیسے یہاں بغیر دیکھے عشق ہے ایسے ہی وہاں ان شاء اللہ بغیر دیکھے پہچان ہو گی۔ دنیاوی محبوبوں کو ہزاروں نے دیکھا مگر ان کا عاشق ایک ایک ہوا۔ ایسے ہی حسنِ یوسف پر فدا فقط زلیخا۔ مگر مدنی محبوب کو دیکھا کسی نے نہیں۔ مگر عاشق کروڑوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

س۔ جو لوگ دفن نہیں ہوتے آگ میں جل جاتے ہیں یا انہیں شیر کھا جاتا ہے ان سے حساب قبر کیوں کر ہو گا؟

ج۔ قبر سے مراد صرف یہ غار نہیں ہے جس میں مردہ دفن ہوتا ہے بلکہ اس سے عالم برزخ مراد ہے۔ مردہ کا جسم کہیں ہو مگر روح تو محفوظ ہے۔ اسی

روح کو جسم کے اصل ذرات سے متعلق کر کے اس سے سوال جواب ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دفن ہی نہ کیا گیا ہو یوں ہی میدان میں پھینک دیا گیا۔ اس سے اسی حال میں سوالاتِ قبر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں محسوس نہ ہو۔ ماں کے پیٹ میں بچہ بن جاتا ہے ماں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

س۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن کی قبر ستر گز فراخ ہو جاتی ہے۔ سو اگر مومن و کافر کی قبر برابر ہوں اور مومن کی قبر ستر گز چوڑی ہو تو کافر کی قبر کہاں جائے گی۔ ایسے ہی اگر مومن و کافر ایک ہی قبر میں دفن ہو گئے ہوں تو بتاؤ وہ قبر کافر کے لئے تنگ ہو گی یا فراخ اور اس قبر میں جنت کی ہوا آئے گی یا دوزخ کی ؟

ج۔ مومن کی قبر فراخ ہو گی اور کافر کی قبر وہاں ہی رہے گی اور اس ایک قبر میں مومن کے لئے جنت کی ہوا آوے گی۔ اور کافر کے لئے دوزخ کی۔ ایک کا اثر دوسرے پر نہ ہو گا۔ یہ فراخی اور تنگی احساس ہیں۔ نہ کہ دوسری زمین کاٹ کر۔ جیسے ایک چارپائی پر دو آدمی سو رہے ہیں ایک شخص خواب میں اپنے کو بڑے میدان میں دیکھتا ہے دوسرا اپنے کو جیل کی کوٹھڑی میں قید پاتا ہے۔ ایک کو اچھی خواب نظر آتی ہے وہ خوش ہو رہا ہے دوسرے کو بُری وہ تکلیف پا رہا ہے۔ دیکھو چارپائی ایک ہے مگر اس پر سونے والوں کے حال مختلف یا بیداری کی حالت میں ایک آدمی اچھے خیالات سے خوش ہو رہا ہے۔ دوسرے بُرے خیالات سے پریشان ہے۔ دنیاوی زندگی قبر کے لحاظ سے خواب ہے اور قبر کی زندگی قیامت کے لحاظ سے خواب۔

س۔ جب قیامت میں حساب و کتاب اور عذاب و ثواب ہو گا۔ تو قبر میں یہ چیزیں کیوں ہیں ؟

ج۔ قبر میں صرف ایمان و کفر کی جانچ ہے قیامت میں اعمال کی بھی قبر کی

چنانچہ برزخی زندگی کے لئے ہے اور قیامت کا حساب آیندہ دائمی زندگی کیلئے قبر کا عذاب ایسا ہے جیسے جیل سے پہلے حوالات قیامت کا دن مقدمہ کا دن ہے۔ اس فیصلہ پر آیندہ زندگی کا مدار ہے۔

س۔ بعض لوگ کفنی لکھ کر قبر میں رکھتے ہیں۔ یہ بے کار ہے۔ اگر مردہ جاہل ہے یا عربی نہیں جانتا تو اسے اس تحریر سے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ کیسے پڑھ کر جواب دے گا؟

ج۔ یہ تحریر برکت کے لئے ہے۔ جیسے سبزے کی تسبیح سے مردے کے عذاب میں کمی ہو جاتی ہے۔ بعض صحابہ کرام حضور کے تبرکات قبر میں ساتھ لے گئے برکت کے لئے ایسے ہی یہ تحریر ہے۔ اللہ کے ذکر سے دل کو چین آتا ہے۔ خواہ تحریری ذکر ہو یا زبانی۔ نیز اس میں میت کو تلقین ہے لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ جہالت اور مختلف زبانیں اس دنیا کے حالات ہیں۔ مرتے ہی سب آدمی پڑھ سکیں گے اور تمام جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔ قیامت میں سب لوگ اپنے نامۂ اعمال پڑھ لیں گے۔ جو عربی میں ہوں گے۔ مگر سمجھ لیں گے۔

سوالاتِ قبر عربی میں ہی ہوتے ہیں۔ جیسے اندھاپن اور دیگر ظاہری بیماریاں اس جسم کی ہیں۔ وہاں نہ کوئی اندھا ہوگا نہ کوڑھی سب اچھے ایسے کفر، گناہ، جہالت، جوا، شراب خوری سب اس عالم کی چیزیں ہیں۔ وہاں سب علم والے۔ ایمان والے خوفِ خدا رکھنے والے ہوں گے۔ اگرچہ اس ایمان و تقویٰ کا اعتبار نہ ہوگا۔

س۔ زیارت قبور سنت کیوں ہے؟

ج۔ تاکہ اپنی موت یاد آتی رہے جس سے انسان اس زندگی کے لئے انتظام کرتا رہے اور تاکہ اس بہانہ سے زندے مردوں کو ایصال ثواب کرتے رہیں۔ غرضیکہ اس میں زندوں مُردوں دونوں کا بھلا ہے۔

س۔ بعض لوگ وصیت کرتے کہ ہمیں فلاں بزرگ کے پاس دفن کرنا یا مدینہ

پاک میں قبر کی تمنا کرتے ہیں۔ اس سے کیا فائدہ۔ مُردے کو مقدس زمین کیا فائدہ دے سکتی ہے؟

ج۔ کافر کے لئے کسی جگہ دفن ہونا مفید نہیں۔ ہاں گنہ گار مومن کو اس سے یہ فائدہ ہے کہ جہاں اللہ کے پیارے دفن ہوں وہاں رحمت کے پنکھے چل رہے ہیں۔ اس مقبول کی طفیل اسے بھی وہ ہوا لگ جائے گی۔ اگر کوئی غریب آدمی کسی رئیس کی کوٹھی پر اس سے ملاقات کرنے جاوے۔ تو جو بجلی کا پنکھا رئیس کے لئے چل رہا ہے۔ اس کی ہوا سے اُسے بھی فائدہ پہنچ جاوے گا۔

قیامت

س۔ قیامت کو قیامت یا محشر کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ قیامت کے معنی ہیں کھڑا ہونا۔ چونکہ اس دن سارے مردے اپنی قبروں سے کھڑے ہو کر محشر میں جائیں گے یا دنیا میں کوئی کھڑا ہوتا ہے۔ کوئی بیٹھا کوئی لیٹا۔ مگر اس دن سب انتظار حساب میں کھڑے ہی ہوں گے۔ لہذا اس کا نام قیامت ہے۔ دنیا میں سب آدمی ایکدم نہیں آئے۔ کچھ آکر چلے گئے۔ کچھ آنے والے ہیں۔ کچھ ابھی موجود ہیں مگر اس دن سارا عالم ایک ہی جگہ ایک ہی وقت میں جمع ہوگا۔ لہذا اس کا نام محشر ہے یعنی جمع ہونے کا دن یا جمع ہونے کی جگہ۔

س۔ سارے آدمی صرف شام کی زمین میں کیسے سما جائیں گے۔

ج۔ بڑی آسانی سے۔ کتابوں کے مضامین۔ قرآن شریف اور اشعار صدہا من کاغذ پر لکھے جاتے ہیں۔ مگر آپ کے دو تل کے حافظہ میں یہ ایک وقت لکھے جاتے ہیں۔ سارے آسمان چاند، سورج مشرق و مغرب آپ

کی آنکھ کی تل میں سما جاتا ہے۔ جو اس پر قادر ہے وہ اس پر بھی قادر ہے

س۔ قیامت کیوں ہوگی۔ اس سے فائدہ کیا ہے؟

ج۔ کھیت میں بھوسہ غلہ ایک ہی جگہ ہوتا ہے اس کو ایک جگہ گاہ کر دانہ کو علیحدہ اور بھوسہ کو علیحدہ کر کے انہیں الگ الگ جگہ پہنچاتے ہیں ایسے دنیا میں مومن و کافر ایک ہی زمین پر آباد ہیں۔ قیامت میں ان کی چھانٹ ہوگی۔ چھانٹ کے بعد مومن جنت میں کافر دوزخ میں پہنچیں گے۔ قیامت چھانٹ کا دن ہے۔ یا ملزم کو پہلے حوالات میں رکھتے ہیں پھر حاکم کے آگے پیش کر کے فیصلہ حاصل کر کے جیل پہنچاتے ہیں۔ قیامت مقدمات کی پیشی کا دن ہے۔

س۔ روز قیامت میں اختلاف کیوں ہے۔ بعض آیات میں ہے کہ وہ دن ایک ہزار سال کا ہے۔ بعض میں ہے پچاس ہزار سال کا۔ بعض روایت میں ہے کہ چار رکعت نماز ادا کرنے کی برابر ان کا مطلب کیا ہے؟

ج۔ یہ فرق یا تو احساس کا ہے کہ وہ دن آرام والوں کو چار رکعت کی برابر محسوس ہوگا اور تکلیف والوں کو ہزار سال کا زیادہ تکلیف والوں کو پچاس ہزار سال کا۔ یا ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ شادی دس منٹ میں ہوتی ہے۔ ایک ماہ میں ہوتی ہے۔ بیس سال میں ہوتی ہے۔ اصل نکاح دس منٹ میں۔ دعوت وغیرہ کا انتظام ایک ماہ میں۔ روپیہ جمع کرنا بیس سال میں۔ ایسی طرح اس دن اصل حساب نصف دن میں باقی تلاش تنقیح اور انتظار حساب وغیرہ میں ایک ہزار سال خرچ ہوں گے۔ پہلے نفخہ سے جنت و دوزخ کے داخلہ تک پچاس ہزار سال کا وقت جس میں بے ہوشی اور میدان محشر میں پہنچنا۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی مقام محمود پر یہ تمام اوقات شامل ہیں۔

س۔ نیکیوں میں وزن ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو گناہوں سے زیادہ ہے۔

یا کہ کم ؟

ج۔ نیکی کا وزن گناہوں سے لاکھوں گنا زیادہ ہے۔ میزان میں ایک کلمہ طیبہ تمام عمر کے گناہوں سے لاکھوں گنا زیادہ وزنی ہوگا۔ مگر یاد رہے کہ نیکی کا وزن بقدر اخلاص ہے۔ نیکی پوست ہے اخلاص اس کا مغز۔ پھل میں مغز کا وزن ہوتا ہے۔ بے مغز کا پھل ہلکا ہے اسی لئے کفار کی نیکیاں نہایت ہلکی ہیں۔ مومن کی وزنی امام حسین کا کربلا والا سجدہ ہماری کروڑوں نمازوں سے زیادہ وزنی ہے۔

س۔ اگر نیکی میں اتنا وزن ہے تو مومن کے سر پر قیامت میں بڑا بوجھ ہوگا۔ حالانکہ قرآن فرماتا ہے۔ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَھُمْ۔ وہ اپنے بوجھ اٹھائے ہوں گے۔ بوجھ اٹھانا تو عذاب ہے۔ کیا وہاں مومن عذاب میں ہوگا۔

ج۔ قیامت میں مومن کے تین حال ہوں گے۔ قبر سے محشر تک جاتے ہوئے نیکیاں مومن پر ہوں گی۔ مگر اس پر نہایت ہلکی جو محسوس بھی نہ ہونگی۔ میزان میں پہنچکر نہایت وزنی اور میزان سے جنت تک نیکیاں سواری ہونگی۔ مومن سوار انہی سواریوں پر پلصراط طے ہوگئی۔ جیسی نیکی ویسی اس کی رفتار۔ لہذا حمل اثقال یعنی بوجھ اٹھانا کفار کا عذاب ہے حدیث پاک میں ہے۔ کلمے زبان پر ہلکے میزان میں بھارے رب کو پیارے ہیں۔ یہ اسی طرف اشارہ ہے۔

س۔ عقل میں نہیں آتا کہ مومن کی نیکی اس کے کندھے پر تو ہلکی ہو۔ میزان میں پہنچکر بھاری اور صراط پر سواری بن جاوے۔

ج۔ اس کی مثالیں دنیا میں موجود ہیں۔ لکڑی پانی پر ہلکی ہے اس لئے ڈوبتی نہیں مگر ترازو میں بھاری۔ خود پانی گھڑے میں بھر کر سر پر رکھو۔ تو بھاری ہے۔ مگر حوض یا تالاب کی تہ میں بیٹھ جاؤ۔ اگرچہ اب بہت پانی

سر پر ہے۔ مگر ہلکا یسائنس کہتی ہے کہ ہوا بہت وزنی ہے۔ ہم لاکھوں من ہوا کا بوجھ سر پر لئے پھرتے ہیں مگر محسوس نہیں ہوتا۔ جس سونے کے زیور میں موتی جڑے ہوں اسے پانی کی سطح پر رکھ کر تولو تو صرف سونے کا وزن آوے گا۔ موتی کا نہ آوے گا۔ ایسے ہی بھوک سے کم کھانا کھاؤ تو تم کھانے پر سوار ہو اگر زیادہ کھایا تو کھانا تم پر سوار۔ ایسے ہی وہاں نیکیوں کا حال ہے۔

س۔ قیامت میں حساب کیوں ہوگا۔ کیا رب کو اعمال کی تعداد معلوم نہیں۔

ج۔ یہ حساب رب کے علم کے لئے نہیں بلکہ انسانوں کا منہ بند کرنے کے لئے ہوگا۔ تاکہ جہنمی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے دوزخ کیوں دی۔ فلاں کو جنت کیوں ملی یا مجھے دوزخ میں سخت جگہ کیوں ملی دوسرں کو ہلکی کیوں دی گئی؟

س۔ قیامت کے روز لوگ شفیع المذنبین کو کیوں بھول جائیں گے۔ یہاں سب جانتے ہیں کہ حضور شفیع المذنبین ہیں۔ پھر وہاں پہلے دیگر انبیاء کرام کے پاس کیوں جائیں گے؟

ج۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ آج سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دستگیری کرنے والا نہیں۔ اگر پہلے ہی حضور کے پاس پہنچ جاتے تو شاید کوئی کہہ دیتا کہ شفاعت تو اور جگہ بھی ہوجاتی ہم اور جگہ گئے نہیں۔

س۔ قیامت میں بعض کے منہ کالے بعض کے سفید کیوں ہونگے؟

ج۔ دلوں کی تاریکی یا نور چہرے پر ظاہر ہوگا۔ جیسے آج پریشان حال دُبلا اور کالا ہو جاتا ہے۔ مالدار خوش عیش آدمی سرخ سفید نکل آتا ہے۔

جنّت۔ دوزخ

س ۔ جنّت کو جنّت کیوں کہتے ہیں ؟

ج ۔ اس لئے کہ جنّت جَنٌّ سے بنا ۔ بمعنی چھپنا ۔ اسی لئے دیوانگی کو جنون ۔ پیٹ کے بچہ کو جنین ۔ ڈھال کو جُنّہ ۔ آتشی مخلوقات کو جنات ۔ تاریکی کو جن کہتے ہیں ۔ جنت کے معنی ہوئے چھپا ہوا باغ ۔ چونکہ وہ باغ دنیا والوں کی نگاہ سے چھپا ہے ۔ یا اس باغ کے درخت ایسے گھنے ہیں کہ وہاں کی زمین نظر نہیں آتی ۔ لہذا وہ جنّت ہے ۔

س ۔ دوزخ کو جہنّم کیوں کہتے ہیں ۔

ج ۔ یہ لفظ عجمی ہے اصل میں چاہ نم تھا ۔ یعنی گہرا کنواں ۔ چونکہ وہ نہایت گہرا مقام ہے اور گویا آگ کا کنواں ہے ۔ لہذا جہنّم نام ہے ۔

س ۔ یہ جنت دوزخ پیدا ہو چکے ہیں یا بعد قیامت پیدا ہوں گے ؟

ج ۔ پیدا ہو چکے ہیں ۔ وہاں ہی پہلے آدم علیہ السلام رہے ۔ وہاں ہی آج ادریس علیہ السلام اور شہداء کی روحیں رہتی ہیں ۔ وہاں کی ہی کھڑکی مومن کی قبر میں کھلتی ہے ۔ وہاں کی ہی خبر حضور نے معراج میں فرمائی ۔ وہاں کا ہی پانی حضور نے صحابہ کرام کو پلایا ۔ وہاں کے پانی سے ہی نیل و فرات جاری ہیں ۔ جہنم سے دنیا میں آگ آئی ۔

س ۔ اتنے پہلے انہیں کیوں پیدا فرمایا ۔ ان میں داخلہ تو قیامت کے بعد ہوگا تب ہی پیدا فرما دیا جاتا ۔

ج : حکومت کے دفاتر ۔ کوٹھیاں جیل خانہ ۔ پھانسی گھر پہلے ہی تیار کر لئے جاتے ہیں ۔ اس کا انتظار نہیں ہوتا کہ کوئی چور پکڑ کر آدے تو جیل بنائی جائے جنّت دوزخ سے آج بھی کام لیا جا رہا ہے ۔ جنت کے کام اوپر بیت

دبئے گئے۔ دوزخ کی آگ دنیا میں کام کر رہی ہے دوزخ ہی سے موسم بنتے ہیں کہ اوپر کی سانس سے سردی یا ہر کی سانس سے گرمی وغیرہ۔

س۔ سردی گرمی تو سورج سے آئی۔ اس کا خزانہ جہنم ہے۔ وہاں سے کرنٹ سورج میں آرہا ہے۔ سمندر میں کہاں سے۔ سمندر پانی کا خزانہ ہے خزانہ میں روپیہ رہتا ہے بنتا نہیں ہے۔ ٹکسال میں ایسے ہی سورج نور اور گرمی گویا خزانہ ہے۔ مگر اس کا کارخانہ دوزخ وغیرہ ہے۔ جب جنت دوزخ اتنے عرصے سے پیدا ہو چکے تو اب تک وہاں کی ہر چیز پرانی ہو گئی ہو گی۔ حوریں بڑھیا ہو چکی ہونگی سے

ایسی جنت کا کیا کرے کوئی !

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہیں

ج۔ زمانی چیز پرانی ہوتی ہے۔ جو زمانہ سے ورا ہو وہ کبھی پرانی نہیں ہوتی آپ کا جسم پرانا ہو کر بڈھا ہو جاتا ہے۔ مگر روح کبھی بڈھی نہیں ہوتی۔ چاند تارے سورج لاکھوں برس کے ہیں مگر نہ پرانے ہوئے نہ ان کے نور میں کوئی کمی آئی ایسے ہی جنت زمانہ سے وراء ہے لہذا ہر وقت یکساں ہے

س۔ وہاں کی نہریں اور نہروں کی چیزیں دودھ۔ پانی شہد وغیرہ خراب ہو چکا ہو گا۔

ج۔ بگڑنا اور خراب ہونا ان چیزوں میں ہوتا ہے جو مخلوق کی حفاظت میں دیدی جاویں۔ کیونکہ جب محافظ انسان خود فانی ہے۔ تو اس کی حفاظت در محفوظ چیز۔ دونوں فانی۔ جس کا محافظ رب ہو اس کا بگڑنا سڑنا کیا سمندر خواہ میٹھا ہو یا کھاری۔ اس کا پانی لاکھوں برس کا ہے لہذا نہ بگڑا نہ خراب ہوا۔ قرآن رب کی حفاظت میں ہے لہذا نہ بگڑا نہ خراب ہوا۔

س۔ جنت میں حوریں کیوں رکھی گئیں۔ بیویاں اولاد کے لئے ہوتی ہیں جب وہاں اولاد نہیں تو حوروں کی بھی ضرورت نہیں۔

ج۔ بیوی صرف اولاد کے لئے نہیں بلکہ مرد کی خدمت اور دلبستگی، گھر

کی آبادی رونق اس کا اصل مقصود ہے۔ بہت لوگ اولاد سے گھبراتے ہیں مگر بیوی رکھتے ہیں۔ بڑھاپے میں جب اولاد سے ناامیدی ہو جاوے تب بھی بیوی رکھی جاتی ہے۔ حوریں خدمت اور رونق کے لئے ہونگی۔

س۔ جنت میں اولاد سلطنت فوج روپیہ پیسہ کچھ بھی نہیں۔ لہذا وہاں کی نعمتیں ناقص ہیں۔

ج۔ یہ چیزیں دنیا میں نعمتیں ہیں۔ جنت میں مصیبت۔ اولاد دنیا میں اس لئے نعمت ہے کہ موت سامنے ہے۔ سلطنت فوج اس لئے نعمت ہے کہ دشمن کا خطرہ ہے۔ روپیہ پیسہ اس لئے نعمت ہے کہ ہمارے پاس ضروریات زندگی موجود نہیں۔ پیسہ سے خریدی جائیں گی۔ چونکہ وہاں موت نہیں لہذا اولاد نہیں۔ فساد نہیں۔ لہذا سلطنت اور فوج نہیں۔ ناداری نہیں۔ لہذا پیسہ روپیہ نہیں۔

س۔ جنت کے طبقے سات ہیں اور دوزخ کے طبقے آٹھ کیوں ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ جنتی بھی مختلف درجات کے ہیں اور دوزخی بھی۔ جنتی لوگوں میں پیغمبر اور عام مؤمنین یکساں نہیں ہوسکتے۔ ایسے ہی دوزخیوں میں ابوجہل اور دیگر عام کفار یکساں نہیں۔ جیل میں بعض اے کلاس کے قیدی ہیں۔ بعض بی کے۔ بعض سی کے۔ لہذا وہاں تینوں درجے تیار کیے گئے۔

س۔ جب دوزخ میں آگ کا عذاب ہے تو اس کے بعض طبقے ٹھنڈے کیوں ہیں اور ان میں ٹھنڈک کہاں سے آئی۔

ج۔ دوزخ کی گرمی بھی آگ سے ہے اور سردی بھی آگ سے۔ قرب سے تو گرمی ہے اور دوری سے سردی۔ جیسے دنیا میں سورج کے قرب سے گرمی کا موسم بنتا ہے۔ اور اس کی دوری سے سردی کا موسم ایسے ہی خط استوا کی اور دیگر ممالک کی نزدیکی اور دوری سے ہے۔

س۔ جنت و دوزخ میں انسان کے سوا دوسری مخلوق بھی جاویگی یا نہیں؟

ج۔ جنت صرف نیک انسانوں کے لئے ہے اور دوزخ انسانوں اور جنّات کے لیئے۔ ہاں دوزخ میں کفار کے باطل معبود، پتھر، درخت، سورج بھی جائیں گے۔ مگر عذاب پانے کے لئے نہیں بلکہ کافروں کو عذاب دینے اور اپنی بے بسی ظاہر کرنے کے لئے۔

س۔ دوزخ میں فرشتے ہوں گے یا نہیں۔ اگر ہوں گے تو انہوں نے کیا گناہ کیا ہے؟

ج۔ ہونگے مگر عذاب پانے کے لئے۔ بلکہ دوزخیوں کو عذاب دینے کیلئے۔ جیسے جیل میں پولیس کے سپاہی یا جیلر اور داروغہ جیل میں رہتے ہیں۔

س۔ شیطان بھی اگر دوزخ میں گیا تو اُسے عذاب کیا ہوگا۔ وہ جن ہے۔ آگ کی پیدائش ہے۔ آگ کو آگ سے کیا تکلیف؟

ج۔ آگ کو آگ سے تکلیف پہنچ سکتی ہے جیسے اگر کوئی آپ کے سر میں مٹی کا ڈھیلا یا اینٹ مارے تو آپ کو زخم پہنچ جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بھی مٹی ہے اور آپ بھی مٹی کے ہیں۔

س۔ فرشتوں کو جنت کیوں نہیں ملتی وہ بھی تو بڑے عابد ہیں۔

ج۔ ان کے پاس نفس نہیں۔ لہذا انہیں عبادت میں کچھ تکلیف نہیں۔ ان کے لئے عبادت ایسی ہے جیسے ہمارے لئے سانس لینا۔ ثواب عبادت ہوتا ہے نہ کہ عادت کا۔ جزا کے لئے جنت میں پہنچانے والی چیز نفس امّارہ ہے۔ جب اس کے منہ میں شریعت کی لگام ہو۔

س۔ جنّات کے پاس تو نفس ہے پھر ان کے لئے جنّت کیوں نہیں کہ ان سے جو پرہیزگار ہوں وہ جنت میں جاویں۔

ج۔ ان کے پاس عقل نہیں۔ عقل و نفس دونوں کے ساتھ جو عبادت ہو وہ جنت میں پہنچاوے گی۔ گندے کھاد اور پاک پانی سے مل کر کھیت میں پیداوار ہوتی ہے۔ کنوئیں میں گندم پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وہاں

گندا کھاد یا خشک زمین نہیں ہے۔ فقط زمین میں بغیر بارش کھیت نہیں اُگتا کیوں کہ وہاں پانی کی تری نہیں۔

س۔ آخر نیک جنات کا انجام کیا ہو گا ؟

ج۔ جو جانوروں کا انجام ہے کہ انہیں مٹی کر دیا جائے گا حکم ہو گا۔ کُوْنُوْا تُرَابًا۔ عذاب سے بچ جانا ہی ان کا ثواب ہے۔

س۔ جب جنت والوں کے لئے ہمیشگی ہے تو آدم علیہ السلام وہاں سے کیوں آ گئے ؟

ج۔ جب مومن جزا پانے کے لئے وہاں پہنچے گا۔ تب اس کے لئے ہمیشگی ہو گی۔ آدم علیہ السلام کا وہاں ٹریننگ دینے کے لئے تھا تا کہ وہاں کی بناوٹ دیکھ کر زمین کو ایسے ہی آباد کریں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وہاں معراج میں تشریف لے جانا۔ سیر یا معائنہ کے لئے تھا۔ لہذا وہاں سے واپسی ہو گئی۔

س۔ سزا و جزا دنیا ہی میں کیوں نہ دی گئی اتنا دراز اُدھار کیوں رکھا گیا ؟

ج۔ اس لئے کہ دنیا میں نہ کوئی راحت خالص ہے نہ تکلیف۔ یہاں کی تکلیف راحت سے اور راحت تکلیف سے مخلوط ہے۔ اگر کوئی ظاہری تکلیف نہ ہو تو فنا ہونا کافی مصیبت ہے۔ خالص نیکیوں کو خالص راحت خالص بدوں کو خالص تکلیف چاہیئے۔ وہ آخرت میں ہی ہو سکتی ہے۔ نیز اگر سزا جزا دنیا میں ہوتی۔ تو کوئی کافر نہ رہتا۔ ان چیزوں کو پردۂ غیب میں رکھا۔ تا کہ اللہ رسول کا اعتبار کر کے نیک بنے۔ برائیوں سے بچے۔

س۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنتی لوگ خوبصورت تیتیس سالہ جوان ہوں گے۔ اور جہنمی کافر اتنے موٹے ہوں گے کہ ایک داڑھ پہاڑ کے برابر ہو گی۔ یہ جسموں کی تبدیلی تو تناسخ یا آواگون ہے۔ اسلام نے مانا ہے کہ

بعض تو ہیں مسخ ہوئیں۔موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا تھا۔ یہ ہی آداگون ہے۔

ج۔ تبدیلی روح کا نام آداگون ہے۔ یہ ہی منع ہے اور اس کا ماننا کفر ہے۔ یعنی یہ کہ انسانی روح نفس ناطقہ۔ گدھے کی روح یعنی نفس ناطقہ بن جاوے یہ ناممکن ہے کیونکہ روح بسیط ہے۔ ہاں جسم کی تبدیلی وہ دن رات ہوتی رہتی ہے۔ انسان گل کر مٹی بن جاتا ہے پانی اور ہوا آگ بن جاتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں صرف جسم کی تبدیلی ہوگی۔ روح وہی انسانی رہے گی۔ جسم میں مادہ اور صورت ہے تبدیلی کے موقعہ پر مادہ باقی رہتا ہے۔ صورت بدل جاتی ہے۔ جیسے ایک انسان پہلے بچہ تھا کالا تھا۔ اب جوان گورا ہو گیا۔ جہنمی کفار کسی شکل میں ہوں گے مگر سمجھیں گے عقل رکھیں گے لونگے کہ فلاں جرم کی عوض ہمیں یہ سزا ملی۔

س۔ جنت میں عورتیں اجنبی مردوں سے پرہیز کریں گی یا نہیں؟

ج۔ نہیں۔ وہاں کوئی چیز واجب یا حرام نہ ہوگی۔ یہ احکام دنیاوی زندگی کے لئے ہیں۔ اگر وہاں پر وہ فرض ہو تو وہ جگہ عمل کی ہوگئی۔ حالانکہ وہ جگہ صرف جزا کی ہے۔

س۔ تب تو بڑا فساد ہوگا۔ عورت ومرد کا ملنا خطرہ کا باعث ہوتا ہے۔

ج۔ وہاں نفس امارہ فنا ہو جائے گا۔ یہ ہی فساد کراتا ہے۔ انسان کا دل وہی چاہے گا جو رب کو پسند ہو۔ دنیا کی پابندیاں نفس امارہ کی وجہ سے ہیں۔ جب وہ ہی نہ رہا تو پابندی کیسی۔ پرندے کو اسی وقت تک قفس میں رکھتے ہیں۔ جب تک اس کے پر ہیں۔ جب پر ہی کاٹ دیئے گئے۔ تو اب اسے قفس میں رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

معجزات

س۔ اسلام مانتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے۔ یہ قانونِ الٰہی کے خلاف ہے۔ قانونِ قدرت یہ ہے کہ بچہ ماں باپ دونوں کے نطفوں سے بنے۔ اس کے بغیر بچہ بننا ناممکن ہے۔

ج۔ معجزہ یا ارعاص کہتے ہی اسے ہیں جو قانون کے خلاف ہو۔ تب ہی تو مخلوق اس کے مقابلہ سے عاجز ہو گی۔ بلکہ بزرگوں کے ہاتھوں پر خلافِ قانون کچھ باتیں ظاہر ہونا بھی ایک قدرتی قانون ہے۔ بغیر باپ بچہ ہونا غیر ممکن نہیں پہلے انسان حضرت آدم و حوا تو بغیر باپ بنے۔ آپ کے سر کی پہلی جوں چارپائی کا پہلا کھٹمل برسات کے پہلے کیڑے بغیر ماں باپ کے دن رات بنتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ بن گئے تو کیوں انکار ہے۔

س۔ قرآن کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت جبریل علیہ السلام کی سانس سے یا پھونک سے ہوئی۔ سانس کی ہوا سے خاکی انسان کیسے بن سکتا ہے؟

ج۔ عام انسان نطفہ سے اور نطفہ پانی ہے جیسے انسان پانی سے بن سکتا ہے حالانکہ پانی انسان سے بہت دور ہے کہ پانی نہ انسان ہے نہ حیوان۔ نہ جسم نامی ایسے ہی بعض انسان ہوا سے بھی بن سکتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اس لئے خاکی انسان ہوئے کہ حضرت مریم انسان ہیں۔ خاک سے ان کی سرشت ہے۔ لہٰذا آپ ماں کی طرف سے بشر ہیں اور دوسری طرف سے رُوح اسی لئے آپ کو انسان کے ساتھ روح اللہ کا خطاب ملا۔

س۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ کیسے ہیں۔ وہاں کیا کھاتے پیتے ہیں۔

پیشاب یا خانہ کہاں کرنے جاتے ہیں ؟

ج ۔ جیسے آسمان پر فرشتے زندہ ہیں اور اپنے زندہ رہنے میں مادی خوراک وغیرہ کے حاجتمند نہیں ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے ذکر سے زندہ ہیں اور جب مادی غذا کے حاجتمند نہیں تو انہیں انسانی حاجات بھی نہیں۔ آپ اپنی ماں کے پیٹ میں کئی ماہ زندہ رہے۔ بتاؤ وہاں باورچی خانے اور پاخانے کہاں تھے جو رب ۵ ماہ بچہ کو ماں کے پیٹ میں بغیر غذا زندہ رکھ سکتا ہے۔ وہ انہیں وہاں زندہ رکھ رہا ہے۔

س ۔ انسان ماں کے پیٹ میں حیض کا خون بذریعہ ناف کے چوستا رہتا ہے وہ بھی وہاں غذا استعمال کرتا ہے۔

ج ۔ جانوروں کو حیض نہیں آتا۔ ان کے بچے ماں کے پیٹ میں کیا چوستے ہیں۔ مرغ کا بچہ انڈے میں کئی دن زندہ رہتا ہے۔ وہاں ہوا غذا کہاں سے پہنچتی ہے بعض اولیاء اللہ نے برسوں پانی نہیں پیا۔ اور زندہ رہے جب روحانیت جسمانیت پر غالبہ کر جائے۔ تو غذا کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔

س ۔ عیسیٰ علیہ السلام پھونک سے مردہ کیسے زندہ کرتے تھے ؟

ج ۔ جیسے خود جبریل علیہ السلام کی پھونک سے زندہ ہو گئے ویسے ہی اپنی پھونک سے مردوں کو زندہ فرماتے تھے۔

س ۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ کیسے بنتی تھی یہ بھی خلافِ عقل ہے۔

ج ۔ جو عقل کے موافق ہو وہ معجزہ نہیں۔ معجزہ کہتے بھی اسے ہیں جو عقل کو حیران کر دے ہاں ناممکن چیز معجزہ نہیں بن سکتی۔ لاٹھی کا سانپ بن جانا غیر ممکن نہیں۔ بعض دفعہ عورت کے سر کے بال بھی سانپ بن جاتے ہیں۔ خراب غذا پیٹ میں سانپ بن کر نکلتی ہے جیسے گینڈوا کہتے ہیں بعض عورتوں کے سانپ پیدا ہوتے ہیں جن کے مسائل فقہ کی کتب میں ہیں۔

س۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام کیسے کیا کیا یہ بھی عقل میں نہیں آتا؟

ج۔ پیدا ہوتے ہی بولنا بھی ناممکن نہیں۔ انسان کے سوا دیگر مخلوق کے بچے پیدا ہوتے ہی بولتے ہیں۔ بلکہ روزی تلاش کرتے ہیں۔ بہت سے انسان پیدا ہوتے ہی بولے۔ آدم علیہ السلام یوسف علیہ السلام کا شاہد جریج کی گواہی دینے والا بچہ ان سب نے بچپن ہی میں کلام کیا۔ اس زمانہ میں بعض بچے پیدا ہو کر بولے ہیں۔ جو بعض دفعہ اخباروں میں شائع ہوا۔ غرضیکہ یہ معجزہ بھی خلافِ عادت تو ہے خلاف امکان نہیں۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا ان کے بعد دنیا میں رہا یا نہیں؟

ج۔ رہا۔ چنانچہ طالوت کے زمانہ میں جو تابوت سکینہ اترا۔ اس میں جو تبرکات تھے ان میں یہ بھی تھا۔ رب فرماتا ہے: فِيْهِ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ پارہ ۲۔

س۔ ان کے بعد اس عصا میں تاثیر تھی یا نہیں؟

ج۔ نہیں۔ نہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے یہ تاثیر تھی نہ ان کے بعد عصا کے لئے دستِ موسیٰ اور دستِ موسیٰ کے لئے اس عصا کی ضرورت ہے۔ جب یہ دونوں جمع ہوں تب یہ تاثیر ہو۔ آپ کے ہاتھ شریف میں دوسری لاٹھیاں سانپ نہ بنتی تھیں۔ نہ یہ لاٹھی دوسرے کے ہاتھ میں سانپ بن سکی۔ بجلی کی روشنی جب ہی ہوتی ہے جب پاور اور قمقمہ دونوں ہوں۔ اگر قمقمہ لالٹین میں لگا دو یا بجلی کا کنکشن لالٹین کی بتی سے دور کر دو تو کبھی روشنی نہ ہو گی۔

س۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی پتھر سے پیدا ہوئی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

ج۔ مٹی سے دن رات جانور پیدا ہوتے ہیں۔ پتھروں سے درخت سبز پانی کے چشمے نکلتے رہتے ہیں۔ اگر پیغمبر کے معجزے سے ایک جانور نکل آئے تو کیا مشکل ہے بعض پھلوں میں قدرتی کیڑے ہوتے ہیں جیسے گولر ایسے ہی وہ اونٹنی پیدا ہوئی۔

س۔ قرآن نے اسے ناقۃ اللہ کہا کیا رب تعالیٰ اس پر سوار ہوتا تھا؟

ج ۔ اسے ناقۃ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی دو وجہ سے کہا گیا یا اس لئے کہ وہ کسی کی ملک نہ تھی جیسے مسجد کو اللہ کا گھر کہہ دیتے ہیں یعنی اللہ کی چیز مخلوق کا اس پر دعویٰ نہیں ۔ یا اس لئے کہ اسے رب نے براہ راست بلا واسطہ اسباب پیدا فرمایا ۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ یعنی اللہ کی بھیجی ہوئی روح کہا جاتا ہے ۔ یا اس لئے کہ اس اونٹنی سے کوئی دنیاوی کام نہ لیا جاتا تھا ۔

س ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کیسے پھاڑ دیا ۔ زمین سے آسمان پر اثر کیونکر ہو گیا ۔ یہ خلافِ عقل ہے ۔ ایسے ہی آفتاب کا واپس ہونا عقل میں نہیں آتا ۔

ج ۔ رب کو یہ بھی کچھ مشکل نہیں ۔ آسمان پر سورج ہے لیکن آتشی شیشہ سے اس کی شعاعیں کپڑا جلا دیتی ہیں ۔ جب سورج کا نورانی دور سے کپڑا جلا سکتا ہے تو مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کا نور آسمان پر چاند بھی پھاڑ سکتا ہے ۔ مسمریزم والا نور نگاہ کے ذریعہ دور سے شیشہ توڑ سکتا ہے ۔ چیزیں کھینچ لیتا ہے ۔ اگر مسمریزم والے کی نگاہ دور سے بھاری چیز کھینچ سکتی ہے تو نگاہِ پاک مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم دور سے آفتاب کو بھی کھینچ سکتی ہے ۔ مقناطیس لوہا کھینچتا ہے ۔ آج سائنس کے ذریعہ ہزارہا کرشمے دیکھنے میں آ رہے ہیں ۔ یہ سب مادی طاقتیں ہیں تو نوری طاقت تو کہیں اعلیٰ ہے ۔

س ۔ حضور علیہ السلام معراج میں کیسے پہنچے ۔ راستہ کے سرد و گرم طبقے کیسے طے کئے ۔ آسمان میں دروازہ نہیں ہے ۔ اس میں کیونکر داخل ہوئے ۔ اتنا دور دراز سفر چند سیکنڈ میں کیسے طے کیا ۔ یہ خلافِ عقل ہے ۔

ج ۔ اس سائنس کے زمانہ میں معراج کا انکار حماقت ہے ۔ حضور عین نور ہیں ۔ ہمارا نورِ نظر عینک کے شیشہ سے بغیر دروازہ پار ہو جاتا ہے ۔ آسمانوں کو چیرتا ہوا ساتوں آسمانوں کے تارے دیکھ لیتا ہے نہ آگ کے کرہ سے جلتا ہے نہ زمہریر سے ٹھنڈا پڑتا ہے آج ٹیلیگراف اور بجلی ایک سیکنڈ میں ہی ہزارہا میل طے کر لیتا ہے ۔ یہ کرشمے آگ کے ہیں تو نور کی طاقت اس سے زیادہ ہے ۔

معراج کی رات نورانیت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہے۔

س۔ لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم عالم کے ذرّہ ذرّہ کی خبر رکھتے ہیں یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مدینہ میں بیٹھ کر تمام جہان کو دیکھیں۔

ج۔ فرشتوں اور نبیوں کو رب نے عالم کا انتظام سپرد کیا ہے اس لئے انہیں علم اور قوت بخشی ہے تاکہ انتظام درست رکھ سکیں۔ ریلوے میں ایک افسر ہوتا ہے جسے کنٹرولر کہتے ہیں۔ وہ ایک کمرہ میں بیٹھ کر ہر گاڑی کی خبر رکھتا ہے۔ اور ساری گاڑیوں کا کنٹرول کرتا ہے۔ ایک تختہ اس کے سامنے ہوتا ہے جس میں بجلی کے ذریعہ ہر گاڑی کی حرکت اسے معلوم رہتی ہے۔ لاہور کا کنٹرولر پشاور سے کراچی تک کی تمام گاڑیوں پر ایک وقت ایسی نظر رکھتا ہے کہ سبحان اللہ! اگر دنیا کا اعلیٰ کنٹرولر مدینہ پاک کے حجرہ میں تشریف رکھ کر دنیا کے ذرّہ ذرہ کی خبر رکھے تو کیا مشکل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے نہاوند کی فوج کی کمان فرما سکتے ہیں۔ تو جس سورج کے یہ ذرہ ہیں ان کے علم کا کیا حال ہونا چاہیئے۔

س۔ احادیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہوا۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے ؟

ج۔ تعجب ہے کہ سائل یہ تو مان لیتا ہے کہ پتھر سے پانی کی نہریں اور دریا نکلتے ہیں۔ ۔ مٹی کی تہ کی سے پانی نکلتا ہے۔ حالانکہ پتھر نہایت سخت ہے اور مٹی بالکل خشک ہے۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نازک نرم نرم انگلیاں اگر پانی بہا تو کیوں انکار ہے۔ معجزہ بالکل حق ہے۔

س۔ اچھا وہ پانی کیونکر نکل آیا۔ کہیں سے آیا یا وہاں ہی بنا ؟

ج۔ یہ تو رب ہی جانے۔ سمجھ میں تین صورتیں آتی ہیں۔ یا تو اس وقت اس پیالہ کا کنکشن حوض کوثر سے کر دیا گیا۔ وہاں کا پانی انگلیوں سے ابلا۔ جیسے واٹر ورکس کا پانی ہمارے گھر میں نل سے نکلتا ہے یا آس پاس کی

ہوا انگلیوں مبارکہ سے مَس ہو کر پانی بن گئی۔ جیسے ٹھنڈے گلاس یا ہانڈی کی چینی سے ہوا لگ کر پانی بن جاتی ہے۔ یا رب نے اپنی قدرت سے وہاں ہی پانی پیدا فرمایا۔ جیسے پتھروں اور کنوئیں کے ساتھ کی مٹی کہ ان سے وہاں ہی پانی بن کر پھوٹتا ہے۔

س۔ حضور نے کنکروں، درختوں، جانوروں سے اپنا کلمہ کیسے پڑھوا لیا۔ ان میں تو بولنے کی طاقت ہی نہیں۔

ج۔ یہ بھی ناممکن نہیں۔ موجودہ سائنس مانتی ہے کہ درخت بولتے ہیں۔ قرآن بھی شاہد ہے کہ ہر چیز رب کی تسبیح کرتی ہے۔ آج لوہا تانبا بول رہا ہے۔ ریل سیٹی دیتی ہے۔ فوٹوگراف کا ریکارڈ ایک سوئی لگانے سے صاف گانے گاتا ہے۔ اگر نبوت کے حکم سے یہ چیزیں بول پڑیں۔ تو کیا تعجب ہو سکتا ہے؟ *

س۔ اس کلام کی کیا صورت تھی آیا انہیں بلوایا گیا۔ یا وہ بول رہے تھے لوگوں کو منوایا گیا۔

ج۔ دونوں صورتیں ہوئی ہیں۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ وہاں تسبیح پہلے سے ہو رہی تھی۔ ان کے کانوں کو سُنا دی گئی۔ ستون خانہ حضور کے فراق میں رویا۔ اور عرض و معروض کیا فیدی ہرنی نے حضور سے فریاد کی۔ اونٹوں نے حضور سے مالک کی شکایت کی۔ یہاں اس وقت میں یہ کلام ان سے جاری ہوا۔ یہ دونوں معجزے ہیں۔

س۔ کیا جسم پاک مصطفٰے علیہ السلام بے سایہ تھا یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ جسم کا سایہ ضروری ہے؟

ج۔ نورانی اور لطیف جسموں کا سایہ اب بھی نہیں ہوتا۔ ہوا کا سایہ نہیں کیونکہ لطیف ہے گیس کی روشن بتی چراغ کی لَو کا سایہ نہیں کیونکہ یہ نورانی ہے۔ زیادہ صاف شیشہ کا سایہ نہیں پڑتا۔ کیونکہ شفاف ہے۔ کرۂ نار یہ میں

جو آگ ہے اس کا سایہ نہیں۔ حالانکہ ان کی نورانیت کا کروڑواں حصہ بھی نہیں سورج وچاند تاروں کا سایہ نہیں تو مدینہ کے چاند کا سایہ کیوں ہو؟

س۔ تواریخ میں ہے کہ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر اُمت کے لئے شفاعت کی۔ تو زائیدہ بچہ سجدہ کرنا بات کرنا رب کی حمد وثنا کیا جانے؟

ج۔ ہمارے عام بچے ناسمجھ پیدا ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو آفتابِ رسالت ہیں۔ حضور کی اُمت میں بعض بچے پڑھے ہوئے پیدا ہوئے ہیں نے خود اجمیر شریف کی ۵ سالہ بچی دیکھی جو مکمل قرآن کی حافظہ تھی۔ اس کا نام آمنہ بی تھا۔ پھر کاٹھیاواڑ میں اس کی بہن غالباً ۳ سالہ بچی کی زیارت کی جسے قرآن نہایت اعلیٰ درجے کا یاد تھا۔ اس کی دائی کا بیان تھا۔ کہ یہ حافظہ پیدا ہوئی جو سب کو سکھانے آتے ہیں وہ رب سے سیکھ کر آتے ہیں۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے رب کے عابد وساجد تھے۔ وہ عبادت وسجدے اپنے الہام سے کئے اور ان الہام بعد والی وحی کے مطابق ہوئے۔ (دیکھو شامی)

س۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کیسے گلزار بن گئی آگ تو گلزار کو جلا دیتی ہے

ج۔ اللہ کے حکم سے دیکھو پارس سے لوہا چھو کر سونا بن جاتا ہے بعض جڑی بوٹیوں کے عرق سے مس ہو کر تانبا سونا اور قلعی چاندی بن جاتی ہے۔ ایسے ہی آگ حضرت خلیل سے مس ہو کر پھول بن گئی تھی۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام پر ساحروں کا جادو نہ چلا حضور پر جادو کیوں ہو گیا

ج۔ وہاں جادو معجزہ کے مقابلہ میں کیا گیا۔ لہٰذا فیل ہو گیا۔ یہاں مقابلہ نہ تھا بلکہ چور کی طرح جادوگر نے عمل کیا۔ جس کا اثر بحکم بشریت کچھ ہو گیا۔ جیسے بعض پیغمبر شہید ہوئے تو تلوار کا اثر ان کے اجسام بشری پر ہو گیا۔

مسئلہ تقدیر

س۔ تقدیر کے معنی کیا ہیں اور اسے تقدیر کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ تقدیر قدر سے بنا۔ بمعنی اندازہ اور تقرر۔ تقدیر کے معنی ہیں اندازہ لگانا یا مقرر کرنا۔

س۔ تقدیر کی حقیقت کیا ہے؟

ج۔ تقدیر رب کے اس علم کا نام ہے جو عالم کے احوال کے متعلق ہے۔ رب کو علم تھا کہ فلاں بندہ اپنی زندگی میں فلاں فلاں کام کرے گا۔ یہ اس کی تقدیر ہوئی۔ اسی علم کو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا۔ یہ اس کی تقدیر کی تحریر ہوئی۔ پھر بندے نے ویسے ہی اعمال کئے جو نامۂ اعمال میں لکھ لیے گئے۔ یہ تقدیر کا نتیجہ ہوا۔

س۔ جب علم الٰہی میں سب کچھ آچکا اور اس کے خلاف ہونا ناممکن ہے تو چاہیئے کہ بندہ گنہ گار نہ ہو کہ اس نے وہی کیا جو پہلے لکھا جا چکا تھا بندہ مجبور ہے۔

ج۔ جیسے بندہ نیکی کر کے ثواب کا مستحق ہے۔ ایسے ہی بدی کر کے عذاب کا بھی۔ رب کے علم اور تحریر سے بندہ مجبور کیسے ہو گیا۔ مجبور وہ ہے جس سے بے ارادہ کچھ ہو جائے۔ جیسے رعشہ کی حرکت یا بلا قصد گر پڑنا۔ جو کام ارادے سے ہو۔ وہ اختیاری کہلاتا ہے۔ اور بندہ مختار ہے۔ رب کے علم میں یہ تھا کہ بندہ اپنے اختیار و ارادے سے یہ کام کرے گا۔ اسی کی تحریر ہوئی۔ رب نے نہ اس گناہ کا حکم دیا نہ اس سے راضی ہوا۔

س۔ ارادہ الٰہی کے مطابق واقع ہونا واجب ہے اور واجب میں بندے

کا اختیار نہیں ہوتا۔ جب کفر ابلیس کا ارادہ رب کا ہو چکا تو کفر ضروری ہو گیا۔ پھر اختیار کہاں ؟

ج ۔ کفر کے ساتھ ارادہ کفر بھی واجب ہو گیا یعنی ضروری ہو گیا کہ ابلیس ارادہ کر کے کافر بنے چونکہ کفر ارادہ کے ساتھ ہوا۔ لہٰذا کفر اختیاری رہا۔

س ۔ جب رب نے بندوں کے گناہوں کا ارادہ کیا تو ان گناہوں سے راضی ہوا۔ ورنہ ارادہ ہی کیوں کرتا۔ اور جس کام سے رب راضی ہو وہ گناہ نہیں تو گناہ گناہ نہ ہوا۔

ج ۔ ارادہ۔ حکم اور رضا علیحدہ چیزیں ہیں۔ ارادہ کو رضا اور حکم لازم نہیں رب نے ذبح اسمٰعیل کا حکم دیا مگر ارادہ نہ کیا۔ ابوجہل کو اسلام کا حکم تھا مگر ارادہ نہ تھا۔ ایسے ہی ابوجہل کے اسلام سے رب راضی مگر اس کا ارادہ نہیں فرمایا۔

س ۔ قرآن کہتا ہے۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رب کے بغیر چاہے تم کچھ چاہ بھی نہیں سکتے۔ پھر ہم مختار کیسے ؟

ج ۔ بے شک ہم چاہنے میں غیر مختار رہے مگر اس فعل میں تو مختار ہوئے۔ مثلاً زید قتل کرے گا۔ رب ارادہ فرما چکا تو یقیناً زید ارادہ سے ضرور قتل کرے گا۔ تو زید ارادہ قتل میں مجبور ہوا۔ مگر فعل قتل میں مختار رہا۔ کیونکہ وہ ارادے سے ہے۔ اور سزا قتل کی ہے نہ کہ ارادہ قتل کا اگر یہ نہ ہو تو رعشہ کی جنبش اور ہاتھ ہلانے میں فرق نہ ہوا اور انسان محض پتھر بن کر رہ جائے۔

س ۔ انسان تو غیر مختار ہی معلوم ہوتا ہے۔ واقعی پتھر اور انسان ارادہ الٰہی میں برابر ہی ہیں۔

ج ۔ تعجب ہے کہ بے عقل گنا تو پتھر میں اور تم میں فرق کرے کہ اگر تم گنے

کو پتھر مارو تو وہ تمہیں کاٹتا ہے نہ کہ پتھر کو اور تم غافل ہو کر فرق نہ کرو۔ اور یہ بھی محض کہنے کی بات ہے۔ ورنہ تم ظالم پر مقدمہ کیوں کرتے ہو۔ سمجھ لو کہ وہ پتھر کی طرح ستا رہا ہے۔ پتھر پر کوئی مقدمہ نہیں کرتا۔ تم بھی ظالم سے بدلہ نہ لو۔

س ۔ رب فرماتا ہے جسے خدا گمراہ کرائے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ جب رب گمراہ کرے دلوں پر مہر لگائے پھر بندہ بالکل بے قصور ہے۔ اندھا۔ بہرہ۔ دیوانہ۔ نہ دیکھنے نہ سننے۔ نہ سمجھنے میں بالکل بے قصور ہے۔ اندھا۔ بہرا۔ دیوانہ۔ نہ دیکھنے نہ سننے۔ نہ سمجھنے میں بالکل بے قصور ہوتا ہے۔

ج ۔ ان آیات میں خَتَمَ اللّٰہُ کے معنی تو ظاہر ہیں کہ ان کفار نے کفر کر کے ایمان اور دیگر نیکیوں سے دور رہ کر اپنے قلب کو ایسا سیاہ کر لیا کہ آئندہ اس کا نیکی کی طرف مائل ہونا مشکل ہو گیا۔ اسی کو مہر یا ختم کہتے ہیں اس ختم میں ان مجرموں کے جرموں کا بڑا دخل ہے۔ جو کوئی خود اپنی آنکھ پھوڑے کان پھاڑ کر بہرا بن جاوے یا خودکشی کر لے۔ تو اس کے اندھے پن یا موت کا خالق تو رب ہی ہے۔ مگر وہ بھی یقیناً مجرم ہے جیسے حلق پر تلوار پھیر لینا اپنی موت کا سبب ہے۔ ایسے ہی زیادتی گناہ دل کا لاہونے کا سبب۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ ان کے بد اعمال نے ان کے دلوں کو زنگ آلود بنا دیا۔ یہاں مہر اور رین کا فاعل گناہوں کو قرار دیا۔ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ میں گمراہی کی طرف اس لیے نسبت کیا گیا۔ کہ وہ اس کا خالق ہے۔ یا اس کی خبر دے چکا ہے۔ لہذا گمراہی کا سبب بندہ ہے۔ اور رب خالق۔ مطلب یہ ہوا کہ جس کی گمراہی رب کے علم میں آ چکی یا جس پر اس کے اعمال کی وجہ سے گمراہی پیدا کر دی اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

س۔ بندہ مطلق مختار ہے یا مطلق مجبور اگر مختار ہے تو رب کا ارادہ بیکار۔ اگر مجبور ہے تو معذور ہے۔

ج۔ نہ مطلقاً مختار ہے نہ مطلقاً مجبور کسب میں مختار اور خلق میں مجبور ہے۔ کسب کہتے ہیں۔ اسباب جمع کرنے کو خلق کہتے ہیں۔ نیستی سے ہستی بخشنا۔ بکری کے حلق پر چھری چلا دینا۔ یہ موت کا کسب ہے۔ اور موت دینا یہ خلق۔ پہلے میں بندہ مختار ہے دوسری چیز میں مجبور ہے

س۔ رب نے شیطان کو پیدا ہی کیوں فرمایا جو گناہوں کی جڑ ہے۔

ج۔ شیطان دنیا کا معمار ہے اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا میں کچھ نہ ہوتا۔ کیونکہ پھر پولیس۔ فوج۔ کچہری۔ حتیٰ کہ بادشاہ وغیرہ سب بے کار تھے۔ جب کوئی مجرم اور فسادی نہ ہوتا تو ان محکموں کی ضرورت کیا تھی۔ بلکہ پھر انبیاء کرام کی تشریف آوری اور تبلیغ کی بھی کیا ضرورت تھی۔ دوزخ اور ملائکہ عذاب بھی بے کار تھے۔ خدا کی صفات بمعنی غفاری۔ ستاری۔ جباری۔ قہاری کا ظہور بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ صفات بندوں کے گناہوں سے ظاہر ہوتے ہیں بلکہ پھر آدم علیہ السلام نہ گندم کھاتے نہ زمین پر تشریف لاتے نہ دنیا بستی۔

غور سے معلوم ہوتا ہے کہ گرم سرد پاک ناپاک اچھی بری چیزوں سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو دنیا ختم ہے۔ گندہ کھاد پاک پانی سے دانہ بنتا ہے۔ گرم ٹھنڈی طاقت سے بجلی بنتی ہے بھوک اور سیری سے دنیا قائم ہے۔

س۔ پھر تو شیطان بڑی اچھی چیز ہے اسے لعنت کیوں کرتے ہیں ؟

ج۔ نہیں شیطان تو برا ہے۔

س۔ جب شیطان موجود نہ ہوا تھا تو زمین پر بسنے والے جنات نے فساد کیوں کیا۔ انہیں کس نے بہکایا۔ اور خود شیطان کو کس نے بہکایا۔

ج ۔ ان کے نفس امارہ نے، دیکھو رمضان میں شیطان قید ہوتا ہے۔ مگر گناہ پھر بھی ہوتے ہیں۔ نفس کی وجہ سے نفس شیطان سے زیادہ خطرناک ہے۔ ہم کو گمراہ نفس ہی کرتا ہے۔ شیطان تو نفس کو بری راہ دکھا کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔

س ۔ انسان فرشتوں سے افضل کیوں ہے۔ فرشتہ نفس و شیطان سے محفوظ اور گناہوں سے معصوم ہیں۔

ج ۔ انسان ایسی عبادتیں کر سکتا ہے جو فرشتوں سے نہیں ہو سکتیں روزہ۔ زکوٰۃ حج۔ صبر۔ شکر فرشتے نہیں کر سکتے کیونکہ وہ کھانے پینے سے پاک ہیں۔ پھر ان عبادات میں سے ہر ایک میں صدہا عبادتیں ہیں۔ روزے میں کھانا۔ پینا۔ جماع۔ غیبت۔ جھوٹ وغیرہ چھوڑنا یہ پانچ عبادتیں ہوئیں۔ افطار سحری۔ تراویح۔ اعتکاف وغیرہ یہ بھی پانچ۔ ایسے ہی حج و زکوٰۃ کو سمجھ لو۔ اور جو عبادتیں فرشتے اور انسان میں مشترک ہیں جیسے اللہ کا ذکر اور نماز ان میں انسان اعلیٰ ہے۔ کیونکہ مقرب فرشتوں میں سے کوئی صرف قیام میں ہے کوئی رکوع میں کوئی سجدہ میں۔ ایسے ہی جانوروں کا حال ہے۔ مگر انسان کی نماز میں یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ پھر انسان مسجد آ کر عبادت۔ گھر پہنچ کر دنیاوی انتظام کرتا ہے۔ لہٰذا یہ مقرب بھی ہے اور مدبرات امر بھی اسی لئے نبوت صرف انسان کو ملی۔ پھر انسانوں کو عبادت سے روکنے والی لاکھوں چیزیں ہیں۔ فرشتوں کے لئے کچھ نہیں۔ لہٰذا اس کی تھوڑی عبادت بھی زیادہ ہے۔ ان وجوہ سے انسان فرشتہ سے افضل ہے۔

س ۔ شریعت میں کوئی دن منحوس ہے یا نہیں ہے؟

ج ۔ نہیں۔ ہاں بعض دن بعض کاموں کے لئے زیادہ موزون ہیں۔ اتوار باغ لگانے۔ مکان بنانے کھیت بونے کے لئے زیادہ موزون ہے کیونکہ

اسی دن جنت کا باغ لگا۔ سوموار تجارتی سفر کے لئے بہتر ہے کہ اسی دن حضرت شعیب علیہ السلام نے تجارت کا پہلا سفر کیا جس میں بہت نفع ہوا۔ سہ شنبہ کو فصد لینا اپریشن یا حجامت کرنا بہتر نہیں۔ یہ دن خون کا ہے۔ اس دن یہ کام کرنے سے برص کا اندیشہ ہے اسی دن حضرت حوّا کو خون آیا۔ ہابیل کا قتل ہوا۔ حضرت زکریا یحیٰی علیہ السلام اور جرجیس اور فرعون کے جادوگر حضرت آسیہ قتل کئے گئے۔ بدھ کا آخری حصہ علم شروع کرنے کے لئے بہتر ہے۔ جمعرات کا دن اُمراء وسلاطین سے ملنے اور مقدمہ دائر کرنے کے لئے بہتر ہے کہ اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے مناظرہ میں فتح پائی۔ جمعہ کا دن نکاح کے لئے بہتر ہے کہ اسی دن حوّا کا حضرت آدم علیہ السلام سے زلیخا کا یوسف علیہ السلام سے اور بلقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

(روح البیان سورہ یونس آیت فی سنۃ الایام)

س۔ جب ہر چیز تقدیر میں آچکی۔ تو دعائیں کیوں مانگی جاتی ہیں۔ جو ہونا ہے وہ خود ہو جائے گا۔

ج۔ دُعا مانگنا بھی تقدیر میں آچکا ہے کہ بندہ یہ دعا کرے گا۔ تب یہ نعمت پائے گا۔ اسی لئے بیماری کی دوا۔ رزق کے لئے روزگار، بیمار سے پرہیز کروائے جاتے ہیں۔ کہ اگرچہ صحت ورزق سب مقدر ہے۔ مگر یہ اسباب بھی تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔

س۔ کیا تقدیر میں تبدیلی ہو سکتی ہے اگر ہو سکتی ہے تو اس کے کیا معنی؟ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ اگر نہیں ہو سکتی تو اس حدیث کا کیا مطلب

کہ دُعا قضا کو بدل دیتی ہے۔ یا داوٗد علیہ السلام کی عمر ۶۰ سال تھی۔ لیکن آدم علیہ السلام کی دُعا سے سو سال ہو گئی یا صدقہ عمر بڑھاتا ہے۔

ج۔ تقدیر جو علم الٰہی ہے اس میں تبدیلی ناممکن ہے۔ اس کا نام قضا مبرم ہے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے اور تقدیر جو اعلام الٰہی ہے جس کا فرشتوں میں اعلان ہوتا ہے۔ اسے قضا معلّق کہتے ہیں۔ ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ ان احادیث میں اسی تقدیر کا ذکر ہے۔ اس کے لئے یہ آیت ہے۔ یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ۔

س۔ جب بعض ارواح جنتی بعض دوزخی پیدا ہوئی ہیں تو اعمال کی کیا ضرورت ہے۔ ہر رُوح اپنے مقام پر پہنچ جائے گی۔

ج۔ رُوحوں کے جنتی دوزخی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ رب کو یہ علم ہے کہ فلاں رُوح بخوشی نیکیاں کر کے جنت میں اور فلاں کر کے دوزخ میں جاوے گی۔ مگر جنتی دوزخی ہونا اعمال سے ہو گا۔ اور عمل۔ عامل کے ارادے سے عمل بیج کی طرح ہیں کہ کسان نہ تو بیج سے بے پرواہ ہے اور نہ ہی بیج پر اعتماد کر سکتا ہے۔ اگر وقت پر بارش اور دھوپ پہنچے اور درخت آفات سے محفوظ رہے تو دانہ میسّر ہو ایسے ہی نہ تو اعمال سے ہمیں بے پرواہی ہے نہ ان پر پورا اعتماد۔ اعمال ہوں۔ رب خرابی خاتمہ سے محفوظ رہیں اور قبولیت کی ہوا چلے۔ تب جنت دیکھنا نصیب ہو غرض عمل کرتے رہو ڈرتے رہو۔

س۔ تو چاہیئے کہ نیکیوں کے بغیر کوئی جنتی دوزخی نہ ہو سکے کیونکہ بغیر بیج درخت ہو سکتا ہی نہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کے بچے دیوانہ بعض بدعمل مومن جنتی ہوں گے۔ جنت بھرنے کے لیے ایک قوم پیدا کی جائے گی۔ بعض کے نزدیک مشرکین کے بچے دوزخی ہیں۔ حالانکہ انہوں نے

کفر نہیں کیا۔

ج۔ عمل بیج کی طرح اس کے لئے ہیں۔ جسے عمل کا موقعہ ملے جو موقعہ نہ پائے۔ اس کا حکم دوسرا ہے۔ بعض درخت تخمی ہوتے ہیں بعض قلمی بعض خودرو۔ مومن تخمی جنتی ہے۔ اس کے فوت شدہ بچے قلمی جنتی۔ اور وہ جنتی قوم جو جنت بھرنے کے لئے پیدا ہوگی اعمال سے خودرو جنتی غرض جنت تین طرح حاصل ہوگی اعمال سے کسی وراثت سے (میراثی) محض فضل سے

س۔ کافر اور سرکش انسان شیطان سے بہتر ہے یا بدتر ؟

ج۔ بعض وجہ سے بدتر۔ شیطان ناری ہے انسان خاکی۔ انسان کو چاہیے کہ اس میں انکسار و تواضع ہو۔ اس کی سرکشی سرشت کے خلاف ہے۔ شیطان مشرک نہیں وہ مشرک ہے۔ جتنے گناہ وہ انسان کر لیتا ہے۔ اتنے شیطان بھی نہیں کر سکتا۔ رب کی بارگاہ میں شیطان جھوٹ نہ بولا۔ اس نے منافقت کی باتیں نہ کیں عرض کیا لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ٥ مگر سرکش انسان رب کی بارگاہ میں بھی جھوٹ اور منافقت سے باز نہیں آتا۔ انبیاء اولیاء کی قوت و عصمت کا وہ بھی قائل ہے۔ اس لئے اس نے کہا تھا۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ تیرے خالص بندوں کو نہ بہکا سکوں گا۔ مگر بے دین آدمی انبیاء اولیاء کی عظمت و عصمت کا انکار کر جاتا ہے شیطان اپنے کو گمراہ مانتا ہے۔ اس لئے اس نے کہا۔ رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِيْ۔ مگر کافر کفر کر کے اپنے کو ہدایت پر جانتا۔ تفسیر کبیر نے فرمایا۔ کہ شیطان ہر دین کے مسئلہ سے واقف ہے۔

س۔ جب خدا کے علم میں تھا کہ آخر کار شیطان گمراہ ہو جائے گا تو اسے پہلے اتنی عظمت کیوں دی۔ علم و عبادت اور ملائکہ میں رہنا۔

ج۔ تاکہ قیامت تک علماء عابدین، زاہدین کو عبرت ہو کہ مخالفتِ انبیاء سے علم و عمل سب برباد ہو جاتا ہے۔

س۔ نبیوں ولیوں کو خوف ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو ایمان کیسے حاصل ہوا۔ ایمان تو خوف و اُمید کے درمیان ہے۔ اگر ہوتا ہے تو اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ہ

ج۔ خوف کی تین نوعیتیں ہیں۔ رب پر بے اعتماری کی وجہ سے کہ نہ معلوم وہ اپنے وعدے پورے کرے یا نہ کرے۔ یہ کفر ہے۔ کسی مومن کو بھی یہ خوف نہیں ہوتا۔ اپنے پر بے اعتمادی کی وجہ سے۔ نہ کہ معلوم مرتے وقت ایمان تقویٰ قائم رہے یا نہ رہے۔ یہ ہم جیسے گنہگاروں کو ہے۔ خاص اولیاء اور انبیاء اس سے محفوظ ہیں۔ جن کے جنتی ہونے کا وعدہ ہو چکا۔ رب کی ہیبت اور رعب دربار یہ انبیاء اولیاء کو بہت زیادہ ہے جتنا قرب زیادہ اتنی ہی ہیبت زیادہ۔

متفرق مسائل

س۔ عربی سال ذی الحجہ پر ختم اور محرم سے شروع ہوتا ہے۔ ان مہینوں میں کیا مناسبت ہے۔ ہجرت ربیع الاوّل میں ہوئی تو چاہیئے تھا کہ ہجری سنہ ربیع الاوّل سے شروع ہوا کرے۔

ج۔ اسلام کی ہر چیز کی بنیاد عبادت اور قربانی پر ہے۔ ہولی دیوالی میں کھیل کود ہے۔ مگر عید بقر عید میں عبادت و قربانی۔ چونکہ ذی الحجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کی قربانی پیش فرمائی۔ اور محرم میں بہت سے پیغمبروں نے قربانیاں پیش کیں۔ اسی محرم میں امام حسینؓ کی بھی قربانی ہونے والی تھی۔ لہذا اسلامی سال قربانی کے

مہینہ پر ختم ہوتا ہے۔ اور قربانی کے مہینہ سے شروع۔ تاکہ معلوم ہو کہ مومن کی ابتدا زندگی بھی قربانی پر ہے اور انتہا بھی۔

س۔ فقہا نے اور احادیث نے بہت سے شرعی حیلے سکھائے۔ حالانکہ بنی اسرائیل نے ہفتہ کے دن شکار کا حیلہ کیا۔ سب بندر بنا دیئے گئے۔ معلوم ہوا کہ حیلہ کرنا سخت حرام ہے۔

ج۔ جیسے بنی اسرائیل پر یہ عذاب تھا کہ ان پر حلال چیزیں جیسے حلال جانوروں کی چربی حرام کر دی گئی۔ ایسے ہی یہ بھی عذاب تھا۔ کہ انہیں حیلہ کرنا حرام کر دیا گیا۔ نیز حیلہ کی دو صورتیں ہیں۔ خواہش نفسانی کے لئے یہ اب بھی منع ہے اور ضرورت شرعی پوری کرنے کے لئے وہ حلال ہے۔ بنی اسرائیل کا حیلہ پہلی قسم کا تھا۔

س۔ جمعہ کو جمعہ کیوں کہتے ہیں۔ اور ہفتہ کو یوم السبت اتوار کو یوم الاحد کہنے کی کیا وجہ ہے؟

ج۔ دنیا پیدا کرنے کی ابتدا اتوار کے دن ہوئی۔ لہٰذا اس کا نام یوم الاحد یعنی پہلا دن ہوا۔ بعد کے دنوں کے نام ترتیب وار ہوئے یعنی سوموار کو یوم الاثنین یعنی دوسرا دن اور منگل کو یوم الثلثا۔ یعنی تیسرا دن کہا گیا۔ جمعہ کو جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جمع سے بنا بمعنی جمع ہونا۔ اس دن دنیا کی پیدائش مکمل ہوئی اور تمام چیزیں وجود میں جمع ہو گئیں۔ یا اس لئے کہ اسی دن آدم علیہ السلام کے اجزاء عنصر یہ جمع ہوئے۔ نیز امت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اس دن جمع ہو کر نماز جمعہ پڑھتی ہے۔ نیز قیامت اس دن قائم ہو گی۔ جس میں تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے۔ لہٰذا اسے جمعہ کہا گیا۔ ہفتہ کو یوم السبت اس لئے کہتے ہیں کہ سبت کے معنی ہیں خالی۔ چونکہ یہ دن خلق سے خالی رہا۔ جمعہ کو

تخلیق مکمل ہو چکی تھی۔ لہذا اس کا نام یوم السبت یعنی خالی دن رکھا گیا
ہفتہ میں جمعہ کے دن کام کی ایک دن چھٹی اس لئے ہوتی ہے۔

س۔ تو چاہیئے کہ یا تو ہفتہ کو تعطیل ہوا کرے۔ کیوں کہ رب نے یہ دن خالی
رکھا یا اتوار کو۔ کیونکہ اس دن دنیا کی تخلیق شروع ہوئی۔ وہ خوشی
کا دن ہے۔

ج۔ اتوار کا دن عالم کی بنیاد رکھنے کا دن ہے اور جمعہ کا دن آدم علیہ السلام
کی پیدائش اور عالم کی تکمیل کا دن ہے۔ لہذا خوشی منانے چھٹی
کرنے کے لائق یہ ہی دن ہے۔ مکان کی بنیاد رکھنے کی خوشی نہیں
منائی جاتی۔ بلکہ مکان مکمل ہونے کی۔ چونکہ دنیا کی تکمیل اور نسلِ
انسانی کی ابتدا جمعہ کے دن ہوئی۔ لہذا وہی ہفتہ کا پہلا دن ہوا۔ اور وہ
ہی عبادت کے لئے خالی رکھا گیا۔

س۔ رب فرماتا ہے کہ دنیا فقط کُن کہہ دینے سے پیدا ہوئی۔ پھر چھ دن
میں پیدا ہونے کے کیا معنی؟

ج۔ چھ دن میں پیدا ہوئی۔ مگر کُن فرمانے سے کُن فرمانا پیدائش کی نوعیت
ہے اور چھ دن پیدائش کا زمانہ آج کے کُن سے آسمان بنا۔ کل کُن
فرمایا تو زمین بنی۔ مادہ صورت اور ہتھیاروں کی ضرورت پیش نہ آئی۔

س۔ جب پہلے سورج ہی نہ تھا تو چھ دن کیسے مقرر ہوئے۔

ج۔ مراد چھ دن کی مقدار ہے یعنی اتنا وقت صرف فرمایا گیا کہ اگر سورج
ہوتا تو چھ دن ہوتے۔

س۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی پیروی کی کیا ضرورت ہے۔ کیا
ہدایت کے لئے پیغمبر کافی نہیں۔

ج۔ اہل بیت امت کی کشتی ہیں۔ اور صحابہ کرام قطب نما۔ سمندر
میں دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ حضرات اسلام کی صف

اوّل ہیں ہی ہیں۔ جنہیں امام کی ہر حرکت معلوم ہے۔ ہم لوگ صف اخیر میں۔ ان کے خبر دینے سے ہمیں حضور کے حالات معلوم ہوں گے اگر ان کی نماز یا ایمان غلط ہے تو ہمارا ایمان کیسے صحیح ہوسکتا ہے وہ حضرات اسلام کی ریل کا پہلا ڈبہ ہیں جو انجن سے ملا ہوتا ہے۔ ہم لوگ آخری ڈبے جس کا انجن سے تعلق پہلے ڈبے کے ذریعے ہوتا ہے اگر وہ حضرات ہی انجن سے کٹ کر رہ گئے۔ منزل مقصود پر پہنچے تو ہم کیسے پہنچ سکتے ہیں ہمارا حضور سے تعلق تو انہی کے ذریعے سے ہے۔ ہماری نجات ان ہی کی طفیل ہے۔

س۔ روافض کہتے ہیں کہ خلافت معصومین کو ملنی چاہیئے تھی۔ بارہ امام معصوم ہیں۔ لہٰذا وہ ہی خلیفہ ہونے چاہیئے تھے نہ کہ خلفاء ثلاثہ۔ کیونکہ وہ اگر مومن بھی ہوں تب بھی معصوم نہیں۔

ج۔ اگر خلافت معصومین کا حق ہوتی تو اولاد کو نہ ملتی بلکہ فرشتوں کو ملتی۔ یہ ہی تو فرشتوں نے عرض کیا تھا کہ انسان خون بہائے گا۔ فساد پھیلائے گا یعنی معصوم نہ ہوگا۔ آخر کار خلافت الٰہیہ فرشتوں نے مانی۔ ابلیس نے نہ مانی۔ خلافت مصطفوی بھی مومنین نے مانی شیاطین انس نے نہ مانی۔ دونوں کا حال یکساں ہے۔

س۔ اللہ کے نام توقیفی ہیں پھر اسے خدا کیوں کہتے ہیں۔ یہ نام بھی کسی آسمانی کتاب سے ثابت نہیں۔

ج۔ خدا رب کا نام نہیں بلکہ اس کی صفت یعنی مالک کا ترجمہ ہے۔ خدا کی صفت کا ترجمہ ہر زبان میں کرنا جائز ہے مگر نام کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی یا عبرانی زبان کا ہو۔ کیونکہ ربانی کتابیں اور صحیفے انہی زبانوں میں آئے۔ لہٰذا اسے گاڈ یا رام یا پرماتما نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ عجمی نام ہیں اور پروردگار یا پالنہارا کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ نام نہیں بلکہ عجمی زبان میں اس کے صفات کے ترجمے ہیں۔ اگر یہ الفاظ نام

ہوتے تو وظائف۔ نماز۔ اذان اور ذبح کے وقت بولے جاتے۔

س۔ سب سے بدتر کافر کون ہے؟

ج۔ بدترین کافر پیغمبر کی توہین کرنے والا شیطان اسی قسم کا کافر تھا۔ وہ الوہیت حشر و نشر و صفات الٰہیہ کا منکر نہ تھا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو طین کہتا تھا۔ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ۔ جس کے جواب میں انعام ملا۔

انبیاء کرام کی نعلین شریفین کی بھی توہین کفر کیوں ہے؟

اس لئے کہ ان کی ہر چیز رب کی تجویز سے ہے تو ان کی کسی چیز پر اعتراض رب پر اعتراض ہے جیسے فوج کی وردی پگڑی پر اعتراض بادشاہ پر اعتراض ہے کہ یہ چیزیں اس کی تجویز ہیں۔

س۔ کسی پیغمبر نے نبوت و تبلیغ پر اُجرت نہ لی لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اور نہ خلفائے راشدین نے خلافت پر علماء تعلیم پر واعظین وعظ پر اُجرت لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی تبلیغ ہی کرتے ہیں۔

ج۔ جس کے انتخاب میں بندوں کی رائے کو دخل نہ ہو بلکہ اس کا تقرر محض حکم الٰہی سے ہو۔ اس کی اُجرت محض رب کے کرم سے ہوگی بندوں سے نہ لی جاوے گی اور جہاں تقرر میں بندوں کو اختیار ہو وہاں اُجرت بھی بندے ہی دیں گے۔ جیسے کچہری کا جج اور وکیل و مختار منشی جج کی تنخواہ حکومت کے ذمہ ہے۔ کیونکہ اس نے اسے مقرر کیا ہے۔ مگر وکیل مختار کی اُجرت رعایا کے ذمہ کہ وہ خود انتخاب کرتی ہے۔ اسی طرح نبوت میں بندوں کی رائے کو دخل نہیں لہذا ان کی خدمت کا معاوضہ محض رب پر ہے وہ خود کہتے ہیں۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ اور خلیفۃ المومنین۔ عالم۔ واعظ کو خود بندے انتخاب کرکے اپنے یہاں رکھتے ہیں۔ لہذا ان کی خدمت خود کریں۔

س - قرآن فرماتا ہے کہ اللہ کی آیتیں تھوڑی قیمت سے نہ بیچو۔ معلوم ہوا کہ زیادہ قیمت سے بیچنا جائز ہے۔

ج - قرآن کے لئے ساری دنیا بھی تھوڑی قیمت ہے۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ۔ کیونکہ دنیا فانی ہے اور قرآن باقی۔ کہ دنیا قبر حشر ہر جگہ کام آتا ہے۔ فانی کتنی بھی زیادہ ہو۔ باقی کے مقابلہ میں تھوڑی ہے غرضیکہ آیاتِ قرآنیہ تمام دنیا کے عوض بیچنا بھی تھوڑی قیمت سے بیچنا ہے۔ لہذا حرام ہے۔

س - تو چاہیئے کہ وعظ۔ تعویذ۔ قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینا حرام ہو اور قرآن شریف کی تجارت تو ڈبل حرام ہو کیونکہ یہ تو سارے قرآن کا بیچنا ہے۔

ج - یہ قرآنی آیت کا بیچنا نہیں ہے۔ واعظ۔ معلّم وغیرہ اپنے پابندی وقت پابندی جگہ اور محنت کی اُجرت لیتے ہیں۔ پریس والے کاغذ لکھائی چھپائی کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ قرآن بیچنے کے معنی یہ ہیں کہ پیسے لے کر قرآنی آیت کا حکم بدل دے۔ جیسا کہ یہود کرتے تھے یہ حرام ہے۔

س - قرآنی احکام صرف مسلمانوں کے لئے ہیں یا پیغمبر کے لئے بھی ہیں۔ اور کفار سے بھی ان میں خطاب ہے یا نہیں مثلاً اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ سے نماز صرف مسلمانوں پر فرض ہوئی یا حضور علیہ السلام پر بھی اور ہر نماز فرض ہے یا نہیں۔

ج - ایسے احکام اُمتی نبی تمام کے لئے ہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ عذاب آخرت کے لحاظ سے یہ احکام کفار پر بھی جاری ہیں۔ یعنی دنیا میں ان پر نماز پڑھنا فرض نہیں۔ مگر عذاب ترک نماز بھی ہوگا۔ کہ تم نے مسلمان ہو کر نماز کیوں نہ پڑھی۔ لہذا تو مسلم زمانہ کفر کی

نمازیں قضا نہیں کرنا۔

س۔ تو پھر نبی اور غیر نبی میں فرق کیا ہوا؟

ج۔ بڑا فرق ہے۔ حضور کے لئے شرعی احکام ایسے ہیں جیسے ہمارے لئے کھانے پینے کے حکم۔ کہ اگر ہمیں یہ حکم نہ بھی دیا جاتا جب بھی ہم ضرور کھاتے پیتے لیکن حکم آجانے سے کھانا پینا ثواب بن گیا۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام حکم کے بغیر بھی شرعی احکام ادا کرتے۔ چنانچہ حضور معراج سے پہلے بھی نمازیں پڑھتے تھے۔ پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا۔ اس وقت سجدہ اور نماز کا حکم کہاں تھا۔ مگر حکم سے ان کا قرب اور زیادہ ہوگیا۔ غرضکہ یہ احکام کفار کے لئے تو زیادتی عذاب کا باعث ہیں۔ اور مسلمانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زیادتی قرب کا موجب۔

س۔ یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ حضور کی مثل ناممکن ہے۔ رب قادر ہے کہ ہزاروں ایسے پیغمبر پیدا فرمائے۔

ج۔ سارا عالم جو خدا نے سوا ہے۔ وہ حضور کے نور سے بنا۔ اب حضور کا مثل کیسے ہو سکتا ہے۔ جو مثل ہوگا وہ بھی حضور ہی کے نور سے بنا ہوگا۔ پھر وہ مثل کہاں رہا۔ جب ایک شخص اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا ہو چکا۔ تو اب اس کا دوسرا حقیقی باپ نہیں بن سکتا۔ جب دنیا حضور کے نور سے پیدا ہو چکی تو اب دوسرا مصطفٰے کیسا بھی نہیں ہو سکتا۔

س۔ اسلام میں عورتوں پر پردہ کیوں رکھا گیا ہے۔ اس سے زنا کو نسبت ہو جاتی ہے۔

ج۔ بخار روکنے کے لئے زکام اور طاعون روکنے کے لئے چوہوں کی زیادتی روکتے ہیں۔ زنا حرام ہوا لہذا اس کے اسباب یعنی

عورتوں کی بے حجابی بھی حرام ہوئی۔ دولت موتی چھپا کر رکھو۔ عورت قوم کی بیش قیمت دولت ہوتی ہے۔ اسے چھپاؤ۔ شیشہ پتھر سے علیحدہ رکھو۔ عورت نازک شیشہ ہے۔ اجنبی کی نگاہ پتھر۔ پھول گلشن میں اچھا ہے۔ عورت پھول ہے گھر اس کا گلشن۔ تپ دق بچاس سال ہے اور پردہ چودہ سو برس سے۔ اب بھی بے پردہ عورتوں میں دق زیادہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ کہ یہ رسالہ عجالہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ دوشنبہ کے دن شروع ہو کر ۲۵ جمادی الآخر ۱۳۶۸ھ دوشنبہ کے دن بعد نماز ظہر ختم ہوا۔ جو کوئی اس رسالہ سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ فقیر بے نوا کے لئے حسنِ خاتمہ کی دعا کرے۔ کہ اسی لالچ میں یہ محنت کی ہے۔ رب تعالیٰ اسے قبول فرما کر میرے لئے توشۂ آخرت و صدقہ جاریہ بنائے۔ اور میرے ولی نعمت حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کے سایہ میں مجھے اور تمام اہل سنت کو رکھے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ وسلم

احمد یار خاں نعیمی عفی عنہ

۲۵ جمادی الآخر ۱۳۶۸ھ دوشنبہ

تعلیم: سید فاضل شاہ انور قلمکار عفی عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْحَنَّانِ الْمَنَّانِ

کہ دریں زمانِ سعادت تواماں

مجموعۂ دروس الفرقان

مسمّٰی بہ

درس القرآن

جسمیں

حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی کے کچھ وہ قرآنی درس جمع کر دیئے گئے جو آپ مدت سے جامع مسجد غوثیہ گجرات میں مسلسل دیتے رہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَصْفِیَاءِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہِ الْبَرَرَۃِ التُّقٰی

اللہ تعالٰی کے فضل وکرم اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اتم سے خطۂ گجرات علم وعرفان کا گہوارہ رہا۔ سرزمین گجرات کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں حضور غوث الثقلین نجیب الطرفین قطب ربانی محبوب سبحانی حضرت شیخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ارشد حضرت کبیر الدینؒ دریائی۔ دولھا عرف شاہ دولہ صاحب رضی اللہ عنہ آرام فرمارہے ہیں۔ حضرت شاہ دولہ صاحب وہی بزرگ ہیں جن کی ڈوبی ہوئی برات بارہ برس کے بعد حضور غوث پاکؓ نے مع دلہن وبراتیوں

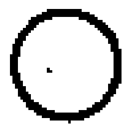
کے بخیریت دریا سے نکالی تھی۔ اس لئے ان کا لقب دریائی دُولہا ہے۔ جو کچھ فرق کے ساتھ شاہد ولہ بن گیا۔ گجرات میں ہمیشہ سے ہی علم و معرفت کے چشمے پھوٹتے رہے۔ اس مردم خیز خطے نے بڑے بڑے علماء فضلاء اور صوفیا پیدا کیے۔ جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گجرات شہر میں حضرت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی کو گجرات بھیجا۔ آپ کی ذات سے فقط گجرات ہی کو نہیں بلکہ پاکستان و بیرون پاکستان کو برکتیں حاصل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے بڑے بڑے علماء دین پیدا فرمائے۔ جن سے زمانہ فیض پا رہا ہے۔ آپ کے دارالافتاء سے ہر سال بہت شرعی فتوے جاری ہوتے ہیں۔ آپ کی تصنیفات سے بہت سے ممالک کے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ خصوصاً تفسیر نعیمی اور تفسیر نور العرفان مکمل اور مرآۃ شرح مشکوٰۃ شریف مسلمانوں میں بہت مقبول ہوئیں

ان فیوض میں سے سب سے بڑا فیض صبح کا درس قرآن بھی ہے انیس سال میں قرآن شریف ختم ہوا۔ اب دوبارہ تین سال سے شروع ہے۔ جو ڈیڑھ پارے تک پہنچ گیا ہے۔ اس درس کی لذت و کیفیت وہی حضرات جانتے ہیں۔ جنہیں اس میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ بعض بعض آیتوں پر مسلسل ایک ایک ہفتہ درس ہوتا ہے اور آیات کا شان نزول تفسیر عالمانہ و صوفیانہ آیت کے مسائل و فوائد اعتراضات و جوابات۔ غرض کہ تحقیق کے دریا بہتے ہیں۔

مدت سے بزرگانِ اہل سنت خصوصاً حضرت سید الحاج محمد معصوم شاہ صاحب جیلانی قادری مدظلہم کا اصرار تھا کہ یہ درس قلمبند کیے جائیں تاکہ ان کا فائدہ عام مستقل و دیرپا ہو مگر اس کی کوئی صورت بن نہ آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم سردار علی صاحب کو ہمت و توفیق بخشی کہ انہوں نے

نہایت جانفشانی سے کچھ درس لفظ بہ لفظ قلمبند کئے گئے کیسے کئے یہ نہ پوچھئے۔ جو رسالہ آستانہ فیضِ عالم میں دربار داتا صاحب لاہور سے شائع ہوتے رہے پھر حضرت سید محمد معصوم صاحب ہی کے ارشاد سے وہ درس اب آپ کے سامنے کتابی شکل میں حاضر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حضرت شاہ صاحب کے اخلاص کی برکتیں ہیں جو ان درسوں سے فائدہ اٹھائے وہ ہم سب کے لئے دعائے خیر کرے۔ کہ ہم لوگوں نے اس ہی لالچ میں یہ محنتیں کی ہیں۔ وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نورِ عرشہ سیّدنا و مولانا محمّدٍ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلّم



بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس القرآن

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ؕ

ترجمہ: جیسے ہم نے تم میں ایک شاندار رسول بھیجا جو تم میں سے ہیں۔ جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔ اور تمہیں پاک کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ جو تم نہیں جانتے تھے۔

اس سے پچھلی آیتوں میں تبدیلی قبلہ کا مفصّل ذکر ہوا۔ جس میں فرمایا گیا کہ کعبے کا قبلہ ہونا تمہارے لیئے انعام ہے۔ اور اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر ہے۔ جو اس سے بھی بڑھ کر رب کا انعام ہے۔ غرض کہ ان آیتوں میں اس کعبے کا ذکر تھا جو نماز کا قبلہ ہے۔ اور یہاں اس محبوب کا تذکرہ ہے جو ایمان کا قبلہ ہے۔ یعنی قبلۂ سر کے بعد قبلۂ دل کا ذکر ہے۔ اس آیت کریمہ کا ہر کلمہ حضور انور کی کھلی نعت ہے۔

چنانچہ کما فرما کر یہ بتایا کہ ہم نے تمہیں کعبے کو پھیرا۔ تم پر یہ ہمارا پہلا احسان نہیں۔ ہم تمہیں اس سے پہلے وہ شاندار نبی عطا فرما چکے ہیں جن کی صفات یہ ہیں۔

اَرْسَلْنَا کے متعلق دو چیزیں خیال میں رہیں ایک یہ کہ اَرْسَلْنَا ماضی فرمایا گیا جس سے پہلے ہونا ثابت ہے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ

اے مسلمانو! تمہیں کلمہ نماز ۔ کعبہ اور اسلامی عقیدے اور اعمال تو ہم نے پیچھے دیئے ۔ سب سے پہلی جو نعمت دی وہ اس محبوب کی تشریف آوری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم درخت اسلام کی جڑ ہیں ۔ اور تمام عقائد و اعمال اس کی شاخیں ۔ سب سے پہلے جڑ قائم ہوتی ہے ۔ شاخیں وغیرہ بعد میں نمودار ہوتی ہیں ۔ پھر شاخوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب تک جڑ سے وابستہ رہیں ہری رہیں گی ۔ پھل پھولوں سے لدی رہیں گی ۔ مگر جڑ سے بے تعلق ہوتے ہی بالکل بے کار ۔ آگ کے لائق ہو گئیں ۔ اسی طرح رب العٰلمین نے سب سے پہلے حضور کو نبوت بخشی ۔ اور گیارہ سال تک کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل نہ بھیجا ۔ گیارہ سال کے بعد معراج میں بلا کر نماز دی ۔ اور بعد ہجرت دوسرے احکام اس گیارہ سال کے عرصے میں جو مسلمان فوت ہوئے وہ یقیناً جنتی تھے ۔

دوستو! اس کی مثالیں تو ہزاروں ملیں گی کہ بعض لوگ بغیر عمل جنتی ہو گئے ۔ مگر اس کی مثال کہیں نہ ملے گی کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر محض اعمال سے جنتی ہو گیا ہو ۔ جن عبادتوں کو حضور کے دم قدم سے وابستگی ہے ان میں قبولیت کے پھول بھی ہیں اور ثواب کے پھل بھی مگر جو عبادتیں اس ذات کریمہ سے کٹ جائیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں جس کیلئے شیطان کی مثال موجود ہے

اسی لئے اَرْسَلْنَا ماضی مطلق فرمایا ۔

اسی اَرْسَلْنَا کے متعلق دوسری بات یہ سمجھ لو کہ رب العٰلمین نے ہمارے دنیا میں آنے کو خلق یعنی تعبیر کرنے سے تعبیر فرمایا ۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو یا اَرْسَلْنَا سے یا بَعَثَ سے جَآءَ سے ارشاد فرمایا ۔ کہ فرمایا ۔ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ۔ اور فرمایا قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ۔ وجہ فرق یہ ہے کہ ہم یہاں آنے سے پہلے کچھ نہ تھے ۔ رب فرماتا ہے ۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۔ دنیا میں آ کر ہم سب کچھ بنے ۔ مومن ۔ عالم ۔ متقی وغیرہ بنے ۔ اس لئے

ہمارے لئے خلق فرمایا گیا۔ خلق کے معنی ہیں نیست کو ہست کر دینا۔ اور جو کچھ نہ ہو اُسے سب کچھ کر دینا۔ مگر انبیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آنے سے پہلے ہی سب کچھ تھے۔ نبی بھی تھے۔ خدا کے عابد بھی تھے۔ اس لئے ان کے آنے کو ارسال کہا گیا۔ بھیجا وہ جاتا ہے جو پہلے اپنے پاس موجود ہو۔ اور عہدہ اسے دیا جاتا ہے جو عہدہ سنبھالنے سے پہلے سب کچھ ہو چکا ہو۔ وزارت عظمیٰ کا قلمدان دینے سے پہلے تعلیم و تربیت مکمل کر دی جاتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ ہم اس وقت بھی نبی تھے۔ جب آدم علیہ السلام آب و گل میں تھے۔

نیز یہ بھی فرق ہے کہ ہم دُنیا میں اپنے کام کو آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بکار سرکار تشریف لائے۔ لہذا ہمارے لئے خلق فرمانا بہتر ہے۔ اور حضور کو ارسال کرنا ہی موزوں ہے۔

فِیۡکُمۡ میں تین احتمال ہیں یا تو اہل عرب سے خطاب ہے یا سارے مسلمانوں سے۔ یا تمام انسانوں سے۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے ریگستان عرب کے باشندو! تمہاری تقدیر کھل گئی کہ تم ذرّوں کو چمکانے کے لئے وہ نہ چھپنے والا سورج تشریف لایا۔ جس نے تمہیں تمہارے خاندانوں کو تمہارے ملک کو۔ تمہاری زبان کو دُنیا میں چمکا دیا۔ کہ اب ساری دنیا تمہارے پاس کھچ کر آئے گی۔ مگر تمہیں کسی عبادت کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ دیکھ لو حج۔ عمرہ۔ طواف و زیارت وغیرہ کرنے کے لئے تمام دنیا وہیں جاتی ہے۔ اگر اس بنجر خطے میں حضور کی تشریف آوری نہ ہوتی۔ تو دنیا اس کے نام سے بھی خبردار نہ ہوتی۔ بلکہ اس علاقے کو بے آب و دانہ رکھا ہی اس لئے گیا کہ یہاں جو بھی آئے۔ حضور کی خاطر آئے۔ کاروبار یا تفریح کے لئے نہ آئے۔

اور اگر عام مسلمانوں سے خطاب ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم وہ خوش قسمت لوگ ہو جنہیں وہ رسول ملا جس کی گردِ قدم کو انبیاء کرام

ترستے تھے۔ ان کی برکت سے تمہارے عیب چھپ گئے۔ میل دھل گئے۔ مشکلیں کھل گئیں۔ نصیبے چمک گئے۔

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت پر مَنّ فرما کر احسان نہیں جتایا۔ سوائے حضور کی تشریف آوری کے کہ فرمایا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ الخ تین وجہ سے۔ ایک یہ کہ ساری نعمتیں مرتے ہی ہمارا ساتھ چھوڑ جاتی ہیں۔ مگر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم دنیا۔ قبر۔ حشر میں کہیں ساتھ نہیں چھوڑتے گویا ساری نعمتیں فانی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ ذوالجلال کی نعمتِ لازوال۔

دوسرے یہ کہ دنیا کی ساری نعمتیں اگر حضور کے فرمان کے ماتحت خرچ کی جائیں تو نعمتیں ہیں ورنہ زحمتیں۔ گویا حضور نعمت بھی ہیں اور دیگر نعمتوں کے نعمت گر بھی۔

تیسرے یہ کہ ساری نعمتیں حتیٰ کہ ہمارے ہاتھ پاؤں رب کے ہاں ہمارے پردہ در رہوں گے کہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پردہ پوش۔ فرماتے ہیں خدایا اچھے تیرے۔ بُرے میرے اس لئے فرمایا گیا فِیْکُمْ۔

اور اگر سارے انسانوں سے خطاب ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے گروہ انسان ہم نے تم پر بڑی مہربانی کی کہ تیری جماعت میں اپنے حبیب کو بھیجا فرشتوں کو جنت میں نہ بھیجا۔ جس کی وجہ سے تیری عزت کو چار چاند لگ گئے۔ خیال رہے کہ انسان اشرف المخلوقات مانا گیا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ۔ اس لئے نہیں کہ انسان طاقت میں دوسری مخلوق سے زیادہ ہے بلکہ انسان کمزور ہے۔ رب فرماتا ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ اس لئے نہیں کہ انسان کے اعمال دیگر مخلوق سے بہتر ہیں۔ فرشتے ازلی معصوم ہیں۔ اور انسان جب بگڑے تو ایسے

گناہ کرے جو ابلیس کے باوا کو بھی نہ سوجھیں۔ اس کے باوجود اشرف المخلوقات ہے۔ خلافتِ الٰہیہ کا تاج اسی کے سر پر ہے۔ کیوں؟ اس لئے اور صرف اس لئے کہ انبیاء کرام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ میں تشریف لائے۔ چنانچہ دیکھو کہ جن لوگوں نے نبی علیہ السلام سے رشتۂ غلامی نہ جوڑا۔ وہ کتوں سوّروں سے بدتر مانے گئے۔ رب تعالیٰ کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ یعنی یہ لوگ ساری مخلوق سے بدتر ہیں مخلوق میں سارے جانور بھی آ گئے۔

نوح علیہ السلام کی کشتی میں بندر۔ گدھے۔ کتّے کی جگہ تھی۔ مگر کنعان کو جگہ نہ تھی کہ وہ کافر تھا۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں مفصّل مذکور ہے۔ اور جن لوگوں نے اس شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ غلامی مضبوط جوڑا۔ ان کا درجہ عرش و کرسی۔ لوح و قلم۔ فرشتے۔ جنات غرض سب سے اعلیٰ ہو گیا۔ وہ بہترین مخلوق ہوئے۔ رب تعالیٰ صالحین کے بارے میں فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ اس لئے فرمایا گیا۔ فِيْكُمْ رَسُوْلًا ○ علماء کرام نے فِيْكُمْ کے معنی بیان کئے کہ ہماری جماعت میں آئے مگر صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ فِيْكُمْ سے مراد یہ ہے کہ تم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تشریف لائے جیسے جسم میں جان یا آنکھوں میں نظر ۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظر لوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جان
ہیں مجھ میں لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

فِيْكُمْ ایک ہے مگر صوفیاء اور علماء کی نظریں مختلف۔

رَسُوْلًا مِّنْكُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار صفات بخشے لیکن ان صفات کے ظہور کے موقعہ مختلف ہیں۔ حضور اللہ کے بندے بھی ہیں۔ اس کے رسول بھی۔ نبی بھی اور اللہ کے نور بھی ہیں۔ مگر جب ان کے یہاں آنے کا ذکر ہوتا ہے تو انہیں رسول۔ نبی۔ نورِ حق۔ برہان

کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جب معراج میں بلانے کا ذکر فرمایا۔ تو عبدہٗ ارشاد ہوا۔ کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہاں رسالت کی شان سے آئے ہیں۔ اور وہاں عبدیت کی شان سے گئے تھے۔

خیال رہے کہ حضور کو رسول اللہ کہا جاتا ہے وکیل اللہ نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ وکیل وہ ہے جو دوسرے کا کام اپنی ذمہ داری پر کرے اور اس کام کو اپنی طرف نسبت دے۔ چنانچہ خریدار کا وکیل کہتا ہے کہ میں خریدتا ہوں۔ اور سارے حقوق بیع اسی پر ہوتے ہیں۔ اور سارے حقوق بیع وہ خود ہی ادا کرتا ہے۔ مگر رسول وہ ہے جو دوسرے کا کام خود اس دوسرے کی ہی ذمہ داری پر کرتا ہے۔ زبان رسول کی ہوتی ہے الفاظ مرسل کے حضور اللہ کے رسول ہیں کہ حضور کے ہر قول وفعل کا ذمہ دار پروردگار ہے۔ کیا تمہیں خبر نہیں ؎

سنگریزہ می زند دستِ جناب مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ آید خطاب
تا ابد گر شرح ایں معضل کنم جز تحیر ہیچ نہ بود حاصلم

بیعت حضور کے ہاتھ پر ہوتی ہے۔ مگر رب فرماتا ہے کہ مجھ سے بیعت ہوئی۔ ان کے ہاتھوں پر میرا ہاتھ ہے۔ اس لئے فرمایا رَسُوْلًا۔ پھر یہ کہا کہ کس کا رسول۔ اس لئے کہ جیسے خدا کی خدائی مطلق ہے کہ ہر موجود کا وہ معبود مسجود ہے۔ اور ہر ذرّہ اس کے لئے سر بسجود۔ اسی طرح حضور کی رسالت مطلق ہے کہ ہر مخلوق کے حضور رسول ہیں۔ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ رسول بنی اسرائیل ہیں۔ آپ کی توریت کے احکام مجھ پر جاری نہیں۔ میرے بعض کام آپ کی شریعت کے خلاف ہوں گے۔ اس لئے آپ میرے ساتھ نہ رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام یہ جواب دے سکتے تھے۔ کہ میں آپ کا رسول بن کر نہیں آیا۔ بلکہ شاگرد بن کر کچھ سیکھنے آیا ہوں۔ مگر وہی خضر علیہ السلام شریعت محمدیہ کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور اس

شریعت کے سارے احکام جو اُن کے لائق ہیں۔ ان پر جاری ہیں بیعتِ رضوان میں صحابہ کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام نے بھی حضور کی بیعت کی جیسا کہ عینی فتح الباری شرح بخاری اور تفسیر رُوح البیان وغیرہ میں ہے اور ہم نے بھی اسے اپنی کتاب شانِ حبیب الرحمٰن میں لکھا ہے۔

کیوں نہ ہو کہ حضور رسولِ مطلق ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم خدا کے رسول ہیں۔ اور خدائی کے رسول۔ پھر رَسُوْلًا کی تنوین تعظیم کی ہے جس کے معنی ہوئے شاندار رسول کہ سب رسُولوں نے اپنی اپنی اُمتوں پر راج کئے۔ یا ہمارے آقا رسولوں کے بھی رسول ہیں۔ ان تمام شانوں کے باوجود حال یہ ہے کہ وہ مِّنْکُمْ تم میں سے ایک۔

غریبوں کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں مسکینوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہیں ؎

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہدے یاس و اُمید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

اوّل قیامت میں تمام مخلوق انہیں ڈھونڈے گی مگر نہ پاسکے گی اِلَّا یہ رہبری عیسیٰ علیہ السلام۔ یہ آپ کے شرف کا اظہار ہوگا۔ اور آخر قیامت میں حضور اپنے ہر گنہگار کو ایسے ڈھونڈیں گے جیسے مہربان ماں اپنے جنے ہوئے اکلوتے کو۔ یہ آپ کے کرم کا ظہور ہوگا ؎

وہ لیں گے چھانٹ اپنے نام لیواؤں کو محشر میں
غضب کی بھیڑ میں بیں آنکھ اس پہچان کے صدقے

غرضکہ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ کے اجتماع نے بہت ہی لطف دیا۔ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو اللہ کے حبیب نے مخلوق کو عطا فرمائیں:

۱۔ آیتیں پڑھ کر سُنانا۔ ۲۔ مخلوق کو پاک فرمانا۔
۳۔ قرآن سکھانا۔ ۴۔ حدیث شریف کی تعلیم دینا۔

اور نہ جانی ہوئی باتیں بنانا۔

جن میں سے پہلے تلاوت کا ذکر فرمایا کہ وہ محبوب تمہارے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔ کیونکہ تلاوت آیات ہر کافر و مومن پر فرش کی گئی۔ اگلی چار نعمتیں مسلمانوں ہی کو دی گئیں۔ اس جملہ کے تین منشا ہیں۔

ایک یہ کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم عمر بھر تم میں رہے۔ کہیں باہر نہ رہے تاکہ یہ شبہ نہ ہو سکے کہ وہ کہیں سے فصاحت و بلاغت یا باتیں سیکھ کر آئے ہیں۔ پھر اچانک تمہیں ایسی باتیں سنانے لگے۔ جن کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ سچے رسول ہیں اور بذریعہ وحی یہ سب کچھ پڑھ رہے ہیں۔ یہ تلاوت ان کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔

دوسرے یہ کہ آیات قرآنیہ عرشی ہیں اور تم سب فرشی۔ نہ تم انہیں وہاں سے لے سکتے تھے۔ اور نہ وہ آیتیں تمہارے پاس آسکتی تھیں۔ اس لئے ایک ایسے برزخ کی ضرورت تھی جو جسماً فرشی ہو اور روحاً عرشی۔ جو عرش سے لے کر فرش پر دے سکے۔ جس کی آنکھ عرش پر لگی ہو اور ہاتھ اور زبان فرشیوں کو دینے کے لئے کام کر رہی ہو۔ اگر یہ برزخ درمیان میں نہ ہوتا۔ تو تمہیں یہ آیتیں کبھی نہ مل سکتیں۔

تیسرے یہ کہ آیات قرآنیہ کی صحیح تلاوت کرنا حفظِ قرآن و علم تجوید کے بعد ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ! یہ محبوب نہ کہیں حفظ کرنے گئے اور نہ کسی سے تجوید کا علم سیکھا بلکہ تمام جہان یہ سب کچھ ان سے سیکھے گا۔ ہماری اس تفسیر سے یہ اعتراض اڑ گیا۔ کہ تلاوت قرآن ہر شخص کر لیتا ہے۔ پھر اُسے حضور کی محامد اور خصوصیات میں کیوں ذکر کیا گیا۔

آگے ارشاد ہوا وَیُزَکِّیۡکُمۡ۔ یہ لفظ تزکیہ سے بنا جس کے معنی ہیں پاک کرنا۔ صفائی بیان کرنا اور بڑھانا۔ تفسیر کبیر یعنی تمہیں پاک کرتے ہیں یا کریں گے یا تمہیں بڑھائیں گے۔ پہلے معنی کی بنا پر مقصد یہ ہو گا کہ

تہیں محض تلاوتِ قرآن یا اعمال ظاہری پاک وصاف نہیں کرسکتے۔ صرف ان کی نگاہِ کرم ہی پاک کرتی ہے۔ تم تو کیا ہو تمہارا قبلہ کعبہ معظمہ بھی اُن کے ہاتھ لگے بغیر بتوں سے پاک نہ ہوسکا۔

خیال رہے کہ یہاں فرمایا گیا تم کو پاک کرتے ہیں۔ ہمارے پاس پانچ چیزیں ہیں۔ جسم۔ دل۔ دماغ۔ روح اور نفس امّارہ۔ جن میں سے پہلی چار چیزیں عارضی ناپاک ہو جاتی ہیں۔ مگر نفس امّارہ نجس العین ہے عارضی ناپاک چیزیں پانی۔ مٹی یا ہوا وغیرہ سے پاک ہو جاتی ہیں جس کی تفصیل مسائل فقہ میں موجود ہے۔ مگر نجس العین ان میں سے کسی چیز سے پاک نہیں ہوتا۔ کُتّے سؤر اور گوبر کو جتنا بھی دھوؤ زیادہ ہی گندہ ہوگا۔ اس کی پاکی کی صرف ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کی حقیقت بدل دی جائے۔ مثلاً نمک کی کان میں کُتا گدھا گر کر نمک بن گیا۔ وہ پاک ہو گیا۔

آگ میں گوبر راکھ بن کر پاک وصاف ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف کرنے والا ہو جاتا ہے۔ کہ اس راکھ سے برتن صاف کئے جانے لگے۔ اب اس کلمے کا مطلب یہ ہوا کہ اے لوگو! وہ محبوب تمہارے جسموں کو شریعت کے پانی سے تمہارے دلوں کو طریقت کے پانی سے۔ تمہارے دماغوں وخیالات کو حقیقت کے پانی سے اور تمہاری روحوں کو معرفت کے پانی سے پاک فرماتے ہیں۔ مگر یہ نفس امّارہ جو نجس العین ہے اس لئے وہ ان چیزوں سے پاک نہیں ہوتا۔ اُسے خوفِ الٰہی کی آگ میں جلاکر اور عشقِ مصطفوی کی کان میں دبا کر اس کی حقیقت بدل دیتے ہیں۔ کہ وہ نفس بجائے امّارہ کے مطمئنہ بن جاتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اور جب یہ نفس فنا ہو جاتا ہے تو پھر یہ حال ہوتا ہے کہ دُوئی مٹ جاتی ہے اور ہم اور میں کے

جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور تو ہی تو رہ جاتی ہے۔ مولانا جامیؒ کہتے ہیں ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اشعارِ دیگر

پوچھا کہ تیرا نام کیا میں نے کہا شیدا تیرا
پوچھا کہ تیرا کام کیا میں نے کہا سودا تیرا
پوچھا کہاں رہتا ہے تو میں بولا کوئے یار میں
پوچھا کہ تیرا کیا پتہ میں نے کہا رستہ تیرا

آگ لگنے سے پہلے شیشم، ببول وغیرہ مختلف لکڑیاں تھیں مگر جل کر سب کا نام راکھ ہو گیا۔ جب نفسِ امّارہ مطمئنہ بن جاتا ہے تو یہ حال ہوتا ہے تو بُرے کام تو کیا معنے بُرے خیال بھی نہیں کرتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا گیا کہ اے عثمان جو چاہو کرو تم جنتی ہو چکے اس میں حضرتِ عثمان کو گناہ کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ ان کے نفس کو مطمئنہ بنا دیا گیا کہ اب وہ بُرے کام کر سکتے ہی نہیں جیسے جنتیوں سے کہا جائے گا کہ تم جو چاہے کرو۔ اس کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ دُوسروں کی عورتوں کو تاکو بلکہ مطلب وہی ہو گا کہ تمہارا نفس امّارہ ہے ہی نہیں تم بُرے کام کرو گے ہی نہیں۔

اور اگر تزکیہ سے مراد صفائی بیان کرنا ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ محبوب تمہاری ہی نہیں بلکہ گذشتہ نبیوں رسولوں کی بھی صفائی بیان کرتے ہیں۔ دیکھو یہود نے کنواری مریمؑ کو تہمت لگائی۔ حضرت مسیحؑ کو عیب لگائے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہا۔ حضور نے ان بزرگوں کی صفائیاں بیان کیں تو بدزبانوں کی زبانیں گونگی ہو گئیں۔ دنیا میں ان کی عظمتوں کے ڈنکے بج گئے۔

اسی طرح حضور انور نے صحابہ کبار اور اہل بیت اطہار کے مراتب اور فضائل بیان کیئے نورو افض اور خوارج پر اوس پڑ گئی کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھ کر منہ بجا لیں۔ مگر صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما کو اپنے پہلوؤں میں سُلا کر تمام جہان سے انہیں سلام کرالیا اور اپنی آل پاک کو درود ابراہیمی میں اپنے ساتھ ملا کر ہر نمازی سے اُن پر درود پڑھوا لیا۔ اپنی امت کے فضائل بیان فرما کر اُن کے خطبے پڑھوا دیئے۔ یا یُزَکِّیْکُمْ کے معنی ہیں کہ تمہارے قبیلوں کو صاف وشفاف کرتے ہیں خیال رہے کہ انسان کا دل آئینے کی طرح ہے۔ جیسے صاف آئینہ میں گھر کی تمام چیزیں بلکہ خود گھروالا اور اس کی حرکت نظر آتی ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان کا قلب صاف ہو تو عرش فرش۔ لوح و قلم۔ بحر و بر۔ دشت و جبل۔ ساری خدائی بلکہ خود خدا تعالیٰ کی تجلی یہاں نظر آتی ہے۔ رب فرماتا ہے وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ط ہم تمہارے دلوں میں ہیں۔ تم دیکھتے کیوں نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است ... من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست

در دلِ مومن بگنجم اے عجب ... گر مرا جوئی دریں دلہا طلب

لیکن اگر آئینہ دھندلا ہو تو بے کار ہوتا ہے جیسے آئینے کو گرد وغبار دھواں وغیرہ دھندلا کر دیتے ہیں ایسے ہی دل کو بد عقیدگیاں۔ بُرے اعمال حسد و کینہ وغیرہ دھندلا کر دیتے ہیں۔ اور جیسے دھندلے آئینے پر پالش یا رُمال وغیرہ پھیر دیا جائے تو صاف ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اتباع سُنت خوفِ خدا محبت جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس آئینے کی جلا ہے۔

حکایت

شیخ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ایک دُھنیے کی دکان سے گزرے۔ رُوئی دھنتے ہوئے دیکھ کر آپ کو وجد آگیا اور یہ شعر پڑھ کر چل دیئے ؎

تو دُھن رے دُھنیے اپنی دُھن ٭ پرائی دُھنی کی بات نہ بُن
تیری کپاس میں چار بنولے ٭ سب سے پہلے ان کو چُن
تو دھن رے دُھنیے اپنی دُھن
حرص و حسد ہے غصّہ کینہ ٭ ایک ایک کرکے اِن کو چُن
تو دُھن رے دُھنیے اپنی دُھن

دل اس بیٹھک کی طرح ہے جس کا ایک دروازہ تو مکان کی طرف ہو۔ اور دُوسرا سڑک کی جانب۔ اگر سڑک والا دروازہ کھل جائے تو وہ اغیار کا مجمع ہوگا۔ اور اگر گھر والا دروازہ کھل جائے تو اپنے بال بچوں گھر بار کا اجتماع ہوگا۔ غرضکہ کبھی جلوت خانہ کبھی خلوت خانہ۔ ایسے ہی دل کی ایک کھڑکی دنیا کی طرف بھی ہے دوسری دین کی طرف۔ اگر دین والی کھڑکی کھل جائے تو کاشانۂ یار ہے کہ پھر اس میں تقویٰ عشق و خوف وغیرہ سب کچھ ہوگا۔ اور اگر خدا نہ کرے دُنیا والی کھڑکی کھل گئی تو یا خانۂ اغیار ہوگا۔ یہاں رب نے ارشاد فرمایا۔ کہ یہ محبوب اپنی نگاہِ کرم سے تمہارے خانۂ دِل کو کوڑے کچرے سے صاف فرماتے ہیں۔ تاکہ یہ خانۂ خدا بن جائے یا شیشۂ دل پر وہ پالش کرتے ہیں جس سے ساری خدائی اور خدا کے جلوے نظر آئیں۔

یا اس کے معنی ہیں کہ کل قیامت میں وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ الٰہی میں تمہاری صفائی دیں گے۔ اہم مقدمات میں دعوے پر گواہی لیجاتی ہے۔ پھر خفیہ طور پر گواہی کی صفائی۔ جب انبیاء کرام کا مقدمہ بارگاہِ الٰہی میں اپنی قوموں کے خلاف پیش ہوگا۔ تو اُمت مصطفوی اس میں بطور گواہ حاضر لائی جائے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان گواہوں پر گواہ بھی ہونگے اور اپنی اُمت کے گواہِ صفائی بھی۔ کہ یا اللہ اُمت فاسق و فاجر مردُودُ الشہادت نہیں۔ عادل ہے متقی ہے۔ ان کی گواہی قابل قبول ہے۔ مگر گواہ کی صفائی وہ دے سکتا ہے جو گواہ کے ہر کھلے چھپے حالات سے خبردار ہو۔ بے خبر کی

صفائی معتبر نہیں۔ معلوم ہوا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہر اُمتی کے عمل سے خبردار ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ گواہ صفائی جو ہوئے حضور نے ایک موقع پر فرمایا کہ یہاں دو شخص مدفون ہیں۔ ان پر عذاب ہو رہا ہے ایک چغل خور اور دُوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے غیر محتاط۔

سرکار کا نمبر ا وصف بیان ہوا وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ وہ تمہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔

عربی میں تعلیم اور ہے اعلام کچھ اور ہے تعلیم کے معنی ہیں سکھانا۔ اعلام کے معنی ہے بتانا۔ رب نے فرمایا یُعَلِّمُكُمْ یہ محبوب تمہیں بتاتے نہیں۔ بلکہ سکھاتے ہیں۔ سکھانا زبان سے ہوتا ہے۔ قلم سے بھی عمل سے بھی۔ بالواسطہ بھی اور بلا واسطہ بھی۔ حضور نے صحابہ کرام کو قرآن و حکمت بلا واسطہ سکھائی۔ اور قیامت تک ساری اُمت کو بالواسطہ۔ کیونکہ سارے علماء اور مشائخ حضور ہی کے مدرسہ سے پڑھ کر قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں نقش بھی ہیں جن کا مقام ہے کاغذ۔ الفاظ بھی ہیں جن کا مقام ہے زبان۔ معانی اور احکام بھی ہیں۔ جن کا مقام ہے دماغ۔ اسرار بھی ہیں جن کا مقام ہے دل۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام چیزوں کی تعلیم جناب امیر معاویہ وغیرہ کاتبین وحی کو قلم پکڑنا۔ حروف قرآنیہ کے دائرے بنانا۔ اور اس کا لکھنا بھی سکھایا۔ سارے صحابہ کو تجوید کے قاعدے۔ حروف کے مخارج۔ تلاوت کا طریقہ اور آداب بھی سکھائے اور قرآن کے مسائل اور اسرار بھی سمجھائے غرضکہ کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑا۔

پھر جیسے قرآنی نقوش کو گندا ہاتھ نہیں چھو سکتا۔ قرآنی الفاظ کو گندی زبان نہیں پڑھ سکتی۔ ایسے ہی قرآنی احکام کو گندے دماغ نہیں سمجھ سکتے اور قرآنی اسرار کو گندے دل اپنے اندر نہیں لے سکتے۔ اسی لئے رب العالمین نے تعلیم کتاب کا ذکر تزکیہ کے بعد کیا۔ یعنی حضور پہلے تمہارے ظاہر و باطن کو پاک کرتے ہیں۔ پھر قرآن کے ظاہر و باطن کو اپنے ٹھکانے پر پہنچاتے ہیں۔

حِکْمَتْ ۔ حُکْمٌ سے بنا حِکْمٌ یعنی مضبوط یا فائدہ مند چیز ۔ اس کا مقابل ہے عبث یا لغو ۔

اس میں گفتگو ہے کہ یہاں حکمت سے کیا مراد ہے کسی نے کہا کہ اس سے احکام قرآنی مراد ہیں ۔ کوئی بولا کہ اس سے قرآنی اسرار مراد ہیں ۔ مگر دونوں غلط ۔ کیونکہ یہ دونوں تو کتاب میں ہی آگئے ۔ حکمت سے کچھ اور مراد ہونی چاہیئے یقیناً اس سے حدیث رسول اللہ اور سنت مصطفےٰ مراد ہے ۔ چونکہ اللہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور احادیث کو ایسا مضبوط بنایا کہ انہیں نہ زمانہ مٹا سکا نہ کوئی اور طاقت فنا کر سکی ۔ آج چودہ سو برس کے بعد بھی حضور کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک ادا اسی طرح دنیا میں زندہ اور موجود ہے ۔ جیسے کہ آپ کی حیات شریف میں تھی ۔ حالانکہ اس دوران میں بڑے بڑے بادشاہ اور سلاطین گزرے ۔ جنہیں دنیا بھول چکی ۔ اس لئے حدیث کو حکمت فرمایا گیا ۔ یعنی مضبوط اور نہ مٹنے والی چیز ۔

یا چونکہ حضور کا ہر قول و فعل ہزارہا فائدوں سے بھرا ہوا ہے ۔ کوئی بے فائدہ نہیں اس لئے اسے حکمت کہتے ہیں ۔ اس جملے سے چند مسئلے معلوم ہوئے :

ایک یہ کہ علم دین اللہ کی بڑی نعمت ہے ۔ کیونکہ حضور نے لاکھوں نعمتیں ہم کو دیں ۔ تخت دیا، تاج دیا ۔ راج دیا ۔ باج دیا ۔ یتیموں کو پالا ۔ بیواؤں کو معزز کیا ۔ مگر رب نے خصوصیت سے علم دینے کا ذکر فرمایا ؎

بوریا ممنونِ خواب راحتش
تاجِ کسریٰ زیرِ پائے اُمتش

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی افضلیت فرشتوں پر اور خلافت کا استحقاق مال و دولت یا زیادہ عبادت سے نہیں ظاہر کی ۔ بلکہ زیادتی علم سے ۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

رَضِيْنَا قِسْمَۃَ الْجَبَّارِ فِيْنَا	یعنی ہم اللہ کی تقسیم پر راضی ہیں
لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ	ہم کو علم دین بخشا اور جاہلوں کو مال
فَاِنَّ الْمَالَ يَفْنٰى عَنْ قَرِيْبٍ	کیونکہ مال کو بہت جلد زوال ہے
وَاِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَا يَزَالُ	اور علم کو قیامت تک زوال نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بالکل برحق ہے مال کی حفاظت انسان کرتا ہے مگر علم انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرتے گھٹتا ہے مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کا اللہ بھلا چاہتا ہے اسے دینی فقیہ بنا دیتا ہے۔

حضرت امام محمد جو مذہب حنفی کے جامع ہیں انہیں بعد وفات کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیسی گزری۔ ہنس کر بولے۔ رب نے بڑا فضل کیا مجھے نور کی کرسی پر بٹھا کر مجھ پر نور کی بارش کی اور فرمایا۔ اے امام محمد! اگر تمہیں عذاب دینا ہوتا تو ہم تمہیں دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا بڑا عالم نہ بناتے۔ اسی لئے رب نے فرمایا کہ عالم و جاہل برابر نہیں۔

تیسرے یہ کہ علم دین تقویٰ اور طہارت سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ گندے گھر میں بادشاہ نہیں آتا۔ تو گندے دل میں قرآن حدیث کیسے آئیں۔ اسی لئے رب نے یہاں پہلے فرمایا یُزَکِّیْکُمْ پھر فرمایا یُعَلِّمُکُمْ پاکی پہلے تعلیم بعد میں۔

چوتھے یہ کہ کسی شخص کو صحابۂ کرامؓ جیسا علم قرآن و حدیث حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم لوگوں نے اپنے استادوں سے علم سیکھا۔ مگر ان حضرات نے براہ راست رب تعالیٰ سے۔ رب فرماتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ رب نے اپنے حبیب کو قرآن سکھایا۔ اور یہاں فرمایا وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ۔ براہِ راست حضور سے فیض لینے والے صحابہ کرام ہی ہیں۔ انجن پہلے اگلے ڈبے کو ہی کھینچتا ہے باقی ڈبے اس

کے ذریعے کھینچتے ہیں۔

پانچویں یہ جو کہتا ہے حضور کچھ نہیں دیتے غلط کہتا ہے۔ دیکھو یہاں چھ نعمتوں کا ذکر ہے۔ جن میں صرف ایک نعمت میں رب نے اپنا ذکر کیا۔ یعنی حضور کو بھیجا اور باقی پانچ میں اپنے حبیب کا۔

فرمایا۔ ہم نے تم میں رسول بھیجا۔ اور وہ رسول تمہیں قرآن دیتے ہیں۔ پاکی بخشتے ہیں۔ قرآن و حدیث کا علم عطا فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے براہِ راست ہمارے پاس دوڑے مت آؤ۔ بلکہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کو ہمارے حبیب کے آستانے پر جاؤ۔ دیں گے ہم ہی مگر ان کے ہاتھوں سے پیاسا کنوئیں کے پاس جائے۔ بھوکا روٹیوں کے بازار میں۔ بیمار سپتال میں۔ لہٰذا گندہ یا بے علم یا گنہ گار آستانہ پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو۔

چھٹے یہ کہ کوئی شخص کسی درجے اور مرتبے پر پہنچ کر حضور سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یہاں خطاب صحابہ سے لے کر قیامت تک کے مسلمانوں کو ہے کہ تمہیں وہ پاک کریں گے اور تم پاک ہو گے۔ تمہیں وہ علم سکھائیں گے۔ علم دیں گے تو تم عالم بنو گے۔ تمہاری اس میں عزت ہے کہ تمہیں ان سے شرف نسبت حاصل ہو جائے۔ ان کے تھوڑے سے چھینٹے سے تمہارا سب کچھ بن جاتا ہے۔ ان کے سمندر میں کمی نہیں آتی۔

حکایت

گلستان میں ہے کہ ایک بادشاہ اپنے وزراء اُمرا کے ساتھ شکار کھیلنے گیا راستے میں شام ہو گئی۔ گھر دُور تھا۔ سوچا کہاں جائیں کسی دیہاتی کا جھونپڑا نظر پڑا۔ بادشاہ نے کہا۔ چلو وہاں رات گذار لیں۔ وزیر بولا۔ حضور آپ کی شان شاہانہ کے لائق نہیں۔ دیہاتی کے جھونپڑے میں رات گذارنا۔ ہم یہیں خیمے لگاتے ہیں

سب سامان ساتھ ہے۔ ہر طرح انتظام کیے لینے ہیں۔ ادھر دیہاتی کو خبر لگی۔ کہ بادشاہ نے میرے فقیر خانے میں آنا چاہا۔ مگر وزیر نے روک دیا۔ وہ بھاگا ہوا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آستانہ بوسی کر کے بولا کہ سورج نے میرے جھونپڑے پر چمکنا چاہا تھا مگر بادلوں نے میرے جھونپڑے کو محروم رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اگر سورج مہربانی کرے تو بادل دم میں چھٹ سکتے ہیں اور میرا تاریک جھونپڑا جگمگا سکتا ہے۔

کچھ اس درد سے اس نے عرض و معروض کی کہ بادشاہ کو رحم آگیا۔ حکم دیا تمام خیمے اکھیڑ لو۔ سب اس دیہاتی کے جھونپڑے پر چلو۔ ہم بھی بنفسِ نفیس وہاں ہی آرام فرمائیں گے۔ سب کو مجبوراً وہاں جانا پڑا۔ رات کو کچھ دیہاتی ماحول کے مطابق اُسے جو بڑا بنا۔ اس نے بارگاہ میں حاضر کیا۔ بادشاہ نے بہت رغبت سے ملاحظہ فرمایا اور سو گیا۔

صبح کو بادشاہ نے اس دیہاتی کو دولت، عزت، تمغوں اور خلعت سے مالا مال کر دیا۔ جب روانہ ہونے لگا تو دیہاتی نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور یوں بولا۔ شعر

ز شان و شوکت سلطاں نہ گشت چیزے کم
ز التفات بہ مہماں سرائے دہقانے
کلاہِ گوشہ دہقاں بہ آفتاب رسید
کہ سایہ بہ سرش افگند چوں تو سلطانے

یعنی ایک دیہاتی کے جھونپڑے میں ٹھہرنے سے بادشاہ کی شان کم نہ ہوئی مگر دیہاتی کی پگڑی کا طرہ چوتھے آسمان پر پہنچ گیا۔ ہم نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے شعر

جو کرم سے اپنے شاہِ اُمم — رکھیں اس غریب کے گھر قدم
میرے شاہ کی نہ ہو شان کم — کیے گدا سے ان کو پیار ہے

وہ اس غریب کا غم کدہ بنے رشک جلد برین تما ہا
کرے ناز اپنے نصیب پر بنے شاہ وہ جو گنوار ہے

ان کی نگاہِ کرم سے ہم گندے پاک ہو جاتے ہیں۔ ہم جاہل عالم بن جاتے ہیں۔ ہم ناقدرے قدر والے ہو جاتے ہیں ہم جنہیں مفت کوئی نہ لے قیمتی بن جاتے ہیں۔ شعر

بہائے خویش می دانم بہ نیم جو نمی ارزد
وگر او فضل فرماید بہا نم بے بہا گردد

میاں محمد صاحبؒ نے فرمایا ہے

نہ میں یار کہاون لائق نہ میں نساں بیارا
گولا کر کے رکھ بندے نوں ان ولّاں بیچارا
خس خس جتنا قدر نہ میرا صاحب نوں وڈیایاں
ہیں گلیاں دا کوڑا کوڑا محل چڑھایا شاہاں

آگے ارشاد ہوا وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۔

(ترجمہ) وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں وہ باتیں سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ عالمانہ مشرب پر اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ محبوب تمہیں صرف مسائل ہی سکھاتے بلکہ ازل سے لے کر اب تک جو کچھ واقعات عالم میں گزر چکے اور وہ جو اب سے لے کر قیامت تک ہونے والا ہے وہ سب کچھ تمہیں سکھاتے اور بتاتے ہیں اس کی تفسیر وہ حدیث ہے جسے بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت فرمایا۔

کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد ممبر پر قیام فرما کر وعظ فرمایا حتیٰ کہ وقت ظہر آ گیا۔ پھر نماز ظہر ادا کی۔ پھر وعظ شروع فرما دیا۔ حتیٰ کہ وقت عصر ہو گیا۔ پھر عصر پڑھ کر وعظ شروع کیا۔ حتیٰ کہ مغرب ہو گئی۔ اس وعظ میں ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک بلکہ جنتیوں کے جنت

اور دوزخیوں کے دوزخ میں پہنچنے تک کے سارے حالات اس طرح بیان فرما دیئے کہ جو پرندہ پَر مارے گا وہ بتا دیا اور جو ذرہ حرکت کرے گا وہ بھی بتا دیا اور جو قطرہ گرے گا اس کی خبر بھی دیدی۔ جسے یاد رہا اُسے یاد رہا۔ جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ یہ بھی حضور کا معجزہ ہے کہ اس مختصر وقت میں اتنا طویل بیان فرما دیا۔

جب داؤد علیہ السلام گھوڑے پر زین کسنے سے پہلے ساری زبور پڑھ سکتے ہیں تو ہمارے حضور اتنے وقت میں سب کچھ بیان بھی فرما سکتے ہیں۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہاں مَالَا تَعْلَمُوْنَ سے مراد ہمارے نفس کے عیوب ہیں جیسے طبیب بیمار کی بیماریاں اور اس کے ہر قسم کے حالات بتاتا ہے خود بیمار کو اپنے حال کی خبر نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہمیں اپنے نفس کے عیوب خود معلوم نہیں۔ اس شاہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائے تو معلوم ہوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس کے دھوکوں اور فریبوں سے وہی بچ سکتا ہے جسے اللہ بچائے۔

جیسے زمین کے ذرے۔ آسمانوں کے تارے ہماری گنتی سے باہر ہیں۔ ایسے ہی نفس کے فریب ہمارے خیال سے وراء ہیں۔ سارے دشمن ہم سے دُور رہتے ہیں۔ ہم ان سے بھاگتے ہیں مگر یہ مارِ آستین ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ یہ مت سمجھو کہ یہ سب کو عبادتوں سے روکتا ہی ہے۔ نہیں بعضوں سے عبادتیں کراتا بھی ہے لیکن وہ ساری عبادتیں کرانا درحقیقت ان کے روکنے کے لئے ہوتا ہے۔

کسی سے کہتا ہے کہ تو خوب نوافل پڑھ وہ نوافل میں مشغول ہو کر فرائض چھوڑ بیٹھتا ہے۔ کسی کو رات بھر اللہ اللہ کروا کر اتنا تھکا دیتا ہے کہ وہ آئندہ عبادت کے قابل رہتا ہی نہیں۔

قربان جاؤ اس محبوب کے جس نے ہمیں ان خطرات پر مطلع کیا۔ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نیکی وہ ہے جو ہمیشہ کی جائے اگرچہ تھوڑی ہو ایک

بار ابی بن کعبؓ یا کوئی اور صحابی فجر کی جماعت میں شامل نہ ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عیادت کی نیت سے ان کے گھر تشریف لے گئے آپ یہ سمجھے کہ وہ ایسے بیمار ہو گئے ہوں گے کہ مسجد میں کسی کی امداد سے بھی نہ پہنچ سکے۔ تو ان کی بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ وہ رات بھر نوافل میں مشغول رہے صبح ہونے ان کی آنکھ لگ گئی دیر سے جاگے اور جماعت نہ پا سکے امیر المومنین نے فرمایا۔ بہتر تھا کہ عشاء پڑھتے ہی سو جاتے مگر فجر جماعت سے پڑھتے۔ نوافل کی وجہ سے واجب مت ترک کرو۔ یہ بھی وہ تعلیم جس کی برکت سے انسان نفس کے دھوکوں سے بچ سکتا ہے اس لئے فرمایا گیا وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ہماری اس تقریر سے پتہ لگ گیا ہوگا کہ آیت شریف کے جملے مکرر نہیں۔ کتاب اور حکمت کی تعلیم میں اور جانب اشارہ ہے اور اس اخیر جملے میں کسی اور طرف۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

۴۸۶

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ ؁

(ترجمہ) اے میرے بندو! تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہمیں اپنے ذکر و فکر کا حکم دیا۔ اس آیت کا ہر ایک جملہ اپنے اندر بے بہا فوائد رکھتا ہے۔ فَاذْکُرُوْنِیْٓ کی ف یا جزائیہ ہے یا سببیہ کی یعنی تم میری نعمتیں سن چکے تو اس کے شکریہ میں میرا ذکر و شکر کرو یا چونکہ میں نے تم کو اپنے محبوب پاک کی غلامی عطا فرمائی لہٰذا مجھے یاد کرو اور میرا شکر گزارو۔

پہلے جملے میں دو جگہ لفظ ذکر ارشاد ہوا۔ ایک اُذْکُرُوْنِیْٓ میں اور دوسرا اَذْکُرْکُمْ میں۔ قرآن کریم میں ذکر پانچ معنوں میں استعمال ہوا ہے

یاد کرنا۔ یاد رکھنا۔ تعظیم کرنا۔ عزت دینا۔ مشہور کرنا۔

رب فرماتا ہے وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ اور فرمایا۔ فِیْہِ ذِکْرُکُمْ۔ یہاں ذکر یعنی عزت افزائی اور شہرت ہے۔ فَاذْکُرُوْنِیْ کے ذکر میں تین احتمال ہیں اور اَذْکُرْکُمْ میں پانچ احتمال یعنی اے میرے بندو۔ تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ یا تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ یا تم میری تعظیم کرو میں تمہاری تعظیم کرونگا۔ یا تم مجھے یاد کرو میں تمہیں عزت دونگا۔ یا تم مجھے یاد کرو میں تمہیں شہرت دوں گا۔ اگر پہلے معنی مراد ہوں یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ تو اس کی تفسیر وہ حدیث قدسی ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو بندہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اُسے بہتر جماعت یعنی فرشتوں میں یاد کرتا ہوں۔ سبحان اللہ! زہے نصیب کہ ہماری تھوڑی سی جنبشِ لب کی برکت سے ہماری یاد بارگاہِ الٰہی میں ہو جائے۔

ذکر اللہ یعنی اللہ کی یاد کے متعلق چند چیزیں قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر اللہ کتنی نوعیتوں کا ہے۔ دوسرے یہ کہ ذکر اللہ کتنی طرح ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کے کیا فائدے ہیں۔ چوتھے یہ کہ کون سا ذکر افضل ہے!

ذکر اللہ کی تین قسمیں ہیں:

براہِ راست خدا کی ذات و صفات کا ذکر۔

دوسرے اللہ کے محبوبوں اور اس کی پیاری چیزوں کا عظمت کے ساتھ ذکر۔ تیسرے اللہ کے دشمنوں کا اہانت اور ذلت کے ساتھ ذکر۔

دیکھو سارا قرآن ذکر اللہ ہے۔ مگر کہیں رب کی ذات و صفات کا ذکر ہے جیسے قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ الخ کہیں رب کے نبیوں، ولیوں، کعبہ معظمہ وغیرہ کے ذکر۔ جیسے سورہ کوثر۔ سورہ قصص۔ سورہ شعراء وغیرہ اور کہیں رب کے دشمنوں کا ذکر۔ جیسے سورہ لہب وغیرہ بلکہ رب کے احکام کا ذکر بھی اللہ کا ذکر ہے۔

(۲) ہر عضو کا ذکر اللہ علیحدہ ہے۔ آنکھ کا ذکر ہے اللہ کی چیزوں کو محبت سے دیکھنا یا اُسے یاد کرکے رونا۔ کان کا ذکر ہے اللہ کا چرچا بغور سننا۔ زبان کا ذکر ہے اللہ کی یاد میں تر رہنا۔ ہاتھ کا ذکر ہے قرآن شریف وغیرہ اچھی چیزوں کا چھونا۔ نیکوں سے مصافحہ کرنا۔ پاؤں کا ذکر ہے مسجدوں، خانقاہوں اچھی مجلسوں وغیرہ میں چل کر جانا۔ خصوصاً حرمین طیبین میں حاضری دینا۔ دل دماغ کا ذکر ہے اپنی خطاؤں اور رب کی عطاؤں۔ اپنی بدکاریوں اور رب کی ستاریوں کو سوچنا۔ یہ سب ذکر فَاذْكُرُوْنِیْ میں شامل ہے۔

(۳) ذکر کے بے شمار فائدے ہیں۔ جن میں سے ایک تو وہ ہے جو یہاں مذکور ہوا۔ یعنی اس کی برکت سے رب کی بارگاہ میں ہم گنہگاروں کا ذکر ہوتا ہے۔ جو یہ جاننا چاہیے کہ رب کے ہاں میرا کتنا ذکر ہوتا ہے۔ تو وہ اپنا حال دیکھ لے۔ کہ وہ رب کا کتنا ذکر کرتا ہے۔ ذکر کرو ذکر کرا لو۔ دوسرے وہ جو قرآن کریم کی اس آیت میں مذکور ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اللہ کے ذکر سے بے چین دل چین میں آجاتے ہیں۔ کیوں نہ آئیں ہماری بے چینی ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اللہ کا ذکر ان گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ گناہ معاف ہوئے دل کو چین آگیا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں بیاید نام پاکش در دہاں | نے پلیدی ماند و در دل درہاں
ذکر حق پاکیست چوں پاکی رسید | رخت می بندد بروں آید پلید

نیز ذکر اللہ روح اور دل کے اپنے وطن کا خط ہے۔ پردیسی کو دیس کے خط اور ذکر سے چین ملتا ہے۔ ایسے ہی روح اور دل کو اللہ کے ذکر سے چین ملتا ہے۔ آج کل لوگوں نے سمجھا ہے کہ دل بہلانے اور بے چینی دور کرنے کے لئے سینما۔ گانے۔ باجے اور بدمعاشی کے سامان چاہئیں۔ ان سے دل نہیں بہلتا۔ بلکہ نفس امارہ بہلتا ہے۔ جیسے جاہل ماں پیٹ کے بیمار بچے کو

جو پیٹ کے درد سے تڑپ رہا ہو خاموش کرنے کے لئے اپنا پستان منہ میں دے دیتی ہے۔ جس سے کچھ دیر کے لئے بچہ چپ تو ہو جاتا ہے۔ مگر بیماری اور بڑھ جاتی ہے۔

اگر دل کا حقیقی چین چاہتے ہو تو گناہوں کی پلیدی ذکرِ حق کے ذریعے دُور کرو۔ تیسرے ذکر اللہ سے بندے کی عزت و عظمت بڑھتی ہے۔ جتنا تمہارے منہ میں اللہ کا ذکر زیادہ ہوگا اُتنا ہی لوگوں کے دلوں میں احترام زیادہ ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گرچہ خواہی زیستن با آبرو
ذکرِ او کن ذکرِ او کن ذکرِ او

چوتھے یہ کہ ذکر اللہ ایمان کا زیور ہے اس کی برکت سے ذاکر کو لوگوں سے استغناء حاصل ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر گدا را ذکر او سلطان کند | ذکرِ او مرزبوے ایمان بود
ہر کہ دیوانہ بود در ذکرِ حق | زیرِ پالش عرش و کرسی نو فلک

خیال رہے کہ بعض ذکر اللہ مقبول ہیں اور بعض ذکرِ محبوب اور بعض ذکر مردود۔ عذابِ الٰہی سے بچنے یا رحمتِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے ذکر اللہ کرنا انشاءاللہ مقبول ہے۔ رب تعالیٰ اس کی برکت سے بندے کی آس پوری کر دے گا۔ دوزخ سے بچائے گا۔ جنت عطا فرمائے گا۔ اور محض اللہ کی محبت سے اُسے یاد کرنا نہ کہ جنت اور دوزخ کے خیال سے۔ یہ ذکر محبوب ہے اس کی برکت سے بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس ذکر میں بندے کی اپنی غرض شامل نہیں۔ اس محبوبیت کا نتیجہ وہ ہوتا ہے جو ایک حدیث قدسی میں ارشاد ہوا کہ میں اس بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ چھوتا ہے۔ اس کے پاؤں

بن جاتا ہوں جن سے چلتا ہے یعنی اس کے اعضا میں خدائی طاقتیں آجاتی ہیں اور بندہ خدائی کے کام کرنے لگتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ بندہ نعوذ باللہ خدا بن جاتا ہے اور نہ اس لئے کہ بندے میں خدا اُتر آتا ہے۔ یہ ماننا تو عین شرک ہے بلکہ اس لئے کہ بندہ مظہرِ ذاتِ کبریا ہوتا ہے۔

شفاف آئینے کو سورج کے سامنے کردو تو آئینے میں چمک دمک شعاعیں گرمی سب نمودار ہوجاتی ہیں۔ مگر نہ آئینہ سورج بن گیا اور نہ آئینے میں سورج اُتر آیا بلکہ سورج کی کرم نوازی سے اس کی تجلی آئینے میں پڑ گئی۔

پانی کو آگ پر کھولایا تو یہ کھولتا پانی آگ کے سے کام کرنے لگا جسم پر آبلے ڈال دیتا ہے۔ کھال پھاڑ دیتا ہے۔ حالانکہ نہ پانی آگ بن گیا اور نہ آگ پانی میں سما گئی۔ قرآن کریم میں انبیاء کرام کے ایسے معجزات اور اولیاء اللہ کی ایسی کرامتیں مذکور ہیں۔ جہاں عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ طاقت انسانی وہ کام کرسکتی نہیں صرف طاقتِ ربانی کے جلوے ہوتے ہیں۔ صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت مریم شرم کے مارے جنگل میں چلی گئیں۔ دردِ زہ کی شدت سے گھبرا کر بولیں۔ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی۔ اور بھولی بسری بن جاتی کیونکہ ولادت کی سخت تکلیف اور پاس نہ دائی نہ مائی۔

فوراً غیبی آواز آئی۔ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ اے مریم! گھبراؤ نہیں۔ تمہارے پاؤں کے نیچے پانی ہے۔ اور وہ سوکھی کھجور کا ڈنڈ جس میں نہ سبزی ہے نہ برگ وبار۔ اُسے ہاتھ لگا۔ ابھی سرسبز ہوگی۔ ابھی اس میں ہرے پتے لگیں گے۔ ابھی پھل آئیں گے ابھی پک جائیں گے ابھی گریں گے وہ کھالو۔ پانی پی لو ❖

دیکھو ولی کے ہاتھ کی طاقت کہ سوکھے درخت کو چھو جائے تو فقط ہرا ہی نہیں بلکہ آن کی آن میں پھل دار ہو جائے گا۔ بولو یہ کس کی قوت ہے۔
یہ ہیں ذکرِ محبوب کی تاثیریں۔ جب ولیوں کے ہاتھ سے سوکھے درخت ہرے ہو جاتے ہیں تو ان کی نگاہِ کرم سے خشک دل بھی سبز ہو جاتے ہیں۔ مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ میاں محمد صاحب فرماتے ہیں ؎

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد نگاہ کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

مردود ذکر وہ ہوتا ہے کہ کوئی خبیث نفس والا فانی اغراض کے لئے دھوکہ بازی یا خود غرضی کے لئے رب کا نام لے۔ پیشہ ور بھکاری دن رات اللہ اللہ ہی کرتے پھرتے ہیں۔ صبح سے شام تک شاید دو ہزار بار اس کا نام لیتے ہیں۔ مگر چند لقموں کے لئے۔ جھوٹی قسمیں کھانے والے قرآن بھی اٹھا لیتے ہیں۔ رب کا نام بھی جپ لیتے ہیں۔ مگر محض دھوکہ دینے اور جھوٹ کو سچ کرنے کے لئے فقہا فرماتے ہیں کہ بھیک مانگنے کے لئے تلاوتِ قرآن حرام ہے۔ اور شراب پینے یا زنا کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا کفر ہے۔ کہ اس میں رب کے نام کی توہین ہے۔

خیال رہے کہ ذکرِ محبوب والے حضرات پر ایک وقت وہ آتا ہے کہ جب وہ اپنی انا فنا کر دیتے ہیں۔ پہلے تو ان اعضا پر قدرت کام کرتی ہی تھی۔ اب بعض حالات میں کبھی کبھی ان کے منہ سے اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ یا اَنَا الْحَقُّ یا سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ نکلنے لگتا ہے۔ اس وقت وہ لوگ خدائی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ان کی زبان پر خود رب تعالیٰ بولتا ہے۔ میں اللہ ہوں۔

جیسے ریڈیو کی پیٹی پر جب وزیر اعظم تقریر کرتا ہے تو کہتا ہے میں وزیر اعظم ہوں۔ تمہیں یہ حکم دیتا ہوں تو ہر جگہ ریڈیو کی پیٹیوں میں سے

یہ ہی آواز نکلتی ہے۔ نہ وہ بیٹیاں وزیر اعظم بن گئیں اور نہ وزیر اعظم ان میں آکر بیٹھ گئے۔ بلکہ اس بیٹی نے اس آواز کو آپ تک پہنچا دیا۔

دیکھو جب موسیٰ علیہ السلام پہلی بار طور کے پاس وادی ایمن میں پہنچے آگ لینے کے لئے تو دیکھا ایک درخت ببول کا یا بیری کا یا عناب کا منور ہے جس میں صرف روشنی ہے نہ دھواں نہ تپش اور اس درخت میں سے آواز آرہی ہے کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں۔ رب فرماتا ہے۔ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ۔ یہ درخت خدا نہ تھا اور نہ خدا تعالیٰ اس میں آگیا تھا۔ بلکہ رب نے اپنا کلام اس درخت کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کو سنایا۔ ایسے ہی ان کا حال ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں روا باشد انا اللہ از درخت
کے روا نبود کہ گوید نیک بخت

قطرہ دریا میں پہنچ کر اپنے دریا ہونے کا اعلان کرنے لگتا ہے۔ وہ دریا نہیں بن گیا بلکہ دریا میں فنا ہو گیا۔ کسی شخص نے کہا ہے ؎

بندہ از بندگی خدا گوید | نہ تواند کہ مصطفٰے گوید
قطرہ در آب رفت آب شود | نہ تواند کہ در ناب شود

چونکہ یہاں ذکر اللہ کی گفتگو ہو رہی ہے اس لئے یہ عرض کر دینا مناسب ہے کہ حضرات نقشبندیہ کے ہاں ذکر خفی بہتر ہے۔ اور باقی تینوں سلسلوں میں ذکر بالجہر افضل ہے۔ یہ ان ذکروں میں گفتگو ہے جن میں شریعت نے جہر یا خفا کی قید نہ لگائی۔ ورنہ اذان۔ اقامت۔ حج میں تلبیہ تین نمازوں کی قرأت ان سب میں سب کے ہاں جہر واجب ہے اور ظہر اور عصر کی قرأت وغیرہ میں سب کے ہاں اخفا واجب ہے۔

حضرات نقشبندیہ کی دلیل یہ ہے اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً نیز وہ فرماتے ہیں کہ جسے سنانا ہے وہ آہستہ بھی سن لیتا ہے۔ جہر میں ریا کا

اندیشہ ہے آہستہ ذکر میں یہ احتمال نہیں۔ باقی تین سلسلوں والے اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا نیز وہ حدیث قدسی جس میں فرمایا گیا جو بندہ مجھے دل میں یاد کرے اُسے میں بھی اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے مجمع میں یاد کرے میں اُسے اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ اونچی آواز سے ذکر میں دل پر خاص اثر ہوتا ہے اور دوسروں کو ذکر کی رغبت ہوتی ہے۔ جہاں تک آواز پہنچے وہاں تک کا ہر ذرہ اور پتہ اس کے ایمان کے گواہ بن جاتے ہیں۔

مگر حق یہ ہے کہ سارے اللہ کے پیارے بندے ہیں۔ نقشبندیہ کا ذکر خفی بھی حق ہے اور باقی سلسلوں کا ذکر جہر بھی حق۔ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر شب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بہت آہستہ تلاوت کرتے دیکھا اور جناب عمر رضی اللہ عنہ کو بلند آواز سے تلاوت کرتے سُنا۔ صبح کے وقت ان دونوں بزرگوں سے ان کے اپنے اپنے طریق کار کی وجہ پوچھی تو جناب صدیق نے عرض کیا۔ کہ یا حبیب اللہ! جسے سُنانا تھا اُسے میں نے سُنا لیا۔ اور جناب عمر نے عرض کیا کہ میں سوتوں کو جگا رہا تھا۔ شیطان کو بھگا رہا تھا۔ رب کو منا رہا تھا یہ تمام گفتگو تب ہے جبکہ ذکر اللہ سے مراد اللہ کو یاد کرنا یا یاد رکھنا ہو۔ لیکن اگر آیت کے معنی یہ ہوں کہ تم میری تعظیم کرو تو میں تمہیں عزت دوں گا تو پھر گفتگو ہی اور ہے۔

کیونکہ براہ راست حق تعالیٰ کی تعظیم ہم سے نہیں ہو سکتی۔ کسی کی تعظیم کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی آمد پر کھڑے ہو جاؤ۔ اس کے ہاتھ پاؤں چوم لو۔ اس کو جھک کر سلام کر لو۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تعظیم رب کی کیسے ہو سکتی ہے۔ لہذا اب رب کی تعظیم کی یہ ہی صورت ہے کہ اس کے نبیوں ولیوں۔ اس کی مسجدوں۔ اس کے قرآن شریف اس کے رمضان وغیرہ غرض ہر اس چیز کی تعظیم کی جائے جسے رب سے نسبت ہو۔ ایسے شخص کو رب تعالیٰ دین و دنیا میں عزت دیتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کی تعظیم رکنِ ایمان ہے اور توہین اوّل درجے کا کفر۔ جس سے دل پر ایسی مہر لگتی ہے کہ وہاں ایمان پہنچ سکتا ہی نہیں چنانچہ اس بارے میں چند حکایات سن لو۔

حکایت: حضرت شبلیؒ اوّلاً بڑے فسق و فجور میں گرفتار تھے حتیٰ کہ ہر وقت شراب میں مخمور اور نشے میں چُور رہتے تھے۔ ایک بار کہیں جا رہے تھے کہ کاغذ کا ایک پُرزہ کیچڑ میں پڑا ہوا نظر آیا۔ اٹھایا تو دیکھا کہ اس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ تڑپ گئے۔ اُسے صاف کیا۔ بہت روئے، بولے اے پُرزے یہ جگہ تیری نہیں بلکہ میری ہے اور اُسے بڑے احترام سے نہایت محفوظ جگہ رکھ دیا۔ بارگاہِ الٰہی میں یہ ادب مقبول ہو گیا۔ توبہ کی توفیق مل گئی۔ آستانۂ نبوی تک رسائی ہو گئی۔ اور اولیاء کاملین میں سے ہو گئے۔ **شعر**

ازیں مے قطرۂ پاکاں چشیدند — جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ شد مست

ازیں مے قطرۂ نوشید منصور — اَنا حق می زد و بردار شد مست

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم

ازیں مے ہمچو من بسیار شد مست

حکایت: حضرت جنید بغدادیؒ سرگروہِ اولیا اور سرخیل اصفیاء ہیں حتیٰ کہ حضور غوث پاک سرکار بغداد کے سلسلہ مرشدین میں سے ہیں۔ آپ پہلے خلیفہ بغداد کے نامی گرامی پہلوان تھے۔ بادشاہ نے اعلان کیا تھا کہ جو ہمارے جنید کو پچھاڑے ہم سے منہ مانگا اور من بھاتا انعام لے۔ مگر کسی پہلوان نے مقابلے میں آنے کی ہمت نہ کی۔ ایک سید صاحب جو نہایت پریشان حال اور تنگ دست تھے انہوں نے اپنی بیوی سے کہا۔ کہ میں جنید سے کشتی لوں۔ اگر جیت گیا تو مالا مال ہو جاؤں گا اور اگر ہار گیا تو میرا بگڑتا ہی کیا ہے۔ بی بی صاحبہ نے ہنس کر کہا کہ تم یہ کیا

باتیں کر رہے ہو۔ نہ تو تمہارے جسم میں زور نہ بدن میں طاقت۔ اور نہ تم کشتی کے ہنر سے خبردار اور نہ کسی داؤ پیچ کے واقف۔ سید صاحب بولے۔ یہ تو میں جانتا ہوں مگر داؤ ایسا یاد ہے اگر وہ کام آ گیا تو جنید کو پچھاڑ لونگا آخرکار سید صاحب پہنچ گئے۔ اور اپنے ارادے پر بادشاہ کو مطلع کیا۔ بادشاہ ان کا زرد چہرہ دُبلا بدن۔ کمزور ہاتھ پاؤں دیکھ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اور کہا اگر آپ کو کشتی کا شوق ہے تو ہمارے کسی اور پہلوان سے لے لو۔ ابھی تمہیں جنید کی طاقت کی خبر نہیں۔

سید صاحب بولے کہ اے بادشاہ! تُو میرے مرجھائے ہوئے بدن کو نہ دیکھ۔ انشاء اللہ میرے جوہر اکھاڑے میں آ کر کھلیں گے۔ بادشاہ بھی راضی ہو گیا اور سارے علاقے میں کشتی کا اعلان کر دیا۔ دُور دراز سے خلق یہ دنگل دیکھنے جمع ہو گئی۔ بڑے وسیع میدان میں اکھاڑا تیار کیا گیا۔ اُمرا وزراء ملکہ خود بادشاہ بنفسِ نفیس یہ حیرت ناک کشتی دیکھنے کے لئے جلوہ گر ہوا۔ وقت مقررہ پر جنید مست ہاتھی کی طرح جھومتے ہوئے لنگر لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں کُود پڑے۔ ادھر سید صاحب بھی جنہیں آج کئی دن کا فاقہ تھا۔ اُفتاں و خیزاں سامنے آ گئے۔ سید صاحب کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ کشتی شروع کس طریقے سے کی جاتی ہے۔

جنید نے حسبِ دستور ہاتھ ملایا۔ دوسرے ہاتھ سے گردن پکڑی۔ اور سر سے سر ملا۔ تو سیّد صاحب نے چپکے سے کان میں کہہ دیا کہ میں پہلوان نہیں ہوں۔ سیّد ہوں اور بھوکا ہوں۔ یہ سنتے ہی جنید کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ تمام دم خم جاتا رہا۔ برائے نام یونہی معمولی زور دکھا کر چت گر گئے اور سیّد صاحب کو سینے پر لے لیا۔ شور مچ گیا کہ مار دیا۔ مار دیا۔ بادشاہ بولا کہ شاید ہمارے جنید کو دھوکا ہو گیا۔ کشتی پھر ہوئی۔ دونوں دوبارہ پھر کھڑے ہو گئے۔ سر ملتے ہی سیّد صاحب نے پھر وہی کہا۔

کہ جنید ایک سید کی تنگدستی پر نظر رکھنا۔ جنید پھر اسی طرح کچھ جھوٹا موٹا زور دکھا کر چیت گر پڑے۔ بادشاہ نے سید صاحب کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

اُدھر جنید کے ساتھیوں اور شاگردوں کو بہت ندامت ہوئی سب نے انہیں گھیر لیا۔ اور بولے کہ آج تمہیں کیا ہو گیا۔ تم نے اپنے مقابل کا ہاتھ ڈھیلا کیوں پکڑا۔ تم نے فلاں داؤ پیچ کیوں نہ استعمال کئے

جنید رو پڑے اور بولے کہ میں شمر نہ تھا۔ یزید نہ تھا۔ عمر بن سعد نہ تھا کہ سید کی چھاتی پر بیٹھتا۔ یا ان کے مقابلہ میں داؤ پیچ استعمال کرتا۔ میں تو ان کے گھرانے کا پروردہ اور نمک خوار تھا۔

رات کو سوئے۔ تقدیر جاگ گئی۔ آنکھیں بند ہوئیں۔ نصیبا کھل گیا دیکھا کہ دربار محمدی گرم ہے۔ لاکھوں کا مجمع ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ ہمارا پہلوان جنید نہیں آیا۔ دوڑ کر قدموں سے لپٹ گئے تلووں سے آنکھیں اور پتلیاں ملنے لگے۔ فرمایا۔ جنید تو نے میرے اہل بیت کو عزت دی خدا تجھے دونوں جہان میں عزت دے۔ تو آج سردار اولیاء قرار دیا گیا۔ یہ ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کی جلوہ گری کہ تم میری تعظیم کرو میں تمہیں عزت دوں گا۔

حکایت

ایک یہودی کو اس کے مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ جنت کے باغوں میں ٹہل رہا ہے۔ پوچھا کہ جنت تو کافروں پر حرام ہے تو یہاں کیسے پہنچا۔ کہنے لگا ایک مرتبہ میرا بیٹا رمضان کے مہینے میں بازار میں دن کے وقت کچھ کھا رہا تھا۔ میں نے اسے چپت لگایا اور جھڑکا کہ اے بے حیا تجھے شرم نہیں آتی کہ مسلمانوں کا رمضان شریف ہے۔ سب لوگ روزے سے ہیں اور تو سامنے کھڑا کھا رہا ہے۔ میرا وہ رمضان کا احترام رب نے قبول فرما لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے مرتے وقت کلمہ نصیب

ہو گیا اور میں مسلمان ہو کر مرا۔ اور میرے سارے گناہ معاف ہو گئے۔

یہاں تک تو آپ نے ان خوش نصیبوں کے حالات سُنے جو ادب کی وجہ سے پار لگ گئے۔ اب اس بد نصیب کا حال بھی سن لو جس کا ایک ہی بے ادبی کی وجہ سے عبادتوں اور ریاضتوں کا بھرا ہوا جہاز بیچ سمندر کے ڈوب گیا۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ شیطان کتنے عرصہ کا عابد اور زاہد تھا اور کہاں رہتا تھا ایک سجدے کے انکار سے مارا گیا۔ خیال رہے کہ شیطان کا مردود ہونا محض سجدہ نہ کرنے سے نہ تھا ورنہ آج بے نمازی مسلمان ہزاروں سجدے کھا جاتے ہیں مگر مسلمان ہی رہتے ہیں۔ اور نہ اس حکم کے انکار کی بنا پر تھا۔ ورنہ آج لاکھوں کافر رب کے ہزاروں احکام کے منکر ہیں مگر شیطان نہیں بنتے بہتوں کو ایمان کی توفیق مل جاتی ہے۔ شیطان پر جو کفر اور بے دینی کی مہر لگی کہ بولا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ اس بے ادبی نے اُس کا بیڑا غرق کر دیا۔ اس لئے رب نے فرمایا فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ۔

دوستو! یہ آیت رب تعالیٰ کی رحمتوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔ رب فرماتا ہے تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا۔ یعنی تم مجھے توبہ سے یاد کرو۔ میں تمہیں مغفرت سے یاد کروں گا۔ تم گناہ کر کے یاد کر لو۔ میں تمہیں بخش کر یاد کرونگا تم مجھے فرش پر یاد کرو میں تمہیں عرش پر یاد کروں گا۔ تم مجھے زمین پر یاد کرو۔ میں تمہیں زمین میں جانے کے بعد یاد کرونگا۔ تم مجھے رو کر یاد کرو۔ میں تمہارے گناہ دھو کر تمہیں یاد کروں گا۔ تم مجھے زندگی میں یاد کرو میں تمہیں تمہاری موت کے بعد یاد کرونگا۔ کہ تمام خلق سے تمہیں یاد کراؤں گا۔ یہ آیت عاشقوں کی جان اور عارفوں کا ایمان ہے۔ ہم زندگی کی چند گھڑیوں میں اُسے یاد کر لیں تو وہ ابدالآباد تک ہمیں یاد کرتا ہے۔

وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ رب العلمین نے ذکر کے بعد شکر کا حکم دیا کیونکہ ذکر میں بھی رب کی یاد ہے۔ اور شکر میں بھی اس کی یاد۔ لیکن

چونکہ ذکر ہر حال میں ہوتا ہے۔ اور نعمت کے موقع پر ذکر عام اور شکر خاص۔ اس لئے ذکر کا پہلے حکم دیا گیا۔ اور شکر کا بعد میں۔ شکر کا لغوی معنی ہیں ظاہر کرنا۔ اظہار کرنا قدردانی کرنا۔ اگر رب کی صفت ہو تو قدردانی کے معنی میں ہوگا۔ اور اگر بندے کی صفت میں ہو تو ظاہر کرنے اور سنانے کے معنی میں ہوگا۔ اصلاح میں شکر کے معنی ہیں کسی کی نعمت پا کر اس کی خدمت یا تعظیم یا تعریف کرنا۔ زبان سے ہو دل سے یا ہاتھ پاؤں سے۔ رب تعالیٰ کی نعمتیں ہمارے شمار سے باہر ہیں۔ خود فرماتا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا۔ ٥

گر تنِ من زباں شود ہر مُو

احسان تزا شمارہ نہ توانم کرد

تو کس میں طاقت ہے جو رب کا کما حقہٗ شکریہ ادا کر سکے۔ مگر رب حکم دے رہا ہے کہ میرا شکر کرو۔ اس معمے کے حل کرنے میں عقل انسانی حیران تھی کہتی تھی کہ خدایا ہم تو تیری نعمتیں گن نہیں سکتے۔ شکر کیسے کریں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گتھی کو سلجھایا۔ سرکار نے تین حدیثوں میں شکر کے تین درجے بیان فرمائے درجہ عامہ تو یہ بیان فرمایا کہ صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں ۳۶۰ جوڑ ہیں۔ چاہیئے کہ روزانہ تین سو ساٹھ صدقے کیا کرے تاکہ ان کا شکریہ ادا ہو جائے۔ ان حضرات نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ روزانہ اتنے صدقے کون کر سکتا ہے۔ فرمایا صدقے سے مراد صرف مالی خیرات ہی نہیں۔ اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی صدقہ ہے۔ محبت کے ساتھ اس سے مصافحہ کرنا صدقہ ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے۔ عرض کیا حضور پھر بھی ۳۶۰ نیکیاں نہیں ہو سکتیں فرمایا کہ سورج نکلنے پر اشراق کے دو نفل پڑھ لینا ۳۶۰ جوڑوں کا صدقہ ہو جاتا ہے۔ یہ شکر عام تھا جو رب العٰلمین نے معمولی نیکیوں کو اپنی بے شمار نعمتوں کا شکریہ بنا دیا۔

شکرِ خاص کے لئے وہ حدیث پڑھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاڑے کی لمبی لمبی راتیں نوافل میں گذار دیتے تھے۔ حتیٰ کہ پاؤں مبارک پر ورم آگیا۔ جاں نثاروں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے حبیب رب نے تو آپ سے مغفرت وجنت کے وعدے فرمالئے ارشاد فرمایا اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ کیا میں بندۂ شکر گذار نہ بنوں۔ پتہ لگا کہ ایک دو نعمتوں کے شکریہ میں رات رات بھر عبادتیں کی جاتی ہیں۔

شکر کا تیسرا درجہ وہ ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا۔ کہ فرمایا الٰہی ہم نے تیری عبادت کما حقہٗ نہ کی۔ ہم نے تجھے کما حقہٗ نہ پہچانا سبحان اللہ! ساری خلق سے بڑھ کر حضور عابد وعارف ہو کر بھی اپنی انکساری کا اس طرح اظہار و اقرار فرماتے ہیں۔

ضروری نوٹ :-

خبردار خیال رہے کہ کوئی شخص اس حدیث کی بنا پر یہ نہ سمجھے کہ (نعوذ باللہ) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کما حقہٗ عبادت نہ کی یا اُسے کما حقہٗ نہ پہچانا یا کما حقہٗ رب کا شکر ادا نہ کیا۔ جو یہ کہے گا کافر ہوگا۔ حضور کا فرمان ہمیں سکھانے کے لئے ہے کہ ہم میں سے بڑے سے بڑا عابد بھی اپنی عبادتوں ریاضتوں پر ناز نہ کرے۔ ہمیشہ اپنے کو قصوروار جانے یا آپ کی یہ عرض ومعروض انکساری و اظہار عبدیت کے لئے ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الخ یا جیسے یونس علیہ السلام نے عرض کیا۔ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اب جو اُن کو ظالم کہے وہ ظالم ہو جائے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رب کے پورے عابد۔ عارف شاکر نہ ہوں۔

رب تو نوح علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ۝ تو کیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اُن سے کم ہے

جب نوح علیہ السلام بڑے شاکر ہیں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑوں سے بڑے شاکر ہیں۔ لطف یہ ہے کہ بندہ کہے کہ میں گنہ گار۔ رب کہے تو فرمانبردار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہتے تھے ؎

کَیۡفَ حَالِیۡ یَا اِلٰھِیۡ لَیۡسَ لِیۡ خَیۡرَ الۡعَمَلۡ
سُوۡءُ اَعۡمَالِیۡ کَثِیۡرًا وَطَاعَتِیۡ قَلِیۡلۡ

خداوندا! میرا کیا ہوگا۔ میرے پاس تو کوئی نیکی نہیں۔ رب اس کے متعلق فرمائے وَسَیُجَنَّبُھَا الۡاَتۡقَی الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ۔ اس سے کیا فائدہ کہ بندہ کہے میں فرمانبردار اور رب کہے تو بدکار۔ غرض کہ ان تینوں حدیثوں میں شکر کے تین درجے بیان ہوئے۔ اس بیان پر علماء فرماتے ہیں۔ کہ شکرِ عام تو یہ ہے کہ بندہ رب کی نعمتوں کو گناہوں میں صرف نہ کرے اور شکر خاص یہ ہے کہ بندہ رب کی نعمتوں کو عبث اور بےکار باتوں میں ضائع نہ کرے۔ اور شکر خاص الخاص یہ ہے کہ بندہ رب کی نعمتوں کو اس کی عبادتوں ہی میں صرف کرے۔ کہ کوئی سانس اس کے شکر سے خالی نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شکر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کی ہر نعمت میں سے رب کا حصّہ نکالے اور اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے ؎

دل تیرا جان تیری عاشق شیدا تیرا
سب تو تیرا ہی ہے پھر کس لئے میرا تیرا

یعنی حِصّہ کیا کرنا۔ رب کی ہر نعمت ہر وقت اسی کے لئے خرچ کرے اب پڑھو وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ وَلَا تَکۡفُرُوۡنِ ۝ خیال رہے کہ شکر کی بنا دو چیزوں پر ہے۔ ایک یہ ہے کہ دنیاوی چیزوں میں ہمیشہ اپنے سے نیچے کو دیکھے اور دینوی کاموں میں ہمیشہ اپنے سے اونچے پر نظر رکھے انشاءاللہ کبھی ناشکری نہ کرے گا اور کبھی اپنی عادتوں پہ نازاں نہ ہوگا۔

حکایت: شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ دوپہر کا وقت

تھا۔ تپش سخت تھی۔ میرے پاس جوتا نہ تھا۔ جس سے پاؤں جل رہے تھے۔ میں جوتے والوں اور سواری والوں کو دیکھ کر دل رہا تھا کہ یہ لوگ سواریوں پر سوار ہیں۔ اور مجھے جوتے بھی میسر نہیں۔ رستے میں دیکھا کہ ایک شخص ایسا ہے کہ جس کے پاؤں ہی نہیں۔ اسی گرم زمین پر چوتڑوں کے بل گھسٹتا آرہا ہے۔ میں سجدے میں گر گیا۔ کہ خدایا تیرا شکر ہے۔ میرے پاس پاؤں تو ہیں۔ دوسرے یہ کہ انسان ہمیشہ اپنی اصل کو یاد رکھے کہ میں کیا تھا اور رب نے مجھے کیا بنا دیا۔

حکایت

حضرت ایاز سلطان محمود کے بڑے چہیتے غلام تھے۔ جن پر سلطان دل و جان سے قربان تھا۔ ایسے لوگوں کے حاسد بہت ہوتے ہیں جو ہمیشہ موقع کی تاک میں رہتے ہیں۔ ایاز کا قاعدہ یہ تھا کہ روزانہ کچھ دیر کے لئے سرکاری موتی خانے میں اندر سے دروازہ بند کر کے بیٹھا کرتے تھے۔

حاسدوں نے مخبری کی کہ حضور شاید ایاز چور ہے۔ جس نے خزانے کی بڑی بھاری چوری کی۔ جسے سنبھالنے کے لئے روزانہ موتی خانہ بند کر کے بیٹھتا ہے۔ سلطان نے فرمایا۔ اب جب کبھی ایاز بیٹھے۔ مجھے خبر کرو۔ چنانچہ دوسرے دن ہی مخبروں نے پھر خبر کر دی کہ حضور موقعہ واردات پر خود چلئے۔ ایاز اندر بیٹھا ہوا ہے۔ سلطان بنفسِ نفیس موتی خانے کے دروازے پر آئے۔

آواز دی ایاز!

جواب آیا حضور! حکم دیا کھولو۔ عرض کیا بہت اچھا۔ مگر دروازہ نہ کھلا۔ لوگ کہنے لگے۔ ابھی کیسے کھولے۔ مال مسروقہ سنبھال لے تو کھولے گا۔ پھر آواز دی کھولو۔ جواب آیا۔ ابھی کھولتا ہوں۔ اب تیسری بار بادشاہ نے جھڑک کر کہا۔ فوراً کھول ورنہ سزا پائے گا۔

کواڑ کھولے۔ سلطان مع حاسدوں کے اندر داخل ہوا تو بجز ایک مضبوط صندوق کے جس پر بہت بڑا قفل لگا تھا اور کوئی قابل اعتراض چیز نظر نہ آئی۔ سب کی

انگلیاں اس صندوق کی طرف اٹھنے لگیں کہ جو کچھ کرامات ہے اسی میں ہے۔
سلطان نے فرمایا۔ ایاز کیا ہے؟ ایاز ہاتھ جوڑ کر بولا۔ حضور اس میں
میرے عیب ہیں پردہ پوشی کیجئے۔ ع
پردہ رہنے دو کہ اس پردے میں رسوائی ہے

ایاز کی اس گفتگو سے لوگوں کا شبہ اور قوی ہو گیا۔ سلطان نے حکم دیا اسے ضرور کھولو۔ آخر کار قہرِ درویش برجانِ درویش۔ کھولا۔ دیکھنے والوں کی نگاہوں نے دیکھا کہ اس میں صرف تین میلے کپڑے تھے۔ ایک پھٹی ٹوپی جس کا جھنڈلا ندارد تھا۔ ایک قمیص جس کا گریبان چاک۔ ایک گریبان جس میں تیس چالیس پیوند۔ وہ بھی شکستہ۔ بادشاہ نے پوچھا۔ ایاز کیا ہے؟

ایاز رو پڑا اور بولا کہ جس دن میں حضور کے ہاں خریدا ہوا آیا تھا اس دن میرے جسم پر یہ کپڑے تھے۔ حضور کی مہربانی سے بہترین پوشاکیں پہنتا ہوں اندیشہ تھا کہ میرے نفس میں تکبر پیدا ہو جائے۔ اس لئے روزانہ آدھ گھنٹے کے لئے یہ کپڑے پہن لیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے نفس بادشاہ کی پوشاکیں پہن کر اور شاہی نعمتوں میں رہ کر اپنی اصل نہ بھول جانا۔ تاکہ تو بندہ شاکر رہے۔ یہ سن کر بادشاہ پر رقت طاری ہوئی اور بولا۔ اے ایاز! تو اپنی اصل کو نہ بھولا مگر میں بھول گیا۔ کہ ماں کے پیٹ سے ننگا آیا تھا۔ کمزور اور ناتوان پیدا ہوا تھا۔ رب نے بہترین لباس بخشے۔ قوت اور توانائی دی۔ والیِ ملک بنایا۔ لیکن میں اس کی یاد سے غافل ہو گیا۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو جائز ہے جہازوں میں اڑو چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ مسکیں کا رکھو یاد اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

رب العلمین نے فرمایا وَاشْكُرُوْا لِیْ۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ میرا شکر کرو۔ اور یہ بھی کہ میرے لئے شکر کرو۔ پہلی صورت میں منشا یہ ہو گا کہ تم پر کوئی احسان کرے کوئی مہربانی کرے مگر شکر میرا ہی ادا کرو کہ حقیقی منعم

میں ہی ہوں۔ جب میں نے اس کے دل میں ڈالا تو اس نے تم پر مہربانی کی۔ مجازاً خلق کا بھی شکر ادا کرو اور حقیقتاً شکر میرا ہی کرو ۔ ؎

سائیں تیری روٹھ سے میرا آدر کرے نہ کو
دُر دُر کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں تو

دیگر

نہ کس می دہاند نہ کس مے دہد　　خدا می دہاند خدا می دہد

دوسری صورت میں منشا یہ ہوگا کہ محض نعمتوں کی زیادتی کے لئے شکر نہ کرو بلکہ میرے لئے اور مجھے راضی کرنے کے لئے کرو۔ رب نے فرمایا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ نعمتیں دوں گا۔

اندیشہ تھا کہ کوئی اس آیت سے دھوکا کھا کر محض بزنس اور کاروبار کے بھروسہ پر اس لئے شکر کرے کہ چلو محنت مزدوری نہ کی شکر ہی کر لیا۔ غرض تو مال ملنے پر ہے۔ کیسے ہی ملے۔ فرمایا گیا خبردار! یہ خیال ہرگز نہ کرنا فقط مجھے راضی کرنا۔ اگر میں راضی ہو گیا تو سب کچھ تمہارا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ بعض نمازوں اور بعض دعاؤں وظیفوں سے مشکلیں حل ہوتی ہیں۔ آفتیں ٹلتی ہیں۔ نعمتیں ملتی ہیں۔ مگر وہ سارے اعمال اس مقصد سے نہ کرے محض رضائے الٰہی کے لئے کرے اور امید رکھے کہ شاید وہ راضی اور خوش ہو کر یہ آفتیں دور کر دے۔ یہ منشا ہے کہ دنیا میں تم ماں، باپ، اُستاد، پیر اور ایسے دیگر محسنوں کا شکریہ ادا کرو۔ مگر اس لئے کہ یہ میرا حکم ہے تب یہ تمہارے سارے شکریے عبادات بنیں گے۔ جن کا ثواب تمہیں دنیا و آخرت میں ملیگا۔

اسی لئے شرعی مسئلہ یہ ہے کہ دنیاوی نام و نمود کے لئے ماں باپ کی خدمت محض دلی جوش میں اپنی اولاد یا اہل قرابت سے محبت باعث ثواب نہیں کہ یہ تو کفار بھی بلکہ جانور بھی کر لیتے ہیں ان خدمتوں اور محبتوں پر ثواب تب ملے گا جب یہ سمجھ کر کرے کہ یہ سنتِ رسول اللہ ہے اور حکمِ الٰہی ہے۔

حکایت

ایک جنگ جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم خود بہ نفسِ نفیس شریک تھے۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ سب کافر مرد عورتیں گرفتار ہو کر آ گئے۔ قیدیوں سے ایک عورت نے کسی غازی سے پوچھا کہ تمہاری اس فوج کی کمان کون کر رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم۔ وہ بولی مجھے ان کے پاس لے چلو۔ غازی نے کہا ہم سے ہی کہہ دے تیرا پیغام انہوں تک پہنچا دیا جائیگا۔ وہ بولی نہیں۔ تمنا ہے کہ براہِ راست انہیں کو اپنے دکھ درد کی داستانیں سناؤں ؎

یہ بندہ ہو وہ آقا ہو یہ منگتا ہو وہ داتا ہو
ہوں میرے ہاتھ پھیلے جوش میں ہو رحمت باری

اشعار دیگر

میرے عربی ماہی دَر تے بکا میرا رضے نے آدن نوں جی کردا
بِلّد کدی تاں اپنا چہرہ دکھا میرا اوکھڑے سُناوں نوں جی کردا

اس کے اصرار پر وہ غازی اس بی بی کو باقی قیدی عورتوں کے ساتھ بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر لے آئے۔ اس نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ پہچانتے ہیں۔ فرمایا تو ہی بتا۔ بولی میں حلیمہ دائی کی دودھ بیٹی ہوں۔ جو پستان آپ نے چوسے وہ میں نے بھی چوسے۔ یہ سنتے ہی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلّم کو رقت طاری ہو گئی اور حاضرین کی چیخیں نکل گئیں۔ فرمایا ان سب کو آزاد کر دو۔ اور انہیں ساتھ ہی اتنی اتنی بوریاں دے دو۔ وہ سب بولیں یہاں تو آزاد کر دیا۔ دوزخ کی آگ سے بھی آزاد کریں ؎

گر کے قدموں پہ وہ قربان ہو گئیں
پڑھ لیا کلمہ وہ مسلمان ہو گئیں

ان باتوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنے بھائی بہنوں سے محبت و سلوک کرے۔

(۵۰)

حکایت

ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں جلوہ گر تھے۔ جیسے تاروں کے بیچ میں چودھویں رات کا چاند کہ ناگاہ ایک چادر پوش بی بی تشریف لائیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعظیم کو کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر ان کے نیچے بچھا دی۔ صحابہ حیران تھے کہ یہ کون خوش نصیب بی بی ہیں۔ کہ سلاطین زمانہ خاک آستانہ چاٹیں۔ روح الامین حضرت جبرئیل پابوسی کو اپنا فخر سمجھیں مگر ان کے لئے چادر نہ بچھائی جائے۔ جب تک وہ تشریف فرما رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کلام نہ فرمایا۔ وہ واپس ہوئیں تو سرکار دُور تک انہیں پہنچانے گئے۔ واپسی پر کسی نے پوچھا حضور! یہ کون تھیں۔ فرمایا تمہیں خبر نہیں۔ یہ میری ماں حلیمہ تھیں۔ یہ وہ تھیں جن کی گود میرا گہوارہ بنی۔ جن کے پستان میرے مشکیزے تھے۔

سبحان اللہ! یہ تو اس ماں کا شکریہ ہے جس نے فقط دُودھ پلایا۔ سوچو کہ اگر آج حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ ہوتیں جس نے نو مہینے اس دُرِ یتیم کو اپنے صدف میں رکھا تو ان کی تعظیم و توقیر اور خدمت کتنی کی جاتی۔

بہر حال وَاشْكُرُوْا لِيْ دریا ہے ناپیدا کنار ہے۔ خیال رہے کہ جب کفر ایمان کے مقابل آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں بے دینی۔ مگر جب شکر کے مقابل آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کفرانِ نعمت یا ناشکری۔ یہاں شکر کے مقابل ہے۔ اس لئے اس سے ناشکری مراد ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میرا شکر کرو ناشکری کبھی نہ کرو۔ جیسے اقسام شکر عرض کئے گئے۔ اس کے مقابل سارے اقسام کفر کے بھی ہوں گے یعنی جنانی جسمانی، زبانی ناشکریوں سے بچے رہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہم سب کو اس آیت پر صحیح معنے میں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ
اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○

(ترجمہ) اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے: بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے (ربط) پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ذکر اور شکر کا حکم دیا تھا۔ اس سے دھوکا ہو سکتا تھا کہ دنیا میں ہمیشہ رب کی نعمتیں ہی آئیں گی اور زندگی ان کے شکر میں ہی کٹے گی۔ کیونکہ شکر نعمت پر ہی ہوتا ہے۔ اس وہم کو دفع کرنے کے لئے اب صبر کا حکم دیا گیا۔ تاکہ پتہ لگے کہ دنیا میں کبھی آزمائشیں اور تکلیفیں بھی آئیں گی۔ جس میں تمہیں صبر کرنا ہوگا۔ ہماری بارگاہ میں شاکر و صابر بن کر آنا نیز دنیا کے راستے اگر تھوڑے ہوں تو دو پاؤں سے طے کئے جاتے ہیں۔ اور اگر کچھ لمبے ہوں۔ تو سائیکل یا ٹانگے سے اور اگر زیادہ دراز ہوں تو پسنجر ٹرین سے۔ اور اگر زیادہ دراز ہوں تو میل سے اور اگر بہت ہی دور جانا ہو تو ہوائی جہاز سے۔ اسی طرح دین کے بعض راستے محض ایمان سے بعض نماز روزے سے بعض حج اور زکوٰۃ سے طے ہو جاتے ہیں۔ قرب حضوری کا سفر صبر اور شکر کے دو پروں سے ہی طے ہوتا ہے۔ پچھلی آیت میں ایک پر یعنی شکر کا ذکر تھا۔ اور اس آیت میں دوسرے پر یعنی صبر کا ذکر ہے۔ نیز پچھلی آیت میں ذکر و شکر کا حکم تھا اور اس آیت میں نماز کا حکم دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ بے نمازی کا نہ کوئی ذکر قبول ہے نہ شکر۔ نہ کوئی عمل نہ وظیفہ۔

علماء فرماتے ہیں کہ تارکِ فرض کے نوافل قبول نہیں۔ اور بات بھی عقل میں آتی ہے۔ کیونکہ وہ ہی مزدور یا نوکر اوور ٹائم (OVER TIME) کا مستحق ہے۔ جو پوری ڈیوٹی ادا کرے۔ جو ڈیوٹی نہیں دیتا۔ اُسے اوور ٹائم کا کوئی حق نہیں۔ فرض عبادات ہماری ڈیوٹیاں ہیں۔ نفل اوور ٹائم۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ سارے

ذکروں اور شکروں پر فرض نمازے مدد لینا یعنی ان کے ذریعہ سے انہیں قابل قبول بنانا۔
تفسیر: اللہ تعالیٰ نے صبر اور نماز کے حکم سے پہلے مسلمانوں کو یا ایھا الذین اٰمنوا کہہ کر پکارا۔ دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ دونوں حکم بہت اہم تھے اور نفس انسانی پر گراں تھے۔ صبر اور نماز کی پابندی کوئی معمولی بات نہیں اس لئے پیار والے خطاب سے پہلے ان کی ہمت بندھائی۔ پھر حکم دیا گیا۔ یعنی اے وہ لوگو! جو ایمان لاکر اپنا جان و مال سب کچھ ہمارے ہاتھ جنت کے عوض فروخت کر چکے۔ گھبراؤ نہیں۔ صبر اور نماز کا دامن مضبوط ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ دوسرے یہ کہ ایمان کے بغیر کوئی بدنی یا مالی عبادات قبول نہیں۔ کیونکہ ایمان گویا جڑ ہے عبادات اس کی شاخیں ایمان: وضو ہے عبادات نماز۔ اسی لئے کافر کو پہلے مسلمان کرتے ہیں پھر نماز کا حکم دیتے ہیں۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرماتے ہی عبادات کا حکم نہیں دیا۔ گیارہ برس تک صرف ایمان کی دعوت دی۔ گیارھویں سال معراج میں نماز فرض ہوئی۔ اسی لئے رب نے اٰمنوا ماضی فرمایا اور صبر و نماز بصیغہ امر ارشاد فرمایا۔ یعنی اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو نماز اور صبر کو مضبوط پکڑلو۔
یہاں اٰمنوا فرمانے میں نہایت نفیس دو اشارے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی ساری نعمتوں میں بڑی نعمت ایمان ہے۔ سلطنت۔ وزارت۔ دولت۔ جائدادیں۔ ایمان کے مقابل ہیچ ہیں۔ دیکھو یہاں رب نے یہ نہ فرمایا کہ اے بادشاہو! یا اے چودھریو! یا اے امیرو! بلکہ سب کو ایک پیارے خطاب سے پکارا اے ایمان والو!
دوسرے یہ کہ رب نے ایمان کا ذکر کیا توحید کا ذکر نہ فرمایا۔ یہ نہ کہا کہ اے توحید والو! یا مجھے ایک ماننے والو! کیونکہ جس چیز سے تمام نعمتوں کے دروازے کھلتے ہیں اور جو مدار نجات ہے وہ ایمان ہے۔ نہ کہ محض توحید۔ انسان مومن ہوتے ہی نماز روزے کے لائق ہو گیا۔ تلاوت قرآن کا مستحق اور ایمان پر مرتے ہی جنت کا جاگیردار ہو گیا۔ اس لئے رب نے ہر جگہ مومن کو پکارا۔ اگر فقط عقیدہ توحید کافی ہوتا۔ تو سب سے نجات والا ابلیس ہوتا۔ کیونکہ وہ بڑا موحد تھا۔

خیال رہے کہ اللہ کی ذات وصفات کو ماننے کا نام توحید ہے اور اس کی ذات وصفات کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کو ماننا ہی ایمان ہے۔ یعنی نبی کو رب کے ساتھ ملانا ایمان ہے۔ الگ کرنا کفر۔ رب فرماتا ہے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا اسی لئے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہیں پڑھا جاتا بلکہ ساتھ ملایا جاتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) ذریعہ نجات صرف توحید ہی نہیں بلکہ ایمان ہے۔ آسمانی دین بہت سے آئے جو کچھ روز رہ کر منسوخ ہوتے رہے ان دینوں کا اختلاف۔ ان کا منسوخ ہونا۔ توحید کی بنا پر نہ تھا بلکہ نبوت کی بنا پر تھا۔ توحید کبھی منسوخ نہ ہوئی بلکہ نبوتیں منسوخ ہوئیں۔ پتہ لگا کہ دین نبوت سے بدلتا ہے نہ کہ توحید سے۔ قبر میں بھی کامیابی سوال نبوت کے جواب پر ہوتی ہے نہ کہ توحید کے جواب پر۔ ان وجوہ سے رب نے ہمیں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر پکارا۔

ایمان تین طرح کا ہے۔ ایمانیات کو سن کر ماننا۔ دیکھ کر ماننا اور ان میں حل ہو کر ماننا۔ ہم لوگوں نے اللہ۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ قیامت دوزخ فرشتوں وغیرہ ان سب کو سُن کر ہی مانا ہے۔ بعض انبیاء کرام نے ان میں سے بعض چیزوں کو دیکھ کر مانا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ الٰہی مجھے مُردے جلا کر دکھا دے۔ فرمایا اے ابراہیم! کیا تمہارا ایمان اس پر نہیں؟ عرض کیا ایمان تو ہے اطمینان چاہتا ہوں (پ ۳)

یہاں اطمینان سے مراد وہ اطمینان نہیں جو ایمان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ تو آپ کو پہلے ہی حاصل تھا۔ بلکہ ایمان شہودی مراد ہے۔ یعنی خدایا! میں سُن کر مطمئن ہوں۔ دیکھ کر اطمینان چاہتا ہوں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان شہودی سے بھی آگے ہے کہ حضور نے اپنی نبوت علم حضوری سے جانی۔ فرشتوں، جنت، دوزخ وغیرہ کو پہلے اور پیدا ہونے

ہوئے دیکھا۔ خود خدا تعالیٰ کی ذات کو معراج میں ان سر کی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

حق تو یہ ہے کہ رب نے حضور کو معراج کرائی اس لئے تھی تاکہ سارے عالم کے ایمان سے حضور کا ایمان ممتاز ہو جائے کہ رب تعالیٰ کو حضور کے سوا نہ کسی فرشتے نے دیکھا نہ کسی نبی نے۔ اس ایک کو ایک ہی نے دیکھا۔ غرضیکہ لفظ ایمان ایک ہے۔ مگر حقیقت ایمان میں بھی بڑا فرق۔ حتیٰ کہ جو چیزیں حضور کے لئے ایمان ہیں۔ ہمارے لئے عین کفر۔ چنانچہ کلمہ حضور کا یہ تھا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ آپ کی اذان یہ تھی اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ آپ کا درود یہ تھا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیَّ وَ عَلٰی اٰلِیْ وَ اَصْحَابِیْ۔ یعنی میں رسول اللہ ہوں یا اللہ مجھ پر رحمتیں بھیج۔ ہم ایسا کہیں تو کافر ہو جائیں۔ قرآن شریف میں جہاں کہیں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ارشاد ہوتا ہے اس میں ہم لوگ ایمان کے لقب رکھنے والے مراد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب کو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے نہیں پکارتا بلکہ اس رب کریم نے اپنے حبیب کو پکارنے کے لئے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ وغیرہ پیارے الفاظ بنائے۔ دیکھو ہم ایسی آیتیں سناتے ہیں جن میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے اور ان میں حضور قطعاً داخل نہیں۔ رب فرماتا ہے:

(۱) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (پ ۲۶)	اے ایمان والو! اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو۔ اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔
(۲) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا	اے ایمان والو! جب نبی صلے

تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِنَّ ذٰلِكُمْ يُؤْذِي النَّبِيَّ الخ	اللہ علیہ وسلم کے ہاں دعوت ہو تو بغیر بلائے مت پہنچ جاؤ اور کھانا کھا کر وہاں باتیں نہ کرو
(۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ۔	اے ایمان والو! اپنی آواز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اونچی نہ کرو۔
(۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (سورہ بقر پ ۱)	اے ایمان والو! ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو۔
(۵) لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پ ۱۸ سورہ نور)	اے ایمان والو! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسے نہ پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکار لیتے ہو اور ان کے حضور چلّا کر نہ بولو۔
(۶) وَلَا تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا (احزاب)	ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح نہ کرو۔

اب بتاؤ کہ ان آیات میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا موجود ہے مگر ان میں حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وسلّم ہرگز داخل نہیں۔ اب وہ آیتیں جن میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے اور وہاں نماز۔ صبر۔ قصاص وغیرہ کے احکام ہیں۔ حق یہ ہے کہ ان میں بھی حضور داخل نہیں کیونکہ یہ آیتیں تو ظہورِ نبوت سے چودہ پندرہ سال بعد اتریں مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے ہی عابد، عارف اور ساجد سب کچھ تھے لہٰذا فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ اس اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں بھی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں۔

آگے ارشاد ہوا اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ اِسْتَعِیْنُوْا استعانت سے بنا جس کا مادہ عَوْن ہے یعنی مدد۔ استعانت کے معنی ہیں مدد مانگنا۔ نصر

کے معنی بھی مدد ہے اور عون کے معنی بھی مدد۔ لیکن کبھی ان دونوں میں یوں فرق کیا جاتا ہے۔ کہ مدد ظاہری کو نصر کہتے ہیں۔ اور اندرونی مدد خفیہ امداد کو عون اگر یہاں خفیہ امداد کے معنی میں ہو تو مطلب یہ ہو گا۔ اے مسلمانو! صبر اور نماز کے ذریعے ہماری خفیہ امداد حاصل کرو۔ جہاد۔ بیماری۔ قرض مصیبتوں وغیرہ میں صرف ظاہری امداد کے پیچھے نہ پھرو۔ بلکہ صبر اور نماز کے ذریعہ ہماری خفیہ امداد بھی حاصل کیا کرو۔ ظاہری ہتھیار کفار کے پاس تم سے زیادہ ہیں مگر یہ ہتھیار وہ ہے جس سے کفار یکسر محروم ہیں ؎

جھولیاں سب کی بھرتی جاتی ہیں ۔۔۔ دینے والا نظر نہیں آتا
جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے ۔۔۔ جو ہے اپنا نظر نہیں آتا
زیر سایہ میں اُن کے رہتا ہوں
جس کا سایہ نظر نہیں آتا

صبر کے معنی ہیں روکنا اور مہلت دینا۔ دُوسرے معنی سے یہ رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ اسی لئے اس کا نام صبّار و صبور بھی ہے یعنی مہلت دینے والا۔ رب تعالیٰ کا مجرم بندوں کو مہلت دینا کبھی رحمت ہے کبھی زحمت۔ اگر اس لئے مہلت دی جا رہی ہے کہ اس مجرم کا نام نیکوں کی فہرست میں ہے یا آخر کار توبہ کرلے گا تو وہ مہلت عین رحمت ہے اور اگر اس لئے ہے کہ ابھی اس کا پیالہ بھرا نہیں خوب گناہ کر لینے دو تاکہ زیادہ عذاب کا مستحق ہو تو یہ مہلت عذاب ہے۔ دیکھو رب نے فرعون کو بھی مہلت دی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگروں کو بھی کہ یہ سب ہی عرصہ تک کفر اور فسق کرتے رہے مگر جادوگروں کی مہلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے ہر ایک مومن۔ صحابی۔ صابر شہید ہوا۔

اور دوسرے معنی سے صبر بندے کی صفت ہے جس کے معنی ہیں نفس کو روکنا۔ اور صبر کے تین درجے ہیں۔ مصیبت میں نفس کو گھبراہٹ سے روکنا اور عیش و عافیت کے دروازے جبکہ بندے کے لئے کھل گئے ہوں

تو گناہوں سے روکنا ہمیشہ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں روکنا یعنی اس پر قائم رہنا۔

یہاں یہ تینوں صبر مراد ہیں۔ ان تینوں صبروں کی تفسیر میں گذشتہ انبیائے کرام کے واقعات۔ صحابہ کرام کے حالات۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک ہیں۔ اسی لئے رب نے قرآن کریم میں انبیائے کرام اولیا کے صبروں کے قصے بیان کیئے اور سید الشہداء۔ شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ریگستان کے ورقوں پر اپنے خون کی روشنائی سے وہ جیتی جاگتی زندہ جاوید تفسیر لکھی ہے جسے زمانے کے ہاتھ مٹا نہ سکے۔

پہلے صبر یعنی مصیبت میں صبر کا منشا یہ ہے کہ بندہ رب تعالےٰ کی حکمت۔ رحمت پر ایمان لائے اور سمجھے کہ وہ رحیم بھی ہے حکیم بھی ہے۔ اس کی بھیجی مصیبت میں بھی کوئی راز ہے۔ بیمار طبیب کی حکمت اور خیر خواہی پر اعتماد کرتا ہے تو اس کے ہاتھ سے اپریشن بھی کرا لیتا ہے۔ کڑوی دوائی بھی پی لیتا ہے یہ سمجھتے ہوئے ان کا انجام میرے لئے اچھا ہے۔ ایسے ہی بندہ جب رب کی رحمت۔ حکمت پر کامل اعتقاد رکھے تو اُسے یقین ہوگا کہ ان مصیبتوں کا انجام انشاء اللہ میرے لئے اچھا ہوگا۔

حکایت

مثنوی شریف میں ہے کہ ایک عورت کے بیس بیٹے تھے قضائے الٰہی سے ہر سال ایک ایک بیٹا اٹھارہ سال کی عمر میں فوت ہونا شروع ہوا انیس تک یہ صابرہ رہی۔ جب بیسویں بچے کو وہ ہی بیماری ہوئی تو یہ گھبرا گئی بہت کچھ علاج معالجہ کیا۔ لڑکا جانبر نہ ہو سکا اور مر گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماں دیوانی ہوگئی۔ ایک رات اسی جنون کی حالت میں خواب میں ایک نہایت دلکش باغ دیکھا۔ جس کی سرسبزی۔ نہروں کی روانی۔ زیبائش بیان نہیں ہو سکتی۔ اس

میں بے شمار بنگلے بنے ہوئے تھے۔ ہر ایک پر مالک کا نام کندہ تھا۔ ایک نہایت نفیس بنگلے پر اپنا نام لکھا ہوا دیکھا۔ بہت ہی خوش ہو کر اندر چلی گئی۔ اندر کی رونق اور بہار دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس کے باغ میں ٹہلنے لگی اور مکان کے کمروں میں گھومنے پھرنے لگی۔ ایک کمرے میں دیکھا کہ اس کے بیسوں لڑکے نہایت عیش و آرام سے بیٹھے ہیں۔ اُسے دیکھ کر بولے کہ اماں ہم اپنے رب کے پاس نہایت آرام سے ہیں۔ پکارنے والے نے پکارا کہ اے مومنہ! تیرا مقام یہ ہے مگر تیرے اعمال تجھے یہاں تک نہیں پہنچا سکتے تھے اس لئے تجھے بیس غم دیئے گئے۔ یہ بیس غم اس منزل کی بیس سیڑھیاں تھیں۔ جن کو تو نے رب کے کرم سے طے کر لیا۔ اب تیرے لئے خوشی ہی خوشی ہے۔

جب وہ یہ خواب دیکھ کر چونکی تو چیخی کہ خدایا! تو مجھے سو بیٹے دے اور سب ہی کو جوانی کی موت دے مجھے کیا خبر تھی کہ تیرے قہر میں مہر پوشیدہ ہے

ناخوش او خوش بود در جانِ من
جان فدائے یار دل رنجانِ من

کاریگر کا سونے یا لوہے کو بھٹی میں تپا کر کوٹنا پیٹنا اسے کام کا بنانے کے لئے ہوتا ہے اس لئے ارشاد ہوا اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ مصیبت میں انسان خیال رکھے کہ میرے کفر بکنے یا بے صبری کرنے سے مصیبت ٹل نہ جائے گی بلکہ صبر کا ثواب جو ملنا ہے وہ جاتا رہے گا۔ مصیبت سے صبر کی حقیقت یہ ہے کہ نفس مست گھوڑے کی طرح ہے جوش مستی میں اپنے مالک کو ہلاک کرنا چاہتا ہے ضرورت ہے کہ اس کے منہ میں لگام دو اور کوشش کرو کہ کوئی شیخ کامل اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے لے۔ جب نفس گناہ پر مائل ہو تو یہ سوچو کہ کیا مجھ میں دوزخ کی آگ برداشت کرنے کی طاقت ہے یا میں رب تعالیٰ کا مقابلہ کر سکتا ہوں جب یہ دونوں باتیں نہیں تو گناہ کیوں کرے!!

حکایت

ایک صاحب کسی رنڈی پر عاشق ہو گئے اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ روزانہ اسے اپنے پاس رہنے کا حکم دیا۔ کرتے یہ تھے کہ وہ سامنے بیٹھی رہتی تھی اور یہ اسے دیکھتے اور اپنا کام کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح عرصہ گذر گیا۔ ایک روز رنڈی بولی۔ آپ اپنا پیسہ اور میرا وقت کیوں ضائع کرتے ہیں جبکہ مجھ سے کوئی کام نہیں لینا ہے۔ تو مجھے اجازت دے دیجئے۔ اس کے اس کہنے پر نفس نے بہت جوش مارا۔ اُٹھے اور چراغ جلایا اور اس کی لو پر انگلی رکھ دی حتیٰ کہ کھال گوشت سب جل گیا۔ پھر کہا تو جا اور اب مت آنا۔ وہ بولی میں جاتی تو ہوں مگر مجھ کو یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیوں بلاتے تھے اور اب کیوں بھیج رہے ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے عرصے سے اس نفس نے تیرے جال میں گرفتار کر رکھا تھا۔ میں بہت جبر سے اس کو روکے ہوئے تھا۔ آج تیری اس گفتگو سے بہت ہیجان پیدا ہوا۔ شہوانی خیالات بھڑک اُٹھے تو میں نے اس سے کہا کہ پہلے تو یہاں کی آگ کی تیزی دیکھ لے اگر اُسے برداشت کر سکے تو دوزخ میں جانے کی ہمت کرنا ورنہ باز آ۔ جب انگلی کی چربی جل گئی تو نفس نے آواز دی کہ بس مجھ میں طاقت برداشت نہیں۔ عذاب الٰہی سے وہ تمام جوش اور جذبے ختم ہو چکے اب تو جا اور کبھی نہ آنا۔ چونکہ یہ بات دل سے نکلی تھی اس لئے اس رنڈی کے دل پر ہی پڑی۔ رونے لگی۔ بولی میرا کیا بنے گا۔ رب کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ توبہ کی اور صالحہ بن گئی۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مشکل تو صبر سے آسان ہوتی ہے مگر صبر کرنا بھی تو ایک مشکل چیز ہے وہ کاہے سے آسان ہو۔ بخار کڑوی دوا سے جاتا ہے۔ مگر وہ کڑوی دوا کیسے پیٹ میں جائے۔ فرماتے ہیں کہ صبر کو آسان کرنے والی تین چیزیں ہیں خوف۔ شوق اور ذوق یعنی عذاب الٰہی کا سچا خوف صبر کو آسان کر دیتا ہے۔ دیکھو۔ جیل اور حوالات کا خوف ہم کو صدہا تکالیف پر صابر بنا دیتا ہے۔

تو رب کا خوف صابر کیوں نہ بنائے گا۔ یونہی حبیب کے حاصل کرنے کا شوق۔ یہ بھی انسان کو صابر کر دیتا ہے۔ دیکھو! بی۔اے، ایم۔اے کا طالب علم کہ جب اُسے اعلیٰ مرتبے پر پہنچنے کا شوق ہوتا ہے تو بڑی بڑی پر صبر کر لیتا ہے۔ لوگ راتیں سو کر گذارتے ہیں مگر یہ کتابوں کے مطالعہ میں۔ جب بابو یا ڈپٹی بننے کا شوق انسان کو رات بھر جگا لیتا ہے تو جنتی بننے کا شوق کیا تہجد اور فجر کے واسطے نہ جگائے گا؟

مگر ہاں شرط یہ ہے کہ شوق فقط زبانی نہ ہو دل کا ہو۔ جو شخص زبان سے کہتا پھرے کہ مجھے بی۔اے کرنا ہے اور محنت نہ کرے تو جھوٹا ہے۔ ایسے ہی جو منہ سے کہے کہ مجھے جنت کا شوق ہے اعمال اس کے خلاف کرے وہ جھوٹا دعویدار ہے ؎

کام دوزخ کے کیے جنت کے ہیں امیدوار
قصرِ جنت تو بنا ہر پارسا کے واسطے

حیف تو سوتا رہے مسجد میں ہوتی ہو اذاں
مرغ و ماہی سب اُٹھیں یادِ خدا کے واسطے

رہا ذوق یعنی عشق پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوق دیدارِ الٰہی یہ تو سب سے اعلیٰ درجے کی چیز ہے جو انسان سے بڑے بڑے کٹھن کام کرا لیتی ہے جب عشق شیریں کا شوق فرہاد کے تیشے سے نہایت مضبوط پہاڑ توڑا لیتا ہے۔ تو کیا عشقِ الٰہی کا ذوق امام حسین رضی اللہ عنہ سے سر نہیں کٹوا سکتا۔ گھر نہیں لٹوا سکتا۔ دوستو! شیریں والا پہاڑ نہ فرہاد نے کھودا نہ اس کے تیشے نے بلکہ اس کے عشق نے کھودا۔ انسان کی ہر چیز کمزور ہے۔ حتیٰ کہ اس کی عقل بھی کمزور۔ خود رب فرماتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا۔ لیکن اگر نصیب ہو جائے تو اس کا عشق بہت قوی ہے جو فرشتوں سے نہ اُٹھ سکا نہ زمین و آسمان سے۔ رب فرماتا ہے وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ٥

اب لفظ صلوٰۃ کو لیجئے۔ اس کے تین معنی ہیں۔ رحمت نازل کرنا۔ رحمت کی دُعا کرنا اور نماز۔ پہلے معنی رب کی صفت ہے۔ دوسرے معنی فرشتوں کو بھی اور انسانوں وغیرہ کو بھی ملی رب فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا مگر تیسرے معنی ہیں نماز صرف انسان ہی کو عطا ہوئی اور خاصکر وہ نماز جس میں رکوع اور سجدہ قیام تلاوتِ قرآن سب کچھ ہے وہ تو صرف اُمتِ مصطفوی کو ہی نصیب ہوئی نہ کسی فرشتے کو ملی اور نہ کسی پہلے نبی کو اور نہ ان کی اُمتوں کو یہاں تیسرے معنی مراد ہیں ملی اسمیں گفتگو ہے کہ یہاں نماز پنجگانہ مراد ہے یا خاص حالات کی خاص نمازیں پہلی صورت میں آیت کے معنی یہ ہونگے کہ اے مسلمانو! پنجگانہ نمازوں کی پابندی کرکے ہر کام میں ان کی تفسیر۔ حدیث پاک نے حضور نبی کریم نے فرمایا کہ جس مومن کا دل ہر وقت نماز کی طرف لگا ہے اور پنجگانہ نمازیں مسجد میں باجماعت پڑھا کرے جائے بلکہ کچھ دیر وہاں بیٹھے تو اس کی زندگی بھی طیب ہوگی اور موت بھی۔ رب فرماتا ہے فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ایسے شخص پر نماز کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ مصیبتیں آتی ہی نہیں اور اگر آجائیں تو ٹھہرتی ہی نہیں۔ جلد ہی چلی جاتی ہیں اور اگر ٹھہر بھی جائیں تو اس کے دل پر نہیں اُترتیں۔ ان مصیبتوں پر دل ایسا تیرتا ہے جیسے پانی پر کشتی ؎

آب در کشتی ہلاک کشتی است ؟

آب اندر زیر کشتی پشتی است

دریا میں کشتی ہو تو سینکڑوں کو پار لگا دیگی لیکن اگر کشتی میں دریا آگیا تو ڈوب جائے گی۔ افسوس ان لوگوں پر جو بظاہر متقی بنتے ہیں تسبیح و وظائف پر بہت زور دیتے ہیں۔ مگر نماز اور جماعت کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کی آخری تین سانسیں آئی ہیں تو پہلی سانس میں فرمایا۔ الصلوٰۃ یعنی اے میرے اُمتی نماز کی پابندی کرنا دوسری سانس میں فرمایا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اپنے ماتحتوں پر مہربانی کرنا۔ اور

تیسری سانس میں فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی خدایا! مجھے اوپر والے ساتھیوں کے پاس پہنچا دے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔

خوش نصیب ہے وہ اُمتی جو اپنے پیارے حبیب کی اس وصیت پر مرتے وقت تک عمل کرے اور اگر نماز سے خاص نمازیں مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے مومنو! مصیبت پر صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ اسلام نے ہر تکلیف پر نماز کی تعلیم دی۔ سورج گرہن لگ جائے تو نماز کسوف پڑھو۔ چاند گرہن لگے تو نماز خسوف پڑھو۔ بارش نہ ہو تو نماز استسقا پڑھو کوئی دینی یا دنیاوی حاجت درپیش ہو تو نماز حاجت پڑھو۔ غرض کہ نماز مومن کی پناہ ہے۔

یہاں ایک سوال قائم ہوتا ہے کہ رب نے یہاں دوسری عبادتوں کا ذکر کیوں نہ فرمایا۔ یعنی یہ کیوں نہ کہا کہ صبر اور زکوٰۃ سے یا صبر اور حج سے مدد لو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کے علاوہ اور کسی عبادت میں مدد کی صلاحیت کم ہے اولاً اس لئے کہ ساری عبادتیں صرف فرش پہ ہوتی ہیں۔ مگر نماز وہ عبادت ہے جو فرش و عرش ہر جگہ ہوتی ہے کیونکہ اجزائے نماز یعنی رکوع سجدہ وغیرہ۔ حاملین عرش کے فرشتوں سے لے کر پہلے آسمان کے فرشتوں تک کے لئے ہے۔ کہ فرشتوں کی کوئی جماعت رکوع میں ہے کوئی سجدے میں وغیرہ۔

گویا کہ اس کے کل پرزے آسمانی ہیں جن کی ہم فٹنگ کر لیتے ہیں نیز دنیا بننے سے لاکھوں برس پہلے نورِ محمدی پیدا ہوا اور وہ برابر عبادات میں مشغول رہا۔ کونسی عبادات میں؟ زکوٰۃ۔ حج۔ جہاد وغیرہ میں؟ نہیں! بلکہ صرف نماز و اذکار نمازیں۔ چونکہ یہ نورانی مخلوق رنج و غم سے آزاد ہے تو نمازی بھی رنج و غم سے آزاد ہی رہے گا۔ اصل کا اثر نقل میں آجاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ علاج کا طریقہ ایک یہ بھی ہے کہ مریض کا دھیان مرض سے ہٹا دیا جائے تو اس کو مرض کی تکلیف یا تو محسوس ہی نہیں یا بہت کم محسوس ہوتی ہے۔ نماز نمازی کے دھیان کو دنیا سے ایک دم ہٹا دیتی ہے بلکہ عملی طور پہ اسے

دنیا سے نکال ہی دیتی ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہی کھانا پینا۔ بولنا چالنا غرضکہ دنیا کے سارے کام حرام ہو جاتے ہیں اور نماز ختم ہونے پر نمازی کہتا ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گویا اپنے ساتھ والے فرشتوں اور انسانوں کو سلام کرتا ہے۔ کیونکہ عالم بالا کی سیر کر کے آرہا ہے جب دنیا سے غائب ہوا تو یہاں کے رنج و غم بھی یہیں چھوڑ گیا۔ یہ تو ہم گنہگاروں کی نماز کا حال ہے جنہیں اللہ احسانی وشہودی نماز عطا کرتا ہے۔ جس کی تفسیر حضور نے یہ بیان فرمائی کہ عبادت ایسے کیا کرو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ سمجھ سکو تو سمجھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے ان کا کیا ہی کیا وہ تو نماز میں قتل بھی کر دیئے جائیں۔ تو انہیں احساس نہیں ہوتا۔

کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر میں ایک تیر پیوست ہو جاتا ہے جس کے نکالنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ تیر کیسے کھینچا جائے۔ علیؓ کی جان کا خطرہ ہے۔ فرمایا اُن سے کہہ دو کہ نماز شروع کریں۔ نیت باندھی۔ حکم دیا تیر کھینچ لو۔ کھینچ لیا گیا۔ اور آپ کو احساس بھی نہ ہوا۔

جب مصری عورتیں جمال یوسفیؑ میں ایسی وارفتہ ہو گئیں کہ ہاتھ کاٹ ڈالے مگر خبر نہ ہوئی تو اگر نمازی جمال محمدی یا مشاہدہ تجلیاتِ انوارِ الٰہی میں ایسا مشغول ہو جائے کہ اُسے دنیا کی خبر نہ رہے تو کیا بعید ہے آزمالو کہ جب نمازی کا دھیان دنیا میں لگ جاتا ہے تو مقتدیوں کو امام کی قرأت کی خبر نہیں رہتی بلکہ خود امام صاحب کو اپنی قرأت پر دھیان نہیں رہتا کہ میں نے کیا پڑھا تو اگر نماز میں صحیح دھیان ہو تو اس کا اُلٹ بھی ہو جائے گا یعنی دنیا کی خبر نہ رہے گی اس لئے وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔

آگے ارشاد ہوا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ مکانی ہمراہی سے پاک ہے کیونکہ وہ تو کسی مکان یا جگہ میں نہیں

اس کی ہمراہی کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اس کے علم و قدرت کی ہمراہی۔ اس لحاظ سے وہ بندے کے ہر وقت ساتھ رہتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ اور فرماتا ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔

(۲) اور رحمت کے لحاظ سے صرف مومنوں کے قریب ہے۔ فرماتا ہے کہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور قہر و عذاب کے لحاظ سے کافروں کے ساتھ۔ یہاں دوسری معیت مراد ہے یعنی اللہ کی رحمت اس کا کرم صابروں کے ساتھ ہے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ شاکر سے صابر افضل ہے اور شکر سے صبر بہتر۔ کیونکہ شکر کا بدلہ زیادتی نعمت ہے مگر صبر کا عوض رب تعالیٰ کی معیت۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے بندوں سے امداد لینا جائز ہے۔ شرک نہیں۔ دیکھو صبر اور نماز جو ہمارے کام ہیں ان کے ذریعے مدد لینے کا حکم دیا گیا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام تو ہماری نمازوں سے کہیں افضل ہیں۔ ان سے مدد لینا بھی جائز۔ جن آیتوں میں خدا کے سوا سے مدد لینے کی ممانعت ہے وہاں حقیقی مدد مراد ہے۔ یا رب کے مقابلے میں کسی کی مدد۔ لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ ان کی مکمل تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اوّل۔ علم القرآن اور فہرست القرآن میں دیکھو۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر نماز کے مختلف فوائد بیان کئے۔ یہاں تو یہ بتایا کہ نماز حلِ مشکلات ہے اور دافع بلیات ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ نماز بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ بہت سے نمازیوں پر آفتیں بھی مسلط رہتی ہیں۔ رب کے وعدوں میں خلاف کیسا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاثیریں مکمل نماز کی ہیں مکمل نماز وہ ہے جس کا قالب بھی درست ہو اور قلب بھی۔ ظاہری

اعضاء کے ارکان نماز کا ڈھانچہ ہیں۔ دل کا خشوع و حضور نماز کا قلب یا رُوح ہے جس نماز میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں وہ نماز مکمل ہے اسی کی یہ تاثیریں ہیں۔ اگر ہماری نمازیں صرف ڈھانچہ ہے روح نہیں تو ہم اپنی نمازیں مکمل کریں قرآن شریف پر اعتراض نہ کریں یہ بالکل درست ہے کہ بجلی کا بلب روشنی دیتا ہے مگر کب جبکہ اس میں پاور بھی تو ہو۔ مگر کوئی شخص یہ سمجھ کر نماز نہ چھوڑ دے کہ میری نماز میں خشوع و خضوع نہیں تو اس سے کیا فائدہ۔ بے جان نماز بیکار ہے۔ بلکہ پڑھے جائے کبھی اللہ تعالیٰ اس میں جان بھی ڈال دے گا۔ بارش فیض سے جنگل میں سوکھی گھاس کے پتے ہرے ہو جاتے ہیں۔

حکایت

ایک مُرید نے اپنے شیخ کامل کو لکھا کہ مجھے نماز میں حضور نہیں ہوتا۔ پراگندہ خیالات بہت ستاتے ہیں کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ شیخ کامل نے جواب دیا کہ تمہارے کھانا کھاتے وقت مکھیاں بہت آتی ہیں تو کیا تم ان کی وجہ سے کھانا چھوڑ دیتے ہو؟ کہا نہیں۔ مکھیاں اُڑاتے ہوئے کھانا کھائے جاتا ہوں۔ فرمایا نماز بھی رُوحانی کھانا ہے۔ پراگندہ خیالات دُور کئے جاؤ اور نماز پڑھے جاؤ۔ شعر

دو باد او گر آید کسے بخدمت شاہ   سوئم ہر آئینہ دروے کند بلطف نگاہ

اُمید ہست پرستندگانِ حضرت را   کہ نا امید نہ گردند ز آستانِ اِلٰہ

یعنی جو کوئی روزانہ بادشاہ کو سلام کرآیا کرے آخر کبھی نہ کبھی سلطان پوچھ ہی لیگا کہ تو کیوں آتا ہے اسی طرح جو روزانہ مسجد میں حاضری دیکر نماز پڑھ جایا کرے اس کی بھی کبھی نہ کبھی پوچھ گچھ ہو ہی جائے گی۔ رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایسی نماز نصیب کرے جو ہر جگہ کام آئے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ

(ترجمہ) جو اللہ کے راہ میں مارے جائیں انہیں مُردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں۔ مگر تم شعور نہیں رکھتے

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اس گروہ کی تعریف فرمائی جسے شریعت میں شہید کہا جاتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر سے پہلے دو باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

ایک یہ کہ شہید یا شہود سے بنا یا شہادت سے۔ شہود کے معنی ہیں حاضر ہونا اور شہادت کے معنی ہیں گواہی۔ لہذا شہید کے معنی ہیں حاضر یا گواہ۔ چونکہ شہید فوت ہوتے ہی بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتا ہے رب فرماتا ہے کچھ تمنا کر وہ عرض کرتا ہے آرزو یہ ہے کہ پھر دنیا میں لوٹایا جاؤں اور پھر شہید ہوؤں۔ کیونکہ جو لذت اور لطف اس پیتی ریت۔ جنگ کی شدت اور تلوار کی دھار میں پایا وہ کسی سے اور چیز میں نہ دیکھا۔ رب فرماتا ہے کہ ہم ایک دفعہ امتحان میں پاس کر کے کسی کا دوبارہ امتحان نہیں لیا کرتے اس لئے اسے شہید کہتے ہیں۔ یعنی فوت ہوتے ہی بارگاہ میں حاضر۔

سارے مسلمان قیامت کے بعد جنت میں جائیں گے مگر شہید جان نکلتے ہی وہاں پہنچ جاتا ہے۔ وہاں کے میوے کھاتا ہے وہاں کی نہروں میں جاتا ہے۔ اس لئے اسے شہید کہا جاتا ہے یعنی جنت میں فوراً حاضر بلکہ روایات میں یہاں تک آیا ہے کہ بعض نمازیوں نے شہادت سے پہلے ہی جنت اور وہاں کی نعمتیں دیکھ لیں۔ لوگوں سے کہا۔ دوستو! آؤ جنت وہ ہے۔

چونکہ سب لوگ حقانیت اسلام اور توحید و رسالت کی گواہی اپنی

زبان قلم یا اعضاء سے دیتے ہیں مگر یہ نرالا گواہ اپنے خون کے قطروں سے گواہی دیتا ہے لہٰذا یہ شہید کہلاتا ہے۔

دُوسرے یہ کہ جیسے دنیاوی بادشاہوں کے ہاں بہت سے محکمے ہوتے ہیں ہر محکمہ کا نام و کام جُداگانہ ایسے ہی سلطنتِ مصطفوی کے بہت سے محکمے ہیں۔ علماء۔ صوفیاء۔ غازی شہید وغیرہ۔ پھر علماء میں مفسرین۔ محدثین۔ فقہا۔ مجتہدین وغیرہ اور صوفیاء میں غوث قطب ابدال وغیرہ۔

اور جیسے دنیاوی حکومتیں سب سے زیادہ محکمہ فوج کی قدر کرتی ہے۔ اس محکمہ کا تنخواہ کے علاوہ کھانے کا ایسا باقاعدہ انتظام ہوتا ہے کہ خواہ تمام مملکت میں تنگی ہو مگر فوج میں تنگی نہیں آنے دی جاتی۔ پھر ان میں جو مارا جائے اس کی بیوی، بچوں کو بہادری کے تمغے مرحمت ہوتے ہیں۔ پنشن مقرر ہوتی ہے تعلیم کا انتظام مفت۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ فوجی لوگ اپنے خون سے حکومت کی خدمت کرتے ہیں۔ اسی طرح مملکت الٰہیہ اور سلطنت مصطفویہ میں جو قدر شہید کی ہے دُوسروں کی نہیں۔ اگر اس کی تفصیل دیکھنا ہو تو قرآنی آیات اور احادیث کا مطالعہ کریں کیوں نہ ہو کہ یہ لوگ اپنی جان اور خون سے اس سرکار کی خدمت گذار ہیں جب یہ دونوں باتیں سمجھ لیں تو اب اس آیت کریمہ کی تفسیر سنو:

اِرشاد ہوا وَلَا تَقُوْلُوْا۔ نہ کہو۔ کسی کو کچھ کہنے سے روکنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بات تو نہایت اچھی ہو مگر اس کا کہنا منع ہو۔ جیسے اسرار و رموز کی باتیں۔ جو امانت کے طور پر سینوں میں چھپائی جاتی ہیں کسی کو بتائی نہیں جاتیں۔ اسرار اغیار سے چھپائے جاتے ہیں۔ جیسے شب معراج کی لامکان والی باتیں کہ رب نے فرمایا۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منع فرما دیا۔ کہ یہ باتیں غیروں سے نہ کہنا۔ بلکہ عشاق تو یہاں تک کہتے ہیں ؎

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے ۔۔۔ اُمّی لقبی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک کا حصّہ نہیں دیدار کسی کا ۔۔۔ بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

تم اس طرح پڑھ لو ے

اغیار کو اسرار بتائے نہیں جاتے

پر یار سے اسرار چھپائے نہیں جاتے

دوسرے یہ کہ بات سچی ہو مگر اس کا کہنا منع جیسے یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا۔ رَاعِنَا فی نفسہٖ بُرا نہ تھا مگر چونکہ اس سے گستاخوں کو بے ادبی کا موقعہ لتا تھا۔ اس لئے ایسا کہنے سے روک دیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ بے ادبی کا سچ کفر ہے اور ادب کا جھوٹ عین ایمان۔

ابلیس نے کہا تھا رَبِّ بِمَا اَغْوَیْتَنِیْ۔ خدایا تو نے مجھے گمراہ کر دیا بات سچی تھی۔ ہادی اور مُضِل اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس کا بولنا کفر ہوا کہ بے ادبی تھا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ خداوندا! اپنی جانوں پر ہم نے ظلم کیا۔ آیت خلاف تھی۔ بندہ بے ارادہ الٰہی کیا کر سکتا ہے۔ مگر اس کا بولنا عین ایمان۔ وہ محبوب بندے جو کبھی گناہ کے قریب بھی نہ گئے۔ یہی کہتے رہے کہ ہم گنہ گار ہیں۔ خطا کار ہیں۔ بات خلاف واقعہ ہے مگر یہ کہنا درجات کا ذریعہ ہے۔

تیسرے وہ کہ بات بھی بُری ہو جھوٹ ہو۔ بے ادبی ہو اور کہنا بھی بُرا ہو جیسے ناشکری اور کفریہ باتیں۔ یہاں تیسری قسم کی ممانعت ہے یعنی شہیدوں کو مُردہ کہنا بات بھی جھوٹ ہے اور کہنا بھی جُرم لہذا لَا تَقُوْلُوْا کی نہی اوّل درجے کی ہے۔

نیز قرآنی خطابات میں اکثر و بیشتر احکام کے خطابات صرف انسانوں سے ہیں۔ چنانچہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ جہاد وغیرہ فرشتوں پر فرض نہیں۔ مگر ادب کی آیتوں میں سب سے خطاب ہے۔

دیکھو رب نے فرمایا۔ ہمارے محبوب سے آگے نہ بڑھو۔ ان کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو۔ یا ان کے گھروں میں بے اجازت نہ جاؤ۔ وغیرہ۔ ان میں رُوئے سخن انسانوں جنات فرشتوں سبھی سے ہے کہ حضرت ملک الموت بھی حضور کی اجازت کے بغیر نہ گھر میں آئیں اور نہ جان شریف قبض کریں۔ تنبیہ

یہ ادب کی بلبلِ بے نوا کبھی کھل کے کر نہ سکے نوا
نہ ہوا کی تیز روش روا نہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے
بہ ادب جھکا لو سر ولا کہ میں نام لوں گا گل و باغ کا
گلِ تر محمدِ مصطفٰے
چمن ان کا پاک دیار ہے

یہاں بھی لَا تَقُوْلُوْا میں جن و انس فرشتے وغیرہ سبھی سے خطاب ہے۔ کہ خبردار ایسی بے ادبی نہ کرنا کہ شہیدانِ راہِ خدا کو مُردہ نہ کہنا۔
وَمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ قتل قتل کا مقابل ہے۔ لغت میں قتل کے معنی ہیں ٹٹنا۔ بُننا۔ اور قتل کے معنی ہیں ادھیڑنا اور کھولنا۔ اصطلاح میں جسم کی ساخت بگاڑ کر جان نکال دینے کو قتل کہتے ہیں۔ تلوار۔ گولی۔ لاٹھی پتھر وغیرہ مار کر جان نکال دینا قتل میں داخل ہے۔ بلکہ کسی کو زہر دے کر مار ڈالنا بھی قتل میں شمار ہے۔ لہٰذا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خیبر میں کھائے ہوئے زہر سے اور حضرت صدیق اکبر کا غار ثور میں سانپ کے کاٹنے کے زہر سے وفات پانا بھی اس میں شامل ہے۔ سبیل اللہ سے مراد تمام وہ عقائد و اعمال ہیں جن کے اختیار کرنے سے بندہ رب تک پہنچے۔ لہٰذا عقائد کی حفاظت کرتے ہوئے یوں ہی نماز۔ اذان۔ قربانی وغیرہ تمام شعائر دینیہ کی حفاظت کے لیئے جو شخص مارا جائے اس میں داخل ہے۔
خیال رہے کہ فقہ میں ہر ظلماً مقتول مسلمان عاقل بالغ شہید ہے اگرچہ اپنی جان مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے۔ اس کو نہ غسل دیں گے نہ کفن مگر اللہ کی راہ میں قتل کیا ہوا ہیبت درجے والا ہے اسی لئے یہاں فی سبیل اللہ کی قید ارشاد ہوئی۔ اور اسلام میں حکمی شہید تو بے شمار ہیں۔ چنانچہ مسافر سفر میں مرے تو شہید ہے۔ عورت نفاس میں مرے تو شہید اور جو روزانہ موت کو یاد کر لیا کرے وہ شہید ہے۔ وغیرہ وغیرہ کہ یہ لوگ کل قیامت میں شہداء کے زمرے میں اٹھیں گے

بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ شہیدوں کی زندگی کے متعلق آج کل مسلمانوں میں تین فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ بعد وفات نہ نبی زندہ ہیں نہ ولی نہ شہید۔ ان کی دلیل حسب ذیل آیات ہیں:
رب فرماتا ہے اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ۝ اے محبوب آپ کو وفات آنی ہے اور ان سب کو بھی۔ اور فرماتا ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۝ ہر جان کو موت چکھنی ہے اور فرماتا ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ جو زمین پر ہے اسے فنا ہے۔ ان آیات میں نبی ولی شہید کو مستثنٰی نہیں کیا گیا۔ پھر اس آیت کے بارے میں ان لوگوں نے بہت غوطے کھائے۔ کبھی کہتے ہیں کہ ان کی روحیں زندہ ہیں نہ کہ جسم۔ کبھی کہتے ہیں کہ ان کے کام زندہ ہیں یعنی وہ دین کے لئے شہید ہوئے اور دین زندہ ہے تو گویا وہی زندہ ہے۔

مگر ان عقلمندوں سے کوئی پوچھے کہ اگر آیت کریمہ کے یہ معنی ہوتے تو شہداء کی قید کیوں لگائی جاتی۔ قیامت میں ہر مردہ زندہ ہوگا اور بعد موت روح ہر ایک کی زندہ ہی رہتی ہے اور ہر صدقہ جاریہ کرنے والے کا کام زندہ رہتا ہے۔ نیز دوسری آیت شہداء کی زندگی اس طرح ارشاد فرما رہی ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ
سبحان اللہ! رب نے فیصلہ کر دیا کہ شہید راہِ خدا کو مُردہ سمجھو بھی مت۔ وہ رب کے ہاں زندہ ہیں۔ روزیاں پاتے ہیں۔ خوشیاں مناتے ہیں۔ دنیا والوں کے حالات کو دیکھ رہے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ان کی کوئی تحویل نہیں چل سکتی۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ خیر ہم شہداء کو تو زندہ مان لیتے ہیں کیونکہ قرآن کریم اس کا اعلان کرتا ہے مگر انبیاء اولیاء کی حیات کہیں ثابت نہیں بلکہ ان

کی موت کی آیات موجود ہیں۔ لہٰذا وہ کوئی زندہ نہیں یہ لوگ یہاں تک کہہ ڈالتے ہیں کہ اگر وہ زندہ ہوں تو ان کا غسل کفن کیوں کیا۔ ان کی میراث کیوں تقسیم ہوئی۔ ان کی بیویاں اور جگہ نکاح کیوں کر لیتی ہیں۔ ان تمام احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات زندہ نہیں۔ مُردہ ہیں۔

تیسرے فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء، شہداء اولیاء اور بعض علماء بحکم پروردگار بعد وفات زندہ ہیں۔ کیوں نہ ہو جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کٹ مرنے والے شہید حیات ابدی زندہ ہیں تو جن کے دم قدم کی یہ بہار ہے وہ کیونکر زندہ نہ ہوں۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔ فقیر اس صحبت میں حیاتِ انبیاء، شہداء و اولیاء کے متعلق کچھ تحقیق پیش کرنا چاہتا ہے۔

خیال رہے کہ انسان میں قدرت نے دو رُوحیں رکھی ہیں۔ ایک روح سلطانی جس کا ہیڈ کوارٹر دماغ ہے جس سے بیداری قائم ہے اور دوسری روح حیوانی جس کا مرکز دل ہے جس سے زندگی قائم ہے۔ مگر یہ دونوں رُوحیں جسم کی رگ رگ میں ایسی سرایت کی ہوئی ہیں جیسے انگارے میں آگ یا پھول میں رنگ و بُو۔

جسم میں سے رُوح سلطانی کے نکل جانے کو نیند کہتے ہیں اور روح حیوانی نکل جانے کا نام موت ہے۔ اولاً ہم اپنی اور مقبولان بارگاہِ الٰہی کی نیند میں فرق کرتے ہیں۔ ہماری روح سلطانی نیند میں جسم سے نکل کر جسم کو چھوڑ دیتی ہے اور ہم نیند میں ایک دم غافل ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ نیند سے ہمارا وضو بھی جاتا رہتا ہے کبھی احتلام بھی ہو جاتا ہے۔ اور ہماری خواب کا اعتبار بھی نہیں رہتا۔ اور ہمیں نیند کی حالت میں اپنے تن بدن کا ہوش بھی نہیں رہتا۔ یعنی ہماری رُوحِ سلطانی نیند میں ہم سے نکل بھی جاتی ہے اور جسم کو چھوڑ بھی دیتی ہے۔

اب آجاؤ حضرات انبیاء کرام کی نیند کی طرف۔ رُوح سلطانی اُن کے اجسام سے نکل بھی جاتی ہے مگر انہیں چھوڑتی نہیں بلکہ تعلق برابر قائم رکھتی ہے جس کی وجہ ہے انہیں نیند میں غفلت نہیں طاری ہوتی اسی لئے ان کی نیند وضو نہیں توڑتی۔

انہیں کبھی احتلام نہیں ہوتا۔ ان کی خواب وحی الٰہی ہوتی ہے۔ غرض کہ ان پر نیند کی حالت میں بھی بیداری کے احکام جاری رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی خواب سے شرعی احکام منسوخ ہوجاتے ہیں۔

دیکھو بے گناہ بچے کو ذبح کرنا ہر دین میں حرام ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواب نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اور وہ خواب کی بنا پر اپنے فرزندِ ارجمند کے ذبح پہ تیار ہوگئے۔ مگر اس کے باوجود انہیں سوتا ہوا ہی کہا جاتا ہے۔ اور ان پر نیند سے احکام جاگنے والوں کے جاری نہیں ہوتے۔ اس حال میں ان پر نہ نماز فرض ہوتی ہے نہ تبلیغ نہ سلام کا جواب۔ اور نہ بیداری کے دوسرے احکام۔ اب اس وقت میں انہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سو رہے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں۔ مگر الگ حیثیتوں سے۔ جب اپنی اور پیغمبروں کی نیند میں فرق سمجھ لیا۔ تو اب موتوں میں فرق بھی دیکھ لو۔

ان کی رُوح حیوانی بھی ان کی موت کے وقت جسم سے نکل جاتی ہے۔ اسی روح کے نکل جانے کا نام موت ہے۔ اس لحاظ سے انہیں میت فرمایا گیا۔ اور اسی خروج روح کی وجہ سے ان پر کفن دفن کے احکام جاری ہو گئے مگر ہماری رُوح جسم سے نکل جانے کے بعد جسم کو چھوڑ بھی دیتی ہے اس کی حفاظت نہیں کرتی جس کی وجہ سے ہمارے جسم بالکل بے جان ہوجاتے ہیں۔ ہمارا علم۔ سمع بصر ختم ہوجاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دو تین دن کے اندر اندر جسم گل سڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ اور ہم پر سارے مردوں کے احکام جاری ہو جاتے ہیں مگر ان حضرات کی روح نکل جانے کے باوجود ان کے جسموں کو چھوڑتی نہیں بلکہ ان کی پرورش و نگاہداشت برابر کرتی رہتی ہے۔

اس بنا پر ان کے جسم گلتے نہیں اور ان کی تمام قوتیں بحال رہتی ہیں بلکہ پہلی زندگی سے کہیں زیادہ ہوجاتی ہیں۔ اس دوسرے معنی کے لحاظ سے وہ حضرات

مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ اس کی تائید خود سرکار انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کلمات ہیں فَاِنِّیْ اِمْرَأٌ مَقْبُوْضٌ۔ یعنی میری رُوح قبض ہونے والی ہے قبض رُوح اور چیز ہے اور ترکِ رُوح کچھ اور۔ اسی طرح جسم سے رُوح کا نکل جانا کچھ اور ہے۔ اور جسم کا بے جان ہو جانا کچھ اور۔ ہم حیات النبی کے مسئلے پر چند دلائل قرآن و حدیث۔ فقہ اور اُمت کے اجماع سے پیش کرتے ہیں۔

(۱) ہر زبان میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ زندوں کے لئے کچھ اور لفظ استعمال کرتے ہیں مردوں کے لئے کچھ اور۔ چنانچہ اُردو میں مُردوں کے لئے "تھا" فارسی میں "بود" عربی میں "کَانَ" انگریزی میں "واز" (WAS) وغیرہ الفاظ ہیں۔ اور زندوں کے لئے اُردو میں "ہے" فارسی میں "ہست" انگریزی میں "از" (IS) وغیرہ ہیں۔ چنانچہ زندے کی حکایت یوں کرتے ہیں کہ فلاں بڑا اچھا ہے۔ عالم ہے۔ سخی ہے۔ بادشاہ یا وزیر ہے۔ لیکن بعد موت کہا جاتا ہے کہ وہ اچھا تھا۔ سخی تھا۔ مُردے کو کوئی "ہے" نہیں بولتا۔ اور "ہے" بولنے والے کو جھوٹا کہا جاتا ہے۔ غرضکہ "ہے" زندے کی حکایت ہے اور "تھا" مُردے کی۔ جب یہ سمجھ لیا تو غور کرو۔ کہ اسلام کا کلمہ شریف ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ حضور کی حیاتِ ظاہری میں بھی صحابہؓ نے یہی کلمہ پڑھا اذان اور نماز میں بھی اس کی گواہی دی گئی اور وفات شریف سے اب تک کلمہ یہی رہا۔ اور قیامت تک یہی رہے گا۔ اور قیامت تک یہی ہے۔ اگر حیات النبی درست نہ ہو۔ آپ کی موت کا عقیدہ رکھا جائے۔ تو تمام مسلمانوں کا کلمہ۔ نماز۔ اذان سب غلط ہو گئے اور تمام لوگ اس کلمے میں جھوٹے ہو گئے بلکہ اب کلمہ یوں ہونا چاہیئے تھا کَانَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلَ اللّٰہِ محمد مصطفےٰ اللہ کے رسول تھے۔

حضرت انسان مسلمان پیچھے ہوتا ہے اذان اور نماز پیچھے ادا کرتا ہے حیات النبی پہلے مان لیتا ہے مسئلہ حیات النبی ایمان اور نماز وغیرہ کی اصل ہے۔

دلیل (۲) قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا۔ یعنی ہمارے حبیب کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی نکاح نہ کرو۔ اس آیت شریف نے دو طرح حیات النبی کا مسئلہ ثابت کیا۔ ایک اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ان کی ازواجِ پاک کو ان کی بیویاں ہی مانا کہ فرمایا اَزْوَاجَهٗ معلوم ہوا کہ ازواج پاک حضور کی وفات کے بعد بھی ان کی بیویاں ہی رہیں۔ ان کا نکاح ٹوٹا نہیں۔ ورنہ خاوند کی موت نکاح توڑ دیتی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ مسلمانوں کو ان سے نکاح کرنا حرام قرار دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ بیوہ نہیں ہوئیں۔ ان کے خاوند صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ نکاح کی حرمت اس لئے ہے کہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ رب فرماتا ہے وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ مگر یہ غلط ہے کیونکہ وہ بیبیاں احترام میں مائیں ہیں۔ نہ کہ احکام میں۔ اسی لئے ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی بہنیں نہیں ان کی بہنیں بھائی مسلمانوں کی خالہ ماموں نہیں۔ ان سے پردہ فرض ہے۔ رب فرماتا ہے: وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط

نہ ان کی میراث مسلمانوں کو ملتی ہے نہ مسلمانوں کو ان کی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیوی کو طلاق دیدیں تو اس کا نکاح دوسرے مسلمان سے ہو سکتا ہے۔ جیسے امیہ بنت جون کا ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ یعنی اے بیبیو! اگر تمہیں دنیاوی زندگی اور یہاں کی زینت اور ٹیپ ٹاپ مرغوب ہے تو آؤ میں تمہیں عدت کا سامان دے دوں۔ اور طلاق دے دوں۔ اگر طلاق سے وہ بیبیاں کہیں نکاح نہ کر سکتیں تو طلاق ان پر سخت ظلم ہوتا۔ کہ وہ معلقہ ہو کر رہ جاتیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا۔ یعنی پیغمبر کی وفات کے بعد ان سے نکاح نہ کرو۔ صاف معلوم ہوا کہ:

وہ بیبیاں تعظیم ادب و احترام میں تو مائیں بلکہ ماؤں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ مگر احکام میں مائیں نہیں۔ ان سے نکاح نہ ہونا اسی بنا پر ہے کہ حضور حیات النبی ہیں۔ شعر

اس کی ازواج کو جائز ہو نکاح ... اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے

روح تو سب کی ہے زندہ لیکن ... ان کا جسم بھی روحانی ہے

دلیل (۳) رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا۔ اے محبوب گذشتہ نبیوں سے پوچھ لو کیا ہم نے کچھ اور معبود بنائے تھے۔ جن کی عبادت کی جائے۔ رب العلمین نے اپنے پیارے حبیب کو از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام تمام نبیوں سے پوچھنے کا حکم دیا۔ اور پوچھا اسی سے جاتا ہے جو زندہ بھی ہو جواب بھی دے۔ اس آیت نے حسب ذیل مسائل ثابت کئے۔

(۱) سارے نبی زندہ ہیں۔ (۲) وہ اپنی قبروں میں پابند نہیں۔ عالم کی سیر کر سکتے ہیں۔ زندہ مقبول بندوں سے کلام بھی کر لیتے ہیں۔ ان کے سوالوں کا جواب بھی دے دیتے ہیں۔ کیونکہ یہاں یہ فرمایا نہیں گیا۔ کہ خط یا ڈاک یا تار کے ذریعے ان سے پوچھ لو۔ نہ یہ کہ ان کی قبروں سے جا کر پوچھو۔ نہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان کے مزارات پر کبھی گئے۔ یہی مطلب ہے کہ اے پیارے وہ حضرات تمہارے پاس آتے ہی رہتے ہیں۔ آپ ان سے ملتے ہی رہتے ہیں۔ معراج میں وہ آئے۔ حج وداع میں وہ شریک ہوئے۔ آپ ان سے کبھی پوچھ لیں۔ یہ آیت حیات الانبیاء کے لئے ایسی صریح ہے۔ جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ نہ ان نبیوں کی امتوں سے پوچھنا مراد ہے۔ نہ ان کی کتابوں سے۔ کیونکہ ان کی امتیں فنا یا مشرک ہو چکی تھیں۔ اور ان کی کتابیں یا ختم ہو گئی تھیں یا محرف۔ جن میں کفر و شرک بھرا ہوا تھا۔

دلیل (۴) مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ الخ یعنی سلیمان علیہ السلام کی وفات بجز دیمک اور کسی نے انہیں نہ بتائی۔ اس دیمک نے آپ کی

لاٹھی کھالی۔ اس آیت نے بتایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد لاٹھی کی ٹیک پر اتنا عرصہ کھڑے رہے کہ وہ لاٹھی پرانی ہو کر دیمک خوردہ ہو گئی اس دوران میں آپ کا جسم شریف نہ گلا نہ بگڑا۔ پتہ لگا کہ نبیوں کی روح جسم سے نکلنے کے بعد بھی جسم کی حفاظت کرتی رہتی ہے۔ یہی معنی حیات کے ہیں۔

دلیل (۵) : وَلَا تَقُوْلُوْا یہی آیت اس میں رب العالمین نے صراحتاً شہداء کو زندہ کہا۔ اس زندگی میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ یہاں موت کی نفی کے بعد بل کے ساتھ حیات کا ثبوت ہے اور بل کے معنی علم بیان والوں پر مخفی نہیں۔

دلیل (۶) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ۰ یہ آیت بھی نہایت شاندار طریقہ سے حیاتِ شہداء ثابت کر رہی ہے۔ اس میں بھی تاویل کی گنجائش نہیں۔

دلیل (۷)۔ مشکوٰۃ شریف۔ باب فضائل جمعہ میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ہم پر درود شریف زیادہ پڑھا کرو کیونکہ تمہارے درود ہم پر پیش ہوتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ بعد وفات کیسے پیش ہوں گے ؟ آپ کا جسم پاک گل چکا ہوگا۔ ارشاد فرمایا۔ اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ اللہ کے نبی زندہ رہتے ہیں۔ رزق دیئے جاتے ہیں۔

دلیل (۸) فرماتے ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کہ ہم شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر گذرے تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

دلیل (۹) ایک صحابی بحالت سفر کسی میدان میں رات میں ٹھہر گئے تو انہوں نے زمین کے نیچے سے سورہ ملک کی تلاوت کی آواز سنی۔ حیران ہو گئے۔ جب بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو یہ ماجرا عرض کیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہاں کسی مومن کی قبر ہے۔ جو زندگی میں سورہ ملک پڑھنے کا عادی

تھا۔ وہ بعد موت بھی اپنے مشغلے میں لگا ہوا ہے۔

دلیل (۱۰) ۔ معراج میں سارے نبیوں کا بیت المقدس میں حاضر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنا۔ پھر مختلف آسمانوں پر مختلف نبیوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے موجود ہونا بہت سی احادیث سے صراحتاً ثابت ہے۔

دلیل (۱۱) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تک میرے حجرے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون رہے تو میں بے حجاب اندر داخل ہو جاتی تھی۔ سمجھتی تھی کہ ایک میرے خاوند ہیں دوسرے میرے والد۔ مگر جب سے جناب عمر رضی اللہ عنہ یہاں دفن ہوئے تب سے بغیر حجاب اندر نہیں جاتی۔ حضرت عمر سے حیا کرتی ہوں۔

ان احادیث سے پتہ لگتا ہے۔ کہ حضراتِ انبیاء و اولیاء بعد وفات زندہ ہیں۔ زندوں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ دنیا کی سیر کر لیتے ہیں۔ یہاں کے حالات سے خبردار رہتے ہیں۔ ان کی رفتار ہماری نگاہ و خیال کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہے۔

دلیل (۱۲) صحابہ کرام سے لے کر آج تک سارے مسلمانوں کا عقیدہ رہا ہے کہ حیاتِ نبی و حیاتِ ولی۔ حیاتِ شہداء برحق ہے اور بعض اولیاء اللہ کے مدفون جسم صدیوں بعد ویسے ہی دیکھے گئے جیسے کہ ابھی تازہ دفن ہوئے۔ ابھی ہمارے ضلع گجرات موضع نوشہرہ شریف میں سید ماکھن شاہ صاحب کی قبر کھل گئی۔ ان کو وفات پائے تقریباً ۷۰ سال گزر گئے ہیں۔ مگر ان کا کفن بھی میلا نہ ہوا تھا۔ تمام اعضاء درست اور نرم تھے جیسے سو رہے ہیں۔ زیارت کے لئے تین ماہ تک لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔

اور یہ واقعہ بخاری شریف میں بھی ہے اور جذب القلوب وغیرہ کتب تواریخ میں بھی ہے۔ کہ عبدالملک ابن مروان کے زمانے میں روضہ مطہرہ کی دیوار

گر گئی جس میں ایک قبر شریف شق ہو گئی۔ اور ایک پنڈلی ظاہر ہو گئی لوگ گھبرا گئے کہ کہیں یہ پنڈلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ ہو۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھ کر فرمایا۔ کہ یہ پنڈلی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہے دیوار گرنے اور بنانے کا واقعہ بخاری شریف میں بھی ہے۔ اس قسم کے واقعات اتنے ہیں کہ ہمارے شمار سے باہر ہیں۔

غرضیکہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ۔ عقائد صحابہ اجماع اُمت تجربہ اور مشاہدہ سے حیات النبی۔ حیات الولی وحیات الشہداء ثابت ہے۔

آگے ارشاد ہوا وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ہ اور لیکن تمہیں شعور نہیں۔ اس میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے کہ عوام مومنو! ان کی حیات کا شعور تمہیں نہیں ہوتا۔ جیسے جلتے ہوئے چراغ کو کسی ناندیا بڑے برتن سے ڈھک دیا جائے تو چراغ تو اپنی جگہ روشن ہے مگر دیکھنے والے کے لئے وہ ناند آڑے ہوئی ہے ان کی حیات تو اس مثال سے بھی کہیں ارفع واعلیٰ ہے جو دیدۂ دل رکھنے والے ہیں۔ وہ ان کی حیات کو محسوس بھی کرتے ہیں اور ان سے کلام اور گفتگو بھی کر لیتے ہیں۔ ان سے یہاں خطاب نہیں۔

آخر میں ہم ان لوگوں کے شبہات بھی رفع کر دیتے ہیں جو غلط فہمی کی بنا پر اس مسئلہ کے منکر ہیں۔ واہیات گفتگو یعنی تو بے شمار ہیں مگر اصول واغراض فقط تین ہیں۔ ایک تو وہ آیاتِ قرآنیہ جن کو ابھی ہم نے ذکر کیا اور ان کے جوابات دیئے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ وغیرہ۔ دُوسرے یہ کہ اگر یہ لوگ زندہ ہیں تو کھاتے پیتے کیا ہیں اور بغیر کھائے پیئے زندگی قائم رہنا عقل کے خلاف ہے۔ اس کے جوابات بہت ہیں۔ ایک تو وہ جو قرآن کریم نے دیا یُرْزَقُوْنَ یعنی وہ اللہ کے فضل سے جنت کی نعمتیں کھاتے ہیں۔ دُوسرے خود انسان پر بعض موقعے ایسے آتے ہیں جبکہ وہ ظاہری کھانے پینے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

ماں کے پیٹ کے بچے ہیں چار مہینے میں جان پڑتی ہے مگر پیدا ہوتا ہے نو مہینہ بعد۔ پانچ ماہ کے عرصہ میں وہ کیا پیتا ہے۔ پیشاب پاخانہ کہاں کرتا ہے۔ سانس کدھر لیتا ہے۔ یہ سب باتیں عقل سے وراء ہیں۔ امام رازیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ اس راز کو بڑے سے بڑا فلسفی بھی نہ پا سکا۔ بچہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اس کے ناک اور منہ پر دھنی ہوئی روئی رکھ دی جائے تو گھٹ کر مرجائے۔ مگر وہی بچہ جھلی۔ رحم۔ پیٹ کے غلافوں میں رہتا ہے۔ اور زندہ رہتا ہے۔ اس سے بڑی بات یہ ہے کہ مرغی کا بچہ انڈے میں رہتا ہے۔ جس میں نہ روزن ہے نہ سوراخ مگر زندہ رہتا ہے اصحاب کہف ہزار ہا سال سے سو رہے ہیں۔ بغیر کھائے پیئے زندہ ہیں۔ ان کی زندگی تو قرآنِ کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام قریباً دو ہزار برس سے آسمان پر زندہ ہیں۔ وہاں کون سا پانی ہے اسی طرح یہ حضرات زندہ ہیں۔ اور اس رزق سے بے نیاز ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وصال کے روزوں میں کئی کئی روز تک نہ کھاتے نہ پیتے تھے۔ ایک مرتبہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ نے تین سال تک پانی نہ پیا۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عزیز علیہ السلام سو برس تک بے جان رہنے کے بعد جب زندہ ہوئے تو سمجھے کہ میں ایک دن سویا یا اس سے بھی کم۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۔

اصحاب کہف ۳۰۹ سال سونے کے بعد جب جاگے تو بولے کہ ہم دن بھر یا بااس سے کم ٹھہرے۔ ان کے متعلق بھی قرآن کریم فرما رہا ہے۔ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ٥

پتہ لگا انبیاء و اولیاء وفات کے بعد اس عالم سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ آفتاب کا نکلنا چھپنا۔ زمانہ گزرنا ان پر مخفی رہتا ہے اور تم کہتے ہو کہ سب کی خبر رکھتے ہیں۔ تمہارا یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔

جواب:۔ ان بزرگوں کو رب العالمین نے اس طرف سے بے توجہ کر کے

اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ یہ خصوصی واقعہ ہے۔ قانون نہیں ہے اس میں وہ حکمتیں تھیں جو قرآن کریم انہیں اپنے مقامات پر ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر مخلوق کے سامنے آئیں۔ مخلوق ان کی زندگی دیکھ کر قیامت کی قائل ہو جائے جیسے عزیر علیہ السلام سے پاس کھانا اور پانی سو سال تک رکھا رہا اور نہ بگڑا۔ تو کھانے کا نہ بگڑنا قانون نہیں بلکہ ایک خصوصی واقعہ ہے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نیند میں ہماری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔ مگر ایک بار سفر میں سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی اور تمام صحابہؓ کی ایسی آنکھ لگی کہ نماز فجر قضا ہو گئی۔ جب آفتاب بلند ہو گیا تو آنکھ کھلی۔ اس واقعہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نعوذ باللہ سرکار کا وہ فرمان غلط ہے بلکہ یہی کہا جائے گا کہ چونکہ رب چاہتا ہے کہ حضور کی اُمت کو قضاء نماز پڑھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے اس لئے اس رات اپنے حبیب کو اپنی طرف متوجہ فرما لیا۔ غفلت نہ تھی بلکہ اس طرف توجہ ہونے کی وجہ سے اس طرف سے بے توجہی تھی۔ اور یہ خصوصی واقعہ تھا قانون نہ تھا۔

تفسیر صوفیانہ: جسم کی زندگی جان سے ہے اور جان کی زندگی ایمان سے ہے۔ دل کی زندگی عشق رحمان سے ہے اور نفس امّارہ کی زندگی کفر و طغیان سے۔ نفس امارہ کی زیست دل اور روح کی موت ہے اس لئے اس کو مار دینے کا حکم ہے۔ نفس امّارہ کی زیست دل اور روح کی موت ہے۔ اس لئے اس کو مار دینے کا حکم ہے۔ دودھک کی زندگی ٹڈی (ٹڈے رجھکے) کی موت ہے۔ اور خودرو گھاس پھوس کی زندگی کھیت کی موت ہے۔ اسی لئے کسان ان زائد چیزوں کو مارتے رہتے ہیں۔ مشائخ اپنے مریدین پر اس لئے سخت نظر رکھتے ہیں۔ مجاہدے کی تلوار عبادات کے تیر سے ترکِ دنیا کے نیزوں سے اس کو ہمیشہ مُردہ رکھتے ہیں۔

مولاناؒ فرماتے ہیں: ؎

پیر را اگزیں کہ بے پیر ایں سفر ہست بس پُر آفت و خوف و خطر
چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رَو
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن!
گرچہ طفلے راکشد تو مو مکن

صوفیاء فرماتے ہیں۔ آیت کا منشا یہ ہے کہ اے مسلمانو! ان لوگوں کو مُردہ نہ کہو۔ جن کے نفسِ امارہ عشق الٰہی کی راہ میں مجاہدے کی تلوار سے قتل و فنا کیے جا چکے ہیں۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے کیونکہ ان کی رُوح اور دل کو دائمی زندگی مل گئی۔ جسے ملک الموت بھی فناہ نہ کر سکے۔ البتہ تمہیں ان کی زندگی کا احساس نہیں کیونکہ دماغ کی آنکھ سے صرف جسم کی زندگی دیکھی جا سکتی ہے۔ مگر دل کی آنکھ سے دل اور روح کی زندگی دیکھی جا سکتی ہے اگر تمہیں ان کشتوں کی زندگی دیکھنا ہو تو دل والی آنکھ پیدا کرو۔

سونا کشتہ ہو کر بیسیوں بیماریوں کو شفا دیتا ہے۔ یہ عشاق کشتہ ہو کر ہزاروں کشتوں کو زندگی بخش دیتے ہیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے زندے کافروں کو مُردہ فرمایا کہ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ اور ان کشتوں کو زندہ قرار دیا کیونکہ ان کے نور روح اور دل مُردہ تھے مگر ان کے نفس امّارہ مردہ اور روح و دل زندہ ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسی زندگی عطا کرے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَ نُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْھُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ (ترجمہ) یقیناً وہ لوگ جو چھپاتے ہیں کتاب کی روشن آیتوں اور

ہدا یتوں کو اس کے پیچھے کہ ہم نے وہ لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کی تھیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرے گا اور سب لعنت کرنے والے بھی۔

تعلق : پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ چونکہ صفا و مروہ پہاڑ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اس لئے ان پر بتوں کا آجانا ان کی عظمت کو نہیں گھٹاتا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس ہی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ایمان کا کعبہ ہیں۔ عرفان کا کوہ صفا ہیں۔ رحمت رحمان کا کوہ مروہ ہیں۔ ان کی شان و عظمت نہ کسی کے چھپائے چھپ سکے اور نہ مٹائے مٹ سکے۔ اور نہ گھٹائے گھٹ سکے۔

شانِ نزول : جیسے کہ آج نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پردہ فرمائے تقریباً چودہ صدیاں گزر چکیں مگر حضور کا چرچا نہ پرانا ہوا نہ گھٹا۔ بڑے بڑے بادشاہوں کا ذکر ان کے مرے بعد ہفتہ دو ہفتے رہتا ہے مگر جیسے زمانہ نہ مٹا سکے وہ ذکر جمیل مصطفےٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایسے ہی از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام سارے انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں حضور کے نام اور صفات عالیہ کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ توریت۔ انجیل وغیرہ میں آپ کے گیت گائے گئے۔ جیسا کہ قرآن شریف کی بہت سی آیتوں سے ثابت ہے یہود مدینہ بھی آپ کی تشریف آوری کی بشارتیں لوگوں کو دیتے تھے اور آس لگائے بیٹھے تھے کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں سے ہوں گے۔ جس سے ہماری عزتوں کو چار چاند لگ جائیں گے مگر جب آپ کا ظہور بنی اسمٰعیل میں ہوا تو وہ لوگ حسد کی آگ میں جل گئے اور توریت و انجیل کی وہ آیات جن میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کا ذکر تھا چھپانے یا بدلنے لگے اور کہنے لگے کہ نہیں یہ وہ نبی نہیں جس کا ہمیں انتظار ہے۔ ایک بار بعض صحابہ علمائے یہود کے پاس گئے اور انہیں قسم دے کر پوچھا کہ سچ بتا دو حضور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر تمہاری کتابوں میں ہے یا نہیں۔ وہ صاف

انکار کر گئے اور بولے کہ قطعاً ذکر نہیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

تفسیر: اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ۔ رب جانتا تھا کہ اب بھی حضور کی آیاتِ نعت میں ہیر پھیر کرنے والے اور ان کا ذکر روکنے والے یہود و نصاریٰ موجود ہیں اور آئندہ بھی خود کلمہ گو مسلمانوں میں وہ فرقے پیدا ہوں گے جو حضور کے ذکر کو روکیں گے۔ اور آیاتِ نعت کبھی نہ سنائیں گے۔ بلکہ ان کے معنی اور مضامین بدلنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے یَکْتُمُوْنَ مطلق فرمایا۔ یعنی سارے ہی وہ لوگ خواہ عیسائی یہودی ہوں یا مسلمانوں کے لباس میں منافقین جواب چھپا رہے ہیں یا آئندہ چھپائیں گے۔ ان سب کا وہی حال ہے۔ جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

یَکْتُمُوْنَ۔ کَتْمٌ سے بنا کَتْمٌ کے معنی بھی چھپانا ہے اور ستر کے معنی بھی چھپانا۔ مگر ان میں فرق یہ ہے کہ چھپانے کے لائق چیزوں کو چھپانا ستر ہے اور جو چیز چھپانے کے لائق نہ ہو بلکہ اس کا ظاہر کرنا ضروری ہو۔ اس کے چھپانے کا نام کتم ہے۔ ستر کمال ہے اور کتم عیب۔ اسی لئے رب کا نام ستار ہے کتام نہیں۔

رب نے بعض چیزیں چھپانے کیلئے پیدا کی ہیں اور بعض دکھانے کے لئے۔ ہمارے بدن میں چہرہ دکھانے کے لئے ہیں اور ننگیز چھپانے کے لئے۔ ننگیز ڈھکنا کمال ہے اور بلا وجہ چہرہ چھپانے پھرنا حماقت۔ چونکہ حضور کی ذات و صفات اللہ کا نور ہیں۔ نور کا چھپانا عیب ہے اس لئے رب العٰلمین نے یکتمون فرمایا نہ کہ یسترون۔

مَآ اَنْزَلْنَا الخ اس آیت میں کتاب سے مراد توریت و انجیل وغیرہ ہے۔ اور بینات و ہدیٰ وغیرہ سے مراد ان کتابوں کی نعتیہ آیات ہیں۔ رب نے ان آیتوں کی تین صفتیں بیان کیں۔ بیّنہ ہونا۔ ھدیٰ ہونا اور لوگوں کیلئے آنا۔ ظاہر، جلی اور بیّنہ۔ تینوں کے معنی قریباً ایک ہی ہیں۔ مگر فرق یہ ہے

کہ ظاہر وہ جو ہلکے غلاف اور معمولی آڑ سے چھپ جائے۔ جلی وہ جو بھاری غلاف اور سخت آڑ سے چھپے۔ لیکن بیّنہ وہ ہے جو نہ تو کسی آڑ سے چھپے اور نہ موٹے سے موٹے غلاف سے۔ وہ ہر آڑ کو پھاڑ کر رکھ دے۔ اس کے چھپانے والے کی ساری کوششیں بیکار ہو جائیں۔ چونکہ توریت و انجیل کی نعتیہ آیتیں اس تیسرے درجے کی ظاہر کی تھیں کہ سارے یہود و نصاریٰ کے انتہائی زور کے باوجود نہ چھپ سکیں۔ اس لئے انہیں بیّنات فرمایا گیا۔

آیاتِ احکام تو نسخ و تبدیل ہو گئیں مگر آیات نعت نہ نسخ ہو سکیں نہ تبدیل کیسے ہوتیں۔ رب نے وہ آیتیں قرآن شریف میں نقل فرما دیں۔ انہیں ھدیٰ یعنی ہدایت دینے والی اس لئے فرمایا کہ توریت و انجیل کے سارے احکام نسخ سے پہلے ہدیٰ تھے۔ مگر نسخ کے بعد ہدیٰ نہ رہ گئے۔ یعنی گمراہی اور نفسانی خواہش مگر انہیں کتابوں کی توحید و صفات کی آیتیں اور نعت مصطفےٰ کی آیتیں پہلے بھی ہدایت تھیں اور اب بھی ہدایت ہیں۔ ان پر نسخ طاری نہیں ہوتا۔ ایسے منسوخ نہیں ہوں۔ جب خدا نہ رہے یا حضور مصطفےٰ نہ رہیں۔ آگے ارشاد ہوا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ۔ یعنی ہم نے وہ آیتیں لوگوں کے لئے بیان کی تھیں۔ اس کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے ایک بات یوں سمجھ لو کہ جیسے دنیا کی سب نعمتیں رب تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں مگر ان میں بعض خاص ہیں۔ جن کا فائدہ خاص لوگ اٹھاتے ہیں۔ اور بعض عام کہ جن سے عام مخلوق نفع اٹھاتی ہے۔ دیکھو غریبوں کی جھونپڑیوں میں چراغ۔ ان کے اوپر کے طبقہ کے گھروں میں لالٹینیں۔ اور ان کے اوپر گیس و بتیاں۔ امیروں کی کوٹھیوں میں بجلی کے بلب ہیں۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ مگر خاص خاص۔ لیکن چاند اور سورج اس کی نعمتِ عامہ ہیں۔ جن سے ہر شاہ و گدا۔ امیر و فقیر فائدے اٹھاتے ہیں۔

یوں ہی ہر کھیت کے کنوئیں اللہ کی نعمتیں ہیں مگر مخصوص۔ کہ ہر کنواں اپنے مالک کے ہی کھیت کو سیراب کرتا ہے۔ لیکن بادل وہ عام نعمت ہے جو کسی امیر یا غریب میں فرق نہیں کرتا۔ اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ چراغ غریبوں کے لئے اور بجلی امیروں کے لئے ہے۔ مگر چاند اور سورج سب لوگوں کے لئے۔ کنواں۔ کنوئیں والوں کے لئے اور بادل سب لوگوں کے لئے جب جسمانی نعمتوں کی مثال آپ سمجھ گئے تو روحانی نعمت یعنی کتاب آسمانی کو بھی سمجھ لو کہ اس کی بعض آیتیں کافروں کے لئے ہوتی ہیں۔ بعض گنہگار مومنوں کے لئے۔ بعض نیکوکار خوش نصیبوں کے لئے اور بعض کسی کے لئے بھی نہیں صرف پیغمبر کے لئے۔ یعنی ان ساری آیتوں کو مانیں گے سب۔ لیکن عمل کوئی کوئی کرے گا اور تعلق کسی سے ہو گا۔

دیکھو رب فرماتا ہے اے لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ یہاں روئے سخن کافروں سے ہے کیونکہ مسلمان تو پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں اور فرمان ہے اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ یہاں روئے سخن گنہگاروں سے ہے اے ایمان والو نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو۔ نماز کا تعلق بچوں دیوانوں ناپاک عورتوں و مردوں کے سوا باقی مسلمانوں سے ہے۔ اے ایمان والو! تم پر حج فرض ہے اس کا تعلق بھی ان مالداروں سے ہے جنہیں حج کا موقعہ نصیب ہو۔

یٰسٓ۔ طٰہٰ۔ الٓرا وغیرہ متشابہات صرف نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کے لئے ہے۔ جبریل امین کو بھی ان کے معنی کی خبر نہیں۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اور اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الخ اس قسم کی تمام آیتوں کا تعلق صرف نبیوں کی ذات پر ہے۔ کوئی دوسرا اگر ان کے لئے یہ الفاظ استعمال کرے تو وہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

یہ ساری آیتیں کتاب اللہ کی ہی ہیں۔ اور سب اللہ کی نعمتیں ہی ہیں۔ مگر تعلق ان کا خاص لوگوں سے ہے۔ لیکن حمد الٰہی اور نعت مصطفوی ﷺ کی آیتیں سورج کی روشنی اور بادل کی بارش کی طرح ایسی عالمگیر نعمتیں ہیں کہ جن کا تعلق اللہ کی ہر مخلوق سے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے احکام کی آیتوں میں اکثر مسلمانوں سے خطاب کیا۔ اور حضور کی میلاد کی آیتوں میں اکثر سارے لوگوں سے فرمایا۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور ارشاد فرمایا وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ جس سے پتہ لگا کہ حضور کی رحمت اللہ کی ربوبیت کی طرح عالمگیر ہے۔

جب یہ سمجھ لیا تو اس آیت کا مطلب بالکل ظاہر ہو گیا یعنی اسے یہودیو اور عیسائیو! ہم نے اپنے حبیب کی نعت کی آیتیں توریت اور انجیل میں سارے لوگوں کے لئے بیان کی تھیں۔ تمہیں ان کے چھپانے کا یا بدلنے کا کیا حق ہے۔ ہاں توریت و انجیل کی احکام کی آیتیں تمہارے لئے تھیں۔ تم انہیں دوسرے لوگوں تک پہنچاتے یا نہ پہنچاتے۔ تم نے اس سورج پر غلاف ڈالنے کی کیوں کوشش کی۔ غرضکہ ان لوگوں کا یہ جرم بیان فرما کر اب اب اس کی سزا بیان فرمائی جا رہی ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے یا لعنت کرے گا اور ساری مخلوق لعنت کرتی رہے گی۔

لعنت کا فاعل اگر اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اپنی ہر رحمت سے دور کر دینا۔ اس طرح کہ زندگی میں انہیں ہدایت۔ مرتے وقت ایمان قبر میں امتحان کی کامیابی اور حشر میں نجات۔ اس کے بعد دوزخ سے چھٹکارا۔ جنت کا داخلہ نصیب نہ ہو۔ اس سخت سزا کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ہر رحمت کی اصل ہیں۔ جب آپ کا دامن چھوٹا تو خدا کی ساری نعمتیں جاتی رہیں۔ دیکھو اگر بارش نہ ہو تو نہ نہروں کی رونق، کھیتوں کی سرسبزی، درختوں

کے پھل، زندگی گزارنے کے لئے دانے، کنوؤں کا پانی، دریاؤں کی روانی
چشموں کی آبرانی، تالابوں کی فراوانی سب ختم۔ ایسے ہی اگر اُس آستانہ سے
نکالا گیا تو ایمان، عرفان رحمت رحمٰن سب سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اور اگر لعنت
کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ دُوری رحمت
کی بد دُعا کرنا یعنی ان لوگوں پر خدا کی پھٹکار اور تمام مخلوق کی درکار
ہوتی رہے گی۔ خیال رہے کہ حضور کے دشمن کو رب کے ذرے
دریا کے قطرے۔ درختوں کے پتے۔ سارے فرشتے بددعائیں دیتے
ہیں۔ بلکہ وہ خود بھی اپنے پر لعنتیں کرتا ہے کہ کافر بھی کہتے ہیں بُروں
پر خدا کی لعنت اور بُرے خود ہی ہوتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ حساب محشر سے فارغ ہو کر جب کفار
دوزخ میں جانے لگیں گے تو پہلے انہیں دروازۂ جہنم پر کھڑا کر کے
ان پر سب کی لعنت ڈلوائی جائے گی۔ پھر دوزخ میں بھیجا جائے گا۔
اور وہاں پہنچ کر ان کا یہ حال ہوگا۔ کہ ہر کافر دُوسرے کو لعنت کرے گا۔
رب فرماتا ہے وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔

اس کے بعد رحیم اپنی رحمت کا انہیں بھی امیدوار بنا رہا ہے کہ
ارشاد فرماتا ہے اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا الخ یعنی ہاں
جو توبہ کرلیں اور بگڑے ہوؤں کی اصلاح کر دیں۔ اور چھپائی ہوئی آیتوں
کو ظاہر کر دیں۔ اُن کا اعلان کر دیں۔ ان کی توبہ قبول ہوگی کیونکہ رب
تعالیٰ توّاب بھی ہے، رحیم بھی۔ یعنی صرف توبہ کر لینا کافی نہیں بلکہ اس
کے لئے تین شرطیں ہیں۔

ایک تو گذشتہ پر شرمندگی۔ دوسرے ان کے اس چھپانے
یا بدلنے سے جو لوگوں سے بدعقیدگی پھیل گئی ہو اس کی اصلاح تیسرے
چھپائی ہوئی آیتوں کا علانیہ اظہار کیونکہ جیسا گناہ ویسی توبہ۔ کھلے گناہ

کی کھلی توبہ چھپے گناہ کی چھپی توبہ۔ اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک کو چھپانا یا آیات نعتیہ میں تاویلیں کر کے انہیں بگاڑنا۔ ان کے ذکر کو حیلوں بہانوں سے روکنا بدترین کفر ہے۔ یہ انہیں پادریوں اور پوپوں کا عمل ہے۔ جن پر رب کی اور ساری مخلوق کی لعنت ہے۔ اس آیت کریمہ سے وہ لوگ عبرت پکڑیں۔ جو خدا کے طرفدار۔ توحید کے ٹھیکیدار بن کر آیات نعتیہ کے چھپانے کو توحید کا رکن اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جس دل میں عظمت مصطفوی نہیں۔ وہاں توحید کی جگہ ہی نہیں توحید الٰہی لیمپ کی ایک نورانی بتی ہے۔ اور نبوت مصطفائی صلے اللہ علیہ وسلم اس کی رنگین چمنی۔ توحید کے نور کے ساتھ ساتھ رسالت کا رنگ لازم ہے اگر کوئی خالص توحید چاہے کہ جس میں نبوت کا رنگ نہ ہو تو وہ مثل شیطان کے پاگل ہے۔

دوسرا فائدہ: آسمانی کتابوں خصوصاً قرآن شریف کا ماننا اور ہے۔ جاننا اور عمل کرنا کچھ اور۔ دیکھو قرآن کریم کا ہر لفظ ہر مومن کے ماننے کے لئے اترا۔ مگر جاننے اور عمل کرنے کے لئے نہ اترا۔ چنانچہ متشابہات اور اسرار کی آیتیں ہمارے عمل سے وراء ہیں منسوخ آیتوں پر عمل ناممکن ہے۔ اسی لئے رب نے بیّنٰہ للناس فرمایا یعنی ہم نے وہ نعت کی آیتیں لوگوں کے ماننے، جاننے پہچاننے کے لئے بیان کی تھیں ظاہر و باطن ہر چیز کا یہ ہے ہم اپنے ظاہری اعضا کو مانتے بھی ہیں جانتے بھی ہیں مگر روح کو مانتے ہیں جانتے نہیں پھل پھول کے ظاہر کو جانتے مانتے ہیں مگر اس کے اندرونی رس کو جس پر اس کی تازگی کا مدار ہے مانتے ہیں جانتے نہیں۔ بجلی کی فٹنگ۔ بلب۔ تار وغیرہ کو ہم مانتے بھی ہیں جانتے بھی ہیں۔ پاور کو مانتے ہیں جانتے نہیں کہ یہ کیا چیز ہے اسی طرح کتاب اللہ کی ساری آیتیں مانی جاتی ہیں۔

تیسرا فائدہ : نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا۔ ان کو نبی کہنا نبی کہلوانا یہ تینوں مختلف چیزیں ہیں۔ ان کے زمانے بھی مختلف ہیں۔ یہ تو خبر نہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نبی کب سے ہیں۔ اتنا پتہ لگا ہے کہ جب آدم علیہ السلام آب و گل میں تھے اس وقت بھی حضور نبی تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اور سرکار ابدالاباد تک نبی رہیں گے یعنی حضور کی نبوت کی ابتدا تو ہے۔ مگر انتہا کوئی نہیں۔ یعنی نبوت سرکار ازلی نہیں مگر ابدی ہے رہا آپ کو نبی کہنا اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ جب سے مخلوق بنی۔ تب سے حضور کو نبی کہا گیا۔

فرشتوں نے آپ کو نبی کہا۔ جنت میں درخت طوبیٰ کے پتوں پر حوض کوثر کے کوزوں پر۔ غلمانوں کے سینوں پر۔ حوروں کی آنکھوں کی پتلیوں میں۔ جنت کے دروازے پر۔ عرش اعظم کی ساق پر لکھا گیا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہو کر آنکھ کھلتے ہی عرش اعظم پر کلمہ لکھا دیکھا۔ اور پڑھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ الخ اللہ اس نبی پر رحمتیں بھیج رہا ہے اور فرشتے رحمتوں کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ رب کب سے رحمتیں بھیج رہا ہے۔ جب سے نور پاک مصطفےٰ پیدا ہوئے ہیں۔ اور فرشتے کب سے دعائیں کر رہے ہیں۔ جب سے وہ پیدا ہوئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ میں ایسے رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے۔ ان کا نام پاک احمد ہے۔ یعنی ان کا آنا میرے بعد ہے مگر وہ رسول آج ہیں۔ ان کا نام پاک بھی آج ہی احمد ہے۔

اس آیت کریمہ نے جسے پہلے ہم نقل کر چکے ہیں بتایا کہ توریت انجیل زبور ابراہیمی و نوحی صحیفے سب میں حضور کی عزت کا اعلان تھا۔ سب کو دی

مثال بالکل یوں سمجھو کہ سورج ہر وقت چمک رہا ہے مگر زمین کے کسی حصے میں دن ہے اور کسی پر رات اور جہاں دن ہے وہاں بھی کبھی سویرا کبھی دوپہر کبھی شام یہ فرق آفتاب کی حرکتوں کا ہے نہ کہ اس کی تابشوں اور نورانیت کا۔ اسی طرح حضور کی ولادت، ہجرت مکی مدنی ہونا۔ وفات پاجانا یہ حضور کی آمد و روانگی کے نام ہیں۔ ورنہ حضور ولادت سے پہلے بھی نبی ہیں اور ابدالآباد تک بھی نبی ہیں ؎

یہ دونوں گھر نبی کے ہیں جہاں جی چاہا جا بیٹھے
کبھی اِس گھر میں آ بیٹھے کبھی اُس گھر میں جا بیٹھے

رہا حضور کا نبی کہلانا۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ رب تعالیٰ نے تو فرشتوں حور و غلمان چاند تاروں۔ ذروں۔ قطروں کو پیدا فرماتے ہی حضور کو نبی کہلوانا شروع کر دیا تھا پھر انبیاء کرام نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی اُمتوں سے حضور کو نبی کہلوایا۔ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے مگر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت سے چالیس سال کے بعد اپنے کو لوگوں سے نبی کہلوایا۔

لطف یہ ہے کہ اس چالیس سال کے دوران میں حضور انور نے کسی سے نہ کہا کہ مجھے نبی کہو مگر لکڑیاں پتھر جانور علانیہ حضور کو نبی کہتے تھے۔ گویا رب فرما رہا ہے کہ تم تو چالیس سال کے بعد اپنی نبوت کا اعلان فرمانا۔ مگر ہم پہلے ہی سے اعلان کرائے دیتے ہیں۔ سورج پیچھے نکلتا ہے مگر نیر اتار پہلے ہی اس کی آمد کی خبر دے دیتا ہے۔ مشرق کی جانب کا نور تاروں کا پھیکا پڑ کر چھپ جانا پہلے ہی سے دُنیا کو بتا دیتا ہے۔ نمازیوں کو مسجدوں میں پہنچا دیتا ہے۔ غافلوں کو چونکا دیتا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ۔ آفتاب آ رہا ہے غرضکہ زمانہ نبوت اور ہے اور زمانہ ظہور نبوت کچھ اور۔

چوتھا فائدہ: دینی ضروریات کی باتیں چھپانا کفر ہے۔ دیکھو رب نے ان علماء یہود پر لعنت فرمائی جو دینی ضروریات کو چھپاتے تھے۔ لہٰذا ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری چیزیں اُمت کو پہنچا گئے اور کوئی چیز امت سے چھپا کر نہ لے گئے۔ رب اعلان فرما چکا۔ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ۔ اگر کوئی بات دین سے متعلق چھپی رہ گئی ہوتی تو نہ دین کامل ہوتا نہ نعمت پوری ہوتی۔ جو شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو تعلیم ... کی

خلافت کا اعلان کرنا چاہتا تھا اور کاغذ پر لکھنا چاہتا تھا۔ مگر جناب عمرؓ کے منع کرنے سے نہ لکھا پورا نہ دین ہے کیونکہ وہ بظاہر تو جناب عمرؓ پر اعتراض کر رہا ہے مگر درپردہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض باتیں چھپانے کا الزام لگا رہا ہے اور دین چھپانے والے کا وہ حشر ہے جو اس آیت میں مذکور ہے خدا کے لئے بعض صحابہؓ کی آڑ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نہ کرو۔ جب حضور انورؑ کو کوئی دنیا کی طاقت اعلانِ توحید سے نہ روک سکی تو آپ جناب عمرؓ کی وجہ سے کیوں یہ حق ظاہر نہ کر سکے غور تو کرو کہ کاغذ طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن پیش آتا ہے اور وفات شریف اس کے پانچویں دن یعنی پیر کو ہوئی ہے۔ خاکش بدہن اگر جناب عمرؓ نے جمعرات کے روز لکھنے سے روک بھی دیا تو ان پانچ دنوں میں کون روکنے والا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ انور کاغذ پر بعض وہی باتیں لکھوانا چاہتے تھے جن کا بارہا اعلان کر چکے تھے اور جو عین وفات کے وقت فرمائیں اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی نماز کی پابندی رکھنا اور اپنے ہاتھوں کے حقوق ادا کرنا۔

پانچواں فائدہ:۔ یہ کہ حضرات اہل بیت اطہار خصوصاً جناب علی حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کوئی دینی بات کسی کے خوف سے نہ چھپائی نہ کسی موقعہ پر تقیہ کیا کیونکہ دینی بات چھپانے کا وہ انجام ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث قابلِ تقسیم ہوتی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جناب مرتضیٰ کو کسی باغ۔ کھیت۔ مکان یا درخت کی وصیت فرما گئے ہوتے پھر بعد میں حضرت ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہوتی تو جناب علیؓ کا فرض ہوتا کہ ان کے خلاف آواز اٹھاتے اور نہ کبھی ان کی خلافت تسلیم کرتے نہ ان کا ان تمام چیزوں پر قبضہ مانتے اور نہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ میں دفن ہونے دیتے نہ جناب صدیقؓ کو اور جناب عمر فاروقؓ کو۔ بلکہ وہ فرما دیتے کہ مقبرہ وقف ہوتا ہے اور حجرے حضورؑ کے وارثوں کی ملکیت ہیں۔ تم انہیں مقبرہ کیوں بنائے دیتے ہو۔ اگر جناب حیدر کرارؓ نے ان تمام باتوں کو جانتے ہوئے خاموشی اختیار کی بلکہ خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر بیعتیں بھی کر لیں تو وہ یقیناً اس آیت کی زد میں آ گئے۔

صحابہؓ کے بغض میں حضرات اہلِ بیت کے دامن پر دھبے نہ لگانے چاہئیں اگر حضرات اہلِ بیت اطہار کی حق گوئی دیکھنا ہے تو کربلا کے میدان پر نظر ڈالو کہ جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس پلید کو خلافت کے لائق نہ سمجھا۔ اس کے مقابلے میں جان دے دی بیعت نہ کی چنانچہ ان کے سامنے یہ آیت کریمہ تھی اور وہ جانتے تھے کہ حق کو چھپانے والا لعنت کا مستحق ہوتا ہے

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ بے شک آسمان و زمین کی پیدائش اور رات دن کے بدلنے اور کشتی جو دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مُردہ زمین کو اس سے جِلایا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل جو کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں

تعلق:۔ رب تعالیٰ نے پچھلی آیت میں دعوٰی توحید فرمایا تھا کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اب یہاں دلائل توحید بیان فرماتے جا رہے ہیں کیونکہ دعوٰی دلیل سے ہی ثابت کیا جاتا ہے۔

دوسرا تعلق:۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ اب اس کے ثبوت کے لئے اپنی آٹھ ایسی نعمتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جس میں ہمارے کسب کو بالکل دخل نہیں۔ محض عطیۂ ربانی ہیں آسمان و زمین کی پیدائش وغیرہ۔

شانِ نزول:۔ مشرکینِ عرب توحیدِ الٰہی کا مسئلہ سن کر حیرت میں کہتے تھے کہ اتنے بڑے جہان کو اکیلا رب نہیں سنبھال سکتا۔ اس کے انتظام کے لئے بہت خداؤں کی جماعت چاہیئے جو اس

دنیا کے انتظامات سنبھالے اور خدا کا ہاتھ بٹائے اُن کی تردید میں یہ آیت کریمہ اُتری۔

خیال رہے کہ مشرکین عرب کی یہ حیرت محض اس لئے تھی کہ انہوں نے دنیا کے پھیلاوے کو تو دیکھا۔ مگر خالق کی قدرت پر نظر نہ ڈالی۔ اس لئے حیران رہ گئے۔ جیسے کوئی دیہاتی مال گاڑی کے بھرے ہوئے بہتر ڈبے دیکھ کر کہے کہ اتنی بڑی گاڑی کو ایک انجن نہیں کھینچ سکتا۔ کیونکہ اس نے ایسی انجن دیکھا ہی نہیں۔ مومن جو ربّ کی قدرتوں کو جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ایسے ایسے کروڑوں عالم رب تعالیٰ کی قدرت کے سامنے گھاس کے پتوں کی طرح ہیں۔

تفسیر:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لئے یہاں آٹھ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ پہلی چیز آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے چونکہ سب چیزیں اس کے بعد ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر بعد میں فرمایا

حکایت:۔ امام فخرالدین رازیؒ نے کسی بڑھیا سے پوچھا کہ خدا ہے۔ بولی ہے۔ آپ نے پوچھا۔ اس کا ثبوت۔ بولی میرا چرخہ۔ فرمایا کیسے؟ بولی ایسے کہ جب تک میں اُسے نہ گھماؤں نہیں گھومتا جب بغیر گھمانے والے کے یہ معمولی چرخہ نہیں گھوم سکتا تو اتنے بڑے آسمانوں کا چرخہ بغیر گھمانے والے کے کیسے گھوم رہا ہے۔ فرمایا بہت ٹھیک۔ اچھا بتا رب ایک ہے کہ چند۔ بولی ایک۔ فرمایا ثبوت۔ بولی میرا چرخہ۔ فرمایا کیسے۔ بولی اس لئے کہ اگر میں اکیلی گھماؤں تو قاعدے سے اور صحیح گھومتا ہے۔ لیکن اگر اس کے گھمانے میں دوسرا ہاتھ لگ جائے تو نہ تو صحیح گھومے اور نہ روئی کا تار بنے۔ جب ایک چرخہ دو چلانے والوں سے ٹوٹ جاتا ہے تو آسمانوں کے چرخے چلانے والے اگر دو ہوتے تو اُن کا نظام قائم نہ رہتا اور ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ بہرحال آسمان و زمین توحیدِ الٰہی کی بے مثال دلیل ہے۔

خلق کے معنے ہیں نیست سے ہست کرنا۔ بے مثال بنانا (ایجاد کرنا) وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا۔ (صورت بنانا) اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ۔ یہاں پہلے معنے ہو سکتے ہیں یعنی آسمان و زمین کے پیدا یا ان کو ایجاد فرمانے میں۔

خیال رہے کہ اگرچہ آسمان بھی سات ہیں اور زمینیں بھی سات مگر چونکہ ہر آسمان کی حقیقت جدا گانہ ہے اور تمام زمینوں کی حقیقت ایک ہی ہے یعنی مٹی۔ نیز ہر آسمان دوسرے سے بہت دور ہے کہ ان میں پانچ سو برس کا راستہ ہے اور ساری زمینیں پیاز کے چھلکوں کی طرح چپٹی

ہوئی ہیں کہ دیکھنے میں ایک محسوس ہوتی ہیں اس لئے آسمانوں کو جمع اور زمینوں کو واحد فرمایا جاتا ہے اگرچہ آسمان زمین سے پیچھے بنے ہیں مگر چونکہ آسمان دینے والے ہیں اور زمین لینے والی۔ اور دینے والا لینے والے سے افضل ہوتا ہے اس لئے آسمانوں کا ذکر پہلے ہوا اور زمین کا بعد میں۔

اللہ تعالے نے ان آٹھوں چیزوں میں سے ہر ایک کے متعلق فرمایا کہ ان میں بے شمار نشانیاں ہیں۔ لہٰذا آسمان میں بھی بہت نشانیاں ہیں اور زمین میں بھی جن میں سے کچھ عرض کی جاتی ہیں۔

(۱) آسمان کی بڑائی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کسی کو اس کی پیمائش کا پتہ نہیں اور اُن کا وزن تو جانتا ہی کون ہے لیکن اس کے باوجود نہ تو وہ کسی چیز پر رکھے ہیں اور نہ کسی چیز پر ٹنگے ہیں معلق ہیں گرتے نہیں۔

(۲) اتنے عرصے سے کام میں لگے ہوئے ہیں مگر نہ گھسے نہ ٹوٹے نہ کبھی اُن کی مرمت کا اعلان ہوا۔ یعنی وہ زمانے کی دست برد سے محفوظ ہیں۔

(۳) آسمان سات ہیں ہر آسمان پر ایک تارا ہے اور آٹھویں آسمان یعنی کرسی پر بے شمار تارے ہیں اور نواں آسمان یعنی عرش اعظم تاروں سے خالی ہے۔ فلاسفہ تو ان آسمانوں کی حرکت مانتے ہیں۔ عرش اعظم یعنی آخری آسمان کی حرکت کا چوبیس گھنٹے میں پورا ایک دورہ اسی حرکت سے دن رات۔ تاروں کا طلوع غروب۔ مہینے۔ سال۔ صدیاں وابستہ ہیں اور آٹھویں آسمان یعنی کرسی کی حرکت ایسی سست کہ وہ چھ ہزار سال میں ایک دورہ طے کرتا ہے۔ چوتھے آسمان جس پر آفتاب ہے اس کی حرکت ۳۶۰ دن میں ایک دورہ ہے پہلا آسمان جس پر چاند ہے وہ ۲۸ دن میں ایک دورہ کر لیتا ہے پھر اُن میں کسی کی حرکت مشرق سے مغرب کو اور کسی کی مغرب سے مشرق کو۔ مگر شریعت مطہرہ اس سے خاموش ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ہر تارا اپنے آسمان میں تیرتا ہے۔ یعنی آسمانوں کا قوام پتلا ہے۔ پانی کی طرح اور ہر تارا اُس میں تیر رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ آسمان بھی حرکت کر رہے ہیں اور تارے بھی۔ پھر ہر آسمان سے زمین پر مختلف قسم کے فیض آ رہے ہیں چنانچہ چاند کی شعاعوں سے پھلوں اور دانوں میں دودھ پڑتا ہے۔ آفتاب کی شعاعیں اس دودھ کو جما کر گودا اور آٹا بنا دیتی ہے اور دیگر تاروں کی شعاعیں مختلف اثر کرتی ہیں کسی سے

پھلوں میں رنگ پیدا ہوتا ہے کسی سے لذت۔ کسی سے خوشبو۔ غرضکہ شعر

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند	تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار	شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

جس تارے کا زمین سے جتنے فاصلے پر ہونا ضروری تھا۔ اتنے ہی فاصلے پر رکھا اگر سورج پہلے آسمان پر ہوتا تو کھیتیاں جل جاتیں بلکہ کھوپڑیاں کھول جاتی ہیں اور اگر چاند چوتھے آسمان پر ہوتو اس کی چاندنی اتنی ہلکی آتی کہ پھلوں میں دودھ پیدا نہ کرسکتی۔ اسی طرح زمین میں قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ دیکھو ہزارہا سال سے زمین ہر قسم کی نعمتیں اُگل رہی ہیں۔ کبھی نہیں کہتی کہ اب میں خالی ہوگئی ہوں۔ پھر تمام شکل و صورت یکساں۔ مگر ظاہری و باطنی تاثیریں مختلف۔ زمین پنجاب زعفران نہیں اُگاتی اور زمین کشمیر آم نہیں پیدا کرسکتی یہ تو ظاہر کا حال ہے اب باطن زمین کی سیر کرو۔ کہیں اس میں پانی کے چشمے ہیں کہیں تیل کے۔ کہیں سونے کی کان۔ کہیں فولاد کی وغیرہ وغیرہ۔ غرض کہ ایک زمین ہزاروں کرشمے دکھا رہی ہے اس لیے فرمایا گیا۔ آسمان و زمین کی پیدائش میں نشانیاں ہیں۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسانوں میں انبیاء کرام گویا آسمان ہیں اور عام لوگ گویا زمین ہیں۔ اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم گویا نواں آسمان ہیں۔ جو سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ آسمان ہمیشہ دیتا ہی ہے لیتا نہیں۔ حضور ہمیشہ دیتے ہی ہیں ہم سے لیتے نہیں۔ اور زمین ہمیشہ آسمان کی محتاج۔ اور ہم ہمیشہ حضور کے محتاج ہیں آسمان سے روشنی۔ بارشیں وغیرہ صدہا نعمتیں زمین پر آتی رہتی ہیں۔ اسی طرح حضور کی طرف سے ایمان، عرفان، قرآن، رحمت رحمان، غرضیکہ ساری نعمت الٰہیہ ہم کو ملتی رہتی ہیں۔

(۴) زمین ہر وقت آسمان کی محتاج ہے۔ کھیت پکنے سے پہلے بارش کی ضرورت ہے اور پکتے وقت دھوپ کی ضرورت بلکہ کٹنے کے بعد گرم خشک موسم کی محتاج۔ جیتے تو اُن کی نمازوں کے محتاج۔ مرتے وقت اُن کے کلمے کے حاجت مند۔ قبر میں جاکر اُن کی پہچان کے محتاج حشر میں اُن کی شفاعت کے حاجت مند۔ غرضکہ مرتے ہی دنیا کی ساری ضرورتیں ختم مگر اُن کی ضرورت باقی۔ اللہ اُس آستانے کو آباد رکھے۔ پھر آتیں وہاں سے بٹتی رہیں ہم لیتے وہ دیتے رہیں

شعر:- بر تو او پا شد تو برما! تا ابد ایں سلسلہ ہو!

اے سخی کریم ہمیشہ خدا تم پر برسائے جائے۔ تم ہم پر برسائے جاؤ نہ تمہارا دینا ختم ہو نہ ہمارا لینا ختم۔

(۵) زمین خواہ کتنی ہی اعلیٰ ہو اور اس میں کتنا ہی اعلیٰ بیج بویا ہو مگر آسمان سے بے نیاز نہیں۔ جیسے زمین بنگال آسمان کی محتاج ہے ویسے ہی زمین کشمیر بھی۔ ایسے ہی کوئی انسان کسی درجے پر پہنچ جائے اور کیسے ہی نیک اعمال کیوں نہ کرے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں ہم سیاہ کار بھی انہیں کا منہ تکتے ہیں۔ اولیاء و ابرار بھی انہیں کے دست سخاوت کو دیکھ رہے ہیں باجگذار اور تاجدار انہیں کے دسترخوان کرم سے ریزہ خوار ؎

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھا دو

جس کو میری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو!

بھکاری امیروں کے دروازوں پر اُن کے مال و اولاد کی خیر مانگ کر بھیک پا لیتے ہیں۔ انشاء اللہ ہم دروازہ الٰہی سے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر مانگ کر بخشش کی بھیک لے لیں گے۔

(۶) زمین کے کسی خطے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے کو آسمان کی مثل کہے کیسے کہہ سکتی ہے۔ یہ ہمیشہ مانگنے کھانے والی، جھولی پھیلانے والی، وہ ہمیشہ دینے والا۔ اسی طرح کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم حضور کی مثل ہو گئے۔ لینے والا دینے والے کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے اونچا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ہم نچلے ہاتھ والے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اونچے ہاتھ والے ؎

ہاتھ اُٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

(۷) آسمان کروڑوں میل دُور رہ کر بھی زمین کو ہر طرح کا فیض دیتا ہے نہ وہ دینے کے لئے زمین کے پاس آنے کا حاجت مند ہے۔ اور نہ زمین کو اپنے پاس بلانے کا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دین آنے یا دینے پر موقوف نہیں۔ ایک نگاہ میں بیڑے پار کر دیتے ہیں۔ آسمان زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوتے ہے کہ زمین کا کوئی حصہ آسمان کا گھیرا توڑ نہیں سکتا

اسی طرح نبوتِ پاکِ مصطفےٰ سارے عالم کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ انبیاء اولیاء کفار اور ہم جیسے گنہگار غرض کہ ساری خدائی حضور کی مصطفائی کے گھیرے میں ہے رب فرماتا ہے:۔ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا اور فرماتا ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ شعر

جن کے گھیرے میں ہیں انبیاء و رسل

اس ہمہ گیر لعنت پہ لاکھوں سلام

جس کے زیر لوا آدم و من سواء !!!

اُس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں

اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

اس لئے ارشاد ہوا اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی ان آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں نشانیاں ہیں۔

(۸) آسمان کے تارے جیسے دُنیا کی پیداوار میں دخل رکھتے ہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ایسے ہی مسافروں کے لئے ذریعہ ہدایت بھی ہیں کہ مشرق و مغرب وغیرہ کی سمتیں اُن سے ہی مقرر ہوتی ہیں۔ وقت کی تقسیم انہیں کی رفتار سے ہے۔ غرض کہ جہت اور زمانہ انہیں سے معلوم ہوتا ہے خشکی اور تری کے مسافر انہیں کے ذریعہ منزلِ مقصود پر پہنچتے ہیں گھڑیاں اور قطب نما انہیں پر بنے ہیں اسی طرح آسمانِ نبوت کے تارے یعنی صحابہ کرامؓ کی ذات پر ہماری ہر قسم کی ہدایت کا مدار ہے۔ مسافر آخرت خواہ خشکی کا مسافر ہو جو راہ شریعت طے کر رہا ہو یا تری کا مسافر جو طریقت کا سمندر عبور کر رہا ہو انہیں حضرات کی ہدایت کا محتاج ہے۔ یعنی اُن کی پیروی کئے بغیر عالم، فاضل، مفتی، غازی، غوث، قطب اور ابدال تو بہت دُور ہیں۔ مومن نہیں بن سکتا۔ اصل ایمان اُن کی غلامی پر موقوف ہے۔ اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ میرے صحابہ تارے ہیں جن کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث شریف میں ہدایت کو مطلق فرمایا۔ جس میں ہدایت ایمان، ہدایت تقویٰ، ہدایت عرفان، ہدایت راہِ جنان۔ غرضکہ دینی دنیاوی ہدایتیں شامل ہیں۔ لہذا

سارے مسلمانوں کو ہر قسم کی ہدایت صحابہؓ کی پیروی ہی سے ملے گی۔غرضیکہ خالق اور مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں اور حضور اور اُمتی کے درمیان صحابہ کرامؓ وسیلۂ عظمیٰ ہیں اس لئے کہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ رب نے صحابہ کرامؓ کے ذریعے ہم تک پہنچائیں۔

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ یہ دوسری دلیل قدرت ہے۔اختلاف خُلفٌ سے بنا بمعنی پیچھے۔اس کے معنی بدلنا بھی ہیں اور ایک دوسرے کا خلیفہ ہونا بھی اور آنا جانا بھی۔ یہاں یہ تینوں معنے درست ہیں یعنی دن کی تبدیلیوں میں یا اُن کے آنے جانے میں یا اُن کا ایک دوسرے کا خلیفہ ہونے میں نشانات قدرت ہیں۔

تبدیلی کی چند صورتیں ہیں۔رات کا آنا دن کا جانا۔ان دونوں کا چھوٹا بڑا ہونا کہ سردیوں میں رات بڑی دن چھوٹا اور گرمیوں میں اس کے برعکس۔ان دونوں کا ٹھنڈا یا گرم ہونا۔ رات کا روشن یا تاریک ہونا یہ سب اختلاف میں داخل ہے۔دن رات آپس میں ضدیں ہیں کہ کبھی جمع نہیں ہوتے مگر پھر اُن کی آپس میں اتنی صلح ہے کہ کبھی دن اپنا بہت سا حصہ رات کو بخش دیتا ہے جس سے رات بڑی ہو جاتی ہے اور دن چھوٹا اور کبھی رات اپنا حصہ دن کو دے کر چھوٹی ہو جاتی ہے۔اور دن بڑا۔یہ بھی اس اختلاف میں داخل ہے۔اس میں اشارتاً بندوں کو سمجھایا گیا ہے کہ تم ہمیشہ ایک حال پر نہ رہو گے۔جب زمانے کو قرار نہیں تو تم زمانے والوں کو قرار کیسے ہو سکتا ہے۔اس زمین پر ہمیشہ ایک قوم کا راج نہ رہے گا۔ کبھی کفار اس پر اندھا راج کریں گے اور تمام زمین پر رات پھیلا دیں گے۔کبھی یہاں اسلامی روشن حکومت ہوگی۔اور زمین پر ہدایت کا دن پھیل جائے گا۔جس قوم کو کبھی زمین پر راج کا موقعہ ملے وہ اسے غنیمت جانے اور اچھے کام کر جائے۔

حکایت:۔ زبیدہ خاتون شاہ بغداد ہارون رشید کی بیوی حج کے لئے حجاز مقدس گئیں۔دیکھا کہ حجاج کو پانی کی سخت تنگی ہے دل میں ٹھان لیا کہ انشاء اللہ تا قیامت حاجیوں کو پانی پلاؤں گی۔چنانچہ عراق سے ایک زمین دوز نہر مکہ معظمہ پہنچائی اور پانی کا اتنا اونچا لیول (LEVEL) لیا کہ مکہ مکرمہ کی پہاڑیوں پر نہر پہنچا دی اور سارے شہر مکہ میں اس نہر کا جال پُر کر دیا۔قریباً ساڑھے بارہ سو سال سے آج تک یہ نہر جاری ہے اور حجاج اس کا پانی

پی رہے ہیں اور اُسے دعائیں دے رہے ہیں۔ جب زبیدہ کا انجینئر نہر کا حساب دینے زبیدہ کے پاس آیا تو لیلی اگر حساب لینا ہے تو مجھ سے لے لو۔ اور اگر مجھے کچھ واپس دینا ہے۔ تو ترکتُ الحِسَابَ لِیَوْمِ الحِسَابِ میں نے قیامت کے لئے وہ حساب چھوڑ دیا۔ جو کچھ بقایا ہے فقرا میں تقسیم کر دو اس توفیق خیر ملنے کے شکریے میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی دنیا پر کبھی غفلت کی رات آتی ہے کبھی بیداری کا دن۔ جیسے دن سُورج کی روشنی سے اور رات خود زمین کے اپنے سائے سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی بیداری کا دن مدینے والے سُورج سے پیدا ہوتا ہے اور رات ہمارے اپنے نفس کے اثر سے۔ دل کی دنیا پر دن اور رات آتے ہی رہتے ہیں جسے صوفیاء کی زبان میں قبض و بسط کہتے ہیں رب فرماتا ہے وَاللّٰہُ یَقۡبِضُ وَیَبۡسُطُ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

کسے پرسید ازاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیرے خردمند
زمصرش بوئے پیراہن شنیدی — چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برق جہاں است — دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلٰے نشینم! — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

یعنی کسی نے یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ یُوسف علیہ السلام کے قمیص کی خوشبو تو سینکڑوں میل کے فاصلے سے آپ نے محسوس کر لی مگر وہ کنعان کے کنوئیں میں رہے اور آپ نے نہ دیکھا۔ جواب دیا کہ ہمارا حال بجلی کی کوند کی طرح ہے کبھی ہم سارے جہان کی خبر رکھتے ہیں اور کبھی اپنے سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ انسان کو دعا کرنی چاہیئے کہ رات میں بھی رب کے رستے سے نہ ہٹے۔ خدا کرے مرتے وقت دل کی دنیا میں دن پھیلا ہُوا ہو یا رات اور دن سے مُراد قوموں یا افراد کے کمال و زوال کے زمانے ہیں کہ ایک ہی قوم پر کبھی ادبار کی رات آجاتی ہے اور کبھی اقبال کا دن، کبھی بنی اسرائیل فرعون کے ہاتھوں تنگ کئے جاتے ہیں اور کبھی سرزمین مصر پر راج کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کبھی کنوئیں میں مقید ہیں کبھی جیل میں کبھی تخت سلطنت پر جلوہ آراء ہیں اور تمام جہان کی روزی کا ڈپو آپ کے ہاتھ میں ہے امبارک ہے وہ جو بہر حال رب کے دروازے پر ہے۔ ہماری تبدیلیاں رب کی ہستی کی دلیل ہیں۔ پتنگ

کتنی ہی اونچی اُٹھے مگر ڈور کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ

ترجمہ:۔ بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے سوا کچھ شرکاء بنا لیتے ہیں کہ اُن سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں اور ایمان والے اللہ سے بہت محبت کرتے ہیں۔

تفسیر:۔ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں ایک جاہلانہ دوسری تفسیر عالمانہ تیسری عاشقانہ تفسیر جاہلانہ تو وہ ہے جو آج کل تمام منکرین اولیاء کہتے لکھتے اور بیان کرتے پھر رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ النّاس سے مُراد قبر پرست مسلمان ہیں اور مِن دُونِ اللّٰہ سے مُراد نبی، ولی، پیر، فقیر ہیں۔ انداد سے مُراد ہے ان نبیوں، ولیوں، پیروں، فقیروں کو حاجت روا مشکل کشا، فریاد رس سمجھنا۔ انہیں غیب داں جاننا اور حاضر ناظر سمجھ کر انہیں پکارنا مطلب یہ ہے کہ قبر پرست مسلمان وہ ہیں جو اللہ کے سوا نبیوں، ولیوں، پیروں، فقیروں کو مشکلکشا، حاجت روا اور فریاد رس جانتے ہیں اور انہیں مصیبتوں میں پکارتے ہیں۔ مگر توحید یئے مومن اللہ سے بڑی محبت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے سوا نہ کسی کو جانیں نہ مانیں اور نہ مصیبتوں میں پکاریں۔ اس آیت کریمہ کی یہ وہ تفسیر ہے جس کا عرب وعجم میں ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اس کی تائید میں یہ آیت پڑھی جاتی ہے وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ یعنی تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار اور کہا جاتا ہے کہ مشرکین عرب خالق و مالک دونہیں مانتے تھے بلکہ اپنے بتوں کو غیب داں، حاضر وناظر مشکلکشا وغیرہ سمجھتے تھے اس لئے اسلام نے انہیں مشرک قرار دیا۔

قبروں کے پجاری مسلمان بھی اگرچہ توحید و رسالت کا اقرار کریں مگر پیروں فقیروں کو حاجت روا سمجھ کر کفار مکہ کی طرح مشرک ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لَا اِلٰہَ نہیں ہے۔ کوئی حاجت روا۔ نہیں ہے کوئی مشکلکشا۔ نہیں ہے کوئی فریاد رس۔ نہیں ہے کوئی غیب دان۔ نہیں ہے کوئی حاضر وناظر۔ اِلَّا اللّٰہ

اللہ کے سوا حاضر و ناظر وغیرہ ماننے والے کلمے کے انکاری۔ قرآن کے بھی انکاری۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بھی مخالف ہیں۔ مگر یہ تفسیر غلط ہے۔ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف قرآن ہے اور منشاء الٰہی کے بالکل خلاف ہے۔ بتوں کی آیتیں انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرنا اور مشرکوں اور کافروں کی آیتیں مسلمانوں پر پڑھنا اسلامی عقائد کو شرکیہ عقاید قرار دینا خارجیوں کا طریقہ ہے ہم اس تفسیر پر صرف تین طرح سے تنقید کرتے ہیں۔

ایک یہ کہ اگر اَلنَّاس سے مُراد مسلمان ہی ہیں تو اس کے مقابل فرمایا جا رہا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۔ تو یہ تقابلہ غلط ہُوا۔ کیونکہ مومن کے مقابل مومن نہیں بولا جاتا۔ بلکہ مومن کا ذکر کافر کے مقابل ہوتا ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ النّاس سے مُراد کفّار اور مشرکین ہیں۔ اب مطلب بالکل واضح ہو گیا کہ کافر شرکا ء و بتوں کو مانتے ہیں۔ اور مومن صرف اللہ ہی کے پُجاری۔ دوسرے یہ کہ اگر اس آیت کے معنی یہ ہوں کہ قبر پرست مسلمان نبیوں ولیوں کو حاجت روا مانتے ہیں تو جس وقت یہ آیت اتری ہے وہ زمانہ نبوی تھا اور اس زمانے کے مسلمان صحابہ تھے۔ جن سب کے بارے میں جنّت کا وعدہ ہو چکا۔ بتاؤ اُن میں قبر پرست کون تھا اور پیروں فقیروں کو کون حاجت روا مانتا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے اگر اُس زمانے میں ایسا کوئی نہ تھا اور سارے صحابہ مومن بلکہ مومن گر تھے۔ تو یہ آیت غلط ہو گئی۔ جس نے نعوذ باللہ جھوٹی خبر دی لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہاں اُن ہی مشرکوں کافروں کا ذکر ہے جو اس زمانے میں موجود تھے اور بُت پرستی کرتے تھے۔

تیسرے یہ کہ اگر کسی بندے کو بعطاء الٰہی فریاد رس۔ مشکل کشا ماننا شرک ہو اور کسی کو حاضر و ناظر غیب دان سمجھنا توحید کے خلاف ہو تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ خود ایسے مفسّرین بھی شیطان اور ملک الموت کو حاضر و ناظر مانتے ہیں اور امیروں کو چندوں کے وقت۔ حکیموں کو بیماری کے وقت۔ حاکموں کو خاص مصیبت کے موقعہ پر فریاد رس، حاجت روا، مشکلکشا سمجھ کر اُنکے دروازوں پر جاتے ہیں۔

تعجب ہے کہ یُوسف علیہ السّلام کی قمیص دافع بلا ہو سکے۔ جنگل کی جڑی بوٹیاں دافع جریان دافع بخار، اکسیر شفا ہو سکیں۔ ایک شربت کا نام فریاد رس بھی ہو مگر یہ سب توحید کے خلاف نہ ہوں اور حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فریاد رس ماننا اِس آیت کے خلاف ہو گیا۔ یہ عجیب تفسیر ہے

کہ کہیں غلط اور کہیں صحیح۔

لطیفہ:۔ ان مفسرین میں سے ایک عالم کہیں جلسے میں بلائے گئے۔ جہاں اسٹیج پر بیٹھ کر انہوں نے کہا لَا اِلٰہَ نہیں ہے کوئی حاجت روا نہیں ہے کوئی مشکل کشا سوائے اللہ کے خیر جلسہ ختم ہوگیا۔ اور مولانا صاحب صبح لوٹنے لگے تو جلسے والوں سے نذرانہ اور کرایہ مانگا۔ انہوں نے کہا کہ مولانا صاحب آپ رات کی اپنی تقریر بھول گئے لَا اِلٰہَ نہیں ہے کوئی کرایہ دینے والا لَا اِلٰہَ نہیں ہے کوئی کرایہ دینے والا۔ لَا اِلٰہَ نہیں ہے کوئی نذرانے دینے والا۔ لَا اِلٰہَ نہیں ہے کوئی روپیہ پیسہ دینے کے قابل اِلَّا اللہ۔ اللہ کے سواء۔ آپ مشرک کیوں ہوئے جا رہے ہیں اور ہمیں مشرک کیوں بنا رہے ہیں ہم اپنی توحید سنبھالیں گے اور آپ کو ایک پیسہ نہیں دیں گے

رہا قرآن کریم کا یہ ارشاد وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔ اس میں روئے سخن کافروں کی طرف ہے یعنی اے کافرو! تمہارا مددگار آخرت میں کوئی نہیں۔ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔ یعنی کافروں کا اللہ کے مقابل نہ کوئی والی ہے نہ مددگار۔ یا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کسی پر عذاب بھیجے۔ تو اس کا مقابلہ کر کے کوئی امداد نہیں کر سکتا۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ اگر خدا انہیں رسوا کرے تو کون ہے جو تمہاری امداد کر سکے۔

مسلمانوں کے لئے یہ آیت ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ تمہارا مددگار اللہ ہے اس کے رسول ہیں اور مومنین ہیں غرضکہ اس آیت کی یہ تفسیر نہیں تحریف ہے جو قرآنی آیت کے خلاف ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ علماء دین اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں لفظ النّاس کبھی صرف کافروں کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی سارے انسانوں کے لئے۔ دیکھو سورۃ ناس شریف میں چار جگہ النّاس فرمایا گیا۔ مگر پہلے تین میں اس سے سارے انسان مراد ہیں۔ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سارے ہی لوگوں کا رب بھی ہے۔ بادشاہ بھی۔ معبود بھی۔ چوتھے النّاس سے صرف کفار مراد ہیں مِنَ الْجِنَّةِ

وَ اَنِنَّا میں یہاں الناس سے مراد صرف کفار ہیں۔ نبیوں۔ ولیوں اور عام مسلمانوں کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی کافروں میں سے بعض وہ ہیں۔ چونکہ بعض کافر دہریئے بھی تھے خدا کے منکر اور بعض موحد بھی اور بعض مشرک۔ اس لئے مَن فرمایا گیا۔

وَیَتَّخِذُ وَا۔ اِتّخَاذ سے بنا۔ بمعنی بنانا۔ پکڑنا۔ ماننا یعنی بعض کافر پکڑتے ہیں مانتے ہیں اور بناتے ہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عربی زبان میں الاّ۔ غیر۔ سواء۔ دُون۔ یہ چاروں لفظ قریباً ہم معنی ہیں جنکے معنی علاوہ یا سوا ہیں مگر دُون وہاں ہوتے ہیں۔ جہاں کٹنے الگ ہو جانے کے معنے پائے جاتے ہیں۔ مفردات میں ہے۔ الدُّوْنَ هُوَالْقصرِ دون کے معنے ہیں کٹ جانا۔ الگ ہو جانا۔ رب فرماتا ہے وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدَانِ موسیٰ علیہ السلام نے اُن لوگوں سے الگ دو عورتوں کو پایا۔ دیکھو یہاں دون بمعنی الگ ہے۔

جیسے کنکشن کٹ جانے سے ساری فٹنگ بیکار اور انجن سے الگ ہو کر ریل کے سارے ڈبے معطل ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی بندہ رب سے کٹ کر بیکار محض۔ ساری مخلوق اللہ کے بندے ہیں۔ لیکن رب سے ملے ہوئے۔ جنہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے اور بعضے رب سے کٹے ہوئے وہ مِن دُونِ اللہ کہلاتے ہیں۔ آیت کے معنے یہ ہوئے کہ بعضے کافران بندوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ جو اللہ سے بالکل کٹے ہوئے ہیں جیسے کافروں کے سردار اور بت وغیرہ۔ ولی اللہ اور ولی من دون اللہ کا فرق اسلام میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ رمضان اور عید کی تعظیم عین ایمان مگر ہولی اور دیوالی کے دنوں کی تعظیم کفر۔ کیونکہ رمضان وغیرہ تعلق اولیاء اللہ سے ہے۔ اور ہولی اور دیوالی کا تعلق مِن دُونِ اللہ سے۔

اَندَادًا۔ انداد ند کی جمع ہے۔ بمعنے مقابل۔ شریک۔ ساجھی اسلام میں بھی بتایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سارے کام خود نہیں کرتا بلکہ اُس کے خدام فرشتے وغیرہ کرتے ہیں چنانچہ جان نکالنے والے فرشتے علیحدہ ہیں اور بارش برسانے والے فرشتے الگ۔ جن کا ثبوت قرآن و حدیث سے اور کفار بھی یہ کہتے ہیں کہ سارے کام رب خود نہیں کرتا۔ مگر اسلام ان فرشتوں وغیرہ کو رب کا خالص بندہ مانتا ہے جو خادمانِ بارگاہ ہونے کی حیثیت سے اپنی اپنی ڈیوٹیاں ادا کرتے ہیں رب چاہے تو سارے کام خود ہی کرے۔ مگر دربار عالی کی شان یہ ہے کہ اُس کے نوکر چاکر، خدام

اس کے زیر فرمان اپنی ڈیوٹیاں سرانجام دیں۔

کفار کا عقیدہ یہ تھا کہ رب یہ سارے کام کر نہیں سکتا۔ اپنی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے ہمارے بتوں کو اپنا مددگار بنا رکھا ہے اس لئے یہ اس کے برابری کے دعویدار ہیں۔ اسی بنا پر وہ بتوں کو رب کا شریک یا انداد مانتے تھے۔ اس کا اس آیت میں ذکر ہے یعنی بعض کافروں نے اللہ کے مقابل کچھ بتوں کو رب کا شریک مان رکھا ہے یُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ جن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت کا مادہ حُب بمعنے دانہ ہے۔ دل کے اندر ایک سیاہ دانہ ہوتا ہے جسے سودا کہتے ہیں۔ دلی محبوب کی الفت اس دانے میں رہتی ہے اسی لئے اِس الفت کو محبت کہا جاتا ہے یعنی دل کے دانے میں رہنے والی چیز۔ محبت کی بہت قسمیں ہیں۔ جسمانی محبت۔ نفسانی محبت۔ ایمانی محبت۔ طغیانی محبت پھر جسمانی محبت کئی طرح کی ہے شہوانی محبت۔ احسانی محبت۔ حُسن و صورت کی محبت۔ حُسنِ سیرت کی محبت۔ خونی رشتے کی محبت۔ روحانی محبت کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے روحیں مختلف قسم کی پیدا فرمائیں۔ ہر روح اپنی ہم جنس سے محبت پیدا کرے گی اگر کوئی جاننا چاہتا ہے کہ میری روح کس قسم کی ہے تو غور کرے کہ میرا دل میلان کس قسم کے لوگوں کی طرف ہے جدھر میلان ہے اسی قسم کی اس کی روح بھی ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

ناریاں مر ناریاں را طالب اند　　نوریاں مر نوریاں را جاذب اند

محبت ایمانی وہ ہے جس پر ایمان کا مدار ہے۔ جیسے اللہ سے محبت۔ اس لئے کہ وہ ہمارا رب ہے۔ اس کے رسول سے محبت اس لئے کہ ہم ان کے امتی ہیں۔ حضور کے صحابہ اور اہل بیت سے محبت اس لئے کہ حضور کے خدام خاص اور لختِ جگر و نورِ نظر ہیں۔ یہ سب محبت ایمانی میں داخل ہیں۔

محبت طغیانی کفر اور الحاد کی جڑ ہے۔ جیسے بتوں سے محبت۔ شیاطین سے۔ کفار کے کفر سے محبت یہ محبتیں طغیانی ہیں یہاں یہی آخری محبت مراد ہے۔ یعنی یہ کفار بتوں کو اپنا خالق و مالک سمجھ کر ان سے محبت کرتے ہیں۔ کون سی محبت آدمیت و عبدیت کی۔

خیال رہے کہ جسمانی۔ نفسانی۔ طغیانی محبتیں مرتے ہی ختم ہو جاتی ہیں بلکہ عداوتوں میں

تبدیل ہوجاتی ہے۔ مگر روحانی محبت کے لئے فنا نہیں۔ وہ قبر حشر ہر جگہ باقی رہے گی جسم فانی ہے اس کی محبتیں بھی فانی۔ رُوح باقی ہے اُس کی محبتیں بھی باقی۔ رب فرماتا ہے۔ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ط یعنی قیامت کے دن دوست دشمن بن جائینگے سوائے پرہیزگاروں کے۔ بعض محبتیں فرض ہیں جیسے ماں باپ۔ اُستاد۔ شیخ سے محبت۔ بعض مستحب جیسے عزیز و اقارب سے۔ اس لئے محبت کرنا کہ سنت رسول اللہ ہے۔ بعض محبتیں جائز ہیں جیسے اپنے مال و متاع وغیرہ سے دنیاوی محبتیں۔ بعض حرام، جیسے غیر عورتوں سے ناجائز محبت اور پرائے مال سے چوری کی نیت سے محبت۔ بعض محبتیں کفر ہیں جیسے اللہ رسول کے مقابلے میں اُن کے دشمنوں سے محبت۔ یہاں یہ آخری محبت مراد ہے۔ اسی بنا پر کافروں پر عتاب ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ اس کی تین تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ جتنی محبت مشرکوں کو اللہ سے ہے اس سے کہیں زیادہ محبت مومنوں کو اُس سے ہے۔ چند وجہوں سے ایک یہ کہ مومن ایک اللہ کو معبود جان کر اُس سے محبت کرتا ہے اور کافر کئی معبودوں سے محبت کرتے ہیں اور بٹی ہوئی محبت سے ایک کی محبت قوی ہوتی ہے دوسرے یہ کہ کافر دنیاوی غرض سے اللہ کی محبت کا دم بھرتا ہے مگر مومن رب ہے اسی کے لئے محبت کرتا ہے۔ خود غرضی کی محبت سے اخلاص کی محبت قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ اب مشرکین ہندبھی ماتا لکھشمی وغیرہ کو اس لئے پوجتے ہیں کہ لکھشمی مال دے گی اور ماتا یعنی چیچک ہمیں بیماری سے بچالے گی۔

تیسرے یہ کہ مشرک تکلیف میں اللہ ہی کو پکارتا ہے اور آرام میں اوروں کو۔ مگر مومن تکلیف و راحت ورنج وخوشی۔ ہر حال میں رب کے دروازے پر رہتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ مومن اپنی جان۔ مال۔ اولاد سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ اسی لئے موقع آجانے پر اُس کے نام پر سب کچھ لٹا کر سر بھی کٹا دیتے ہیں اگر اس کی جیتی جاگتی تصویر دیکھنا ہے تو میدان کربلا کے حالات دیکھیں۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ عالم ارواح میں مومن و کافر منافق سارے انسان رب تعالیٰ کی ذات۔ صفات اور قریباً سارے عالم غیب کو جانتے ہیں اور پہچانتے تھے مگر دنیا میں آکر اُن کی چار قسمیں ہوگئیں۔ بعض ان سب چیزوں کو یاد کرنے والے۔ جیسے خاص اولیاء اللہ

کہ انہیں رب سے سارے عہد و پیمان ایسے یاد ہوتے ہیں جیسے کل کی بات ایک شاعر کہتا ہے ؎

فائوا بلی نے کل دی گل ⁂ اسی پہلے ہی پریت لگا بیٹھے

اور بعض حضرات یہ عہد و پیمان وغیرہ یاد کرانے والے۔ جیسے حضراتِ انبیاء خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، رب اُن کے بارے میں فرماتا ہے:۔ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ۔ اے محبوب! انہیں رب سے کئے ہوئے عہد و پیمان یاد دلاؤ۔ کیونکہ تم ہی یاد دلانے والے ہو اور بعض بھول جانے والے مگر نبی کے یاد دلانے پر مان لینے والے جیسے ہم مسلمان۔ اور بعض بھولے رہنے والے کہ جنہوں نے نہ تو خود یاد رکھا اور نہ نبی کی مانی۔ اس آیت کریمہ میں اس چوتھی جماعت کا ذکر ہے۔ یعنی ان بھولے رہنے والوں میں سے بعض وہ لوگ ہیں۔

مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا۔ بناتے ہیں اللہ کے سوا شرکاء یعنی ان لوگوں نے محض عقل سے ایمان بنایا۔ اللہ کو مانا۔ اس لئے ہر جگہ ٹھوکر کھائی۔ خالص عقل بغیر نبوت کی روشنی کے وہاں بیکار بلکہ مضر ہے۔ شعر:۔

عقل زیرِ حکمِ دل یزدانی است ⁂ چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

اجنبی شہر کے گلی کوچے کوئی فلاسفر یا عالم اپنے فلسفے یا علم سے معلوم نہیں کر سکتا بلکہ وہاں کے باشندے سے پوچھنا ہی پڑے گا۔ ایسے ہی عالم آخرت کے گلی کوچے ایمان کے راستے محض علم سے نہیں معلوم ہو سکتے۔ بلکہ کسی ایسی ہستی سے معلوم ہوں گے۔ جو وہاں کا واقف ہو اور وہ ہی حضرات انبیاء کرام ہیں۔ لہٰذا مَن يَتَّخِذُ کے معنے یہ ہوئے کہ عقل کے زور سے انہوں نے شرکاء بنائے عقل ریڈیو، ہوائی جہاز وغیرہ بنا سکتی ہے مگر ایمان نہیں بنا سکتی۔ وہاں تو بے عقلی ہی مفید ہوتی ہے مصرعہ

عقل قربان کن بہ پیشِ مصطفٰے

صوفیاء کے نزدیک ہر وہ چیز جو خدا سے غافل کرے انداد ہے کوئی ملک کو انداد بناتا ہے۔ کوئی اولاد کو انداد بنائے بیٹھا ہے کوئی مال و متاع کو۔ کوئی اپنے علم و زہد کو۔ شیطان کے سجدے اور نمازیں اس کے لئے انداد بن گئیں۔ شعر

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

زندگی سب کو ملی ہے مگر کسی نے اپنا مقصودِ زندگی مال کو بنایا۔ کسی نے کمال کو بنایا۔ کہ ہم بادشاہ وبادزیر بن جائیں۔ ان دونوں کے مقاصد کو زوال ہے اور انجام وبال۔ عابدوں نے اپنا مقصودِ زندگی اعمال کو قرار دیا اور عاشقوں نے رضائے ذوالجلال کو۔ برات میں دُولہا کے گھر سے ساری برات چلتی ہے اور دُلہن کے گھر ہی جاتے ہیں۔ مگر براتیوں کا مقصود صرف کھانا اور گانا۔ خویش و اقارب کا مقصود صرف جہیز یہ لگ اندازوالے مگر دُولہا کا مقصود صرف دلہن کا حصول۔ یہ ہیں عارفین نتیجہ یہ ہوا کہ سارے براتی دُولہا کے طفیلی ہیں آیت کریمہ میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کا مقصد مال یا کمال تھا۔ اُن کے آپس کے تعلقات قیامت میں ٹوٹ جائیں گے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی یا نفسانی ہے یا شیطانی، یا ایمانی یا رحمانی جو زندگی غفلت شعاری میں گذرے وہ نفسانی ہے جو بدکاریوں میں گذرے وہ شیطانی ہے۔ اور جو پرہیزگاریوں میں گذرے وہ ایمانی زندگی ہے اور جو اللہ رسول میں فنا ہو کر زندگی گذاری جائے وہ رحمانی ہے۔ یہاں نفسانی اور شیطانی زندگی والوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ فقیر کی اس مکمل تقریر سے آپ حضرات کو پتہ لگ گیا ہوگا کہ آیت یا حدیث ایک ہی ہوتی ہے مگر دیکھنے والوں کی نگاہیں مختلف۔ اسی آیت کے متعلق ظاہر بینوں نے کیا کہا اور علماء و صوفیاء نے کیسے موتی بکھیرے

لطیفہ:۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کبار کو نماز پڑھا رہے تھے خود بھی نعلین شریف پہنے ہوئے تھے اور صحابہؓ کرام بھی کہ اچانک دوران نماز میں حضور انور نے اپنے جوتے اتار دیئے۔ صحابہؓ نے بھی حضور کو جوتے اُتارتے ہوئے دیکھ کر اپنے اپنے جوتے اُتار دیئے۔ نماز کے بعد سرکار ہی نے سوال فرمایا کہ آپ لوگوں نے اپنے جوتے کیوں اُتار دیئے۔ عرض کیا کہ آپ کو دیکھ کر۔ فرمایا کہ جبریل امینؑ نے مجھے دوران نماز میں خبر دی تھی کہ آپ کے نعلین شریف میں قذر لگی ہے۔ ہم نے جوتے اتار دیئے۔ لہٰذا جب کبھی تم لوگ نماز کے لئے آیا کرو اپنے جوتے رگڑ دیا کرو۔ حدیث ختم ہوئی۔

ایک مولوی صاحب نے ہمارے شہر میں ایک مرتبہ یہ حدیث لوگوں کو سنائی اور اس سے ایک مسئلہ مستنبط کیا کہنے لگے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جوتوں کی پاکی یا ناپاکی کی بھی خبر نہ ہوتی تھی۔ لوگ جو کہتے ہیں کہ حضور کو سارے جہان کی خبر

تھی غلط ہے اگر اپنی خبر ہوتی تو ناپاک جوتے سے کر مسجد میں کیوں آجاتے اور نماز کیوں شروع کر دیتے ۔ دیکھو یہ بھی ایک ذہن ہے جو حدیث شریف سے اس طرف منتقل ہوا ۔ فقیر نے اپنی کتاب مرات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت عرض کیا کہ قذر بمعنے نجاست نہیں بلکہ بمعنے گھنونی چیز ہے ۔ جیسے تھوک وغیرہ اور سرکار کو اس کی خبر بھی تھی ۔ مگر جواز کے لئے ان جوتوں میں نماز شروع فرمادی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ تھوک کا جوتے میں لگا رہنا نماز کو فاسد نہیں کر دیتا ۔ رب العٰلمین نے بھی اول ہی سے جبریل امینؑ کو حضور کے پاس نہ بھیجا ۔ بلکہ نماز کا کچھ حصہ ادا ہو جانے دیا ۔ پھر فرمایا کہ اے محبوب تمہارا منشاء پورا ہو چکا ۔ لوگوں کو مسئلہ معلوم ہو گیا ۔ اب ہم نہیں چاہتے کہ تمہارے پیارے جوتوں میں تھوک لگا ہے ۔ عملی فتویٰ دے چکے اب تقویٰ پر عمل کرو اور نعلین شریف اُتار دو ۔

اگر نعلین میں نجاست لگی ہوتی تو نماز کا لوٹایا جانا واجب ہوتا ۔ مگر نماز لوٹائی نہیں گئی ۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب اپنے جوتے کی گندگی سے خبردار نہ ہوں اور پیچھے والے مقتدیوں سے فرمائیں کہ مجھ پر تمہارے رکوع ۔ سجدے ۔ دل کے خشوع خضوع چھپے ہوئے نہیں اور رب بھی انہیں دیدے بے خبر رہنے دے ۔ اور درمیان نماز خبر بھیجے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔

اب ایک گنہگار حضور کے پرانے نمک خوار فقیر احمد یار خاں سے اسی حدیث سے استنباط ملاحظہ کرو ۔ فقیر نے وہاں لکھا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محض عقل سے نہ مانا تھا بلکہ عشق سے مانا تھا کہ آپ کی ہر ادا کی نقل کرتے تھے ۔ وجہ نہ پوچھتے تھے ۔ دیکھو سرکار کو جوتا پہنے دیکھا پہنے رہے اُتارتے دیکھا اُتار دیئے ۔ یہ نہ پوچھا کہ پہنے تھے تو کیوں اور اُتارے تھے تو کیوں ۔ یہ ہے فنا فی الرسول ۔ صدیق اکبرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیمار دیکھا ۔ خود بیمار ہو گئے اور حضور کو تندرست دیکھا خود شفا پاگئے ۔ شعر

از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب   دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کبار بحالت نماز سجدہ گاہ کو نہ دیکھتے تھے بلکہ ایمان گاہ ۔ عالم کی پناہ ۔ خلق اللہ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے جیسے حرم کعبہ میں نمازی کعبے کو دیکھتا ہوا نماز پڑھتا ہے ورنہ ان حضرات کو حضور کے نعلین پاک اُتارنے کا پتہ کیسے لگ گیا ۔

(۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کی نظر کرم میں رہتے ہیں کہ رب تعالیٰ اُن کی حرکت کی نگرانی فرماتا ہے۔ جوتے پہنیں تو۔ اُتار دیں تو۔ خود فرماتا ہے فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ اے محبوب! تم ہماری نظروں میں رہتے ہو۔

(۴) بحالت نماز جبریل امین سے کلام کرنا۔ پیام لینا۔ اُن کے مشورے پر عمل کرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ دیکھو حدیث ایک ہے مگر تلاش کرنے والوں کی نگاہ مختلف ہے

دونوں کی ہے پرواز اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

کلام الہٰی اور بیان مصطفوی کو عشق کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیئے۔ شعر:۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر ایمان کی بنیاد رکھ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ o بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ o

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ o

ترجمہ :۔ اے ایمان والو! ہم نے تم کو جو روزیاں بخشیں۔ اُن میں سے طیب چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر کرو۔ اگر تم اُس ہی کی عبادت کرتے ہو۔

تعلق :۔ (۱) پچھلی آیتوں میں کفار کی بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کا ذکر تھا۔ عقائد روح کی غذا ہیں۔ اعمال دل کی۔ اب مسلمانوں کو جسمانی پاکیزہ غذائیں کھانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یعنی کفار نے جسمانی۔ دلی اور روحانی گندی غذائیں استعمال کیں۔ اے مسلمانو! تم ان عیبوں سے بچنا اور ہمیشہ طیب غذا کھانا۔

(۲) پچھلی آیتوں میں کفار کی ضد اور اُن کی سختی دل کا ذکر تھا۔ یہ عیب خراب غذاؤں سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان مسلمانوں کو طیب غذائیں کھانے کا حکم دیا گیا۔ تاکہ مسلمان ان دلی عیبوں سے محفوظ رہیں۔

شانِ نزول:۔ کفارِ عرب یا تو کھانوں میں بہت بد احتیاطی کرتے تھے کہ ہر حرام و حلال کھا پیتے تھے یا خدا رسی کے لئے نفس کشی کرتے ہوئے حلال روزیاں بھی نہ کھاتے تھے۔ اُن کے نزدیک دنیا کا معمولی کھانا بلکہ کچھ نہ کھانا۔ موٹا پہننا۔ جنگلوں میں رہنا بڑی عبادت تھی بعض نو مسلم حضرات کو بھی ترکِ دنیا کا شوق پیدا ہُوا وہ سمجھے کہ نفس کشی سے اللہ ملتا ہے۔ اُن کے سمجھانے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ حلال چیزیں چھوڑنا خدا رسی کا ذریعہ نہیں۔ بلکہ حرام سے بچنا خدا تک پہنچاتا ہے۔ شعر:۔

منکا پھیرت جگ بھیو پھیرا نہ من کا پھیر
من کا منکا پھیر کر پھر من کا منکا پھیر

اسلام کی نسبت دوسرے مذاہب سے ایسی ہے جیسے ایک طبیب کسی بیمار کا علاج کرے اُسے صحت ہو جائے وہ طبیب کہے کہ تم ہمیشہ ماش کی دال۔ بڑا گوشت۔ تیل سے پرہیز رکھنا۔ ورنہ پھر بیمار ہو جاؤ گے۔ دوسرا طبیب اپنے صحت یافتہ بیمار کو ایک گولی دے اور کہے کہ جا جو چاہے سو کھا۔ مگر یہ گولی کھا لیا کرنا۔ کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یقیناً دوسرا طبیب بڑا ہی لائق ہے۔ اسی طرح دوسرے دینوں نے لوگوں کو ترکِ دنیا سکھایا مگر اسلام نے دُنیا کو دین بنایا اور فرمایا کہ خوب عمدہ غذائیں کھاؤ مگر شکر و عبادت کی گولی استعمال میں رکھو۔ نقصان نہ اُٹھاؤ گے۔

تفسیر:۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قرآن کریم بعض جگہ پہلے مسلمانوں کو پکارتا ہے پھر حکم سناتا ہے اکثر اس کی دو وجہ ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حکم نفس پر گراں ہو۔ جیسے انسان بمشکل برداشت کر سکے۔ تو اپنے پیارے خطاب سے پہلے پکارتا ہے پھر حکم سناتا ہے جیسے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ ۔ قابل طبیب سخت اپریشن ٹیکا لگا کر جسم کو سُن کر کے کرتا ہے۔ یہ خطاب خداوندی رحمت والا ٹیکہ ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ حکم نہایت شاندار ہو اُس کی عظمت و شان دکھانے کے لئے پہلے پکارا جاتا ہے بعد میں حکم سنایا جاتا ہے۔ جیسے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا درود و سلام چونکہ بہت مہتمم بالشان چیز تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو پکار کر اُس کا حکم سنایا۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ کھانے پر شرعی پابندیاں نفس پر گراں تھیں۔ اس لئے پہلے خطاب کیا نیز کھانا بہت شاندار چیز ہے

اس سے انسان کی زندگی قائم ہے اور اسی سے عالم کا نظام وابستہ ہے۔ اس لئے پہلے پکار ا بعد میں حکم سنایا۔ خیال رہے کہ اس خطاب میں بعض جگہ صرف مومن انسان داخل ہوتے ہیں اور بعض جگہ انسان اور جن دونوں اور بعض جگہ انسان بھی جنات بھی ملائکہ بھی۔ دیکھو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔ اسی طرح یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وغیرہ۔

وہ آیات جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ وہاں آمنوا میں انسان جنات فرشتے سب شامل ہیں کہ سب پر وہ آداب بجالانے ضروری ہیں۔ یہاں اس خطاب میں مومن جن اور انسان داخل ہیں کیونکہ یہی کھانے پیتے ہیں۔ فرشتے کھانے پینے سے بری ہیں۔ ان دونوں سے فرمایا گیا کہ اے مومن انسانو! اور اے مومن جنو! پاک روزیاں کھاؤ۔ یہ دوسری بات ہے کہ جنات کی غذا کوئلے اور ہڈیاں بھی ہیں جنہیں انسان نہیں کھاتے۔ ان کے لئے وہ بھی طیب روزی ہے۔

كُلُوْا یہ امر کا صیغہ ہے جو کبھی وجوب کے لئے آتا ہے کبھی اجازت کے لئے۔ کھانا کھانا کبھی فرض ہوتا ہے کبھی واجب کبھی سنت کبھی مستحب کبھی مکروہ کبھی حرام۔ جان رکھنے کے لئے کھانا فرض ہے اس قدر کھانا واجب ہے جس سے عبادتیں ادا کرنے پر قادر ہو جائے۔ روزانہ دو وقت کھانا کھانا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام غدا بھی کھاتے تھے اور عشاء بھی یعنی صبح وشام قرآن کریم میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی کو فرمایا اٰتِنَا غَدَآءَنَا صبح کا کھانا (ناشتہ) لاؤ۔ مہمان کے ساتھ کھانا مستحب ہے۔ پیٹ سے زیادہ کھانا مکروہ اور جو کھانا ہلاکت کا باعث ہو حرام ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ ہر مزاج والا آدمی اپنے مزاج کے موافق چیزیں کھائے غیر موافق اور نقصان دہ چیزوں سے بچنا شرعاً ضروری ہے۔ یہاں اس کلوا میں بڑی گنجائش ہے یہ امر وجوب کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور استحباب وغیرہ کا بھی۔ یعنی اے مسلمانو! مرن بھرت مت رکھو بھوکے رہ کر جان مت دو۔ ضرور کھاؤ ورنہ سخت مجرم ہو گے۔ یا اے مسلمانو! روزانہ صبح وشام کھاؤ۔ یہ مت سمجھو کہ میں بھوکا رہنے والوں سے ملتا ہوں۔ میں تو متقیوں کو ملتا ہوں۔ متقی وہ جو بری باتوں سے بچے۔ مگر ہر چیز مت کھا لینا بلکہ مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ طیبات جمع طیبہ کی ہے بمعنی پاکیزہ اور ستھری۔ لغت میں طیب وہ چیز ہے جس کو جی چاہے بمعنی مرغوب الطبع، شریعت میں طیب

وہ چیز ہے جو خود بھی بُری نہ ہو اور بُرے ذریعے سے حاصل نہ ہو یعنی خود بھی اچھی ہو اور اُس کے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی اچھا ہو۔ سؤر۔ گدھا۔ کتا وغیرہ حرام ہیں کہ یہ بذاتِ خود بُرے ہیں۔ بکری حلال لیکن اگر چوری۔ رشوت۔ جوئے وغیرہ یا حرام پیسے سے خریدی گئی ہو تو طیّب نہیں بلکہ خبیث ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ وہ روزی کھاؤ جو نہ حرام ہو نہ خبیث بلکہ حلال بھی ہو طیّب بھی ہو۔ کیونکہ طیّب روزی کھانے والے کی زندگی بھی طیّب ہوتی ہے اور خبیث روزی کھانے والے کی زندگی بھی خبیث۔ کھانے کا اثر دل و دماغ۔ خیالات سب پر پڑتا ہے۔ حلال و طیّب روزی سے خیالات میں پاکیزگی دل میں نورانیّت و نرمی۔ عبادتوں میں خشوع و خضوع آنکھوں میں تری نمازمیں لذت۔ دعا میں قبولیّت۔ زبان میں تاثیر سب کچھ پیدا ہوتی ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانے میں لوگ لمبی لمبی دعائیں مانگیں گے مگر اُن کا کھانا بھی حرام ہوگا اور لباس بھی، دعائیں کیسے قبول ہوں۔ حضرت سعد ابی وقاص نے بارگاہِ نبوی شریف میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ دعا فرمایئے کہ میں مقبول الدعا بن جاؤں کہ رب تعالیٰ میری دعائیں قبول کرلیا کرے۔ فرمایا حلال اور طیّب روزی کھاؤ۔ حرام اور خبیث رزق سے اپنے مُنہ اور پیٹ کو بچاؤ۔ مقبول الدعا بن جاؤگے۔

خیال رہے کہ انسان چند وجوہ سے جانوروں سے ممتاز ہے اُن میں سے پاکیزہ روزی اور پاکیزہ بیویاں بھی ہیں۔ اگر ان دو پابندیوں پر انسان عامل نہ رہے۔ ہر حرام اور حلال چیز کھائے اور ہر حرام و حلال عورت پر نظر اٹھائے تو اس میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں بلکہ وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ کہ جانور بے عقل ہے اور یہ عقل والا۔ نیز جانور پہلے سونگھتا ہے پھر کھاتا ہے۔ لیکن یہ بغیر تحقیقات کے منہ ڈال دیتا ہے ان کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

انسانی شرافت کا یہ تقاضا ہے کہ اُس کے کھانے پینے۔ چلنے پھرنے۔ سونے جاگنے۔ بولنے دیکھنے اور سُننے پر شرعی پابندیاں ہوں اگر ان سب چیزوں میں آزاد ہو جائے تو جانور بلکہ اس سے بدتر ہے۔ رب فرماتا ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۝ اور فرماتا ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۝ انسان کی تو ہر چیز پہ پابندی ہے۔ دیکھو وزیر بادشاہ۔ حکّام وغیرہ کھانے پینے۔ بولنے چلنے پھرنے میں اور بھی بہت زیادہ محتاط ہوتے ہیں ان کے بولنے کے الفاظ نپے تُلے سجے چنے ہوتے ہیں۔ اخبارات میں اُن کے ترجمے چھپتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔

فلاں بادشاہ نے اپنے خطاب میں اتنے لفظ بولے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُن کا درجہ بڑا ہے۔ جتنا درجہ بڑا۔ اتنی پابندی زیادہ۔ اس لئے فرمایا گیا کہ طیب روزیاں کھاؤ۔ صوفیا کے نزدیک طیب روزی وہ ہے جو تین عیبوں سے پاک ہو اور تین خوبیوں سے موصوف ہو یعنی بذاتِ خود بُری نہ ہو۔ بُرے ذریعے سے حاصل نہ ہو۔ بُرے مقصد کے لئے حاصل نہ کی جائے بلکہ بذاتِ خود اچھی ہو۔ اچھے ذریعے سے حاصل ہو۔ اچھے مقصد کے لئے استعمال کی جائے۔ لہٰذا کافر کی ہر چیز خبیث ہے اگرچہ حلال اور طیب ہے کہ وہ بُرے مقصد یعنی کفر و شرک و بُت پرستی کے لئے استعمال کرتا ہے اور مومن کی روزی حلال اور طیب ہے کہ وہ اچھے مقصد یعنی اللہ کی عبادت کے لئے استعمال کرتا ہے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں صرف طیب کھانے کا ذکر کیا گیا۔ لیکن درحقیقت ہر چیز میں طیب و خبیث پایا جاتا ہے۔ بعض چلنا طیب ہے بعض خبیث۔ بعض گفتگو طیب ہے بعض نظریں طیب ہیں بعض خبیث۔ بعض خیالات طیب بعض خبیث۔ بعض سونے اور جاگنے طیب اور بعض خبیث۔ بلکہ یوں کہو کہ بعض زندگی طیب ہے بعض خبیث۔ بعض موتیں طیب ہیں بعض خبیث مومن کو چاہیئے کہ پاکیزہ کھائے پاکیزہ سوئے جاگے اور پاکیزہ جیئے مرے۔

حکایت: ایک ظالم و جابر بادشاہ نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ بہترین عبادت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ تیرے لئے دوپہر تک سونا تاکہ جاگ کر خلق کو نہ ستائے سے

ظالمے را خفتہ دیدم نیم روز | گفتم ایں فتنہ است خوابش بردہ بہ
واں کہ خوابش بہتر از بیداری است | زاں چناں بد زندگانی مردہ بہ

خلاصہ یہ ہے کہ مومن سارے جہان سے افضل ہے تو اُس کے سارے کام افضل چاہئیں جو لوگ آج اسلامی پابندیوں کو ناجائز سمجھتے ہیں اور کفار کی سی آوارہ زندگی چاہتے ہیں۔ وہ درحقیقت انسانی جامے سے نکل کر حیوانیت اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ آزادی نہیں بربادی ہے ہم نے دیکھا ہے کہ بادشاہوں کا کھانا پانی ٹیسٹ کر کے انہیں دیا جاتا ہے تاکہ کسی دشمن نے زہر نہ ملا دیا ہو۔ مسلمان تیرا کھانا پینا بھی ٹیسٹ شدہ ہو کہ کہیں شیطان اسمیں خباثت کا زہر ملا دیا ہو اسلئے فرمایا گیا کلو من طیبات کے بعد اللہ کے شکر کا حکم دیا گیا تاکہ اس چیز کی برکت سے وہ روزی نقصان نہ دے یعنی اس کا شکریہ ادا کرو کہ رب نے تمہیں حلال روزی دی تمہیں نیک اعمال کی توفیق بخشی۔ کیونکہ یہ سب

رب اسی کی طرف سے ہے ہمارا اپنا کمال کوئی نہیں۔

خیال رہے کہ شکر تین طرح کے ہیں۔ دو شکر عام ایک شکر خاص۔ ایک شکر عام تو یہ ہے کہ انسان اپنے مال و جان کو اپنے کمال کا نتیجہ نہ جانے بلکہ عطائے ذوالجلال سمجھے۔ پتنگ خواہ کتنی ہی اونچی اڑے مگر اپنے زور سے نہیں اڑتی۔ مالک کی ڈور سے اڑتی ہے۔ اسی لئے دیکھا گیا کہ کبھی بیوقوف اقبال مند ہوتے ہیں اور عاقل خوار اور ایک ہی آدمی کبھی تخت نشین ہوتا ہے اور کبھی خاک نشین اگر یہ خیال رہا تو انشاءاللہ کبھی دل میں تکبر نہیں پیدا ہوگا۔ دوسرا شکر عام یہ ہے کہ انسان ہر نعمت کا حق ادا کرے مثلاً اگر کھاپی کر جسم میں طاقت و توانائی آئی ہے تو اس طاقت سے اللہ کی عبادت بھی کرے اور شکر خاص یہ ہے کہ اگر رب نے ہماری ضرورت سے زیادہ روزی ہم کو دی ہے تو وہ صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ اس میں فقیروں غریبوں کا بھی حصہ ہے اس کا شکر یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی روزی ہمارے ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ شعر

شکر بجا آر کہ مہمان تو — روزی خود می خورد از خوانِ تو

ہر نعمت کا شکر الگ ہے۔ کامیاب بندہ وہ ہے جو کامیاب شاکر بن کر زندگی گذارے۔

اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ یہ شرط ہے اور پہلا جملہ اس کی جزا ہے یعنی اے مسلمانو اگر تم صحیح معنوں میں رب کی عبادت کرتے ہو تو اس کی دی ہوئی پاکیزہ روزی بھی کھاؤ اور شکر بھی ادا کرو۔ تب تم صحیح عابد بنوگے۔

یا یہ مطلب ہے کہ صرف روزہ نماز ہی عبادت نہیں بلکہ حلال روزی کمانا اور کھانا اور اس کا شکریہ ادا کرنا بھی عبادت ہے جو شخص توانا اور تندرست ہو کر حلال روزی نہ کمائے بھیک پر گذارہ کرے وہ سچا عابد نہیں۔

حکایت:۔ ایک شخص بہت تنگدست تھا۔ بیوی نے مجبور کیا تو کمائی کے لئے سفر کو نکلا جنگل میں ایک لولی لنگڑی لومڑی دیکھی جو بہت موٹی تازی تھی۔ حیران ہوا کہ یہ کھاتی کہاں سے ہے۔ امتحان کے لئے ٹھہر گیا۔ دیکھا کہ شام کے قریب شیر شکار لایا۔ قریب میں بیٹھ کر کچھ کھایا باقی چھوڑ گیا۔ لومڑی گھسٹتی ہوئی وہاں پہنچی اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ دوسرے دن قریباً اسی وقت ایک چیتا کچھ شکار لے آیا۔ اسی جنگل میں بیٹھ کر کچھ کھایا کچھ چھوڑ گیا لومڑی نے پھر سیر ہو

کر کھا لیا۔

تیسرے دن بھیڑیا بھی لومڑی کو ایسے ہی کھلا گیا۔ غرض کہ یہ شخص وہاں قریباً سات دن ٹھہرا۔ مگر اس نے روزانہ لومڑی کو اسی طرح کھاتے دیکھا۔ بولا اے مولا! جب تو ایسی روزی دیتا ہے تو میں کمائی کیوں کروں۔ جب ملے یوں کمائی کرے کیوں۔ کسی جگہ پہنچا اور مسجد میں بیٹھ رہا منتظر رہا کہ اب کہیں سے غیبی دسترخوان آتا ہے۔ مگر کہیں سے کچھ نہ آیا۔ پانچواں فاقہ ہوگیا۔ حال بگڑ گیا۔ سجدے گرا۔ بولا الٰہی کیا میں اس لنگڑی لومڑی سے بدتر ہوں اُسے تو روزانہ غیبی روزی پہنچاتا ہے اور مجھے فاقے پر فاقے ہو رہے ہیں۔ میری خبر نہیں لیتا۔ اسی حال میں نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے اے کمبخت تجھے ہاتھ پاؤں کمانے کے لئے دیئے گئے اُٹھا نہیں ملا۔ کما اور کھا تو نے لومڑی کو دیکھا۔ شیر اور چیتے کو نہ دیکھا جو خود بھی کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں لنگڑی لومڑی نہ بن۔ شیر بن کہ خود بھی کما اور بے دست و پا لوگوں کو بھی کھلا۔ جب تو بے دست و پا ہو جائے گا تو تیرے لئے بھی ہم کسی شیر کو مقرر کر دیں گے۔ اس لئے رب نے فرمایا کہ اے مسلمانو! اگر تم ہماری صحیح عبادت کرتے ہو تو حلال روزی بھی کھاؤ اور شکر بھی کرو۔

اس آیت کریمہ کی چلتی جاگتی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابہؓ کا عمل شریف ہے۔ رب تعالیٰ اُن نقش قدم پر چلنے کی ہم سب کو توفیق بخشے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ:۔ اس کے سوا نہیں کہ حرام کیا اللہ نے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت۔ اور وہ جانور جس کو ذبح کیا گیا ہو غیر اللہ کے نام پر تو جو مجبور ہو جائے نہ تو لذت کا خواہاں ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا۔ پھر اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق:۔ پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو حلال و طیب چیزیں کھانے اور حرام و خبیث چیزوں سے بچنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اُس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے چونکہ حلال و طیب چیزیں لاکھوں تھیں۔ حرام و خبیث چیزیں چند تھیں۔ اس لئے انہیں کا ذکر فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ ان کے ماسواء اور حلال ہیں کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے حرمت عارضی چیز ہے۔

تفسیر:۔ اِنَّمَا عربی میں یہ لفظ حصر کے لئے آتا ہے۔ یعنی پہلے کو دوسرے پر منحصر کرتا ہے نہ کہ دوسرے کو پہلے پر۔ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اس کے یہ معنی نہیں کہ میں ہی بشر ہوں میرے سواء کوئی بشر نہیں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ میں بشر ہی ہوں۔ نہ رب ہوں نہ اُس کا جُز یا فرماتا ہے اِنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ ہی ایک ہے اور کوئی چیز ایک نہیں بلکہ یہ معنے ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے اس میں کوئی دوئی نہیں۔ نہ ذاتاً نہ صفاتاً۔

خلاصہ یہ کہ اِنَّمَا کا ترجمہ ہے صرف یا محض۔ لہذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے تم پر صرف یہ اگلی چیزیں حرام فرمائیں۔ اس لفظ پر یہاں دو اعتراض ہیں ایک یہ کہ یہاں چار چیزوں کا ذکر ہے دوسری آیت میں سات آٹھ چیزوں کا اَلنَّطِيْحَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ تو یہاں چار میں حصر کیسے صحیح ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کی آٹھوں چیزیں اس کی ان چار میں داخل ہیں دیکھو نطیحہ یعنی جو جانور سینگ گھونپ دینے سے مر جائے اور جو گولی اور غلیلہ سے مارا جائے وَالْمُتَرَدِّيَةُ جو لاٹھی سے مارا جائے یا اوپر سے گر کر مر جاتے وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ جسے درندہ کھالے یہ سب کے سب میتہ میں داخل ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں صرف چار چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے۔ حالانکہ ہزارہا جانور حرام ہیں کتا۔ بلا اور چوہا وغیرہ تو یہاں حصر کیسے صحیح ہوا کہ تم پر رب نے صرف چار چیزیں حرام کیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں بلا واسطہ رب کی حرام کی ہوئی چیزوں کا ذکر ہے وہ صرف یہی ہے۔ باقی تمام حرام چیزیں۔ رب نے بواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حرام فرمائیں کیونکہ رب جانتا تھا کہ آخر زمانے میں منکرین حدیث پیدا ہوں گے جو کہیں گے کہ ہمیں صرف قرآن ہی کافی ہے۔ اُن کا منہ بند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قریباً ہر جگہ اجمال سے ہی کام لیا۔ دیکھو کلمے شریف کے بعد اسلام کا پہلا رکن نماز ہے۔ مگر قرآن کریم نے صرف نام ہی لیا با قاعدہ

ترکیب کہیں نہیں بتائی۔ اسی آیت کو لے لو۔ اس میں اجمالی طور پر یہ بتا دیا کہ تم پر مُردار اور خون حرام۔ یہ نہ فرمایا کہ مردار سے کون کون سے اجزا سے کیا کیا کام لینا حرام اور کس قسم کے خون کا کونسا استعمال حرام۔ اس سے خاموشی۔

سُبحان اللہ! فرماتا ہے سؤر کا گوشت حرام۔ مگر اُس کی کلیجی۔ گُردے۔ سری پائے۔ ان کا ذکر نہیں یہ سارے اجمالات کیوں ہیں۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ مسلمان قرآن کریم کے سمجھنے میں ہر قدم پر جناب مصطفےٰ کا محتاج رہے۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ اس خاموش قرآن کو زبان سے پڑھو اور بولتے ہوئے قرآن صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دل میں لکھو تب کام چلے گا۔

حُرِّمَ۔ یہ لفظ تحریم سے بنا جس کا مادہ حَرَمٌ یا حُرَامٌ ہے۔ یعنی دُور یا الگ رہنا لفظ حرام احترام کا لفظ بھی ہے اور ذلّت کا لفظ بھی۔ سؤر۔ کتا۔ بلا حرام یعنی وہ خبیث ذلیل ہیں۔ اُن سے دُور رہو۔ کعبۃ اللہ الحرام۔ مسجد حرام۔ محرم الحرام۔ شہر الحرام یعنے عزّت و حرمت والی چیزیں۔ اُنکی بے ادبی سے الگ رہو۔ دُور رہو۔ معلوم ہوا کہ ایک ہی لفظ الگ الگ نسبتوں سے معنے دیتا ہے۔ جیسے لفظ بشر۔ اگر یہ نبی کی صفت ہو۔ تو یہ بہت ہی عظمت کا لفظ ہوگا۔ بمعنے مباشرت بالید۔ یعنی بلا واسطہ ملائکہ دستِ قدرت کی صنعت کا ریگر معمولی چیزیں اپنے نوکروں سے بنوا دیتا ہے مگر شاندار چیز جس میں اپنا کمال دکھانا چاہتا ہے، وہ اپنے ہاتھ سے تیار کرتا ہے۔ رب فرماتا ہے اے ابلیس تُونے اُنہیں سجدہ کیوں نہ کیا۔ جنہیں میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اگر بشر ہم لوگوں کی صفت ہو۔ تو اُس کے معنے ہوں گے۔ شر والی مخلوق۔ دیکھو لفظ ایک ہے مگر معنی الگ۔

عَلَیْکُمْ۔ حق یہ ہے کہ اس میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے یعنی اے مسلمانو۔ یہ خبیث چیزیں اللہ نے صرف تم پر حرام کیں اور کافر اگر کھاتے ہیں تو کھانے دو کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جن کے رُتبے زیادہ ہونے ہیں اُن پر پابندیاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ ہم لوگ جہاں چاہیں پھریں جو چاہیں کھائیں مگر بادشاہوں کے چلنے کے راستے مقرر۔ جن پر پہلے پہرہ چوکی۔ اُن کا کھانا پہلے ٹیسٹ کیا جائے گا۔ بعد میں اُن کے پیش ہوگا۔ کہ کہیں دشمن نے زہر نہ ملا دیا ہو۔ اُن کے بول چال کے لفظ مقرر کیونکہ اُن کے ترجمے ہو کر تمام اخباروں میں چھپتے ہیں۔ غرضکہ بادشاہوں کا ہر کام ہر حرکت پابند۔ اگر بادشاہ ان پابندیوں کو توڑنا چاہے تو سمجھ لو کہ وہ اپنے رُتبے سے گر رہا ہے۔

مسلمانو! تم حبیب کی اُمت ہو۔ تمہارے درجے بلند ہیں تمہارے کھانے پینے چلنے پھرنے بولنے چالنے غرضکہ ہرادا پر پابندیاں ہوگئیں۔ رب فرماتا ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ پ۱۵ تمہارے کان آنکھ دل سب کی حرکتوں کا سوال ہوگا۔ اور فرماتا ہے وَمَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ پ۲۶ جو تمہارے مُنہ سے بات نکلتی ہے اس پر ہمارے محافظ مقرر۔ غرض کہ اسلام نے یہ پابندیاں لگا کر ہمیں انسان بنا دیا۔ ان پابندیوں کو توڑنے والا درحقیقت حدودِ انسانیت سے نکل کر جانور بنتا ہے۔ یہ آزادی نہیں بلکہ انسانیت کی بربادی ہے۔ بُلبل پھول کھا کر جیتی ہے اور گندگی کا کیڑا گندگی کھا کر اور اگر بلبل گندگی میں منہ مارے تو اس کی موت قریب ہے کفار سود لے کر جئیں گے مسلمان زکوٰۃ دے کر۔ شعر

اپنی ملت کو قیاس اقوامِ عالم پر نہ کر ہے جُدا تعمیر میں قومِ رسُولِ ہاشمی

ناجائز پابندیوں کا اُٹھا دینا آزادی کہلاتا ہے اور جائز پابندیوں کو اُٹھا دینا آوارگی آزادی نعمت ہے اور آوارگی عذاب۔ غلام کی آزادی نعمت ہے۔ عورت کی طلاق مصیبت۔

اَلْمَيْتَةُ:۔ یہ لفظ موت سے بنا۔ بمعنی جاندار کا بے جان ہو جانا۔ مَیّت اور مَیتہ میں کبھی یوں فرق کیا جاتا ہے کہ حلال موت سے مرنے والا مَیّت ہے اور حرام موت سے مرنے والا مَیتہ جس کا ترجمہ ہے مُردہ اور مُردار شریعت میں میتہ وہ جانور ہے جو ذبح کے قابل ہو مگر ذبح شرعی کے بغیر مر جائے۔ لہٰذا مچھلی اور ٹڈی میتہ نہیں کہ نہ تو اُن میں بہتا خُون ہے اور نہ یہ ذبح کے قابل۔ شریعت میں ذبح کی تین صورتیں ہیں۔

شکار کا ذبح یہ ہے کہ بِسْمِ اللهِ اَللهُ اَكْبَرُ کہہ کر اُس پر تیر یا گولی یا دھاردار چیز پھینکی جائے یا اُس پر شکاری کتا۔ چیتا یا باز یا شکرا چھوڑا جائے۔ یہ شکار اس تیر یا گولی یا کتے کے دانت یا شکرے کے پنجوں سے مر بھی جائے تب بھی حلال ہے کہ اس کا ذبح شرعی ہو گیا جو جانور بھاگ کر یا کنوئیں میں گر کر بے قابو ہو جائے اُسے بسم اللہ کہہ کر کہیں زخم لگا دو حلال ہے اُس کا ذبح شرعی یہی ہے۔ جو جانور اپنے قبضے میں ہو اس کا ذبح یہ ہے کہ کسی دھاردار چیز سے حلقوم اور رگیں کاٹ دی جائیں۔ ان تین صورتوں کے علاوہ مرجانیوالا جانور مُردار ہے۔ اُس کا کھانا حرام۔ ہاں اُس کی کھال۔ پٹھے۔ خشک ہڈیاں دوسرے کاموں میں آسکتی ہیں۔ یعنی

اے مسلمانو! تم پر اللہ نے مردار کھانا حرام کیا۔

وَالدَّمُ۔ دم سے مراد بہتا خون ہے۔ چونکہ جما ہوا خون تلی کلیجی۔ حلال ہے۔ بہتا خون جو جم جائے۔ بڑی مچھلیوں میں سے جو سُرخ پانی نکلتا ہے وہ خون نہیں ہوتا کہ وہ بعد میں سفید پڑ جاتا ہے کالا نہیں ہوتا۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مُردار اور خون کی یہ تفسیر بالکل برحق ہے لیکن اشارتاً کہا جا سکتا ہے کہ دُنیا مُردار ہے جبکہ اُس پر اللہ کا نام نہ ہو اور مسلمان بھائی کی عزت مال جان گویا خون ہے۔ اے مسلمانو! تم پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں نہ دنیا کے فریب جاؤ نہ مسلمان بھائی کی آبرو ریزی کرو۔ حدیث شریف میں ہے اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَّطَالِبُھَا کِلَابٌ دُنیا مُردار ہے۔ اور طالبِ دُنیا کتے۔ خیال رہے کہ مُردار خوار گدھے بھی ہیں اور کتے بھی۔ مگر کوّے کا خاصہ یہ ہے کہ وہ دوسرے کوّوں کو بلا کر کھاتا ہے۔ مگر کتا دوسرے کتے پر غراتا ہے اگرچہ وہ مُردار بھوک سے کہیں زیادہ ہو۔ طالب دُنیا انسان کا بھی یہی حال ہے کہ وہ دوسرے کو کھاتا پیتا نہیں دیکھ سکتا۔ صوفیاء کے ہاں جو کام نفس کے لئے ہو اور اخلاص سے خالی ہو وہ دُنیا ہے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مال دُنیا نہ تھا عین دین تھا اور منافقوں کی نماز بھی دُنیا تھی۔

وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ اگرچہ سؤر کی ہر چیز حرام ہے کہ کسی کام میں نہیں آسکتی۔ مگر رب تعالےٰ نے صرف گوشت کی حُرمت کا ذکر فرمایا تاکہ مسلمان اُس کے دوسرے اجزاء کی حرمت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے محتاج ہوں یعنی سؤر کا گوشت تو میں حرام کرتا ہوں۔ اس کی چربی۔ کلیجی۔ گُردے وغیرہ کی حُرمت میرے محبوب سے پوچھو۔ منکرین حدیث ان چیزوں کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں کر سکتے۔

خیال رہے کہ سؤر حرام بعینہٖ ہے مُردار وغیرہ حرام بغیرہٖ۔ یعنی بذاتِ خود تو وہ حلال تھے۔ لیکن کسی عارضی وجہ سے حرام ہو گئے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس امارہ گویا خنزیر ہے اور اس کی حرام خواہشیں خلافِ اسلام عقیدے گویا سؤر کا گوشت مسلمان پر ان چیزوں سے بچنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے سؤر کے گوشت سے۔

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اس جملے کی تین تفسیریں ہیں تفسیر جاہلانہ۔ تفسیر عالمانہ۔ تفسیر عاشقانہ۔ تفسیر جاہلانہ تو وہ ہے جو آج کل عام اردو ترجمہ پڑھے ملّا بیان کرکے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یعنی اُہِلَّ اِہلال سے بنا۔ معنی پکارنا۔ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز حرام ہے جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ لہٰذا گیارہویں شریف کا کھانا۔ کسی کی نیاز کا پیسہ۔ عرس میں ذبح کئے ہوئے جانور وغیرہ سب کچھ حرام ہے۔ اس لئے کہ ان پر خدا کے سواء کا نام پکارا جاتا ہے کہا جاتا ہے یہ غوث پاک کا بکرا ہے۔ خواجہ اجمیری کی فاتحہ کے لڈو ہیں۔ فلاں مزار کا چڑھاوا۔ فلاں خانقاہ کی دیگ وغیرہ۔ یہ سب حرام ہیں اور وہ اس آیت کی زد میں آتے ہیں۔ مگر یہ تفسیر محض باطل اور غلط ہے۔ تفسیر نہیں بلکہ کلام الٰہی کی معنوی تحریف ہے۔ یہ تفسیر آیات قرآنیہ احادیث نبویہ و عمل صحابہ اور عقیدہ اُمتِ رسول اللہ بلکہ خود ان کے پیشواؤں کے اقوال کے خلاف ہے۔

غور کرو کہ کفار عرب اپنے بتوں کے نام پر چار قسم کے جانور چھوڑتے اور کہتے تھے کہ یہ جانور حرام ہیں۔ رب نے ان کی تردید میں ارشاد فرمایا۔ وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّ وَلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ یعنی یہ کفار خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ ان جانوروں کو حرام سمجھتے ہیں۔ اللہ نے انہیں حرام نہ کیا۔ دوسرے مقام پر مسلمانوں سے فرماتا ہے۔ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ یعنی اے غازیو! غنیمت میں تمہیں جو ہاتھ لگے۔ بحیرہ۔ سائبہ ہو یا کوئی اور۔ سب حلال طیب ہے۔ شیطان کی باتوں کی پیروی نہ کرو۔ ان آیات سے پتہ لگا کہ ان کے بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور اور دوسری چیزیں حلال ہیں۔ طیب ہیں۔ انہیں حرام جاننا شیطان کی پیروی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین قربانیاں کرتے تھے ایک اپنی طرف سے دوسری اپنی ازواج پاک کی طرف سے تیسری اپنی امت کی جانب سے اور ذبح کرکے فرماتے اَللّٰهُمَّ هٰذَا لِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) الٰہی یہ میری امت کے نام کی ہے۔ ان کی تفسیر سے یہ جانور حرام ہو جانا چاہیئے تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خدمت عالیہ میں آکر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ میری ماں فوت ہو چکی ہے میں چاہتا ہوں کہ ان کی خدمت کروں۔ فرمایا کہ مدینے میں پانی کی قلت ہے

اُن کے نام پہ پانی کی خیرات کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایک کنواں کھدوا دیا اور فرمایا هٰذَا لِاُمِّ سَعْدٍ یہ کنواں سعد کی ماں کے نام کا ہے وہ کنواں اب تک آباد ہے۔ زمانہ نبوی سے آج تک عام مسلمان اُس سے پانی پیتے رہے۔ اس تفسیر کی بنا پر اُس کنوئیں کا پانی حرام ہو جانا چاہیئے تھا کیونکہ اُس پر اُمِ سعد کا نام آگیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ کوئی اللہ کا بندہ مسجد عشاء میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے اور کہہ دے کہ هٰذَا لِاَبِیْ هُرَیْرَةَ۔ یہ نماز ابو ہریرہؓ کے نام کی ہے۔ اس تفسیر سے چاہیئے تھا کہ وہ نماز حرام ہو جاتی۔ مدینہ منورہ میں جا کر دیکھو کہ نہریں، مسجدیں، خانقاہیں یعنی رباط سب مختلف لوگوں کے نام کی ہیں۔ اس تفسیر سے وہ سب ناجائز اور حرام ہوئیں۔ اب فقہاء کا فتوےٰ دیکھو۔

حضرت مولانا احمد جیون صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیرات احمدیہ میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں اولیاء اللہ کی نذر کی جو گائے رکھی جاتی ہے وہ حلال اور طیب ہے۔ چونکہ اُسے اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مجوسی نے آتش کدے کے نام پر جانور پالا۔ اُسے وہاں لے گیا۔ مسلمان سے ذبح کرایا۔ مسلمان نے بسم اللہ کہہ کر ذبح کر دیا۔ وہ جانور حلال ہے کیونکہ اگرچہ وہ پالا گیا بت کے نام پر لیکن ذبح ہوا خدا کے نام پر۔ عام مسلمان جن میں اولیاء اللہ، علماء، صالحین سب شامل ہیں۔ ہمیشہ سے بزرگوں کے نام پر ایصال ثواب کے لئے کھانے پکاتے رہے۔ جانور ذبح کرتے رہے۔ اس کھانے کو تبرک سمجھ کر کھاتے کھلاتے رہے۔ خود ان منکرین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر ہندو لڑکے ہولی، دیوالی کی پوریاں کچوریاں اپنے مسلمان اُستاد کو پیش کریں تو وہ مسلمان کے لئے حلال ہیں۔ جب بتوں کے نام کی پوریاں کچوریاں حرام نہ ہو سکیں تو جناب غوث پاکؒ۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے کھانے۔ شربت کیسے حرام ہو سکتے ہیں۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ تفسیر غلط ہو کیونکہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی کے نام کی نہ ہو۔ میرا گھر۔ تیرا کنواں۔ فلاں کی گائے اُس کی بھینس۔ فلانے کی مسجد۔ حتیٰ کہ بعض شہروں دکانوں کے نام کسی نہ کسی کے نام پر ہوتے ہیں۔ جیسے جبل الطارق (جبرالٹر) اگر یہ سب حرام

ہو جائیں گے۔ تو زندگی شکل پڑ جائے گی۔ غرض کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ قرآن شریف کی تحریف ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ اہلال عرف میں ہر پکارنے کو کہتے ہیں۔ مگر شریعت میں ذبح کے وقت آواز دینے کا نام اہلال ہے۔ جیسے صلوٰۃ لغت میں ہر دعا کو کہتے ہیں۔ مگر شریعت میں خاص دعا یعنی نماز کا نام ہے جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ میں صلوٰۃ سے مراد نماز ہے ایسے ہی یہاں مَا اُہِلَّ میں اہلال سے مراد ذبح کرنا ہے تو آیت کے معنے یہ ہوئے کہ وہ جانور حرام ہے جو غیر خدا کے نام ذبح کیا جائے اسی لئے تفسیر جلالین۔ مدارک۔ بیضاوی۔ ابن عباس۔ خازن۔ کبیر۔ معالم التنزیل۔ ابو مسعود۔ تفسیر احمدی وغیرہ تمام تفاسیر میں اہلال کے معنے کئے گئے ہیں۔ ذبح۔ اس تفسیر پر یہ آیت کریمہ بالکل صاف ہو گئی اور اس پر کوئی اعتراض نہ رہا۔ کہ جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح ہو وہ حرام۔

خیال رہے کہ مشرک اگر خدا کے نام پر بھی ذبح کرے تب بھی جانور حرام ہے۔ کیونکہ صرف مسلمانوں اور اہل کتاب کا ذبیحہ ہی حلال ہے نیز اگر کوئی تھان پر یا کسی بادشاہ وغیرہ کی بھینٹ وعبادت کی نیت سے جانور ذبح کرے تو حرام ہے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ چنانچہ فقہا فرماتے ہیں کہ جو بادشاہ کی آمد پر شہر میں جانور ذبح کئے جائیں ان کے تقرب وعبادت کی نیت سے وہ حرام ہیں۔ اگرچہ خدا کے نام پر ہی ذبح ہوں۔

تفسیر عاشقانہ:۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ غیر کے دو معنے ہیں۔ ایک سواء اور ایک دشمن۔ انبیاء۔ اولیاء اللہ۔ رب کے غیر نہیں بلکہ اس کے اپنے ہیں۔ رب فرماتا ہے کہ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ یہ لوگ اللہ کا ٹولہ ہیں اور اللہ کا ٹولہ ہی کامیاب ہے اور کفار رب شیطان اللہ کے غیر اور اس کے دشمن ہیں۔ رب فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہ لوگ شیطانی ٹولہ ہیں اور شیطان کا ٹولہ نقصان میں ہے۔ جس چیز کی نسبت اللہ کے ٹولے کی طرف ہو جائے وہ متبرک ہو جاتی ہے جیسے آب زمزم اور خاک شفا اور اولیاء اللہ کے آستانوں کے ٹکڑے اور جس چیز کی نسبت شیطانی ٹولے کی طرف ہو جائے وہ منحوس ہو جاتی ہے۔ جیسے گنگا کا پانی۔ قوم ثمود کے کنوئیں کا پانی وغیرہ۔ اسی طرح نفس امارہ شیطانی ٹولے میں ہے اور دل اور روح رحمانی ٹولے میں ہے۔ آیت کا اشارہ اس جانب ہے کہ مرید کا دل پر وہ کھانا حرام ہے جو غیر اللہ یعنی اللہ کے دشمن نفس امارہ کے لئے ہو مرد مومن اللہ ہی کے لئے کھاتا پیتا ہے اور اسی کے لئے جیتا مرتا

ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۵

حکایت:۔ ایک بار حضرت بایزید بسطامی کے نفس نے ٹھنڈا پانی مانگا۔ آپ نے تین سال تک پانی نہ پیا۔ فرماتے تھے کہ اے نفس اللہ کے لئے پیوں گا تیرے لئے نہ پیوں گا۔ جب بندے کا یہ حال ہوجاتا ہے کہ غیر اللہ یعنی نفس اور دُنیا کے لئے کچھ نہیں کرتا بلکہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کے لئے کرتا ہے نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ جو یہ چاہتا ہے اللہ کرتا ہے۔ دین کے پیچھے یہ بھاگتا ہے اور دنیا اُس کے پیچھے بھاگتی ہے ڈاکٹر اقبال کے اس شعر کا مطلب یہی ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مگر یہ درجہ بغیر عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہوتا۔ شعر

ذرۂ عشق نبی از حق طلب
سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ الخ اس جملے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مذکورہ بالا چیزیں ہر حال میں حرام ہیں لیکن ایک موقع ایسا بھی آتا ہے جب شریعت مطاہرہ اپنا یہ قانون بندے سے اُٹھالیتی ہے وہ موقع اضطرار کا ہے یعنی جان پر بن جانا۔ اضطرار کی دو صورتیں ہیں ایک بھوک پیاس کی شدت اور کھانا پانی موجود نہ ہونا۔ اگر جان پر بن جائے اور موت کا خطرہ قوی ہوجائے تو مُردار، خنزیر، ناپاک پانی وغیرہ جس سے جان بچا سکے۔ بچائے اگر یہ چیزیں استعمال نہ کرے گا اور مرجائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سخت بیماری میں جب حاذق حکیم یعنی جو مومن بھی ہو متقی بھی۔ اور طب میں پوری مہارت رکھنے والا بھی وہ یہ کہے کہ تیری دوا سوا اس حرام کے اور کچھ نہیں۔ تو اس صورت میں بیمار کے لئے حرام کا استعمال بقدر ضرورت جائز ہے واجب نہیں یعنی اگر استعمال کرے تو گنہگار نہیں۔ اگر جان دیدے تو بھی گنہگار نہیں۔ کیونکہ غذا سے جان کا بچنا یقینی تھا۔ مگر دوا سے جان بچنا یقینی نہیں۔

حکایت:۔ ایک بار قبیلہ عرنیہ کے کچھ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ ایمان لے آئے اور وہیں رہنے سہنے لگے۔ مدینہ پاک کی آب و ہوا اُن کے موافق نہ آئی۔ بیمار ہوگئے۔ پیٹ پھول گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ

سے باہر جہاں صدقے کے اونٹ رہتے تھے بھیجا۔ اور فرمایا کہ تم لوگ اونٹوں کا دودھ بھی پیتے رہو اور پیشاب بھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس پر عمل کیا اور اچھے ہو گئے۔ یہ حدیث اضطرار کی تفسیر ہے۔ کہ پیشاب ناپاک بھی ہے اور حرام بھی۔ مگر چونکہ اُن کی شفا اسی میں تھی اس لئے انہیں اس کا استعمال جائز ہو گیا۔

لیکن مجبوری حالت میں حرام حلال ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ ضرورت سے زیادہ ہرگز نہ کھائے اگر تین لقموں سے جان بچ سکتی ہے تو سوا تین نہ کھائے اسے غیر عاد نے بیان کیا یعنی حد ضرورت سے آگے نہ بڑھے دُوسرے یہ کہ لذت کے لئے بھی نہ کھائے۔ کڑوی دوا کی طرح پیٹ میں بوجھ ڈال کر جان بچانے کی کوشش کرے۔ اس کو غیر باغ نے بتایا اگر ان حکموں سے ایک بھی کمی ہو گئی تو کھانے والا گناہ گار ہو گا۔ ہاں کبھی اندازے میں غلطی ہو سکتی ہے نیز کبھی بغیر ارادہ لذت محسوس ہو جاتی ہے اس لئے فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی ایسی غیر اختیاری لغزشیں معاف فرما دی جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

صوفیاء فرماتے ہیں اس آیت سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جان رکھنا بڑا ضروری ہے کیونکہ سارے احکام اور اعمال جان ہی کی بقا سے ہیں۔ جب جان کا مقابلہ احکام سے ہو جائے تو شریعت احکام ڈھیلے کر دیتی ہے پانی نقصان دے تیمم کر لو۔ نماز میں کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ جان جا رہی ہو مُردار کھا لو۔ یہ سب نرمیاں کاہے کے لئے ہیں۔ جان رکھنے کے لئے۔ لیکن اگر جان کا مقابلہ ایمان سے ہو جائے تو ہزار جانیں اُس پر قربان کر دو ایک ہندی شاعر کہتا ہے۔ شعر

دُھن دے تن کو راکھیئے اور تن دے رکھیئے لاج
تن مَن دھن سب واریئے ایک دھرم کے کاج

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے۔ جان سے ایمان اعلیٰ۔ کیونکہ جان آخر جانے والی ہی ہے اسے جان کہتے ہی اسی لئے ہیں کہ اُس نے ایک دن جانا ہے جو نہ جائے وہ ایمان ہے۔ جمادات۔ نباتات پر قربان ہوتے ہیں کہ دانے کی خاطر زمین کو الٹ پلٹ کر دیا جاتا ہے اور نباتات حیوانات پر نثار کہ بہت سی پیداوار جانور کھا جاتے ہیں اور حیوانات انسان پر قربان ہوتے ہیں کہ گائے بھینس وغیرہ عمر بھر ہماری خدمت کریں اور دُنیا سے جاتے وقت اپنا

گوشت پوست ہمارے استعمال کے لئے دیئے جائیں۔

اے انسان کچھ سوچ کر تو بھی کسی پر قربان ہونے کے لئے ہے کہ نہیں۔ اس کا جواب صدیق اکبرؓ کا غار ثور والا عمل دے گا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر اپنی جان نچھاور کر دی اور آپؐ کے اشاروں پر سب کچھ قربان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسی زندگی نصیب کرے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ؕ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ:۔ فرما دو اے محبوب! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے سارے گناہ بخش دے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

شانِ نزول:۔ عرب کے اہل کتاب پہلے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہی انکار کرتے تھے مگر جب قوی دلائل اور ہزار ہا معجزات نے حضور کی نبوت ثابت ہی کر دی اور انہیں انکار کی گنجائش نہ رہی تو آخر کار کہنے لگے کہ ہاں نبی تو ہیں۔ مگر آپ کی نبوت کی ہمیں ضرورت نہیں کیونکہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ہم تو اللہ کے چہیتے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ بنی اسمٰعیل ان دونوں خوبیوں سے محروم ہیں۔ انہیں ہی آپ کی نبوت کی ضرورت ہے۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (عام تفاسیر)

تفسیر:۔ یوں تو سارا قرآن شریف ہی تبلیغ کے لئے آیا ہے۔ اس کی ایک ایک آیت لوگوں تک پہنچانا اور اس کے سارے احکام شرعیہ بندوں کو سنانا حضور کا فرض تھا۔ رب فرماتا ہے یٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لیکن بعض آیتوں کو قُلْ سے شروع فرمایا جاتا ہے یعنی اے محبوب آپ یہ فرما دو۔ ان میں سے یہ آیت بھی ہے۔ اس قُلْ فرمانے میں لاکھ حکمتیں عامہ ہیں۔ اور بعض حکمتیں خاصہ۔ حکمت عامہ تو وہ ہے جو مولانا حسن رضا خان صاحب بریلوی نے

رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شعر میں بیان فرما دی ہے

قُل کہہ کے اپنی بات بھی مُنہ سے تیرے سُنی — اتنی ہے گفتگو تیری اللہ کو پسند!

یعنی بلا تشبیہ جیسے ماں باپ اپنے چھوٹے بچوں سے باتیں کہلواتے سنتے ہیں کہ ان کی بھولی بھالی باتیں اُن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ ربّ تعالیٰ خود فرمانا چاہتا ہے مگر اپنے حبیب سے کہلوا کر سنتا ہے کیونکہ محبوب کی زبان اور اُن کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ ربّ کو پیارے ہیں۔ دیکھو ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پیارے سارے نبیوں، ولیوں، مومنوں نے کہا۔ اللہ ایک ہے تم اپنی زبان سے کہو اور ہم سُنیں کہ اللہ ایک ہے۔ کہیں قُل فرما کر یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ بات کہنے کا صرف تم ہی کو حق ہے۔ اِس گفتگو کے لئے تمہاری زبان بنی ہے کسی اور کے منہ پر یہ بات سجتی ہی نہیں جیسے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ محبوب فرما دو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔ انبیاء کرام نے تواضعاً اپنے کو ظالم اور ضال بھی فرمایا ہے۔ دوسرا یہ لفظ اُن کی شان میں استعمال نہیں کر سکتا۔

غرضکہ کہیں قُل اوروں کو روکنے کے لئے ہوتا ہے اور کہیں لفظ قُل دوسروں سے کہلوانے کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی اے پیارے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم یہ بات تم کہو۔ تمہارے کہنے سے اور سب کہیں۔ جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فرما دو اللہ ایک ہے یعنی پہلے تم کہو کہ اللہ ایک ہے پھر تمہارے بتانے اور سکھانے سے اور سب کہیں کہ اللہ ایک ہے۔ وہ لوگ تب مومن ہوں گے یعنی توحید ہماری ہو۔ بتائی اور پڑھائی تمہاری ہو۔ شعر۔

مانا ہے فرمایا تیرا — سیکھا ہے سکھلایا تیرا
سمجھا ہے سمجھایا تیرا — ہے عرش بریں پایہ تیرا
تم سیّد الکونین ہو — تم والئے حرمین ہو
تم مومنوں کے چین ہو — تم قرۃ العینین ہو

کبھی قُل فرمانے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اے پیارے، کلام میرا ہو۔ زبان تمہاری ہو۔ ان دو نعمتوں کا اجتماع ہو تو ان میں تاثیر ہو گی۔ یعنی گولی بارود ربّ کی ہو اور رائفل آپ کی زبان ہو جیسے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ یعنی اے محبوب جادو اُتارنے کے لئے اپنی زبان سے یہ دُعا پڑھو

اور تمہاری اجازت سے دُوسرے کبھی پڑھیں تو اس پر یہ تاثیر یقینی ہے۔

حکایت: حضرت خواجہ شیخ فریدالدین صاحب گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک فقیر نے کچھ سوال کیا۔ آپ نے مُرغی کے انڈے پر بلند آواز سے قُلْ ھُوَاللّٰہ شریف پڑھ کر دم کر دیا وہ انڈا سونے کا ہوگیا۔ آپ نے اُس فقیر کو دے دیا وہ فقیر خوش خوش اپنے گھر گیا۔ بیوی سے بولا کہ مجھے تو جناب شیخ نے مالا مال کر دیا۔ اتنا بہت سا سونا عطا فرمایا اور سونا بنانے والی کیمیا بھی سُنادی۔ تجربے کے لئے ایک انڈا لیا۔ اور سَو دفعہ قُلْ ھُوَاللّٰہ پڑھ کر دم کیا مگر کچھ نہ ہُوا۔ سارا قرآن پڑھ کر پھونکا۔ انڈا ہی انڈا رہا۔ سونا تو کیا پیتل بھی نہ بنا۔ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ حضور آپ نے جو کچھ پڑھا تھا وُہ اُس سے کہیں زیادہ میں نے پڑھ کر دم کیا۔ مگر میرا کچھ نہ بنا۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ کلام ربانی کے لئے زبان فریدانی چاہیئے۔ غرضکہ قُل فرمانے میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اللہ تعالیٰ نے اتباعِ رسُول کے مضمون کو محبت سے شروع فرمایا۔ یعنی اگر تم اللہ سے سچّی محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ کیونکہ کسی کی اِتباع و اطاعت تین وجہ سے کی جاتی ہے۔ ۱۔ ڈر سے ۲۔ لالچ سے ۳۔ محبت سے۔

نوکر آقا کی ہر بات مانتا ہے۔ تنخواہ ملنے کے لالچ میں۔ رعایا بادشاہ کی فرمانبرداری کرتی ہے جیل کے خوف سے۔ سعادت مند بیٹا اپنے بوڑھے ماں باپ کی فرمانبرداری کرتا ہے محبت سے، ماں باپ اپنے چھوٹے بچے کی ضد پوری کرتے ہیں ڈر یا لالچ سے نہیں بلکہ محبت پدری سے۔ ان تینوں فرمانبرداریوں میں محبت کی فرمانبرداری بہت قوی ہے اس ہی کا اسلام میں اعتبار ہے۔ لالچ کی اطاعت غرض پوری نہ ہونے تک ہے۔ ڈر کی اتباع ڈر نکل جانے تک ہے۔ لیکن محبت کی اطاعت دائمی۔ لالچ اور ڈر کی اتباع منافقین بھی کرتے تھے۔ وہ صحابی تو کیا مومن بھی نہ بنے۔ اس لئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ اگر تمہیں اللہ سے خوف یا اس سے لالچ ہے تو میری اتباع کرو بلکہ فرمایا کہ اگر اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔ غرضکہ محبت نے اتباع کی نوعیت مقرر کر دی۔ کہ مومن بننے کے لئے حضور کی کون سی اتباع چاہیئے۔

خیال رہے کہ محبت نفسانی بھی ہوتی ہے۔ جیسے زن و فرزند سے محبت اور جسمانی بھی ہوتی ہے جیسے ماں باپ سے محبت۔ اور احسانی بھی ہوتی ہے۔ جیسے اللہ رسُول سے محبت۔ پہلی محبتیں

مرتے ہی ختم ہو جاتی ہیں اور آخری محبت ابدالآباد تک قائم رہے گی. یہاں محبت سے مراد ایمانی محبت ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے صرف اس لئے محبت کرے کہ وہ ہمارا رازق و مالک ہے وہ مومن نہیں کیونکہ اس کی یہ محبت احسانی ہے۔ ایسی محبت تو کفار بھی کر لیتے ہیں رب سے اس لئے محبت کرنا کہ اس نے ہماری ہدایت کے لئے انبیاء کرام بھیجے۔ کتابیں اتاریں. ہمیں دوزخ سے بچنے کے طریقے بتائے۔ یہ محبت ایمانی ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔

مطلب یہ ہے اے لوگو! اگر تم اللہ سے وہ محبت رکھتے ہو جس سے تم مومن بن جاؤ تو فَاتَّبِعُوْنِیْ میری اتباع کرو۔ اتباع تبعٌ سے بنا بمعنے پیچھے پیچھے چلنا اور دوسرے کے قدم پر قدم رکھنا۔ اطاعت اور اتباع میں بڑا فرق ہے۔ اپنے آقا کی فرمانبرداری کو اطاعت کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی بھی ہوتی ہے۔ اور اس کے رسول کی بھی۔ بادشاہ کی بھی۔ استاد پیر کی بھی اور ماں باپ کی بھی۔ اسی لئے قرآن کریم میں اطاعت کے موقع پر تین اطاعتوں کا ذکر فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ یعنی حکم مانو اللہ کا اور رسول کا اور اپنوں میں سے حکم اور حکومت والوں کا مگر اتباع یعنی کسی کی دیکھا دیکھی اس کے لئے کام کرنا. بغیر سوچے سمجھے اس کے آثار قدم پر چلنا یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہو سکتی ہے نہ خدا کی ہو سکتی ہے نہ بادشاہ کی نہ پیر استاد کی نہ ماں باپ کی۔ اس لئے یہاں فَاتَّبِعُوْنِیْ فرمایا گیا۔ نہ رب نے اپنا ذکر کیا نہ کسی اور کا۔ خیال رہے کہ اتباع میں اپنے کو دوسرے کے سپرد کر دینا ہوتا ہے۔ یعنی پیچھے والے کا کام ہوتا ہے اس کے آثار قدم پر چلنا اگلے والے کا کام ہوتا ہے۔ راستے کے خار۔ غار اور تمام حالات کا لحاظ رکھنا. ریل کے ڈبے انجن کی اتباع میں اس کے پیچھے بھاگتے جاتے ہیں۔ لائن کی خرابی یا درستی دیکھنا۔ سگنل کا خیال رکھنا انجن والوں کا کام ہے۔ اس ایک لفظ میں رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کی کیسی شان بیان کر دی کہ اے دنیا والو تمہارا کام رستے کی تحقیق کرنا نہیں تمہارا کام تو ان کے پیچھے چلا آنا ہے اگر تم نے اپنی عقل پر اعتماد کیا تو تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہ رہے۔

دوسرا اشارہ یہ بھی کیا گیا کہ تم کسی درجے پر پہنچ جاؤ۔ اور کیسے ہی عارف کامل ہو جاؤ مگر نہ تو بھائی بن کر ان کے برابر آنا اور نہ باپ بن کر ان کے آگے بڑھنا۔ بلکہ غلام بن کر ہمیشہ ان کے پیچھے رہنا۔ ڈبہ سیکنڈ یا فرسٹ ہو رہے گا انجن کے پیچھے ورنہ سفر نہیں کر سکتا۔

تیسری بات یہ بتائی گئی کہ کوئی پیر۔ فقیر۔ غوث۔ قطب۔ بادشاہ۔ دوسروں سے اپنی اتباع نہیں کرا سکتا۔ کیونکہ اُس کے سارے اعمال رحمانی نہیں۔ بعضے نفسانی بھی ہیں جن میں اُس کی اتباع نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اس پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کام رحمانی ہی ہیں۔ وہاں تک نفس اور شیطان کی پہنچ ہی نہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ آنکھ بند کر کے میرے پیچھے چلے آؤ۔

حکایت: امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تختِ خلافت پر جلوہ گر ہو کر وعظ فرمایا۔ اے لوگو! میں تمہارا امیر ہوں۔ ہر جائز حکم میں تم پر میری اطاعت لازم ہے۔ لیکن اگر مجھ سے کوئی غلطی دیکھو تو مجھے اُس پر مطلع کر کے میری اصلاح کر دو۔ اس اعلان کا نتیجہ تھا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار مجمع میں آپ سے پوچھ بیٹھے اے امیر المومنین اس دفعہ غنیمت کے حصے میں سے کسی غازی کا پورا کرتہ نہ بن سکا۔ آپ اِس کپڑے کا کرتا پہنے کیسے کھڑے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا جواب میرے بیٹے عبداللہ سے لو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کہ میں نے اپنے حصے کا کپڑا اپنے والد کو دیدیا تھا۔ یہ کرتا دو حصوں کا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی ہستی اپنے اتباع کا حکم نہیں دے سکتی تو دوسروں کا ذکر ہی کیا ہے۔

خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال جو خصوصیات میں سے ہیں۔ جیسے زکوٰۃ کا واجب نہ ہونا۔ بیک وقت نو بیویوں کا نکاح میں رکھنا۔ اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا۔ ممبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ان میں اتباع نہ ہوگی کیونکہ یہ اعمال قابلِ اتباع ہیں ہی نہیں۔

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔ رب تعالیٰ کی طرف سے یہ عجیب دلکش اور دلنواز وعدہ ہے۔ شرط میں فرمایا گیا تھا اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ وہاں بندے فاعل تھے اور لفظ اللہ مفعول۔ اور یہاں جزاء میں فرمایا گیا يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ جس میں اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور بندے مفعول یعنی ابھی تمہارا دعوے یہ ہے کہ ہم چاہنے والے ہیں اور اللہ ہمارا محبوب ہے اور اگر تم حضور محمد مصطفےٰ کے پیروکار بن گئے تو معاملہ اس کے برعکس ہوگا کہ رب تعالیٰ تمہارا چاہنے والا ہوگا اور تم اُس کے محبوب۔ اِس جملے سے مسلمانوں کو دو بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے۔ ایک یہ کہ جب حضورؐ کی نقل کرنے والا حضورؐ کا غلام خدا کا محبوب بن جاتا ہے تو بتاؤ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب کے کیسے محبوب ہوں گے یہ آیت اعلان کر رہی ہے۔ کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب کے محبوب اکبر ہیں کہ جو اُن کا ہو رہے رب اُس کا ہو جاتا ہے۔ شعر

اُن کے در کا جو ہوا خلق خدا اُس کی ہوئی

اُن کے در سے جو پھرا، اللہ بھی اُس سے پھر گیا

حکایت:۔ ایک بار میں ایک جگہ تقریر کرنے گیا۔ مجھ سے پہلے ایک انگریزی اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کی تقریر تھی۔ انہوں نے اوّل سے آخر تک اس پر زور دیا کہ مسلمان قرآن شریف کا ترجمہ سیکھیں جسے ترجمہ نہ آتا ہو اُس کی نماز درست نہیں۔ کیونکہ نماز ایک قسم کی درخواست ہے۔ جب درخواست کنندہ کو یہ پتہ ہی نہیں کہ میری درخواست میں کیا لکھا ہے تو درخواست دینے سے فائدہ کیا۔ لہٰذا صرف وہ ہی مسلمان نماز پڑھے جسے ترجمہ قرآن آتا ہو۔ باقی لوگ یا ترجمہ پڑھیں یا نماز چھوڑ دیں۔ اس کے بعد میری باری تھی۔

میں نے عرض کیا کہ اس ترجمے کی شرط سے عام مسلمان بے نمازی ہو جائیں گے۔ سو فیصدی مسلمان ترجمہ نہیں سیکھ سکتے۔ بمشکل دس فیصدی سیکھ سکتے ہیں۔ وہ بھی بہت کوشش کے بعد۔ اِس پردے میں آپ نوے فیصدی لوگوں کو بے نماز بنا رہے ہیں ترجمہ جاننا نماز کے لئے نہ شرط ہے نہ رکن اگر نماز محض ایک درخواست ہے تو چاہیئے کہ ہم لوگ اپنی اپنی زبانوں میں نماز پڑھ لیا کریں کیونکہ رب تعالیٰ ساری زبانیں جانتا ہے جس زبان میں عرض معروض کرو وہ جان لے گا۔ دوستو! نماز محض درخواست نہیں بلکہ یہ تو اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اُتارنا ہے نماز میں جو جنبشیں انہوں نے کیں اور جو زبان انہوں نے استعمال کی وہ تم بھی کرو۔ اُس اصل کی طفیل تم بھی بخشے جاؤ گے ترجمہ سمجھو یا نہ سمجھو۔

دیکھو ہمیں مینا بلبل اس لئے پیارے ہیں کہ وہ ہماری بول بول دیتے ہیں اگرچہ بغیر سمجھے ہی سہی۔ ایسے ہی تم بھی جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بولی بولو۔ خدا کے پیارے ہو جاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ حضور کی سچی پیروی کرنے والی قوم انشاء اللہ کبھی دُنیا میں ذلیل و خوار نہ ہو گی اور نہ کسی سے دب کر رہے گی۔ کیونکہ وہ خدا کی محبوب جماعت ہے کوئی بھی اپنے محبوبوں کو ذلیل نہیں کرتا رب فرماتا ہے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ شعر:۔

محال است چوں دوست دارد ترا	که در دستِ دُشمن گذارد ترا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یہ رب کا دوسرا وعدہ ہے جو پہلے وعدے پر مبنی ہے یعنی اگر تم میرے محبوب کے سچے غلام بن گئے تو تمہارے سارے گناہ بخش دوں گا۔ اس وقت تمہارے لئے میری شانِ غفاری ظاہر ہوگی۔ تمہارے گناہوں سے میری مغفرت بہت زیادہ ہے۔ شعر:

گنہ رضا کا حساب کیا جو اگرچہ لاکھوں سے ہیں سواء
مگر اے عفو تیرے عفو کا نہ حساب ہے نہ شمار ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع نصیب کرے کہ اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ آج مسلمان ترقی کے لئے ہر طرف ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ مگر اس کی طرف توجہ نہیں کرتے جس میں اصل ترقی کا راز مضمر ہے ۔

اُن کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے
اُن سے پھرے جہاں پھرا آئی کمی وفا رہیں

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے محبوب! جب تم سے میرے پیارے بندے میرے متعلق پوچھیں تو فرما دو۔ کہ میں نزدیک ہی ہوں۔ پکارنے والے کی پکار کا جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے جواب دیتا ہوں انہیں بھی چاہیئے کہ میری سنیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پا جائیں۔

شانِ نزول:۔ اس آیت کریمہ کے شانِ نزول کے بارے میں بہت روایات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بعض صحابہ نے جوشِ عشقِ الٰہی میں تڑپ کر بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ ہمارا رب کہاں ہے اور وہ کیسی پکار اور کس طرح کی فریاد سنتا ہے۔ آہستہ کی یا بلند آواز کی

تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

تفسیر۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ اگرچہ اس کا نزول خاص موقعہ پر ہوا مگر اس کی عبارت عام ہے یعنی جب کبھی کسی زمانے میں کہیں کے مسلمان آپ سے میرا پتہ پوچھیں۔ سَاَلَكَ سوال سے بنا۔ جس کے معنے ہیں مانگنا۔ رب فرماتا ہے اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ اور پوچھنا۔ رب فرماتا ہے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں یعنی جب میرے بندے تم سے میری ذات وصفات وغیرہ کے متعلق پوچھیں یا جب تم سے میرا پتہ مانگیں اس ایک لفظ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا پتہ ہیں اور پتہ بتانے والے ہیں

شعر
اللہ کی ہر اک چیز کا ساماں محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم
توحید کے مضمون کا عنوان محمد ہیں

دیکھو صحابہ کرامؓ رب کا پتہ پوچھنے کہاں گئے حضورؐ کے پاس اور حضورؐ نے بھی یہ نہ فرمایا کہ جہاں تم رہتے ہو وہاں ہیں مجھے کیا پتہ کہ رب کہاں ہے بلکہ اُس مولا کریم کا صحیح پتہ بتا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سارے عالم غیب کا پتہ بتانے والے ہیں۔ چنانچہ ایک عورت نے جس کا بیٹا فوت ہو چکا تھا پوچھا کہ یا رسول اللہ میرا بیٹا کہاں ہے۔ اگر جنت میں ہے تو خیر۔ اور اگر دوزخ میں ہو تو خوب روؤں۔ حضورؐ نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے جنت دوزخ کی کیا خبر۔ میں مدینے میں۔ وہ مقام یہاں سے کروڑوں میل دور۔ اور نہ یہ فرمایا کہ اچھا جبریل سے پوچھ کر بتائیں گے۔ بلکہ فوراً فرمایا کہ جنت کے آٹھ درجے ہیں۔ جن میں سب سے اونچا فردوس ہے تیرا لڑکا فردوس میں ہے ایک عورت جس کا لڑکا شہید ہو چکا تھا اُس نے حضور سے پوچھا کہ رب تعالیٰ نے میرے بچے کے ساتھ کیا کیا۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تیرا بیٹا اور عالم میں موجود ہے اور میں اور جہان میں ہوں۔ وہ دوسرا جہان ہے مجھے وہاں کے حالات کی کیا خبر۔ بلکہ فوراً جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حجاب کے پیچھے سے کلام فرماتا ہے لیکن تیرے لڑکے سے بے حجابانہ کلام فرمایا اور فرمایا کہ کچھ مجھ سے مانگ۔ تیرے بیٹے نے عرض کیا کہ تیرے دیئے سے مجھے سب کچھ مل گیا۔ تمنا یہ ہے کہ پھر دنیا میں جاؤں اور تیرے نام پر سر کٹاؤں۔ غزوۂ موتہ میں حضرت جعفرؓ شہید ہوئے۔ مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے ہوئے حضورؐ نے اُن کی شہادت کی خبر دی اور فرمایا کہ رب نے حضرت جعفر کو دو پر عطا فرمائے ہیں جن سے وہ جنت میں

اُڑتے پھر رہے ہیں۔ اُس دن سے اُن کا لقب حضرت جعفر طیّار ہُوا۔ ان واقعات سے پتہ لگا۔ کہ دونوں جہان حضور کی نظر میں ہیں۔

عَنِّی۔ میں بہت سے احتمال ہو سکتے ہیں مگر یہاں قریب اور دُور ہونا مُراد ہے جیسا کہ اگلی آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگ میرے متعلق آپ سے پوچھیں۔ کہ میں اُن سے دُور ہوں یا نزدیک تو فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ عُلماء کرام فرماتے ہیں کہ یہاں قُل پوشیدہ ہے یعنی اُن سے فرما دو کہ میں نزدیک ہی ہوں۔ مگر صوفیاء کے مشرب میں قل پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں۔ اُن کے اں ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جب میرے بندے آپ کے پاس آئیں اور میرے بارے میں پوچھیں اور مجھے آپ کے ذریعہ ڈھونڈیں تو میں اُن سے قریب ہی ہوں اور اگر آپ سے دُور رہیں تو خواہ مجھے مسجدوں میں ڈھونڈیں یا کعبے میں اُن سے دُور ہی ہوں۔

عِبَادِیْ فرما کر اس ہی جانب اشارہ کیا گیا۔ یعنی میری ہر قسم کی عبادت کرنے والے اور ہر طرح کے نیک بندے آپ سے پوچھ کر میرا پتہ لگا سکتے ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا دروازہ ہیں مالک سے ملنا ہو تو اس کے دروازے پر ہی جایا جاتا ہے۔ چھت چھپت اور دوسری دیواریں اگرچہ مالک ہی کی ہیں مگر وہ مالک کے ملنے کی جگہ نہیں۔ شعر

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

قَرِیْبٌ۔ قرب سے بنا بمعنی نزدیکی۔ دُور کا مقابل۔ قُرب کئی قسم کا ہوتا ہے۔ قُرب مکانی۔ جیسے کہا جاتا ہے گجرات وزیر آباد سے قریب ہے۔ قُرب زمانی جیسے جمعرات جُمعہ سے قریب ہے۔ قُرب جنانی۔ دل کے قریب ہونا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ آج کل پاکستان سے کابل دُور ہو گیا یعنی پاکستان کے تعلقات کابل سے اچھے نہیں۔

قُرب درجہ۔ جیسے وزیر بادشاہ کے قریب ہے۔ یعنی مرتبے اور درجے میں اُس کے قریب ہے اور قُرب کرم و مہربانی۔ یہاں آخری قُرب مراد ہے یعنی اللہ کا کرم۔ اللہ کی رحمت اُس کی مہربانی ان بندوں سے قریب ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ مکانی اور زمانی قُرب سے پاک ہے۔ اس لئے کہ وہ نہ تو کسی مکان میں ہے نہ زمانے میں۔ جب مکان اور زمان نہ تھا تب بھی وہ تھا اور جب یہ سب کچھ فنا ہو جائیگا تب

بھی وہ رہے گا۔
اس آیت کریمہ کی تفسیر وہ آیت ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کاروں کے قریب ہے۔ اس آیت نے بتا دیا کہ ان جیسی آیتوں میں قرب ربی سے مراد رحمت کا قرب ہے نہ مکانی نہ زمانی۔

خیال رہے کہ اللہ کا علم اس کی قدرت اس کی رزاقیت ہر بندے سے قریب ہے اس کے متعلق ارشاد ہوا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور ارشاد ہوا نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ہم بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں ان سب آیتوں میں علم و قدرت کا قرب مراد ہے۔ اور اس آیت کی اِنِّیْ قَرِیْبٌ میں رحمت کا قرب مراد ہے لہٰذا وہ آیتیں اپنے مقام پر درست ہیں اور یہ آیت اپنی جگہ درست۔

یاد رہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے ہر وقت ہی قریب رہتا ہے۔ مگر چند وقتوں میں خصوصیت سے بہت قریب ہوتا ہے ایک تہجد کے وقت، جب بندہ اپنے گناہ اور اس کی رحمت کو یاد کرکے روتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ کون سا گناہ ہے جو میں نے نہیں کیا اور وہ کونسا کرم ہے جو تو نے نہیں کیا۔ جس لائق میں تھا میں نے کر لیا اور جو تیری شان کے لائق ہے وہ تو کر۔ گناہ میں نے کرلئے بخش تو دے۔ درخت خاردار سے کانٹے ہی نکلتے ہیں اور درخت باردار پھل ہی دیتا ہے یہ آواز عرش کو ہلا دیتی ہے۔ دوسرے تلاوت قرآن شریف کے وقت، تیسرے نوافل نمازیں، چوتھے سجدے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ نوافل کے ذریعے بندہ رب سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ بندے کے اعضاء میں ربانی طاقتیں کام کرتی ہیں۔ پانچویں اللہ کے مقبول بندے کے آستانہ پر حاضری کے وقت مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا — او نشیند در حضور اولیاء

یہ وہ حالات ہیں جن میں رب تعالیٰ اپنے بندے کے بہت قریب ہوتا ہے۔ خیال رہے ایک ہے بندے کا رب سے قریب ہونا دوسرا رب کا بندے سے قریب ہونا۔ وہ کریم تو ہم سے قریب ہے مگر ہم اس سے دور ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

یار نزدیک تر از من بمن است — ویں عجب بیں کہ من از وے دورم

مبارک ہیں وہ بندے جو رب سے قریب ہیں اور سعید ہیں وہ ساعتیں جن میں بندہ رب سے قریب ہو۔ اس قرب کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بندے کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ رب میرے ساتھ ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس تصور کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ گناہ کرنے پر دلیری نہیں کرتا اور دُنیا کا کوئی حال بندے کو رب سے غافل نہیں کرتا یہ بہت بڑا مقام ہے۔

دوسرا یہ کہ بندے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں رب کو دیکھ رہا ہوں اُس کا جمال میری آنکھوں کے سامنے ہے اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندے کی آنکھیں تر رہتی ہیں۔ دل میں سوز و گداز رہتا ہے عبادتوں میں لذت آتی ہے یہ قرب پہلے قرب سے بلند و بالا ہے۔

حکایت:۔ ایک شخص نے اپنی عُمر کے اسّی سال تقوٰی پرہیزگاری اور عبادتوں میں گذارے جب زندگی ختم ہونے کا وقت آیا تو شیطان نے اُسے بہکایا۔ انسانی شکل میں اس کے پاس آ کر کہنے لگا کہ تُو ہر وقت کِسے پکارتا ہے وہ بولا اپنے ربّ کو۔ ابلیس نے کہا کہ اس عرصے میں رب نے بھی تجھے پکارا یا پکار کے جواب میں لبیک فرمایا وہ بولا نہیں۔ شیطان بولا کہ تو بڑا پاگل ہے تو ایسے کو کیوں پکارتا ہے جو تیرا جواب نہیں دیتا۔ کسی کو دو چار بار خط لکھتے ہیں مگر اُدھر سے جواب نہ آئے تو خط بند کر دینے چاہئیں عابد اس کے بہکانے میں آ گیا۔ سارے ذکر اذکار چھوڑ بیٹھے۔ حتیٰ کہ ایک دن نمازِ عشاء بھی نہ پڑھی۔ رب نے اپنے فرشتوں سے پوچھا کہ فلاں بندے کی نیکیاں آنا بند کیوں ہو گئیں۔ ملائکہ نے عرض کیا شیطان نے اس کو راہ ماردیا۔ حکمِ الٰہی ہُوا کہ اُسے آنے دو۔ پُرانا حاضر باش ہے۔ عابد رات کو سویا۔ خواب میں ربّ تعالٰی کی زیارت نصیب ہوئی۔ پوچھا میرے بندے تو نے میری یاد کیوں چھوڑ دی۔ اس نے عرض کیا کہ اے مولا! تجھے پکارتے پکارتے میری عُمر گذر گئی۔ مگر تیری طرف سے ایک بار بھی جواب میں لبیک نہ سُنا۔ فرمایا ؎

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست

ایں گداز و سوز و درد از پیک ماست

یعنی اے بیوقوف تیرا ہمیں یاد کرنا یہی ہماری لبیک ہے اور تیرے دل میں سوز و گداز۔ درد کی کسک پیدا ہونا یہ ہمارا قاصد ہے۔ جو تجھے ہماری بارگاہ میں حاضر لاتا ہے غرض کہ اس درجے میں فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کی ایسی جلوہ گری ہوتی ہے کہ سبحان اللہ۔

صوفیا فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ مجھے ڈھونڈنا ہے تو اپنے میں ڈھونڈو کیونکہ میں تم سے قریب ہی رہتا ہوں۔ دیکھو میں تم ہی میں ملوں گا۔ جس نے رب کو اپنے میں نہ ڈھونڈا ادھر اُدھر ہی بھاگا پھرا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

حکایت:۔ کسی سرائے میں ایک جوہری ٹھہرا ہوا تھا۔ جس کے پاس بڑے بیش قیمت موتی تھے۔ ایک دن اُس نے یہ موتی سرائے والوں کو دکھائے اور اپنی جیب میں سے ایک ڈبیہ نکالی جس میں ایک شب چراغ موتی تھا اور بولا کہ یہ موتی اندھیرے میں اُجالا کر دیتا ہے اس کی قیمت بادشاہوں کے خزانے بھی ادا نہیں کر سکتے۔ اُن دیکھنے والوں میں ایک چور بھی تھا۔ جس نے اس ڈبیہ کو چُرانے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اُس نے جوہری سے دوستی پیدا کی اور بولا کہ آپ کہاں جائیں گے۔ جوہری نے اپنا مقام بتایا۔ پھر اُس سے پوچھا۔ یار تو کہاں جائے گا۔ چور نے اپنا مقام بھی وہ ہی بتا دیا۔ جوہری نے کہا۔ کہ اچھا ہم تم رفیق سفر ہیں۔ ساتھ چلیں گے۔ ساتھ ٹھہریں گے۔ ساتھ کھائیں گے پئیں گے چور تو یہ چاہتا ہی تھا۔ فوراً راضی ہو گیا۔ اس نے پتہ لگا لیا کہ ڈبیہ جوہری کی واسکٹ کی جیب میں رہتی ہے۔ جوہری بھی تاڑ گیا کہ یہ کوئی چور ہے۔ اس ڈبیہ کے لالچ میں میرے ساتھ ہو لیا ہے دونوں چل دیئے۔

دوسرے شہر پہنچ کر سرائے کا ایک ہی کمرہ دونوں نے لیا۔ رات کو یہ دونوں کپڑے اُتار کر سوئے جوہری نے وہ ڈبیہ اپنی جیب سے نکال کر چور کی واسکٹ کی جیب میں ڈال دی اور دونوں سو گئے رات گئے چور اُٹھا اور اُس نے جوہری کے سارے کپڑے تلاش کئے لیکن ڈبیہ نہ پائی سمجھا کہ ڈبیہ جوہری کی جیب سے گر گئی۔ سویرے اندھیرے میں جوہری نے یہ ڈبیہ چور کی واسکٹ سے نکال کر اپنی واسکٹ میں ڈال لی۔ چور نے باتوں باتوں میں پوچھا کہ سیٹھ جی وہ ڈبیہ کہاں ہے۔ جوہری نے اپنی جیب سے ڈبیہ نکال کر دکھا دی۔ چور حیران ہو گیا۔ سمجھا کہ میری تلاش میں کمی ہے دونوں آگے بڑھ گئے۔ کسی اور شہر میں پہنچ کر سرائے میں ٹھہرے۔ جوہری نے وہ ہی ترکیب آج بھی کر دی چور نے جوتی کی ایڑیاں۔ واسکٹ۔ کرتے کی جیبیں اور اُس کا سارا سامان چھان مارا۔ مگر ڈبیہ نہ ملی۔ یقین کر لیا کہ آج وہ ڈبیہ یقیناً کھو گئی۔ دن چڑھتے پر چور نے پھر سیٹھ سے ڈبیہ پوچھی تو سیٹھ نے اپنی جیب سے نکال کر دکھا دی۔ اب چور کی حیرت کی انتہا نہ رہی غرضکہ سیٹھ اور چور دونوں منزل بمنزل جاتے رہے

اور یہی تماشا ہوتا رہا۔ آخر ایک دن چور نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ آج رات سیٹھ کی مکمل تلاشی لینا ہے۔ حتیٰ کہ اگر دورانِ تلاشی سیٹھ جاگ بھی جائے تو اُس سے نپٹ لوں گا۔

چنانچہ کسی سرائے میں پہنچے اور یہ دونوں ایک کمرے میں ٹھہرے۔ آج رات اُس چور نے سیٹھ کے کپڑے ڈھونڈے اُس کی پیٹیاں کھول کر تلاشی لی۔ جب کہیں ڈبیہ نہ ملی تو سیٹھ کا مُنہ چیر کر دیکھا۔ مگر ٹٹولی۔ جوہری بھی دانستہ طور پر سوتا بنا رہا۔ دل میں کہتا تھا کہ لگا لے اپنا زور جب چور نے ڈبیہ نہ پائی تو یقین کر لیا کہ آج ڈبیہ یقیناً کہیں گر گئی ہے صبح ہونے پر سیٹھ سے پوچھا جناب ڈبیہ کہاں ہے۔ سیٹھ نے اپنی واسکٹ کی جیب سے نکال کر کہا۔ کہ یہ ہے۔ چور حیران رہ گیا۔ اپنا سر سیٹھ کے قدموں پر رکھ کر بولا کہ میں چوری میں بڑا کامل ہوں مگر تو حفاظت میں میرا بھی اُستاد نکلا۔ اے اُستاد میں نے تمہاری مکمل تلاشی زور لی مگر ڈبیہ نہ پائی۔ صرف چوری کی نیت سے تیرے ساتھ رہا۔ بتاؤ ڈبیہ تو رات کو کہاں رکھتا ہے۔ سیٹھ بولا۔ تو نے کہاں ڈھونڈا۔ چور بولا۔ تیرے کپڑوں میں۔ تیری پیٹی میں۔ تیرے سامان میں۔ تیرے بستر پر۔ تیرے تکیے کے نیچے۔ سیٹھ بولا کہ تُو نے ہر جگہ ڈھونڈا۔ اپنی جیب میں ہاتھ نہ ڈالا۔ ڈبیہ تیری جیب میں تھی اگر تو اپنے کو تلاش کرتا تو موتی پا لیتا۔

یہی معاملہ یہاں ہے رب کو اپنے میں ڈھونڈو۔ خود فرماتا ہے وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ وہ آیت کریمہ گویا فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کی شرح ہے۔ شعر۔

تیرے میں دیکھا جو اُس پردہ نشیں کو تو کھلا
میرے ہی دل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ۔ اس جملے کی دو تفسیریں ہیں:۔

ایک یہ کہ اُجیبُ کے معنے ہیں۔ جواب دیتا ہوں مَیں۔ دعوت کے معنے پکارنا اور بُلانا ہے۔ ترجمہ یہ ہوا کہ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے یا بُلاتا ہے میں فوراً اُس کی پکار کے جواب میں لبیک فرماتا ہوں۔ اکیلے میں پکارتا ہے تو اس کا جواب اکیلے میں دیتا ہوں اور جماعت میں پکارتا ہے تو اس کا جواب بھی فرشتوں کی جماعت میں ہی دیتا ہوں۔ پھر جس نوعیت سے مجھے پکارتا ہے اسی نوعیت سے مَیں اُسے جواب دیتا ہوں۔ بندہ کہتا ہے یا ربّ اے میرے پالنے والے مَیں حاضر

...یتا ہوں۔ یَا عَبْدِیْ۔ اے میرے پالے ہوئے۔ بندہ کہتا ہے۔ اَذْنَبْتُ۔ میں نے گناہ کر لیا۔ میں کہتا ہوں ...غفرتُ۔ مَیں نے بخش دیا۔ بندہ کہتا ہے میں مصیبتوں میں گھر گیا۔ مَیں کہتا ہوں گھبرا نہیں۔ میں تیرے ساتھ ...ہوں۔ اس کی شرح وہ حدیث قدسی ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ مجھے اپنے دل میں یاد ...کرتا ہے تو ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ میں بھی اُسے نفس میں یاد کرتا ہوں اور جب بندہ مجھے جماعت میں ...یاد کرتا ہے تو ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْہُ تو میں بندے کو اُس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں ...خیال رہے کہ اس صورت میں الداعِ میں ال عہدی ہوگا۔ اور پکارنے والے سے وہ پکارنے والا مراد ...ہوگا جو مومن ہو۔ مخلص ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے پکارے۔ لہٰذا یہ آیت کریمہ اس آیت ...کے خلاف نہیں کہ وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کہ کافروں کی پکار برباد ہے کیونکہ وہاں ...کافروں کی پکار مراد ہے اور یہاں مومنوں کی۔ اس جملے سے دو فائدے حاصل ہوئے۔

ایک یہ کہ نماز روزے کی طرح رب کو پکارنا بھی عبادت ہے۔ اسی لئے سُنت یہ ہے کہ ہر دعا سے پہلے ...رب کو پکارا جائے بعد میں عرض معروض کی جائے چنانچہ انبیاء کرام دعا سے پہلے کہتے تھے رَبَّنَا یا اَللّٰھُمَّ ...کہہ کر رب کو پکار پہلے لیتے تھے۔ دوسرے یہ کہ باقی ساری عبادتوں کا ثواب یا فائدہ اس عالم میں ملے گا مگر رب ...کو پکارنے کا فائدہ یہاں بھی مل جاتا ہے۔ کہ اس کی پکار کے جواب میں رب تعالیٰ بھی ہم سے خطاب فرماتا ہے ...یہ کیسی خوش نصیبی ہے کہ ہمارے معمولی پکارنے سے اُس بارگاہ عالی میں ہمارا ذکر آجائے۔

حکایت:۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبی بن کعب سے فرمایا۔ اے اُبی مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ ...حضرت اُبی نے عرض کیا یا حبیب اللہ! میری کیا مجال کہ حضور کو قرآن سناؤں آپ خود صاحب قرآن ہیں ...آپ کو تو حضرت جبریل قرآن سناتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ مجھے رب نے حکم دیا ہے کہ تم سے قرآن سُنوں۔ ...حضرت اُبی بولے۔ کہ رب نے میرا نام لیا ہے۔ فرمایا ہاں۔ حضرت اُبی کو وجد آگیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو ...گئے۔ اس فرمان پر بعض ناسمجھ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب ہم رب تعالیٰ کا جواب سُنتے ہی نہیں تو اس کے جواب ...دینے سے کیا فائدہ۔ اس کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ اور ایک عاشقانہ۔

جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ بلا واسطہ رب کا کلام سُننا ضروری نہیں۔ پیغمبر کا فرما دینا علماء کرام کا مخلوق ...تک پہنچا دینا گویا ہمارا کلام الٰہی سُن لینا ہی ہے۔ بادشاہ ہر فرد و بشر سے کلام نہیں کیا کرتے بلکہ اُن کی طرف سے ...حروف چھپ جاتے ہیں۔ خدام اُن کا کلام پہنچا دیتے ہیں۔ رب نے اپنی کتابوں میں اس کا اعلان کر دیا۔ انبیاءٌ

کے ذریعے ہم سے کہلوا دیا یہ کافی ہے۔

جوابِ عاشقانہ یہ ہے کہ آواز کان سے ہی نہیں سُنی جاتی اور نہ ہر چیز آنکھ سے دیکھی جاتی ہے ہم خواب میں بہت سی آوازیں سُن بھی لیتے ہیں اور بہت سی چیزیں دیکھ بھی لیتے ہیں۔ حالانکہ اُس وقت یہ آنکھ اور کان معطل ہوتے ہیں۔ معلوم ہُوا کہ اِس دُنیا میں ہی دل کی آنکھیں اور کان کام کرتے ہیں۔ اس عالم کا نمونہ ہے واقعی ربّ تعالیٰ ہماری پکاروں کا جواب دیتا ہے اور وہ جواب ہم سنتے بھی ہیں مگر دل کے کانوں سے۔ اُس وقت دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے وہ کیفیت ہی اس آواز کا سننا ہے

اِس جُملے کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ قبول کرتا ہوں دُعا کرنے والے کی دُعا جب وُہ مجھ سے دُعا کرتا ہے اس سے معلوم ہُوا کہ دُعا مانگنا بھی بڑی بہترین عبادت ہے۔ دُعا کے متعلق تین چیزیں قابلِ غور ہیں۔ دعا کے فضائل۔ دعا کے مسائل۔ دعا پر سوال جواب۔

فضائلِ دُعا:۔ دُعا کے فضائل بے شمار ہیں۔ جن میں سے چند اس صحیفہ میں عرض کئے جاتے ہیں

(۱) دُعا مانگنا سنتِ انبیاء ہے کہ از حضرتِ آدم تا حضور محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سارے نبیوں نے بہت سی دعائیں مانگیں۔ جن پیغمبروں نے بعض اوقات دُعا نہ مانگی۔ اس میں خاص حکمت تھی وہ یہ کہ ان بزرگوں نے محسوس فرمالیا۔ کہ یہ ربّ کی طرف سے ہمارا امتحان ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس وقت اس کے دفعیہ کی دُعا مانگنے سے بے صبری میں شمار ہو جائے اور ہمارے نمبر کم ہو جائیں۔

حکایت ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب گوپھن سے نکل کر نمرود کی آگ کی طرف چلے۔ رستے میں حضرت جبریل علیہ السلام ملے عرض کیا۔ اے اللہ کے خلیل کیا حال ہے فرمایا الحمد للہ بہت اچھا ہے عرض کیا کچھ آپ کو حاجت ہے۔ فرمایا تم سے کچھ نہیں۔ عرض کیا کچھ رب سے حاجت ہے۔ فرمایا كَفَانِيْ عِلْمُهٗ بِحَالِيْ عَنْ سُؤَالِيْ ۔

مصرع:۔ پیش خبیر کیا مجھے حاجت خبر کی ہے

اسی طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہُوا تو اُس کے دفعیہ کی دعا نہ کی۔ بلکہ فوراً ہی چھری لے کر تیار ہو گئے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ تو اُس کے دفعیہ کی دُعا نہ کی۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا مانگی اَللّٰهُمَّ اٰتِ حُسَيْنِيْ صَبْرًا جَمِيْلًا وَّاَجْرًا جَزِيْلًا الٰہی میرے حسین کو صبر اور اجر دے بچوں

ان سے روکا نہیں کرتے بلکہ اُن کے پاس ہونے کی دعائیں مانگتے ہیں۔
غرضکہ امتحان اور ہے اور اظہارِ بندگی کچھ اور۔ امتحان کے وقت دعا نہ کرنا بہتر اور اظہار کے وقت دُعا مانگنا افضل۔ مگر چونکہ ہم امتحان اور غیر امتحان میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں ہی دُعا مانگنی چاہیئے۔ یعقوب علیہ السّلام کا ملاقاتِ یوسف علیہ السّلام کی دُعا نہ مانگنا، یوسف السلام کا جیل سے رہا ہونے۔ باپ سے ملنے۔ وطن پہنچنے وغیرہ کی دعا نہ کرنا۔ اسی وجہ سے تھا حضرات آنکھ والے ہیں امتحان اور غیر امتحان میں فرق کر سکتے ہیں۔

(۲) دُعا مانگنے میں اظہارِ عبدیت ہے بندے کی شان ہی یہ ہے کہ اُس کے ہاتھ اپنے مولا کے آگے پر پھیلے رہیں۔ فرشتے جو معصوم ہوتے ہیں جنہیں کھانے پینے۔ بیماری وغیرہ کی کوئی حاجت ۔ وہ بھی دُعائیں مانگتے ہیں۔ اپنے لئے۔ نہیں بلکہ مومن انسانوں کی مغفرت کے لئے :۔
الَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ یُسَبِّحُوْنَ ۔۔۔ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ

(۳) بہت دُعا مانگنے سے دل میں عجز و طبیعت میں انکسار پیدا ہوتا ہے اور عجز و انکساری ہی دریائے رحمت الٰہی کے جوش میں آنے کا سبب ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

عجز کارِ انبیاء و اولیاء است — عاجزی محبوب درگاہ خدا است
زور را بگزار و زاری را بگیر — رحم سوئے زاری آید اے فقیر

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ؎

ہر کجا دردے دوا آنجا رسد — ہر کجا آبے رواں آنجا رسد

دل میں درد پیدا کرو تاکہ دوا نصیب ہو۔ طبیعت کو پست کرو تاکہ رحمت کا پانی وہاں جمع ہو۔

(۴) دُعا مانگنے سے گناہوں سے نفرت اور اطاعت الٰہی کی رغبت پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب ہر وقت رب سے مانگنا ہوا تو اُسے راضی رکھنے کی کوشش بھی کی جائے گی۔

(۵) رب غنی ہے ہم محتاج۔ اُسے ہماری پرواہ کیا۔ دُعا ہی وہ چیز ہے جس سے وہ ہماری پرواہ بھی کرتا ہے اور ہم پر کرم بھی فرماتا ہے خود فرماتا ہے قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فرما دیجئے محبوب اگر تمہاری دُعائیں نہ ہوں۔ تو میرا رب تمہاری پرواہ کیا کرے۔ غرضکہ جو بندہ چاہتا ہو کہ میں ہر وقت رب کی نظرِ کرم میں رہوں۔ وہ ہمیشہ دُعا مانگتا رہے۔

دُعا کے مسائل:۔ دیگر عبادات کی طرح دُعا کے لئے بھی کچھ وقت ہیں جن میں دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ کچھ جگہیں ہیں۔ کچھ شرائط۔ کچھ آداب۔ اگر اُن کی پابندی کی جائے تو انشاءاللہ وہ ضرور قبول ہوگی۔ ربّ نے وعدہ فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ تم مجھ سے دعا مانگو۔ میں قبول کروں گا اگر ہماری کوئی دُعا قبول نہ ہو تو سمجھ لو کہ ہماری طرف سے کوئی کمی ہے۔ ربّ کا وعدہ سچا ہے۔ شعر:۔

میری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں
میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

دُعا کے اوقات:۔ چند وقتوں میں دُعا بہت قبول ہوتی ہے۔ جمعے کے دو خطبوں کے درمیان خطبے اور نماز کے بیچ میں۔ آفتاب ڈوبتے وقت۔ رمضان میں سحری اور افطاری کے وقت۔ شب قدر میں تمام رات۔ روزانہ اخیر رات یعنی تہجد کے وقت ختم قرآن کے وقت آب زمزم پی کر۔

دعا کی جگہیں:۔ چند مقامات پر دُعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ ماں باپ کی قبر کے پاس۔ کعبے معظمہ میں رُکن یمانی اور سنگِ اسود کے درمیان۔ تنعیم کے پاس۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک پر۔ بزرگانِ دین کے مزارات کے پاس۔

دیکھو ربّ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ۔ دمشق کے دروازے میں سجدہ کرتے جاؤ اور وہاں جاکر دُعا کرو بخش دیں گے۔ وہاں کیوں بھیجا؟ اس لئے کہ وہاں مزارات انبیاء تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کی قبر قبولیت دُعا کے لئے تریاق ہے۔ زندہ اولیاء و علماء کی محفل پاک میں دُعا بہت قبول ہوتی ہے۔ دیکھو ربّ فرماتا ہے هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا الخ اسی جگہ جہاں حضرت مریم جنّت کے میوے کھا رہی تھیں۔ زکریا علیہ السلام نے اپنے ربّ سے دُعا کی قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةًۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ عرض کیا اے میرے مولا! مجھے پاک اولاد عطا فرما۔ اس آیت کریمہ نے بتایا کہ زندہ اولیاء کے پاس ربّ سے دُعا کرنا سنّت انبیاء ہے اس سے بھی زیادہ صریح یہ آیت ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ اور یہ عقل میں بھی آتی ہے کہ بزرگوں کے آستانے پر دُعا زیادہ قبول ہونی چاہیئے کیونکہ۔ شعر

سچ پال پریت کو توڑت ناہیں جو ہاتھ پکڑیں وہ چھوڑت ناہیں
گھر آئے کو خالی موڑت ناہیں

محبت الٰہی نہیں دیکھتی کہ آنے والا کیسا ہے بلکہ دیکھتی ہے کہ دروازے والا کیسا ہے۔

دُعا زیادہ کن کی قبول ہوتی ہے: چند شخصوں کی دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے (۱) اولاد کے لئے ماں باپ کی۔ ایک شخص حاضر بارگاہ شریف ہوا۔ عرض کیا یا حبیب اللہ میرے لئے دُعا فرمائیں۔ فرمایا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا جا اُن سے دُعا کرا (۲) نبی کی دُعا۔

خیال رہے کہ دُعا کرانا اور ہے اور دُعا لینا کچھ اور۔ دعا لینا یہ ہے کہ کسی کی ایسی خدمت کی جائے جس سے اُس کا دل خوش ہو جائے اور جوش میں آ کر دل سے دُعا نکل جائے۔ یہ دُعا تیر بہدف ہوتی ہے کیا تمہیں نہیں خبر کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جب یوسف علیہ السلام کی قمیص اپنے ابا نامدار کی خدمت میں حاضر کی آپ خوش ہوئے تو بیٹوں نے عرض کیا قَالُوْا يَآ اَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ۝ ابا جان ہمارے لئے بخشش کی دعا کرو۔ ہم بڑے خطاکار ہیں تو یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ بیٹو! ابھی نہیں تمہارے لئے پھر کبھی دُعا کروں گا۔ یعنی تم مجھ سے دُعا کراؤ مت بلکہ میری دُعا لو۔ تم مجھے بچھڑے ہوئے یوسف کے پاس پہنچاؤ جب اُسے گلے لگاؤں گا تو خود بخود میرا دل تمہیں دعائیں دے گا۔ غور کرو کہ منافقین نے حضور سے دُعا کرائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے دعا بھی کر دی مگر جواب آیا اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ یعنی اے محبوب! اگر تم ان بے ایمانوں کے لئے ستر بار بھی دُعا کرو تو ہم انہیں نہیں بخشیں گے کیوں بخشیں گے؟ اس کی وجہ خود بیان فرما رہا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اے پیارے میں انہیں بخشوں کیسے۔ یہ میرے منکر تیری شان کے منکر ہمیشہ تیرا دل جلاتے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے دُعا کرانے آ جاتے ہیں۔ تم بھی انہیں دفع کرنے کے لئے دعائیہ کلمے فرما دیتے ہو۔ میں تمہارے دل کی کیفیت جانتا ہوں۔ میں اُنہیں ہرگز ہرگز نہ بخشوں گا۔ یہ حال تھا دعا کرانے والوں کا۔ اب دُعا لینے والوں کا حال بھی سن لو۔

حضرت طلحہؓ نے ایک سفر میں دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سفر کر رہے ہیں مگر نیند کا غلبہ ہے جھونکے آ رہے ہیں خیال کیا شاید حضور کو تکلیف پہنچ جائے حضور کے ساتھ چل بیٹھے جب حضور کو تیز جھونکا آتا تو حضرت طلحہؓ ہاتھ دے دیتے۔ رات بھر یہی خدمت کرتے رہے۔ آخر شب میں سرکار نے پوچھا کون؟ عرض کیا حضور کا غلام طلحہؓ۔ فرمایا کیا ہے۔ سارا ماجرا عرض کیا۔ فرمایا جنت

تیرے واسطے واجب ہوگئی۔ یہ ہے دُعا لینا۔ حضرت ربیعہ سے فرمایا کہ مجھ سے کچھ مانگ لے۔ عرض کیا جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں۔ غرضکہ دُعا کرانے اور لینے میں بڑا فرق ہے۔ ہم جیسے گنہگاروں کو اگر کسی بزرگ سے دُعا کرانے کا موقع مل جائے تو بھی غنیمت ہے مگر دُعا لینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اے مسلمانو! اگر تم اب بھی اپنے پیارے نبی کی دُعا لینا چاہتے ہو تو اُن کی ساری سنتوں پر عمل کرو۔ خصوصاً تین چیزوں پر (۱) لڑے ہوئے مسلمانوں کو ملانا (۲) حضور کے احکام اُمت تک پہنچانا (۳) نماز تہجد کی پابندی کرنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین کے لئے فرمایا کہ نَضَّرَ اللّٰہُ۔ اللہ انہیں ہرا بھرا رکھے۔ عادل بادشاہ کی دُعا (۴) مظلوم کی دعا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مظلوم کی دعا کو اجابت الٰہی لبیک فرماتی ہے۔ شعر ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

(۵) بیقرار کی دُعا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اگر خود بیقرار نہ ہو تو کسی بیقرار کی دُعا لو۔ حاجی کی دُعا جب وہ گھر سے نکلے گھر آنے تک۔ بیماری کی دُعا۔ اپنے شیخ طریقت کی دعا۔ اپنے دینی استاد کی دعا معتکف کی دُعا۔ پس پشت دعا کرنے والے کی دُعا۔

دُعا مانگنے کا طریقہ:۔ دُعا کے آداب یہ ہیں کہ اپنی ہتھیلیاں تھوڑے فاصلے سے آسمان کی طرف پھیلائے۔ عام دعاؤں میں سینے یا کندھوں تک ہاتھ اُٹھائے۔ نماز استسقاء جبکہ بارش کی دعا مانگے تو سر سے اوپر اُٹھائے کہ بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جائے۔ طبیعت کو حاضر کرے۔ قبولیت کی امید رکھے۔ نا اُمید کی دُعا قبول نہیں ہوتی پھر حمد الٰہی کرے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ پھر اپنے گناہوں کا اقرار کرے۔ پھر عرضِ حاجات کرے عرضِ حاجات میں خیال رکھے کہ صرف دنیا کی دُعا نہ کرے بلکہ دین اور دُنیا دونوں کی دُعا مانگے کہ ایسی دُعا رب کو بہت پسند ہے۔ مناسب یہ ہے کہ یوں دُعا مانگے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الطَّاہِرِیْنَ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ پھر باقی دعائیں مانگے۔ بہتر یہ ہے کہ دعا صرف اپنے ہی واسطے نہ کرے بلکہ سارے مسلمانوں کیلئے بھی کرے فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ اس جملے پر عشاق وجد کرتے ہیں۔ نہایت نازو والا پیارا کلام ہے رب تعالیٰ مالک الملک ہو کر ہم بندوں سے فرماتا ہے کہ میں تمہاری قبول کرتا ہوں۔ تم بھی میری قبول کرو۔ مجھ سے ہی منوانے کی کوشش نہ کرو۔ کچھ ماننے والے

بات بھی کرو ایک جگہ فرماتا ہے فَاذْكُرُونِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ ان دونوں باتوں پر اہلِ دل لوٹ جاتے ہیں۔ اس جملے کے ماتحت علماء کرام تو یہ فرماتے ہیں کہ دعا کی قبولیت کی شرط تقویٰ اور رب کی اطاعت بھی ہے۔ جو یہ چاہتا ہے رب ہماری مانا کرے اور میری دعا قبول ہوا کرے تو اُسے چاہیئے کہ وہ رب کی مانا کرے۔ اور اُس کی اطاعت کیا کرے۔

حکایت: کسی بزرگ کے پاس ایک شخص نے دعائیں قبول نہ ہونے کی شکایت کی کہ رب نے وعدہ تو قبولیت کا کیا تھا مگر قبول کرتا نہیں اور اس نے یہی آیت پڑھی کہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ شیخ نے فرمایا کہ تم اُس کی نہیں مانتے وہ تمہاری نہیں مانتا فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ پڑھو اگر اپنی منوانی ہے تو اُس کی مانو۔ اس کی تفسیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پاک ہے۔ کہ رب نے اُنہیں بہت سخت احکام دیئے۔ اپنے کو نمرود کی آگ میں ڈالو۔ اپنے بال بچوں کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آؤ۔ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرو وغیرہ۔ اُس اللہ کے خلیل نے ان احکام کی وجہ بھی نہ پوچھی بے دھڑک سب کام کر گزرے۔ اب اپنی باری بھی آئی عرض کیا کہ اے مولا! جس جنگل میں میرے بال بچے رہے اُسے بسادے۔ امن والا شہر بنادے۔ جہاں پیداوار بالکل نہ ہو۔ جہاں کے باشندے بھوکے نہ مریں۔ ہر طرح کے پھل مزے سے کھایا کریں۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر میں میری ہی نسل سے پیدا ہوں۔ دنیا میں میرا ذکر خیر رہے۔ رب نے اُن کی ساری مان لی۔ انکار تو کیا کسی دعا کی وجہ بھی نہ پوچھی یہ ہے اس آیت کریمہ کی تفسیر

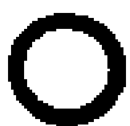
صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہماری دنیاوی زندگی چند روز کی ہے۔ چاہیئے کہ ہم یہاں رب کی مانیں۔ اگر اس پر ہم نے عمل کر لیا تو اُخروی زندگی جو ابدالآباد تک کی ہے اس میں رب ہماری مانے گا۔ فرماتا ہے لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ تو اس کی بندہ نوازی ہے کہ وہ کبھی ہماری کچھ مان لیتا ہے اور حق تو یہ ہے کہ ہمارا اس پر دعویٰ ہی کیا ہے وَالْيُؤْمِنُوْا بِيْ سبحان اللہ! کس نفیس طریقے سے ہمیں سمجھایا گیا کہ مجھ پر اعتماد رکھو کہ میں رب ہوں تم بندے ہو اگر میں تمہاری دعا قبول نہ کروں تو مجھ پر اعتراض نہ کرنا۔ بلکہ یہ سمجھنا کہ تم اپنی بیوقوفی سے مجھ سے وہ مانگ رہے ہو جو تمہارے لئے مضر ہے میں اپنی کرم نوازی سے تمہیں نہیں دیتا۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ پدر را عسل بسیار است ولیکن پسر گرمی دار است: باپ کے پاس شہد تو بہت ہے اور نادان بیٹا شہد کے لئے ضد بھی کرتا ہے مگر باپ جانتا ہے کہ میرے بیٹے کا مزاج گرم ہے اُسے شہد نقصان دے گا۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ قبولیتِ دعا کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ جو مانگے رب وہی دے دے

دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ وہ تو نہ دے۔ مگر اس دعا کی برکت سے کوئی اور نعمت بخش دے یا کسی آفت سے بچالے اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا الخ تیسرے یہ کہ بندے کی اس دعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنالے۔ اُس کی برکت سے اُس کے درجے اونچے کرے۔ خیال رہے کہ یہاں ہمارے ساتھ شیطان بھی ہے اور نفس امّارہ بھی۔ اس لئے ہم رب سے بسا اوقات بُری چیزیں بھی مانگ لیتے ہیں مگر مرنے کے بعد نفس اور شیطان ہم سے جُدا ہو جائیں گے۔ وہاں صرف روح اور قلب ہی رہیں گے۔ ہم وہاں اچھی چیزیں ہی مانگیں گے۔ اس لئے وہاں رب تعالیٰ ہماری ہر دُعا قبول کرے گا۔ اور یہاں ہر دُعا قبول نہیں فرماتا۔ اب پڑھو وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ مجھ پر اعتماد تو رکھو۔ یا یہ مطلب ہے کہ میرا حکم مانو اور میرے ہر نرم و گرم حکم پر سر جھکا دو۔ وجہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جب تم طبیب کا نسخہ بغیر جرح کے استعمال کر لیتے ہو۔ ولایتی دوائیں بغیر اُس کے اجزاء معلوم کئے کھا لیتے ہو کیونکہ تمہارا اعتقاد یہ ہے کہ طبیب حکیم بھی ہے اور مہربان بھی۔ اور ولایت کے دواساز بڑے قابل اور لائق ہیں تو کیا میری ربوبیت پر اتنا بھی اعتقاد نہیں لہٰذا میرے احکام پر جرح نہ کرو بلکہ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ مجھ پر اعتقاد و اعتماد رکھو۔

لَعَلَّهُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ تاکہ وہ ہدایت پا جائیں۔ ہدایت اور رشد دونوں قریب المعنیٰ ہیں۔ مگر اکثر ہدایت عام ہوتی ہے اور رُشد خاص یعنی ظاہری یا باطنی ہر قسم کی رہبری کو ہدایت کہتے ہیں اور باطنی ہدایت کو رُشد۔ مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں میں یہ تین چیزیں جمع ہوں گی وہ روحانی ایمانی قلبی ہدایت پر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے ان تینوں چیزوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم اس کی درگاہ میں دُعائیں مانگا کریں اور ہمیشہ اُس کی فرمانبرداری کریں اور اُس کے احکام کو بلا چون و چرا مانیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِهٖ وَ نُوۡرِ عَرۡشِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصۡحَابِهٖ وَ بَارِكۡ وَسَلَّمۡ ط



— بکتابت —

خاکپائے اہل اللہ الاحقر سید فاضل شاہ انور قلمکار گجرات


نعیمی کتب خانہ

